مدیر مسئول

محمد منظور نعمانی

اسلام کا نظام عقائد و عبادات؟

سالانہ چندہ
غیر ممالک سے
ایک پونڈ
ہوائی ڈاک کے لیے مزید
محصول ڈاک کا اضافہ

لکھنؤ

# الفرقان

ماہنامہ

اس شمارہ کی قیمت ........ ایک روپیہ ۵۰ پیسے

سالانہ چندہ
ہندوستان سے ...... ۱۰/-
بنگلہ دیش سے ...... ۱۱/-
ضخامت ۸۰ صفحات
قیمت فی کاپی ... ایک روپیہ

جلد ۴۲ | بابت ماہ فروری و مارچ ۱۹۷۴ء مطابق محرم و صفر ۱۳۹۴ھ | شمارہ ۲، ۱




## اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہو، تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے۔ براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۱۰ اپریل تک آجائے ورنہ اگلا شمارہ بصیغۂ وی۔ پی ارسال ہوگا۔

پاکستانی خریدار براہ کرم خط و کتابت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا نمبر خریداری ضرور لکھ دیا کیجیے جو پتہ کی چٹ پر لکھا رہتا ہے۔

تاریخ اشاعت: الفرقان ہر انگریزی مہینہ کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر ۲۰ تاریخ تک کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں۔ ان کی اطلاع ۲۰ تاریخ تک آجانی چاہیے اس کے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

دفتر الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ


[illegible] پرنٹر پبلشر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# نگاہِ اوّلیں

محمد منظور نعمانی

اللہ کے نام اور اس کی حمد سے افتتاح و آغاز اور اسی پر اختتام!

گزشتہ شمارہ پر الفرقان کی اکتالیسویں جلد ختم ہوگئی اور اس شمارہ سے بیالیسویں جلد شروع ہو رہی ہے۔ ــــ اکتالیس برس کی اس طویل مدت میں "الفرقان" کے ذریعہ اگر کوئی دینی خدمت ہوئی تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور صرف اس کی عنایت و کرم سے ہوئی، اور جو غلطیاں ہوئیں وہ اپنی جہالت یا نفس کی شرارت سے ہوئیں۔ آئندہ کے لیے اُسی ربِ کریم سے توفیق ہدایت کی التجا اور شرورِ نفس سے حفاظت کی استدعا ہے۔ وھو حسبہ، ونعم الوکیل ــــ

---

ان اسباب کی وجہ سے جن کا ذکر گزشتہ اشاعت میں کیا جا چکا ہے، اس سے پہلا شمارہ (بابت جنوری) ۲۰ فروری کے بعد شائع ہو سکا تھا اس میں اعلان کیا گیا تھا کہ اس کے بعد انشاء اللہ فروری کا شمارہ شائع ہوگا اور اس کے بعد "خاص نمبر" ہدیۂ ناظرین ہوگا ــــ بعد میں یہ مناسب معلوم ہوا کہ فروری اور مارچ (محرم و صفر) کا شمارہ مشترک شائع کر دیا جائے ــــ چنانچہ یہ شمارہ ان دونوں مہینوں کا مشترک ہے اور ہماری کوشش ہے کہ مارچ کے اندر ہی ناظرین تک پہونچ جائے۔ ــــ صفحات کی کمی کی تلافی انشاء اللہ آنے والے "خاص نمبر" سے ہو جائے گی۔[1]

---

مولانا نسیم احمد فریدی امروہی کے قلم سے حضرت شاہ غلام علی نقشبندیؒ کے مکتوبات کی تلخیص و ترجمہ کا جو سلسلہ "بوئے گل و برگِ گل" کے عنوان سے قریباً دو سال سے جاری تھا اس شمارہ میں اس کی آخری قسط شائع ہو رہی ہے ــــ اللہ تعالیٰ مولانا فریدی کو بہتر سے بہتر جزا عطا فرمائے اس عاجز کا تاثر اور احساس تو یہ ہے کہ اس اُمت کے کتابی ذخیرہ میں رسول اللہ صلی

---

[1] نمبر سے متعلق تفصیلی اعلان اور ضروری اطلاع صفحہ ۹۹، ۱۰۰ پر ملاحظہ ہو۔ (ناظم دفتر الفرقان)

علیہ وسلم کی احادیث پاک کے بعد جو تاثیر اور روح کے سوز و گداز کا جو سامان ان اللہ والوں کے مکتوبات و ملفوظات میں ملتا ہے وہ کسی دوسری جگہ نظر نہیں آتا۔ بلاشبہ یہی حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت مع اثرات اور قلبی کیفیات، واردات کے خصوصی وارث و امین ہیں ـــــ اللہ تعالیٰ اپنی اور اپنے رسول پاک کی محبت کے ساتھ ان پاک نفسوں کی محبت بھی عطا فرمائے اور ان کے فیوض و برکات سے بہرہ ور فرمائے۔

---

ناظرین کرام بھولے نہ ہوں گے اب سے تقریباً ڈیڑھ سال پہلے حضرت مولانا عبد الحیٔ فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم القدر تصنیف "الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل" کا ترجمہ حضرت مولانا کے خانوادہ ہی کے ایک صاحب علم و قلم فرد مولانا مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی (استاذ دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) کے قلم سے شائع ہونا شروع ہوا تھا، اب سے ٹھیک ایک سال پہلے محرم ۱۳۹۱ھ تک اس کی چھ قسطیں تسلسل کے ساتھ شائع ہو چکی تھیں، اس کے بعد سے موصوف کے بعض دوسرے مشاغل اور موانع کی وجہ سے یہ سلسلہ منقطع رہا، اب اس اشاعت سے پھر شروع ہو رہا ہے، خدا کرے کہ آئندہ تسلسل کے ساتھ تکمیل تک جاری رہے۔

اس ترجمے سے متعلق ایک واقعہ بھی قابل ذکر ہے، ناظرین کو یاد ہوگا مولانا مفتی محمد رضا انصاری صاحب نے اس ترجمہ کی تمہید میں "الرفع والتکمیل" کے اس اڈیشن کا ذکر کیا ہے جس کو حلب (شام) کے ایک وسیع النظر محقق حنفی عالم شیخ ابو غدہ عبد الفتاح نے اپنی تحقیق اور تعلیق کے ساتھ بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کی تعلیقات نے کتاب کی قدر و قیمت اور افادیت میں غیر معمولی اضافہ کر دیا ہے، اس اڈیشن کا نسخہ خود شیخ ممدوح نے مفتی صاحب کو بھیجا تھا، وہی ان کے لیے اس ترجمہ کا محرک ہوا ـــــ اُسی زمانہ میں اس کا ایک نسخہ شیخ ممدوح نے راقم سطور کو بھی بھیجا تھا اس کے مطالعہ سے دل میں اس کا داعیہ پیدا ہوا کہ اس کتاب کا یا کم از کم اُس کے اہم مباحث کا جیسے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ پر جرح کا مسئلہ، ترجمہ الفرقان میں قسط وار شائع کیا جائے، پھر خود ہی یہ ترجمہ کرنے کا تہیہ بھی کر لیا ـــــ ابھی میں ترجمہ کا کام شروع بھی نہ کر سکا تھا کہ حجاز مقدس حاضری ہوئی، وہاں مکہ معظمہ میں شیخ ابو غدہ سے ملاقات ہوئی، میں نے اثناء گفتگو میں اپنے اس ارادہ کا ذکر بھی

کر دیا جس سے انہیں تو یقینی طور پر بڑی مسرت ہوئی لیکن میں حجاز پاک سے واپسی کے بعد بھی عرصہ تک ترجمہ کا سلسلہ شروع نہ کر سکا حالانکہ دل پر اس کا بڑا بوجھ تھا خصوصاً اس لیے کہ میں نے شیخ ابو غدہ سے اس کا ذکر کر دیا تھا۔

ایک دن اچانک مولانا مفتی محمد رضا انصاری کا ڈاک سے ایک رجسٹرڈ لفافہ ملا، اس میں ترجمہ کی پہلی قسط تھی اور اس کے ساتھ راقم سطور کے نام خط تھا اس میں لکھا تھا کہ میں نے "الرفع والتکمیل" کے جب پہلا ایڈیشن کا ترجمہ شروع کیا ہے اشاعت کے لیے فلاں ماہنامہ کو بھیجنے کا خیال تھا لیکن اچانک دل میں یہ آیا کہ "الفرقان" میں اشاعت کے لیے آپ کے پاس بھیجوں، چنانچہ بھیج رہا ہوں۔

میں نے یہی سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے کرم سے میرا بوجھ اتارنے کا یہ سامان فرمایا ہے ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ مولانا مفتی محمد رضا انصاری صاحب اس کی اشاعت کے لیے "الفرقان" کو ترجیح دیتے — إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِّمَا يَشَاءُ فَلَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّة۔

پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ اگر راقم سطور خود ترجمہ کرتا تو وہ اتنا رواں اور شگفتہ نہ ہوتا۔

---

## یوپی کا حالیہ الکشن :-

ایک ہی ہفتہ پہلے ہماری ریاست اتر پردیش میں ریاستی اسمبلی کا الکشن ہوا ہے، ہماری یہ ریاست ملک کی سب سے بڑی ریاست ہے اور مسلمانوں کی سب سے زیادہ تعداد اس میں ہے کسی دوسری ریاست میں اس کی آدھی تعداد بھی نہیں ہے، اسی میں مسلمانوں کے اہم مراکز، علیگڑھ مسلم یونیورسٹی، دار العلوم دیوبند اور دار العلوم ندوۃ العلماء وغیرہ ہیں، یہی ریاست مسلمانوں کی اکثر تحریکوں کا سرچشمہ اور مرکز رہی ہے، اس لیے ہمارے ملی نقطۂ نظر سے بھی یہاں کے الکشن کی غیر معمولی اہمیت ہے۔

الکشن کیا ہے؟ — اس بات کا عوامی فیصلہ کہ ملک کا نظم ونسق کس کے سپرد کیا جائے اور حکومتی نظام کون چلائے — جمہوریت نے عوام کو، ہر طبقہ اور فرقہ کے ہر عاقل بالغ کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اس فیصلہ میں حصہ لے، ہر ایک کی رائے کا یکساں وزن ہے — مسلمانوں کو خاص کر ہماری اس ریاست میں مجموعی طور پر ایسی پوزیشن حاصل ہے کہ اگر وہ ذاتی مفادات پست درجہ کے جذبات سے بلند ہو کر حق و دانش کی روشنی اور رہنمائی میں کام کریں تو ایسی حکومت بنانے میں دوسرے تمام عناصر سے زیادہ موثر ہو سکتے ہیں جو ملک کے لیے بھی اور ان کے

بعد نتیجہ ہے ـــ لیکن یہ دیکھ کر بڑا ہی دکھ ہوتا ہے کہ عام مسلمانوں کی بڑی تعداد ملک کی آزادی پر چوتھائی صدی گزر جانے کے بعد بھی اور پانچ چھ الیکشنوں کے بعد بھی الیکشن کو صرف ایک میچ اور کھیل تماشا سمجھتی ہے اور حقیقتیں کھلی آنکھوں دیکھی جا سکتی ہیں ان کو بھی دیکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتی ـــ

حالیہ الیکشن میں باوثوق ذریعہ سے معلوم ہوا کہ فلاں فلاں مقامات پر مسلمانوں کی فلاں بدخواہ پارٹی نے فلاں مسلم پارٹی کا امیدوار پورا خرچ برداشت کر کے صرف اس لیے کھڑا کرایا کہ وہاں کے مسلم ووٹوں کو ضائع اور بے کار کرے الا کہ یہ بات بالکل کھلی آنکھوں نظر آنے والی تھی کہ اس مسلمان امیدوار کو ووٹ دینا اپنے ووٹ کو صرف ضائع کرنا ہے اور یہ کسی کا آلۂ کار ہے، اس کے باوجود ہزاروں مسلمانوں نے اس کھلی حقیقت سے آنکھیں بند کر کے ایسے لوگوں کو ووٹ دیئے ـــ جب مسلمانوں یا ان کی خاصی تعداد اور ان کے کچھ "قائدین" نے طے کر لیا ہے کہ الیکشن جیسے اہم مسئلہ میں بھی وہ اللہ کی دی ہوئی عقل اور بخشی ہوئی آنکھوں سے کام نہ لیں گے تو پھر جو بھی انجام ہو کسی کی کیا شکایت ـــ ایسوں ہی کے حق میں قرآن پاک میں بار بار فرمایا گیا ہے۔ وما ظلمھم اللہ ولکن کانوا انفسھم یظلمون ٥

"الفرقان" کے اکثر ناظرین ہمارے عزیز رفیق اور مخلص دوست "ڈاکٹر محمد آصف صاحب قدوائی" سے واقف ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بالخصوص ملکی اور ملی سیاست کے بارے میں فکر و نظر کا خاص مقام عطا فرمایا ہے، میں نے ان سے کہا تھا کہ اس الیکشن میں مسلمانوں کا جو رول اور رویہ سامنے آیا وہ اس پر "الفرقان" کے اس شمارہ کیلئے لکھ دیں، انھوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ چونکہ "نگاہ اولیں" ہی کے سلسلے کی چیز ہے اس لیے اس کو ان ہی صفحات میں دیا جا رہا ہے۔ آگے اسی کو ملاحظہ فرمایا جائے۔

## الفرقان کی ملکیت اور دیگر تفصیلات سے متعلق اعلان

(مطابق فارم ۴ قاعدہ ۸)

۱۔ مقام اشاعت ... ... ... ... ... ... ... ... کچہری روڈ لکھنؤ
۲۔ وقفہ اشاعت ... ... ... ... ... ... ... ... ماہانہ
۳ و ۴ و ۵۔ پرنٹر، پبلشر اور ایڈیٹر کا نام ... ... ... ... محمد منظور نعمانی
شہریت ... ... ... ... ... ... ... ... ہندوستانی
پتہ ... ... ... ... ... ... ... ... دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ
۶۔ مالکان ... محمد منظور نعمانی

میں محمد منظور نعمانی اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم و یقین میں بالکل صحیح ہیں۔

دستخط
محمد منظور نعمانی
یکم مارچ ۱۹۷۴ء

# حالیہ انتخابات میں مسلمانوں کا رویہ

## صحیح راستہ کیا ہے

ڈاکٹر محمد آصف قدوائی (ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی)

اترپردیش میں مسلمانوں کی تعداد مجموعی آبادی کی سولہ فیصدی ہے اور اس کے ۴۲۵ انتخ حلقوں میں ۲۰۰ سے کچھ اوپر ایسے ہیں جہاں مسلم ووٹ بڑی حد تک فیصلہ کن ہو سکتا ہے۔ صرف یوپی کے دس حلقوں میں مسلم ووٹروں کی تعداد ۳۵۰۰۰ سے زیادہ ہے۔ ۱۲۵ حلقوں میں ۰ اور ۳۵۰۰۰ کے درمیان اور ۲۵ حلقوں میں ۱۰۰۰۰ اور ۲۰۰۰۰ کے اندر۔

کوئی بھی ذات برادری ریاست کی کل آبادی کا دس فیصد سے زیادہ نہیں ہے اور جب واقعہ یہ ہے جب ووٹ عام طور پر سیاسی پارٹیوں اور اُن کے پروگراموں کے بجائے ذات پا خطوط پر ڈالے جاتے ہوں اور برہمن برہمن کو، ٹھاکر ٹھاکر کو، کوری کوری کو اور اہیر اہیر کو سیاسی رجحانات اور وابستگیوں سے صرف نظر کرکے ووٹ دیتا ہو تو مسلم ووٹ کے اتحاد کی اہمیت کو کم نہیں کر سکتا ہے لیکن یہ اس وقت ممکن ہے جب مسلمان ہندوستان کی سیاسی اور آئینی نوعیت آبادی کے تناسب کو ذہن میں رکھتے ہوئے اپنی سیاسی اور انتخابی قوت کے استعمال میں زیادہ دانشمندی اور تدبر سے کام لیں۔

افسوس ہے کہ ریاست کے عام انتخابات جو ابھی حال میں ہوئے ہیں ان میں نے اپنے طرز عمل سے ثابت کر دیا کہ ان کو ووٹ استعمال کرنے کا سلیقہ نہیں ہے، وہ قوت واقف نہیں ہیں اور جذباتی، وقتی اور ہیجانی محرکات سے متاثر ہو کر اپنے ووٹوں کو ضائع گنتی کے چند مقامات کو چھوڑ کر اترپردیش کیا پورے ملک میں مسلمانوں کو اس کا موقع

کہ وہ الکشن میں اپنی عددی فوقیت کو ثابت کر سکیں یا محض اپنے بل بوتے پر کسی اپنے امیدوار کو جتا سکیں —— اپنی حکومت بنانے کی پوزیشن میں آجانا تو دور کی بات ہے، جب یہ صورت حال ہو اور ملک میں مخلوط انتخابات کا طریقہ بھی رائج ہو تو مسلمانوں کی کسی سیاسی تنظیم کا اپنے طور پر الکشن میں حصہ لینا اور اپنے امیدوار کھڑے کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

لیکن اس مرتبہ بھی دو مسلم تنظیموں نے فریق بن کر الکشن میں حصہ لیا اور ان کے امیدواروں کے علاوہ اور بھی بہت سے مسلمان آزادانہ طور پر کھڑے ہوئے جس کے باعث بعض حلقوں میں تو مسلم امیدواروں کی تعداد پانچ چھ تک پہونچ گئی اور ان میں سے اکثر لوگوں یا ان کی پارٹیوں کی طرف سے انتخابی مہم بھی اس انداز سے چلائی گئی گویا کہ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان میں کوئی تبدیلی واقع ہی نہیں ہوئی تھی اور ہم اب بھی اس سے قبل والی سیاسی اور ذہنی فضا میں رہتے تھے۔

اس کا نتیجہ ایک طرف تو یہ ہوا کہ مسلم ووٹ ادھر ادھر بٹ کر بے اثر ہو گئے اور دوسری طرف ایسا ماحول بن گیا جو مسلمانوں کے لیے تو کسی صورت سے نہیں، مسلم مفادات کے دشمنوں کے لیے البتہ مفید ہو سکتا تھا۔

مسلمانوں کے سامنے یوپی کے ۱۹۶۷ء اور ۱۹۶۹ء کے الکشنوں کا تجربہ تھا۔ وہ دیکھ چکے تھے کہ ان میں ایک فریق کی حیثیت سے مسلم مجلس کی شرکت سے یہ تو ہوا نہیں تھا کہ مسلمان جم کر ایک جماعت کے اندر اس کے امیدواروں کی تائید کرتے، ہندو ووٹ ضرور کافی تعداد میں جن سنگھ کی طرف چلے گئے تھے۔ بقول ہندوستانی سیاست کے ایک امریکی طالب علم تھیوڈور رائٹ کے، مسلمانوں کی جداگانہ سیاسی تنظیم کا الکشن میں اگر کوئی نتیجہ نکلا تھا تو یہ کہ اسمبلی کے اندر مسلم ممبران کی [illegible] پہلے کے مقابلہ میں گھٹ گئی تھی اور اسی سے انھوں نے یہ کلیہ اخذ کیا ہے کہ "شمالی ہندوستان میں مسلمانوں کی جداگانہ سیاسی پارٹی کا انجام مسلمانوں کے خسارہ کے علاوہ کسی اور شکل میں برآمد ہو ہی نہیں سکتا۔"

مگر مسلم ووٹروں اور ان کے رہنماؤں نے ان تجربوں سے کوئی سبق نہیں لیا اور ایسی سیاسی بے شعوری اور ناعاقبت اندیشی کا مظاہرہ کیا جس کے ساتھ ہندوستان کے موجودہ حالات میں کوئی اقلیتی گروہ اپنے لیے عزت و عافیت کا مقام نہیں پیدا کر سکتا۔

مسلمان ہندوستان کے قومی وجود کا ایک حصہ ہیں۔ ان کے مفادات کا تحفظ ضروری ہے اور قومی زندگی کے تمام شعبوں میں انھیں اکثریت کے ساتھ مساویانہ حقوق حاصل ہونا چاہئیں۔ ان حقوق سے ان کی محرومی کے کوئی معنی نہیں ہیں اور جہاں بھی اور جس سطح پر بھی اس طرح کا کوئی واقعہ پیش آئے اس کی مذمت کی جانا چاہیئے۔ اور اس کے اثرات کا ازالہ ہونا چاہیے۔ لیکن ان مقاصد کو کیونکر حاصل کیا جائے ـــــ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر ٹھنڈے دل اور احتیاط کے ساتھ ہی غور کیا جا سکتا ہے ورنہ مسلمان اپنے پیروں پر آپ کلہاڑی ماریں گے اور ان کا مستقبل روز بروز زیادہ تاریک اور تشویشناک ہوتا جائے گا۔

اسمیں شک نہیں کہ مسلمانوں کے مخصوص مسائل اور مشکلات ہیں جن کا تعلق مذہبی، ثقافتی اور تعلیمی معاملات سے بھی ہے اور سیاسی معاملات سے بھی لیکن اس کے ساتھ ان کو یہ حقیقت بھی نہ فراموش کرنا چاہیے کہ اگر وہ ان امور میں اپنے لیے مساویانہ آزادی اور حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں تو اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں ایک سیکولر سیاسی اور آئینی نظام قائم ہے۔ اگر اس کے بجائے ہندوستان کی حیثیت ایک ہندو قومی ریاست کی ہوتی تو یہاں مسلمانوں کے مخصوص مسائل اور حقوق کا سوال ہی نہ اٹھتا۔ اس لیے مصلحت کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ کوئی ایسی بات نہ کریں جس سے ملک کے سیکولر عناصر کمزور ہوں اور اکثریت کی فرقہ وارانہ طاقتوں کو شہ ملے۔

مسلمانوں کے اپنی علیحدہ سیاسی پارٹیاں قائم کرنے اور ان کے بل بوتے پر الکشن میں حصہ لینے سے بالکل برعکس نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ انھیں ہمیشہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ ایک ایسے ملک میں جس نے اپنے لیے سیکولر طرز کا سیاسی اور آئینی نظام پسند تو کیا ہے لیکن جس کی اکثریت کے اندر اب بھی ایک ایسا خاصہ بڑا حلقہ موجود ہے جو اگر کسی اور وجہ سے نہیں تو صرف پاکستان کے جواب میں اسے ایک مذہبی ریاست کا رنگ دینے کا شدت سے خواہش مند ہے اور مسلمانوں کی طرف سے فرقہ وارانہ سیاست کی جو بھی علامت ظاہر ہوتی ہے اسے وہ اپنی فرقہ پرستی کا جواز بنا کر پیش کرتا ہے اور اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ یہ ایک ایسا خطرہ ہے جو اب مسلمانوں کو برابر درپیش رہے گا اور اخلاقی طور پر خواہ وہ اسے کتنا ہی غلط کیوں نہ سمجھیں ان کو اس سے نجات ملنے والی نہیں ہے۔ اس لیے اجتماعی اور سیاسی میدان میں وہ جو بھی قدم اٹھائیں اس سے پہلے انھیں اطمینان کر

لینا چاہیے کہ اکثریت کے جارحانہ فرقہ پرستی کے اسیر حلقوں میں اس کا ردِعمل ایسا تو نہ ہوگا جو وسیع تر ملکی
مفادات کو مجروح کرنے والا ہو۔ ایک اعلانیہ اسلامی ملک اپنے مسلم شہریوں کو جو بھی حقوق اور آزادی
دینا پسند کرے مسلمان ہندوستان میں اس کے حقدار نہیں ہو سکتے۔ اس لیے ایسے ذہن سے سوچنا ان کے
لیے کبھی مفید نہیں ہو سکتا جو جداگانہ سیاسی تنظیم کو غذا فراہم بھی کرتا ہے اور اس سے غذا حاصل بھی کرتا
ہے۔ وہ فرقہ وارانہ سیاست کو کافی آزما چکے ہیں اور اس کے نتائج ابھی تک بھگت رہے ہیں۔ اب
انھیں دوسرے اور زیادہ دانشمندانہ طریقوں سے کام لینے کی ضرورت ہے۔

یہ دلیل کہ اکثریتی فرقہ کی بھی تو اپنی جداگانہ سیاسی پارٹیاں ہیں، کوئی وزن نہیں رکھتی، کیونکہ
انسانی مسئلہ میں خالص منطق پر نہیں چلا جاتا ہے، حقائق کا بھی لحاظ کرنا پڑتا ہے۔ اکثریتی فرقہ کا
اپنی فرقہ وارانہ تنظیمیں قائم کرنا اور زیادہ غلط ہے لیکن اس کی اصلاح کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ اقلیتی فرقہ
بھی اپنی علیحدہ پارٹیاں قائم کرنا شروع کر دیں۔ اس سے عمل اور ردِعمل کا ایک ایسا سلسلہ چل کھڑا
ہوگا جو لازمی طور پر اکثریت سے کہیں زیادہ اقلیتوں کے لیے مضر ہوگا اس لیے کہ کمزور اور کم تعداد والے
فرقوں کی مثال اس خربوزہ کی سی ہے جو چاہے خود چھری پر گرے یا چھری اس پر گرے نقصان
اسی کا ہوگا۔ اکثریت کی فرقہ واریت کا مقابلہ اقلیت کی فرقہ واریت سے نہیں کیا جا سکتا۔

مسلمانوں کے لیے جن سنگھ کی مثال میں بھی ایک بڑا سبق ہے۔ حالیہ انتخابات میں اس پارٹی
نے بڑے جوش و خروش سے حصہ لیا تھا اور ہندوستان بھر سے اپنی طاقت سمیٹ کر یو۔پی میں لگا دی
تھی۔ لیکن اس کو ۴۲۵ نشستوں کے ایوان میں ۶۱ سے زیادہ نشستیں نہیں مل سکیں۔ پس اگر اکثریتی
فرقہ کی جن سنگھ جیسی طاقتور جماعت کو مخلوط انتخابات کی وجہ سے اس سے زیادہ کامیابی نہیں ہو سکی
تو مسلمانوں کی کوئی سیاسی پارٹی اسمبلی کے اندر ان کی عددی اور سیاسی اہمیت کی نمائندگی کرنے کی
امید کیونکر کر سکتی ہے؟

اسی الکشن میں مسلم لیگ کو صرف ایک نشست ملی ہے اور مسلم مجلس کے بارے میں کہا جاتا
ہے کہ اس کو چار ملی ہیں۔ اگر یہ دونوں پارٹیاں اسمبلی کے اندر مل کر بھی کام کریں تب بھی وہ کسی معاملہ
میں ذرا بھی موثر نہیں ہو سکتی ہیں۔ وہ مسلمانوں کو کوئی فائدہ اپنے نمائندوں کے ذریعہ نہیں پہنچا
سکتی ہیں۔ ان چند نشستوں کی خاطر اپنی انتخابی طاقت کو منتشر اور توازن کی اہمیت کو ضائع کر دینا

فہم و فراست کی کسی تعریف میں نہیں آتا ہے۔

ملک میں بہت سی سیاسی پارٹیاں ہیں۔ اگر مسلمان کسی ایک پارٹی سے مطمئن نہیں ہیں تو وہ دوسری پارٹی میں شامل ہو سکتے ہیں یا اس کی حمایت کر سکتے ہیں۔ اب یہ بات بالکل بعید از قیاس ہے کہ آبادی کے مسلمانوں جیسے طاقتور حصہ کے جائز مطالبات کی تائید کرنے کے لیے نہ تو کوئی سیاسی پارٹی آمادہ ہو اور نہ اسے آمادہ کیا جا سکتا ہو۔ مسلمانوں میں جو لوگ فرقہ وارانہ سیاست کے قائل ہیں ان کی جانب سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ بیس سال تک مسلمان کانگرس کا ساتھ دیتے رہے لیکن ان کے مسائل حل ہونے کے بجائے اور پیچیدہ ہوتے چلے گئے۔ لیکن وہ اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ ۱۹۶۷ء سے واحد پارٹی کی حکمرانی کا عہد ختم ہونا شروع ہو گیا ہے اور یہ عمل اب برابر بڑھتا ہی رہیگا جیسے جیسے سیاسی پارٹیوں کے درمیان مقابلہ تیز ہوتا جائے گا ان کے اندر ان کے حامیوں کے مطالبات کا احساس ترقی کرتا رہے گا اور یہ نئی صورت حال مسلمانوں کے حق میں مفید ثابت ہوگی بشرطیکہ وہ اپنی عددی اہمیت کو پہچانیں اور کسی چھوٹے سے سیاسی خانہ کے اندر اپنے آپ کو بند نہ کرلیں۔

درسِ قرآن — محمد منظور نعمانی

مرکز والی مسجد — ۲؍ فروری ۷۶ء

# اَصحابِ کہف کا واقعہ ایک مثالی نمونہ

## طوفانی فتنوں کے دور میں دین و ایمان کی حفاظت کے لیے ایک راستہ۔

## دین کے راستہ میں قربانی کرنے والوں کی کس کس طرح مدد کی جاتی ہے

حمد وصلوٰۃ اور اعوذ اور بسم اللہ کے بعد

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝ فَضَرَبْنَا عَلٰۤى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَىُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْۤا اَمَدًا ۝

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ۝ وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا۟ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا

لَقَدْ قُلْنَا إِذًا شَطَطًا ۝ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۢ بَيِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۝ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ۝ وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۝ وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ؕ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ۝

(سورۃ الکہف ع ۱ و ۲)

کیا تم خیال کرتے ہو کہ کہف اور رقیم والے ہمارے عجائبات قدرت میں سے بہت عجیب چیز تھے، جب اُن (حق پرست) نوجوانوں نے (جو بعد میں اصحاب کہف کے نام سے معروف ہوئے) کہف (یعنی پہاڑ کی ایک کھوہ) میں پناہ لینے کا فیصلہ کیا تو دعا کی اے ہمارے پروردگار ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا فرما اور ہمارے اس معاملہ میں فلاح اور ہدایت یابی کا سامان فراہم کردے، تو ہم نے سالہا سال تک اُن کے کانوں پر (نیند کا) پردہ ڈال دیا (یعنی بہت طویل مدت تک کے لیے اُن پر خارق عادت قسم کی ایک خاص نیند طاری کردی) پھر ہم نے (مدت دراز کے بعد) اُن کو اُٹھایا تاکہ ہم جان لیں کہ دونوں گروہوں میں سے کس نے غار میں رہنے کی مدت کو زیادہ صحیح یاد رکھا۔

ہم ان کا واقعہ (اب کسی قدر تفصیل سے) تم سے ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں۔ وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے اُن کی ہدایت میں اور ترقی کردی تھی، اور اُن کے دلوں کو (یقین بھر کے) خوب مضبوط کردیا تھا۔ جب وہ

(ایمانی عزم کے ساتھ) کھڑے ہوئے تو انھوں نے کہا کہ ہمارا رب تو بس وہی ہے جو آسمانوں کا اور زمین کا رب ہے، ہم اس کے سوا کسی کو معبود بنا کر ہرگز نہیں پکاریں گے، (اگر ہم ایسا کریں) تو ہم بڑی بُری اور ظالمانہ بات کریں گے ــــــ یہ ہماری قوم والے ہیں، انھوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا لیے ہیں، یہ اپنے ان خود ساختہ معبودوں پر کوئی روشن دلیل کیوں پیش نہیں کرتے، پس اُس سے زیادہ ظالم (اور غضب ڈھانے والا) کون ہوگا جو خدا پر جھوٹ بہتان باندھے (کہ اس کا کوئی شریک ہے)

اور (ان جوانوں نے باہم یہ بھی کہا کہ) جب تم نے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے اپنی قوم والوں سے اور اُن کے معبودانِ (باطل) سے جن کی وہ خدا کے سوا عبادت و پرستش کرتے ہیں، تو چلو (فلاں پہاڑ کی) کھوہ میں پناہ گزیں ہو جاؤ (یقین ہے) تمھارا پروردگار تم پر اپنی رحمت (کی چادر) پھیلا دے گا، اور تمھارے معاملے میں آرام اور سہولت کا سامان فراہم کرے گا۔

(پھر خدا نے اُن کے ساتھ اپنی خاص رحمت و عنایت کا یہ بھی معاملہ کیا کہ) تم دیکھو گے کہ جب دھوپ نکلتی ہے تو اُن کے اُس کہف کے داہنی جانب سے کترا کے نکل جاتی ہے، اور جب ڈوبنے کے لیے ڈھلنے لگتی ہے تو اُن کو بائیں جانب سے کاٹ کے نکل جاتی ہے، اور وہ اس کہف میں خوب کشادہ جگہ میں ہیں، یہ قدرتِ خداوندی کے خاص معجزوں میں سے ہے۔ اللہ جس کو نورِ ہدایت سے نوازے وہی راہ یاب ہوتا ہے اور جس (بدبخت) کے لیے وہ بے راہی اور گمراہی کا فیصلہ کرے تو تم اسکے لیے کوئی کارساز اور راستہ پر لگانے والا رہنما نہیں پاؤ گے۔ اور تم (ان کو دیکھو تو) گمان کرو گے کہ وہ بیدار اور جاگے ہوئے ہیں حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں اور اُن کا کتا اپنے اگلے دونوں پاؤں پھیلائے کہف کے دروازے پر بیٹھا ہے، اگر تم اُن کو جھانک کے دیکھو تو اُن کی دہشت سے اُلٹے پاؤں بھاگو، اور تمھارے اندر ان کا رعب اور ہیبت بھر جائے۔

(سورۂ کہف۔ آیت ۹ سے ۱۸ تک)

(تفسیر و تشریح) ان آیتوں میں اصحابِ کہف کا واقعہ بیان کیا گیا ہے ـــ اکثر مفسرین نے

ان آیتوں کے بلکہ اس سورۂ کہف کے شانِ نزول میں ایک واقعہ نقل کیا ہے، پہلے اسکو بیان کروں یہ تو معلوم ہے کہ مکہ کے بڑے لوگ عام طور سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور آپ کی دعوت کے مخالف اور سخت مخالف تھے، آپ کی دعوت کے راستے میں ہر طرح کی رکاوٹیں پیدا کرتے تھے، اس سلسلہ میں انھوں نے ایک حرکت یہ بھی کی کہ باہم مشورہ سے ایک وفد مدینہ کے علمائے یہود کے پاس بھیجا کہ وہ اہل کتاب ہیں اور اُن کے پاس وہ علم ہے جو ہمارے پاس نہیں ہے۔ وہ کچھ ایسے مشکل سوالات بتا دیں جن کے ذریعہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا امتحان کریں، مکہ کے اس وفد نے علماء یہود کو یہ ضرور بتلا دیا ہوگا کہ وہ اُمّی ہیں، پڑھے لکھے کچھ نہیں ہیں، اس لیے انھوں نے ایسے تین سوال بتلا دیئے جن کا جواب وہی آدمی دے سکتا ہے جو نبی اور صاحبِ وحی ہو یا اس نے آسمانی کتابوں سے علم حاصل کیا ہو۔ ان میں سے ایک سوال یہ تھا کہ اصحابِ کہف و رقیم کا قصہ کیا ہے؟ دوسرا یہ کہ وہ کون شخص تھا جس نے مشرق و مغرب کا ایک عجیب سفر کیا تھا، اور اس سفر میں بعض محیر العقول کارنامے انجام دیے تھے؟ — تیسرا سوال یہ تھا کہ رُوح کی حقیقت کیا ہے؟ — روایات میں یہ بھی ہے کہ ان علماء یہود نے مشرکینِ مکہ کے نمائندوں کو ان تینوں سوالوں کا جواب بتلا بھی دیا تھا، اور اُن سے کہہ دیا تھا کہ اگر وہ یہی جواب دیں تو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ سچے نبی اور صاحبِ وحی ہیں، اور اگر اس کے خلاف بتلائیں تو پھر وہ نبوت کے دعوے میں جھوٹے اور مفتری ہیں —— چنانچہ قریش کے منتخب سرداروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور وہ سوالات آپ کے سامنے رکھے —— آپ نے فرمایا کہ میں کل ان کا جواب دے سکوں گا — آپ کو اطمینان تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعہ آپ کو جواب بتلا دیا جائے گا —— اس جگہ روایات میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے' (اور قرآن مجید سے اسکی ایک گونہ توثیق ہوتی ہے) کہ آپ نے کل جواب دینے کا جو وعدہ فرمایا تھا اُس کے ساتھ آپ نے "انشاء اللہ" نہیں کہا، غالباً آپ بھول گئے، لیکن چونکہ آپ کا مقام بہت بلند ہے اور مقربین کی معمولی لغزشوں پر بھی گرفت ہو جاتی ہے، عارفوں کا مشہور مقولہ ہے "قربیاں نرا بیش بود حیرانی"۔ اور کسی کا مصرع ہے —— "جن کے رُتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہے" —— اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ذرا سی لغزش پر عتاب ہوگیا یعنی ۱۵ دن تک

وحی نہیں آئی اور آپ اُن لوگوں کے سوالوں کا جواب نہیں دے سکے، اور یہی فرماتے رہے کہ جب میرے اللہ کی طرف سے وحی کے ذریعہ مجھے بتلایا جائے گا جب ہی بتلا سکوں گا ـــــ اس پر مخالفین نے خوب بغلیں بجائیں، اور ظاہر ہے کہ آپ کو اس بات کا صدمہ اور دکھ بھی ہوا ہوگا کہ یہ لوگ اب اپنے کفر میں اور پکے ہو جائیں گے ـــــ ۱۵ دن کے بعد حضرت جبرئیلؑ یہ سورۂ کہف لے کر نازل ہوئے، جس میں دوسرے اہم مضامین کے علاوہ اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے واقعے بھی بیان فرمائے گئے ہیں، جن کے بارے میں سوال کیا گیا تھا، اور روح کے بارے میں جو سوال تھا اُس کے جواب میں سورۂ بنی اسرائیل کی آیت "قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا" نازل ہوئی جو درس میں گزر چکی ہے۔ اور اس کے بارے میں مجھے جو کچھ عرض کرنا تھا وہ میں عرض کر چکا ہوں۔

سورۂ کہف کی جو آیتیں اس وقت میں نے تلاوت کی ہیں اُن میں اصحاب کہف کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے، لیکن قرآن مجید نے اس کو اس طرح بیان نہیں کیا ہے جس طرح مورخین اور وقائع نگار بیان کیا کرتے ہیں، میں نے اسی درس میں بار بار عرض کیا ہے کہ قرآن پاک تاریخ کی کتاب نہیں ہے بلکہ کتاب ہدایت ہے، اس میں جو بھی واقعات اور قصص بیان فرمائے گئے ہیں ہدایت ہی کے نقطۂ نظر سے بیان ہوئے ہیں۔ اس لیے قرآن پاک میں اُن تفصیلات کو بالکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے جن کا ہدایت کے مقصد سے کوئی خاص تعلق نہیں ہوتا ـــــ یہی اصحاب کہف کا واقعہ ہے، اس کے بارے میں یہ بھی بیان نہیں فرمایا گیا کہ یہ کس زمانہ کا واقعہ ہے، کس شہر یا علاقہ کا واقعہ ہے ـــــ بس اتنا ہی بیان فرما دیا گیا جتنے کا بیان کرنا ہدایت اور سبق آموزی کے مقصد سے مفید ہو سکتا ہے ـــــ

پہلی ۳-۴ آیتوں میں واقعہ کا اجمالی بیان ہے، اس کے بعد کی آیتوں میں کسی قدر تفصیل ہے۔ آیتوں کی تشریح سے پہلے اصحاب کہف کا وہ واقعہ بھی سُن لیجئے، جو روایات میں ذکر کیا گیا ہے۔

اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کچھ بعد کے زمانہ کا واقعہ ہے۔ اور ان اصحاب کہف کو حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت پہونچی تھی اور یہ اس پر ایمان لے آئے تھے[1]

[1] ابن کثیر نے اس سے اختلاف کیا ہے ان کی رائے یہ ہے کہ یہ واقعہ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے پہلے کا ہے۔ ۱۲

اور ان کی قوم اور علاقے کے لوگ مشرک اور بُت پرست تھے، اور ان کا بادشاہ یا راجہ بڑا ہی کٹر اور سخت قسم کا بُت پرست تھا، اور جس کے متعلق معلوم ہو جاتا کہ یہ آدمی بُت پرستی کا منکر اور موحد ہے وہ اس کو قتل کرا دیتا تھا۔ ان لوگوں کا کوئی قومی اور مذہبی سالانہ میلہ بھی ہوتا تھا جس طرح ہمارے ملک کے بُت پرستوں کے بڑے بڑے میلے اجودھیا اور ہردوار اور کاشی وغیرہ میں ہوتے ہیں، اس میلہ میں بُتوں کی پُوجا ہوتی تھی، چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے اور اس طرح کے مشرکانہ رسوم اور مظاہرے کیے جاتے تھے ـــــ تو ایک دفعہ یہ میلہ ہو رہا تھا تو چند نوجوانوں کے متعلق یہ معلوم ہوا کہ وہ اس شرک و بُت پرستی کے منکر اور توحیدی ہو گئے ہیں اور وہ ہماری پوجا پاٹ سے الگ رہتے ہیں ـــــ (ہو سکتا ہے کہ ان کو عیسیٰ علیہ السلام یا کسی دوسرے پیغمبر کی دعوتِ توحید کسی ذریعہ سے پہونچی ہو، یا اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں نورِ توحید ڈال دیا ہو) ـــــ تو جب ان نوجوانوں کے بارے میں یہ چرچا ہوا اور بادشاہ تک خبر پہونچی تو اس نے ان کو پکڑوا بلایا اور اُن سے پوچھا کہ تمھاری یہ کیا حرکت ہے؟ ـــــ اللہ نے انھیں توفیق دی انھوں نے ایمانی جرأت سے کہا، ہاں ہمارا تو ایمان اور عقیدہ یہی ہے کہ عبادت اور پوجا کے قابل وہی اللہ ہے جو زمین و آسمان اور سب مخلوقات کا خالق اور پروردگار ہے، اُس کے سوا جو معبود لوگوں نے بنا لیے ہیں ہمیں ان کی عبادت سے انکار ہے ـــــ

روایات میں ہے کہ یہ نوجوان قوم کے اعلیٰ خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے اور بہت ممتاز اور ہونہار تھے، غالباً انہی وجوہ سے بادشاہ نے فوراً ان کے قتل کا حکم نہیں دیا بلکہ ان کو مہلت دی تاکہ یہ اپنے معاملے پر غور کریں، اور اگر زندہ رہنا چاہیں تو اپنے اس نئے مذہب سے توبہ کریں، اور اگر ایسا نہ کریں تو پھر سنگسار کر کے ختم کر دیے جائیں ـــــ ان نوجوانوں نے باہم مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ اس وقت فتنہ سے بچنے کے لیے اور عقیدۂ توحید پر قائم رہنے کے لیے ہمارے واسطے یہ بہتر ہو گا کہ کچھ دنوں کے لیے روپوش ہو جائیں اور پہاڑ کے کسی غار اور کھوہ میں پناہ گزیں ہو جائیں، ہمارا اللہ اپنی قدرت اور رحمت سے ہمارے لیے کوئی راہ نکالے گا ـــــ چنانچہ وہ ایک وسیع غار میں چلے گئے ـــــ اللہ تعالیٰ نے اُن کے ساتھ رحمت کا یہ خاص الخاص معاملہ کیا کہ ان پر ایسی نیند طاری کر دی کہ وہ سیکڑوں سال تک سوتے رہے ـــــ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو بیدار کیا، اور پھر عجیب و غریب طریقہ سے ان کا راز کھلا۔

اب اس سلسلہ میں قرآن مجید میں جو کچھ بیان فرمایا گیا ہے اُس کو سُنئے اور اُس پر غور کیجئے!
ارشاد فرمایا گیا ہے ــــ "اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْکَهْفِ وَالرَّقِیْمِ کَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا ۝"

"کہف" پہاڑوں میں واقع ایسے غار کو کہتے ہیں جو اندر سے بہت کشادہ اور وسیع ہو، "رقیم" کا مطلب متعین کرنے میں مفسرین کی رائیں مختلف ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ رقیم مرقوم کے معنی میں ہے، یعنی لکھی ہوئی چیز، ان حضرات کا خیال ہے کہ اصحاب کہف کے نام ایک کتبے میں لکھے ہوئے تھے، رقیم سے مراد وہی کتبہ ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ رقیم اُس پہاڑ کا نام ہے جس میں وہ کہف واقع تھا، تیسری رائے یہ ہے کہ رقیم اُس شہر کا نام ہے جس کے قریب وہ کہف تھا ــــ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ تورات سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ رقیم شہر کا نام ہے، میں نے خود تورات میں اس کو نہیں دیکھا لیکن اگر ایسا ہے تو پھر یہی قول زیادہ راجح ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ "اصحاب کہف و رقیم" کا واقعہ ہمارے عجائبات قدرت میں سے بہت ہی عجیب تھا ــــ مقصد یہ نہیں ہے کہ ان کا واقعہ خارق عادت اور عجیب نہیں ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ آدمی غور کرے تو اس کو خود اپنے اندر اور باہر کی دنیا میں بھی قدم قدم پر ہمارے) قدرت کے اس سے بھی بڑے عجائبات نظر آئیں گے آدمی اپنی آنکھ کے بارے میں غور کرے، زبان اور کانوں کے بارے میں غور کرے، اپنی روح اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل و فہم کے بارے میں غور کرے تو اسے نظر آئے گا کہ ان میں کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت کی عجیب نشانی ہے ــــ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو بالکل اُمّی (بے پڑھے لکھے) تھے قرآن پاک جیسی کتاب ہدایت پیش کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت کی عجیب ترین نشانی ہے۔ پس یہ خیال کرنا کہ اصحاب کہف ہی کا واقعہ بہت عجیب اور غیر معمولی ہے ایک عامیانہ بات ہے۔ اس کے آگے واقعہ بیان فرمایا گیا ہے ــــ ارشاد ہے۔

اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝

مطلب یہ ہے کہ جب ان حق پرست نوجوانوں نے کہف میں پناہ گزیں ہونے کا فیصلہ اور ارادہ کر لیا تو سب سے پہلے اللہ سے یہ دُعا کی کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اپنی طرف سے رحمت عطا فرما ہم نے بُت پرستی کا راستہ چھوڑ کے صرف تیری عبادت کا راستہ جو اختیار کیا ہے، اور اب تیرے بھروسہ پر پہاڑ کی ایک کھو میں پناہ لینے کا جو فیصلہ کیا ہے تو اُس میں ہمارے لیے فلاح اور ہدایت کا سامان فراہم کر دے ـــــ یہ دُعا " رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا " بڑی ہی عارفانہ دُعا ہے ـ رَبَّنَا کے لفظ میں یہ لطیف اشارہ ہے کہ ہم تجھ کو ہی اپنا پروردگار اور کارساز یقین کرتے ہیں اس لیے اپنی حاجت اور اپنے مسئلے کو تیرے ہی سامنے رکھتے ہیں، پھر سب سے پہلی چیز رَحْمَةً مانگی، اس میں سب کچھ آ گیا ہے، حفاظت بھی آ گئی، روزی بھی آ گئی، اور زندگی کے بلکہ راحت اور آسائش کے بھی سارے سامان آ گئے، ـــــ اس کے بعد " رشد " کی استدعا کی گئی ہے یعنی ہر معاملہ اور ہر حقیقت کو ٹھیک سمجھنے اور ٹھیک فیصلہ کرنے کی توفیق اور اُس پر استقامت ـــــ فی الحقیقت بڑی ہی عارفانہ اور بڑی جامع دعا ہے، یہ ان نوجوانوں پر خدا کی طرف سے الہام ہوئی ہوگی ـــــ اصحاب کہف کے قصہ کے ضمن میں یہ نہایت ہی جامع اور مبارک دُعا ہم کو تلقین فرمائی گئی ہے، مشکلات اور فتنوں کے زمانہ کے لیے یہ بہت ہی مبارک دُعا ہے " رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا "

اس آیت کے لفظ فِتْيَةٌ سے ایک اشارہ یہ بھی ملتا ہے کہ دعوتِ حق کو قبول کرنے والے عام طور سے نئے خون والے جوان ہوتے ہیں، قوم کے بڑے بوڑھے اپنے پرانے راستے سے ہٹنے کے لیے اکثر تیار نہیں ہوا کرتے ـــــ چنانچہ قریش اور مکہ کے اکثر بوڑھے سردار بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف اور دشمن تھے، ـــــ دوسرا اشارہ اس آیت سے یہ بھی ملا کہ جب بندہ کسی اہم اقدام کا ارادہ کرے تو سب سے پہلے خدا کو اپنا کارساز یقین کر کے اُس سے دُعا کرے اور رحمت اور مدد مانگے۔

آگے ارشاد فرمایا گیا ہے۔ " فَضَرَبْنَا عَلٰۤى اٰذَانِهِمْ سِنِيْنَ عَدَدًا ـــــ ضَرَبَ عَلَى الْاٰذَانِ " کا مطلب ہے ایسی گہری نیند طاری کر دینا جس کے بعد کسی قسم کی کوئی آواز کانوں تک نہ پہونچے ـــــ اس کو نیند اور موت کے درمیان کی ایک کیفیت سمجھنا چاہیے ـــــ مطلب

یہ ہے کہ جب وہ ہم پر بھروسہ کرکے اور ہم سے رحمت اور رشد کی دعا کرکے کہف میں پناہ گزیں ہوئے تو ہم نے ان کو اپنی خاص الخاص رحمت سے اس طرح نوازا کہ اُن پر ایسی خارقِ عادت نیند اپنی قدرت سے طاری کردی جس کے نتیجہ میں وہ مدتِ دراز تک بس سوتے ہی رہے ــــ گویا اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتِ خاصہ کی چادر اُٹھا کر ان کو سُلا دیا (آگے آنے والی ایک آیت سے معلوم ہوگا کہ یہ لوگ تین سو سال تک بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ مدت تک سوتے رہے) ــــ

ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ لِنَعْلَمَ أَيُّ الْحِزْبَيْنِ أَحْصَىٰ لِمَا لَبِثُوا أَمَدًا (پھر ہم نے انھیں بیدار کردیا تاکہ ہم جان لیں کہ دونوں گروہوں میں سے کس گروہ نے کہف میں رہنے کی مدت کو زیادہ صحیح یاد رکھا) ــــ آگے اس کا ذکر آرہا ہے کہ جب یہ لوگ اس نیند سے بیدار ہوئے تو ان میں باہم اس بارے میں گفتگو ہوئی کہ ہم لوگ کتنا سوئے؟ بعض لوگوں نے کہا کہ ایک دن یا کچھ کم سوئے ہوں گے۔ دوسرے بعض لوگوں نے کہا کہ اللہ ہی کو علم ہے کہ ہم کتنی مدت سوئے ــــ بظاہر اس دوسرے فریق کا مطلب یہ تھا کہ ہم بہت لمبے سوئے ہیں اور بس اللہ ہی کو خبر ہے کہ کتنی مدت سو لئے ــــ "حِزْبَیْنِ" سے بظاہر یہی دو فریق مراد ہیں ــــ اور "لِنَعْلَمَ" کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پہلے سے معلوم نہیں تھی، اب ان لوگوں کے بیدار ہونے کے بعد معلوم ہوگئی ــــ یہ دراصل قرآن مجید کا ایک خاص اسلوب ہے۔ آپ حضرات کو شاید اس طرح سمجھنا آسان ہوگا کہ دُنیا کے ہر واقعہ کا اللہ تعالیٰ کو ایک تو ازل سے علم ہے، اور ایک جب وہ واقعہ ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہوگیا ــــ مثلاً میری پیدائش کا اللہ تعالیٰ کو ازل سے علم تھا، پھر جب میں اس کے حکم سے پیدا ہوگیا اور عالم وجود میں آیا تو اللہ تعالیٰ کو یہ علم ہوگیا کہ میں وجود میں آگیا ــ تو "لِنَعْلَمَ" سے یہی دوسرا علم مراد ہے، علماء اس کو "علم ظہور" سے تعبیر کرتے ہیں۔

اصحابِ کہف کا مختصر اجمالی بیان ان تین آیتوں پر ختم ہوگیا، اس سے آگے کی آیتوں میں کسی قدر تفصیلی بیان ہے ــ قرآن پاک میں بکثرت ایسا ہے کہ ایک بات پہلے اختصار اور اجمال کے ساتھ بیان کی جاتی ہے، اس کے بعد اس کو تفصیل سے بیان فرمایا جاتا ہے ــــ اور موعظت اور تذکیر کے لیے یہ اسلوب زیادہ مفید ہوتا ہے ــــ

(باقی)

# بوئے گل در برگ گل

## حضرت شاہ غلام علی مجددی دہلویؒ اپنے مکتوبات کے آئینے میں

تلخیص و ترجمہ از مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

(آخری قسط)

مکتوب (۱۴۲) بنام حاجی عبداللہ بخاری

بعد حمد و صلوٰۃ ــــ اس شہر (دہلی) کے بعض فقرا تسخیر اور رجوع خلق کے لیے اسمار پڑھتے ہیں اور تعویذ لکھتے ہیں ــــ اور حضرت علی مرتضیٰؓ کی تفضیل خلفائے ثلثہ پر کرتے ہیں۔ (محرم میں) تعزیے بناتے ہیں، مرثیے سنتے ہیں اور ان دونوں کاموں کا حکم کرتے ہیں، طنبور و سارنگی سنتے ہیں اور بدعتوں کو انھوں نے اپنا طریقہ بنا رکھا ہے...... فاسقین سے ملنے لانے کو اپنا پیشہ کر لیا ہے۔ جلسہ اور قومہ نمازمیں ترک کرتے ہیں اور جماعت اور جمعہ کے بھی تارک ہیں ــــ یہ امور متقدمین صوفیہ میں ہرگز نہیں تھے ....... علمائے اہل سنت و جماعت نے ایسی بدعتوں سے پرہیز کیا ہے۔ معاذ اللہ کہ یہ اعمالِ ممنوعہ صحابہ کرامؓ میں ہوں ــــ جو شخص دینِ اسلام پر جینے اور مرنے کا خواہش مند اور دلدادہ ہو وہ ان دین کے چوروں سے دور رہے

ذکر و شغل اور حبس دم سے گرمی و شورش پیدا ہو جایا کرتی ہے ــــ کشف معتبر نہیں ہے جوگی بھی کشف رکھتے ہیں ــــ فاعتبروا یا اولی الابصار ــــ

دین و دُنیا جمع نہیں ہوتے۔ دُنیا کے واسطے دین کو برباد کرنا عقل کی بات نہیں ہے۔ مشائخ بخارا شریف توکل و تفویض کو اختیار کر کے عملیات اور ان باتوں سے احتراز کرتے ہیں جو ذریعۂ جمع خلق ہوں اور دل کو پریشان کرتی ہوں ــــ انھوں نے عقیدۂ سلف صالحین کے ساتھ ساتھ عمل سنت، عزیمت اور ترک بدعت کو اختیار کیا ہے ــــ حرام اور مکروہات سے جو کیفیت حاصل ہو اُس سے احتراز کیا ہے ــــ حرام کے ذریعے جو بات حاصل ہو وہ بھی حرام ہے۔ ذکر خفی، مرتبۂ احسان کی حفاظت اور دوام توجہ مبدء فیاض اُن کا طریقہ ہے ــــ ان اکابر کی توجہات سے دل بلکہ تمام لطائف جاری ہو جاتے ہیں نیز توجہ و حضور، غیر سے خالی دل، اور جذبات و واردات اور احاطۂ انوار ظاہر و باطن ان لوگوں کو حاصل ہوتا ہے (یہ لوگ) دل کو غیر کے خطرے سے ہٹا کر حضور و مشاہدہ کے ساتھ اعمالِ سنت و عزیمت سے باطن آراستہ کرتے ہیں۔

سُبحان اللہ یہ عجیب سعادت و عبارت ہے ــ اے اللہ اپنے حبیب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں اور ان مشائخ کرام کے صدقے میں اس مرتبے کو نصیب فرما ــــ

طریقۂ حضرت مجددؒ ان معانی کا حصول ہے تمام لطائف میں ــــ　ــــ ع

وللارض من کاس الکرام نصیب

(سخیوں کے پیالے سے زمین کو بھی حصہ ملتا ہے)

---

## مکتوب (۱۱۵) شاہ رؤف احمد رام پوری جامع مکتوبات کے نام۔

بخدمت شریف صاحبزادۂ عالی نسب ....... شاہ رؤف احمد صاحب .... بعد سلام مسنون ...... واضح ہو الحمد للہ کہ ۲۲ ذی الحجہ تک خیر و عافیت ہے، لیکن ضعف انتہائی درجہ میں غالب ہے۔ اللہ تعالیٰ عاقبت بخیر فرمائے۔ دُعا و توجہ سے مدد فرمائیں کہ ایمان کے قول و فعل پر خاتمہ ہو۔ آمین۔ آپ کی خیر و عافیت سلامتی اور استقامت درکار ہے ــــ عنایت نامہ نے بعد انتظار بسیار وارد ہو کر اخبار خیریت سے مسرور کیا ــــ آپ نے طالبین کے رجوع، اُن کے احوال اور اپنی توجہ کی

---

عہ۔ سن تحریر یہاں پر صحیح نہیں ہے۔

تاثیر کو جو لکھا ہے اُس سے دل بہت خوش ہوا۔ الحمد للہ۔ اللھم زد فزد۔
اگر اس جگہ طریقہ رواج پذیر ہو اور طالبین زیادہ ہوں تو وہاں ٹھہرنا مناسب ہے، استخارہ ہر امر میں ضروری ہے۔ میاں بشارت اللہ جیو ابھی تک نہیں آئے ہیں۔ شاید تشریف لائیں۔
مولوی محی الدین قصوری کا خط پہونچا۔ انھوں نے لکھا ہے کہ بہت سے لوگ برائے اخذ طریقہ آتے ہیں اور فوائد پاتے ہیں، اس بات سے دل بہت خوش ہوا میں نے ان کو لکھا ہے کہ ملاقات روحانی حاصل ہے اور تمھارے حال پر عنایت شامل ہے، اس طرف (دہلی) آنے میں توقف کریں، گل محمد نے کابل میں قبولیت پائی ہے، آپ مقبولان بارگاہ الٰہی کے طفیل میں اس نامقبول کو بھی اللہ تعالیٰ قبولیت عطا فرمائے والسلام ـــــ بندے کو دعا میں یاد رکھیں۔ شیخ جلیل الرحمٰن سلام پہونچاتے ہیں۔

---

مکتوب (۱۱۵) شاہ رؤف احمد رام پوریؒ کے نام (اپنے ضعف کا بیان اور نصائح)

بخدمت شریف عالی مراتب والامناقب حضرت میاں رؤف احمد ....... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ـــــ

الحمد للہ (آج کی تاریخ) ۱۵ شوال[۱] تک عافیتیں حاصل ہیں مگر ضعف پیری اور ضعف قلب غالب ہے۔ اللہ تعالیٰ عواقب امور بخیر فرمائے۔ مدت ہوگئی کہ اخبار خیریت بھیج کر انتظار کو دور نہیں فرمایا۔ امید ہے کہ اپنے احوال باطن اور مستفیدین کے احوال باطن لکھتے رہیں گے ـــــ اللہ تعالیٰ کی رحمت واسعہ سے امید کامل رکھتے ہوئے ـــــ توسل ارواح پیران کبار علیہم الرحمۃ ـــــ کار امور میں مستعد رہیں۔ کوئی اندیشہ نہ کریں ـــــ فقیر بھی دعا اور توجہ سے غافل نہیں ہے، انشاء اللہ ترقیات ظاہر و باطن نقد وقت ہوں گی ـــــ ہر امر میں دو رکعت نماز پڑھنا اور دعا و تضرع لازم سمجھیں۔ کوئی نعمت اس سے بہتر نہیں ہے کہ ظاہر و باطن اعمال مصطفویہ سے آراستہ اور دل غیر کے تصور سے پاک ہو ـــــ خدائے تعالیٰ ہم کو اور آپ کو یہ نعمت نصیب فرمائے

---

[۱] بلدہ بھوپال۔ [۲] سن درج نہیں ہے۔

—— قل اللہ ثم ذرھم —— حسبنا اللہ ونعم الوکیل —— کتب تحصیل —— ہدایہ ونہایہ
توضیح وتلویح، مسلم الثبوت، شرح وقایہ، کنز الدقائق اور کتب حدیث.......... تفسیر بیضاوی،
مدارک، جلالین اور مکتوبات شریفہ (یعنی مکتوبات حضرت مجددؒ) عوارف، قشیری اور تعرف جو کتاب
بھی ان کتابوں میں سے بہم پہونچے بھیجدیں اور اس کی قیمت بھی مجھ سے طلب کریں۔ رسالہ صد فاصل
کتب خانہ حضرت سراج احمد[عہ] رحمۃ اللہ علیہ میں ضرور ہوگا۔ اگر مل جائے تو بھیجدیں۔

---

## مکتوب (۱۱۹) شاہ رؤف احمد رام پوریؒ کے نام

از طرف فقیر عبد اللہ معروف بہ غلام علی —— بخدمت شریف عالی مراتب ..... حضرت
میاں رؤف احمد صاحب ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آج بتاریخ ۱۲ شوال[عہ]
عباد اللہ نے رقیمہ کریمہ پہونچایا —— اخبار خیریت نے مسرور کیا —— القاب وآداب میں مبالغہ
آرائی کرنے سے میں نے بارہا منع کیا ہے —— اللہ تعالیٰ اپنی رضا اور اپنے حبیب کی رضا کے
موافق زندگی بنائے —— اپنی کوتاہی کے اظہار کے کلمات جو آپ نے تحریر کیے ہیں وہ "فنا" کی
اطلاع دینے والے ہیں۔

حضرت خواجہ باقی باللہ نے فرمایا ہے فضائے عالم قدس میں اڑان کے لیے دو پر چاہئیں
ہیں —— (۱) کثرت اعمال (صالحہ) —— (۲) دید قصور ——

اللہ تعالیٰ ایسا کرے کہ ان دو بازوؤں کے ذریعہ ہمیں اپنی نیستی میں اڑان اور ہستی
مطلق کے شہود میں استغراق نصیب ہو جائے —— اللہ تعالیٰ تمام اضافتوں اور نسبتوں کا
انقطاع عطا فرمائے —— ع

تو مباش اصلا کمال اینست وبس

اگر کسی جگہ طالب جمع ہو جائیں تو وہیں اقامت بہتر ہے —— اگر مسافت بعیدہ کا سفر آسان
ہو اور استخارہ اور شہادت قلبی راہبر ہو جائے اور پھر یہ دولت ملاقات میسر ہو جائے تو

---

عہ حضرت مولانا سراج احمد صاحب مجددی رامپوری آپ نے ۱۲۳۰ھ میں وفات پائی۔ عہ یہاں کچھ عبارت مرقوم نہیں ہے۔

تو بہت مبارک ہے۔ یہ کلبۂ احزان (خانقاہ دہلی) آپ کے قدوم میمنت لزوم کی ہر وقت مشتاق ہے
یہ نعمت بھی کیا عجیب نعمت ہوگی کہ کچھ دن خود رفتگی کے ساتھ فنا کے عالم میں باہم
زندگی گزاریں........ والسلام

---

مکتوب (۱۲۰) شاہ رؤف احمد رامپوری کے نام۔ (احوال مرض میں اسمعہ مواعظ دپند)

بخدمت شریف صاحبزادہ ولایت نسب...... حضرت شاہ رؤف احمد صاحب۔
بعد سلام و نیاز و التماس دعا۔ گزارش ہے کہ آج کی تاریخ ۹ ربیع الاوّل[عہ] تک خیریت ہے
مگر ضعف پیری اور ضعف قلب غالب ہے ــــ اور خارش تکلیف پہونچا رہی ہے ــــ
اللہ تعالیٰ عاقبت بخیر کرے ــــ دعا، توجہ اور کلمۂ طیبہ کے ثواب سے مدد فرماتے رہیں۔
اس کلبۂ احزان (خانقاہ) کی آبادی کے لیے دعا فرمائیں کہ یہ جگہ اس طریقۂ شریفہ کے درویشوں،
علم تفسیر و حدیث اور علم فقہ و تصوف جاننے والوں کا مسکن[۱] رہے...... (آمین)
اس طریقے میں حسب ذیل امور درکار ہیں۔
دست شکستہ، پائے شکستہ، زباں بریدہ ــــ دین درست، یقین درست اور ایسا دل جو
ماسوا سے بیگانہ ہو ــــ (طالب) آرزو کے پورا ہونے کے غم میں بیٹھا ہو ــــ آنکھ دوست
کی طرف کیے ہوئے ہو، جگر آہ اشتیاق سے جلائے ہوئے ہو ــــ (اس کا) ہر بُن مو اور دیدۂ دل
سجدۂ محبت کو حاصل زندگی بنائے ہوئے ہو ــــ رضا بقضا اپنی عادت بنالی ہو ــــ ع

اے خدا قربان احسانت شوم

معلوم نہیں کس کو نوازیں ــــ ربّ انّی مسّنی الضرّ وانت ارحم الراحمین ــــ
اے اللہ اس خاکسار کو عارفوں کے اس انتہائی مقصد تک پہونچا (آمین) ــــ اگر کسی سبب

---

عہ سن درج نہیں ہے۔ ۱؎ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمایا۔ مدتوں اس خانقاہ میں درس و تدریس علوم دینیہ کا سلسلہ جاری رہا۔ قاسم العلوم حضرت مولانا نانوتوی اور قطب الوقت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے اسی خانقاہ میں حضرت شاہ عبد الغنی مجددی فاروقی پسر حضرت شاہ ابو سعید سے صحاح ستہ کے اسباق پڑھے اور سند حدیث حاصل کی ان ہر دو روشن مناروں کے توسط سے ہند و بیرون ہند میں مسلسل فیض پہونچ رہا ہے۔

بغیر کوشش کے نوازدیں تو کوئی تعجب و مضائقہ نہیں ہے ـــــ حضرت ابوسعید ادام اللہ کے صاحبزادے (شاہ احمد سعید) اور آپ (شاہ رؤف احمد) اور مولوی بشارت اللہ بہرائچی میرے برگزیدہ اصحاب ہیں ـ اللہ تعالیٰ ان سب کو سلامت رکھے ـــــ کل آپ کے عنایت نامہ نے جو کئی دن کا لکھا ہوا ہے مژدۂ صحت و عافیت سنا کر مسرور کیا ـــ ہمیشہ عافیت کے ساتھ سلامت اور رضائے خداوندی کی توفیق یافتہ رہیں ـ

آج ۹ ربیع الاول کو صحیفۂ شریفہ جو ایام مرض میں لکھا تھا وہ پہونچا ـــ اس کے مندرجات نے ملاقات اور دعاہائے کثیرہ کی طرف مائل کر دیا۔ امید کہ اثر ظاہر ہوا ہوگا۔ جو احوال آپ نے لکھے ہیں اللہ تعالیٰ ان احوال کو آنجناب اور اس عمر ضائع کردہ کے احوال دائمی بنا دے اور آپ سلامتی، عافیت اور استقامت کے ساتھ اس طریقۂ شریفہ کے رواج دینے والے رہیں۔ شرح وقایہ، ہدایہ، تلویح و توضیح اور کتب تحصیلی اور کتب حدیث شریف اور مقامات حریری، کوئی تفسیر اور وہ جو تفسیر آپ نے لکھی ہے (تفسیر رؤفی) درکار ہیں، اللہ تعالیٰ نے چاہا تو طلب کی جائیں گی۔ والسلام بخدمت بزرگان و عزیزاں و دوستاں سلام و دعا۔

---

## مکتوب (۱۲۳) شاہ رؤف احمد کے نام (احوال مرض میں)

بخدمت شریف صاحبزادۂ ولایت نسب حضرت رؤف احمد صاحب ...... بعد سلام مسنون و دعائے عافیت گزارش ہے۔ الحمد للہ اس جگہ خیریت ہے۔ مگر ضعف نے غلبہ پا لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ عاقبت بخیر فرمائے۔ دعا، توجہ اور ثوابہائے تہلیل اور ثواب قرآن سے مدد فرماتے رہیں ـــ کچھ دنوں سے خارش لاحق ہو گئی ہے۔ یہ سزائے اعمال ہے۔ اس شہر (دہلی) میں اس وقت بخار اور خارش سے شاید ہی کوئی بچا ہو، مگر اس بخار سے لوگ مرتے کم ہیں ـ

مولوی بشارت اللہ اپنے والد کے بلانے پر وطن چلے گئے انھیں چاہیے تھا کہ اس وقت میں مجھے نہ چھوڑتے ـــ میں انتہائی ضعف میں اور زندگی کے قریب بہت ایام میں اللہ کی رحمت واسعہ ساتھ مجھے کافی ہے ـــ یہ عنایت نامہ مدت کے بعد پہونچا ـ معلوم نہیں کہ تحریر خط اس دیر کیوں ہوئی [illegible] کے ہاتھ سے کہ لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ [illegible] کے ساتھ شفا

کی گئی ہے۔ ان شاء اللہ مرض میں تخفیف ہوئی ہو گی اور دعا پھر بھی کی جائے گی۔ عافاکم اللہ وسلّم۔
آپ نے اپنے باطن شریف کے احوال اور جو کوئی استفادہ کے لیے آتا ہے اس کے احوال نہیں لکھے
ہمیشہ ان احوال کو لکھتے رہیں۔ حضرت حافظ ابو سعید صاحب اور اُن کے فرزند لکھنؤ میں تشریف
رکھتے ہیں وہاں ان سے لوگ فائدہ حاصل کرنے آتے ہیں۔ اللّٰھم زد فزد ــــ

---

## مکتوب (۱۲۵) شاہ ابو سعید مجددیؒ کے نام (یہ مکتوب مرض الموت میں لکھا گیا)

بجناب صاحبزادۂ عالی نسب ..... حضرت شاہ ابو سعید صاحب ..... بعد از سلام مسنون اور دعائے عافیت ــــ واضح ہو کہ فقیر کے کئی خطوط آپ کے طلب کرنے کے لیے بھیجے گئے ــــ معلوم نہیں کہ وہ خطوط خدمت میں پہنچتے ہیں یا راستے میں ضائع ہو جاتے ہیں ــــ احوال مزاج فقیر بہت سقیم ہیں "طاقتِ نشستن" نہیں رہی ہے۔ ہجوم امراض ہے۔ ندائے رحلت دے دی گئی ہے۔ فقیر کے دل کو آپ کے دیکھنے کے سوا کوئی آرزو نہیں ہے بلکہ غیب سے القا ہوتا ہے کہ ابو سعید کو لکھنؤ سے یہاں بلالینا چاہیئے ــــ حضرت مجددؒ کی روحانیت بھی اس کی متقاضی ہے ــــ اور میں نے (خواب میں) دیکھا ہے کہ آپ کو اپنی گود میں بٹھائے ہوئے ہوں اور وہ منصب جس کے آثار عنقریب آپ کی طرف عائد ہوں گے آپ کے سپرد کر رہا ہوں۔ خانقاہ آپ کو مبارک ہو ــــ بہت جلد آئیں ــــ وتوکلاً علی اللہ اس جگہ آ کر بیٹھیں اگر بصدقۂ پیرانِ کبار اللہ تعالیٰ نے مجھ کو قبول کیا تو میں توجہ و ہمت میں کوتاہی نہ کروں گا ــــ
جو فتوح غیب سے پہونچے اپنی اور اپنے وابستگان کی ضروریات میں خرچ کریں اور جو کچھ باقی رہے وہ فقراء پر تقسیم کریں ــــ سب اہل خانقاہ اور اکثر باشندگان شہر دہلی آپ کو چاہتے ہیں جیسے کہ احمد یار، ابراہیم بیگ، میر خورد، مولوی عظیم اور مولوی شیر محمد بلکہ جمیع مردانِ شہر بار بار کہتے ہیں کہ میاں ابو سعید اس لائق ہیں کہ اس خانقاہ میں بیٹھیں ــــ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب اور اکثر اعزۂ شہر آپ کے اخلاقِ حسنہ، مسکینی، شکستگی، حفظ و مشغولی اور بردباری پر نظر کر کے آپ کی بلا شرکت غیرے طلبی کے مجوز (محرک) ہوتے ہیں ــــ بہر صورت اس طرف کا قصد کریں۔ چوپالہ[1] یا گاڑی میں آئیں ــــ کہاروں (اور گاڑی) کی اُجرت یہاں دے دی جائے گی۔

---

۱۔ پالکی جیسی ایک سواری کا نام ہے۔

اہلِ خانقاہ کا اتفاق رائے اس پر ہے کہ آپ کو بلا لینا چاہیے اور مجھ کو بھی الہام ہوا ہے کہ اس کام کی قابلیت فقط آپ کے اندر ہے۔ استخاروں کے بعد تنہا آئیں کسی اور کی ضرورت نہیں ہے۔ اس جگہ رہیے اور طریقۂ شریفہ کو رواج دیجیے اور تدبیرِ معاش کو اللہ کے حوالے کر دیجئے!۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل (اللہ ہمیں کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے) حصولِ رزق کے واسطے وعدۂ الٰہی کافی ہے —— سب دھندے چھوڑ کر آجائیے —— ہمارا وقت آخر ہو گیا ہے —— ہمارے باقی ماندہ چند انفاس کو دیکھیے اور فیض اٹھائیے —— شاید یہ آرزو وقوع میں آئے ——

مرگ آرزو کنم چو شوی مہربان من ۵ یعنی بہ بخت خویش مرا اعتماد نیست

(اگر تو مجھ پر مہربان ہو جائے تو میں موت کی آرزو کر دوں اس لیے کہ مجھے اپنے بخت پر اعتماد نہیں ہے نہ معلوم کس وقت مہربانی کا سلسلہ بند ہو جائے)

لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ ان دو آدمیوں (یعنی ابوسعید اور احمد سعید) میں سے کسی ایک کو متعین کیجیے وصیت نامے کے کاغذ میں اپنی مُہر لگا کر اور ہر سہ[1] میاں صاحبان اور دیگر اعزہ کی گواہی سے آپ کے نام کو ادلی اور دلیق لکھ چکا ہوں —— اب بھی آپ ہی کو ترجیح دیتا ہوں —— برخوردار احمد سعید کو لکھنؤ میں چھوڑ کر میرے خط کے پہونچتے ہی سب کو خیرباد کہہ کر ہمارے پاس آجائیں —— ہماری قبر اسی خانقاہ کے صحن میں ہوگی —— اور تبرکات گنبدِ تنگ کے سرہانے رہیں گے —— آپ کے متعلقین یہاں جب آئیں گے تو حویلیوں میں رہیں گے —— اور آپ اس جگہ (خانقاہ میں) رہیں گے۔ تمام اخراجاتِ خانقاہ آپ کی مرضی کے مطابق ہوں گے جس طریقے پر مناسب سمجھیں خرچ کریں اور بردباری و تحمل کے ساتھ بسر کریں —— میرے لیے حسنِ خاتمہ، لقائے جاں افزا اور اتباعِ حبیبِ خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا فرمائیں —— زیادہ والسلام ——

---

[1] حضرت شاہ عبدالعزیزؒ، حضرت شاہ رفیع الدینؒ و حضرت شاہ عبدالقادرؒ۔

از:- افادات حضرت مولانا شاہ وصی اللہ قدس سرہ

# تقربِ خداوندی کا محبوب ترین ذریعہ

کچھ دنوں پہلے میں نے فرائض و نوافل کے فرق پر ایک مضمون بیان کیا تھا جو رسالہ میں شائع بھی ہو چکا ہے اس کو ہر جگہ کے لوگوں نے پسند کیا۔ چنانچہ ایک مولوی صاحب نے لکھا ہے کہ فرائض و نوافل والا مضمون یہاں بہت پسند کیا جا رہا ہے اور لوگوں کو اس سے بہت نفع ہو رہا ہے اس لئے خیال ہوا کہ اس پر مزید کلام کر دوں تاکہ نفع پورا ہو اور اس مضمون کے بیان میں میں منفرد نہیں ہوں بلکہ پہلے بھی مصلحین امت نے اپنے اپنے زمانہ میں اس پر کلام فرمایا ہے بعض لوگوں میں نوافل کے اہتمام میں زیادتی اور فرائض میں کمی کو دیکھ کر تنبیہ فرمائی ہے اور اس بے راہ روی سے نکالنے کی سعی فرمائی چنانچہ حضرت سیدنا عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فتوح الغیب میں تحریر فرماتے ہیں —

ینبغی للمؤمن ان یشتغل اولاً بالفرائض فاذا فرغ منها اشتغل بالسنن ثم یشتغل بالنوافل والفضائل فما لم یفرغ من الفرائض فالاشتغال بالسنن حمق ورعونة فان اشتغل بالسنن والنوافل قبل الفرائض لم یقبل منه واهین

یعنی مومن کے لئے سزاوار یہ ہے سب سے پہلے فرائض کی بجاآوری کا اہتمام کر

(اور مراد اس سے وہ عبادات ہیں جن کا تارک گنہگار ہوتا ہے اور جن کے ترک پر آخرت میں عتاب ہوگا) اور جب فرائض سے فارغ ہو جائے تو پھر سنن میں مشغول ہو (اور مراد ان سے سنن راتبہ ہیں جو معین اور مؤکد ہیں کہ ان کا ترک سبب اساءت اور عتاب کا موجب ہوتا ہے) پھر نوافل وفضائل میں مشغول ہو یعنی ان اعمال کو کرے جن کے کرنے میں ثواب ہے اور ترک کرنے میں نہ گناہ ہے نہ برائی) مگر جب تک کہ فرائض سے فارغ نہ ہو اس وقت تک سنن (ونوافل) میں مشغول ہونا کم عقلی کی دلیل اور جہل کی نشانی ہے کیونکہ جو چیز لازم وضروری ہو اس کا ترک اور جو غیر ضروری ہو اس کا اہتمام عقل وخرد سے بعید ہے اس لئے کہ عقلاء کے نزدیک دفع مضرت جلب منفعت سے اولیٰ واہم ہے اور حقیقت میں تو اس صورت میں سرے سے نفع ہی منتفی ہے اس لئے کہ فرائض کی ادائیگی سے پہلے اگر کوئی شخص سنن ونوافل میں مشغول ہوگا تو وہ اس سے مقبول ہی نہ ہوں گی بلکہ ایسا شخص ذلیل کیا جائے گا۔

(فائدہ) اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ نوافل سے فرائض کی کمی پوری ہو جاتی ہے تو یہ اس صورت میں ہے کہ انسان فرائض کو بھی ادا کرے اور اس کے حقوق ظاہرہ جیسے یعنی اسباب کمال میں سے کوئی چیز فوت کر دے تو نوافل سے اس کا جبر ہو جاتا ہے۔ باقی اس کا یہ مطلب نہیں کہ فرائض کو ترک کر دے اور یہ سمجھے کہ اس کی تلافی نوافل سے ہو جائے گی۔۔۔

علماء نے بیان کیا ہے کہ فرائض کو ترک کر کے نوافل ادا کرنا اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص کسی ایسے شخص کو ہدیہ دے جس کا یہ مقروض بھی ہے اور اس کا قرض نہ ادا کرے تو ظاہر ہے کہ یہ حماقت ہے اس لئے کہ اس ہدیہ سے اس کا قرض جس کی ادائیگی فرض ہے ادا نہ ہوگا بلکہ عجب نہیں کہ وہ ہدیہ ہی رد کر دیا جائے۔ ہاں اگر اس کے قرضے کے کچھ حقوق یا صفات میں کچھ نقصان پہنچ گیا ہے تو ہدیہ کے ذریعہ اس کی تلافی کی جا سکتی ہے۔۔۔

نیز [illegible] ہو کہ جس شخص کے [illegible] فرائض سے زیادہ اہم ہوں

وہ مخدوع ہے اور ممکور ہے نیز فرمایا ہے کہ لوگوں کی ہلاکت دو وجہ سے ہے ایک تو ان کا فرائض کو ضائع کرکے نوافل میں مشغول ہو جانا دوسرے جوارح سے شرکت قلب کے بغیر عمل کرنا۔

آگے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کی ایک مثال بیان کرتے ہیں۔

فمثله كمثل رجل يدعو الملك الى خدمته فلا يأتي إليه ويقف بخدمة الامير الذي هو غلام الملك وخادمه وتحت يده وولايته۔

یعنی ایسی اس شخص کی مثال جو فرائض کو تو ترک کرے اور سنن و نوافل کو بجا لائے اس شخص جیسا ہو کہ اسکو بادشاہ اپنی خدمت میں طلب کرے اور وہ بادشاہ کے پاس تو نہ جائے بلکہ اس کے کسی وزیر یا امیر کی خدمت میں ٹھہر جائے جو کہ اسکا غلام و خادم ہو تو ظاہر ہے یہ شخص کس قدر سفیہ اور احمق ہے چنانچہ بادشاہ کی خدمت میں حاضری اللہ تعالیٰ کے فرائض کی ادائیگی سے کنایہ ہے کیونکہ حق تعالیٰ حاکم مطلق اور بادشاہ علی الاطلاق ہیں انھوں نے فرائض کا حکم فرمایا ہے اور امیر و وزیر کی خدمت میں حاضری یہ کنایہ ہے سنن اور نوافل کی ادائیگی سے۔ آگے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بھی نقل فرمائی ہے جس میں نفل کو فرائض پر مقدم کرنے والے کی عجیب و غریب مثال بیان فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

عن علي بن ابي طالبؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان مثل مصلى النوافل وعليه فريضة كمثل حبلى احملت فلما دنا نفاسها اسقطت فلاهي ذات حمل ولا هي ذات ولادة۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نفل پڑھنے والے کی مثال جس کے فرائض باقی ہوں اس حاملہ عورت جیسی ہے جس کو ایک مدت

تک توحمل رہا ہو پھر اس نے ناتمام بچہ جنا یعنی اب اس کو نہ تو حمل والی ہی کہا جا سکتا ہے اور نہ بچہ والی ہی کہا جا سکتا ہے۔

اسی طرح سے یہ نفل پڑھنے والا بھی ہے کہ محنت و مشقت بھی اس نے اٹھائی مگر فرائض نہ ادا کرنے کی وجہ سے اس کے یہ نوافل بھی مقبول نہ ہوئے۔

اور سنیے ۔۔۔ اسی مسئلہ کو صاحب ترصیع نے بھی بیان فرمایا ہے اور اس میں شک نہیں کہ سالکین کا چور خوب پکڑا ہے فرماتے ہیں کہ۔

تنبیہ: النفس للنوافل امیل من جہۃ انھا تعمل ما تعمل تبرعا منھا وانھا فانھا فی ذلک لذۃ التصرف والاطلاق۔

یعنی نفس طبعی طور پر نوافل کی جانب زیادہ مائل ہوتا ہے اس لئے کہ یہاں وہ جو کچھ کرتا ہے وہ اسی کا فعل ہوتا ہے اسی کی جانب منسوب ہوتا ہے اس کے کرنے میں وہ خود مختار آزاد اور با اختیار ہوتا ہے اسے اپنی رائے کی آزادی حاصل ہوتی ہے اس لئے اس تصرف میں اسے یک گونہ لذت حاصل ہوتی ہے رہا فرائض کا معاملہ تو اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ۔

وفی الفرائض ھی مقہورۃ تحت حکم التکلیف ومن ھنا واللہ اعلم کانت الفرائض اعظم ثوابا لمشقتھا علی النفس من حیث انھا لاحظ لھا فیھا (ترصیع ص۲۵)

یعنی فرائض میں نفس بالکل قید و بند میں جکڑا ہوا ہوتا ہے یعنی محض اللہ تعالیٰ کے امر کی تعمیل ہوتی ہے۔ اپنے تصرف و اختیار کا ذرا بھی دخل نہیں ہوتا جس وقت جو فرض فرما دیا اسی وقت ادا کرنا ہوگا۔

جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے ظہر یا عصر کی چار رکعت نماز فرض فرما دی تو اب اس میں نہ کمی کر سکتا ہے اور نہ زیادتی نہ اس کو ترک ہی کر سکتا ہے اور نہ اس کے وقت سے موخر کر سکتا ہے بخلاف نوافل کے۔

آگے فرماتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہو کہ فرائض کی ادائیگی میں ثواب زیادہ ملتا ہے

کیونکہ وہ نفس پر شاق ہوتا ہے اور وہ مشقت یہ ہوتی ہے کہ نفس کے لئے اس کی ادائیگی میں اپنا
کوئی حظ اور حصہ نہیں ہوتا بلکہ چار و ناچار اس کو یہ سب کام کرنے ہی پڑتے ہیں ۔

غرض نفل میں نفس کو ایک قسم کی آزادی ہوتی ہے اور عمل کا انتساب بھی چونکہ اپنی
طرف ہوتا ہے اس لئے اس کو ادھر رغبت زیادہ ہوتی ہے اور فرض میں یہ سب نہیں ہوتا
بلکہ وہ تو خدا تعالیٰ کا ایک عام حکم ہوتا ہے جو سب کو ادا کرنا ہوتا ہے اور انسان خدا ہی کے
حکم کے تحت مقہور ہوتا ہے ۔ اگر عمل نہ کرے گا تو فاسق کہلائے گا اور اگر اعتقاد بھی نہ کرے گا
بلکہ انکار کرے گا تو کافر ہو جائے گا ۔

غرض اس میں اس کا قافیہ تنگ ہوتا ہے اور فرض میں چونکہ خدا ہی کے حدود و احکام
کو ادا کرنا پڑتا ہے اس لئے نہ تو نفس کو حظ آتا ہے اور نہ کوئی شخص فرض ادا کرنے والے
کو بزرگ ہی سمجھتا ہے بلکہ یہ بھی اپنے کو کچھ نہیں سمجھتا اور خود اختیاری میں نفس کے لئے
ایک لذت حاصل ہوتی ہے ۔

مثلاً اپنی رغبت و اختیار سے آدمی سو دو سو روپیہ بلکہ ہزاروں روپیہ تک دے
دیتا ہے اور دے کر خوش ہوتا ہے اور اگر کوئی شخص کہہ دیتا ہے کہ فلاں کو اتنی رقم
دے دو تو اس کو دینے میں بار ہوتا ہے اس لئے کہ اس میں امتثال دوسرے کے
کا کرنا ہوتا ہے جو طبعاً انسان کو بار ہوتا ہے اور یہی حال فرائض کا ہے کہ نفس کو اس
مشقت زیادہ ہوتی ہے اس لئے اس کا حظ اس کو نہیں ملتا ۔

میں کہتا ہوں کہ فرائض میں خدا کی جانب سے جبر کا ہونا اور انسان کے اختیار
ہونا ضروری تھا ورنہ خدا کا حکم ہونا ہی نہ معلوم ہوتا ۔ فرائض ہی سے تو اللہ تعالیٰ کے ا
کی شوکت کا اندازہ ہوتا ہے نیز عبدیت کا مظاہرہ بھی فرائض میں زیادہ ہوتا ہے اس
اس کا ثواب بھی زیادہ ہے کیونکہ اس میں مشقت ہے اور نفس کا اس سے اپنا کو
نہ لے سکنے کی وجہ سے وہ خالص خدائے تعالیٰ کے لئے رہتا ہے اسی خلوص کی بنا پر بندہ زیا
اجر کا مستحق ہوتا ہے ۔ پس جب فرائض کا اجر نوافل کے اجر سے زیادہ ہے تو قلب میں
فرائض کی اہمیت و عظمت اور احترام زیادہ اور اسی کے شایان شان ہونا چاہئے بلکہ میرا

ہوں کہ جس طرح سے نماز فرض ہے۔ روزہ فرض ہے اسی طرح سے ان کا اہتمام بھی فرض ہو لہٰذا اب ہمارے ذمہ ضروری ہے کہ ہم فرض کا اہتمام و احترام نوافل سے زیادہ کریں۔ مثلاً ایک تو ہوتی ہو کوڑی اور ایک ہوتی ہے اشرفی ــ تو کوڑی چونکہ کم قیمت شے ہے اس لئے قلب میں اس کی کوئی وقعت بھی نہیں ہوتی یعنی اگر گم بھی ہو جائے تو چنداں قلق بھی نہیں ہوتا لیکن اشرفی چونکہ ایک قیمتی چیز ہے اس لئے اس کی عظمت بھی ویسی ہوتی ہے یعنی اگر گم ہو جائے تو قلق اور صدمہ بھی ہوتا ہے۔ تو اب ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص اشرفی کو کوڑی کا درجہ دیدے تو اس کے احمق ہونے میں کیا کلام ہے۔

مگر اب حال یہ ہے کہ نوافل کا درجہ فرائض سے زیادہ سمجھتے ہیں حالانکہ حدیث میں تصریحات موجود ہیں کہ فرض کا درجہ نفل سے بڑھا ہوا ہے اور علمائے دین کی تشریحات موجود ہیں کہ ایسا شخص احمق ہے مگر اس کے باوجود نفس نے عبادات میں اپنا پورا حصہ لیا یعنی لوگوں کو نوافل میں منہمک کر کے فرائض سے انھیں غافل کر ہی دیا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

میں یہ کہتا تھا کہ نفل کو فرض کا درجہ دینے میں فرض سے مرتبہ بڑھ گئی ہے۔ چنانچہ آج بھی یہی ہو گیا ہے کہ لوگوں کے اعتقاد ہی صحیح نہیں رہے اس لئے لوگ فرائض کے فیض سے بھی محروم ہیں۔

حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا حال ایسا نہ تھا بلکہ فرائض کے ساتھ عقیدت اور اہتمام اسی کے شایان شان تھا۔ اسی وجہ سے ان حضرات نے جو قرب و قبول عند اللہ حاصل کیا اس کو بعد کے لوگ بہت بہت نوافل کے ذریعہ بھی حاصل نہ کر سکے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم جب فرض نماز پڑھ کر کے مسجدوں سے باہر نکلتے تھے تو ان کے چہرے بدلے ہوئے نظر آتے تھے اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ خدا تعالیٰ سے ملاقات کر کے آئے ہیں یعنی عبادت کا نور اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا اثر ان کے قلب سے چھلک کر ان کے چہروں پر آجاتا تھا جس کو دیکھنے والا محسوس کرتا تھا۔

الغرض فرض کا اہتمام بھی فرض ہے اور نفس کے لئے اس میں بوجہ مقہور تحت التکلیف

ہونے کے کوئی حظ اور لذت بھی نہیں اس لئے نفس اس میں متہم بھی نہیں بخلاف نفل کے کہ چونکہ اس میں کرنے نہ کرنے کا اختیار ہوتا ہے اس لئے بندے کو اس کے کرنے میں ایک حظ حاصل ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کے کرنے میں نفس متہم ہو سکتا ہے۔ یعنی یہ کہا جا سکتا ہے کہ نفس نے اس کو اپنی راحت اور حظ کے لئے اختیار کیا پھر یہ کہ اس میں اصل کے خلاف بات ہوتی ہے کیونکہ اصل رائے اور اختیار تو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ثابت ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

وربك يخلق ما يشاء ويختار ما كان لهم الخيرة

یعنی آپ کا رب جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور پسند کرتا ہے ان لوگوں کو تجویز کا کوئی حق نہیں۔

چنانچہ طریق میں اصل یہی ہے کہ آدمی اپنی رائے اور اپنے ارادے کو ختم کر دے اور جب تک نفس سے رائے اور اختیار نہ نکل جائے انسان کو سمجھنا چاہیئے کہ ابھی اس کو کچھ حاصل ہی نہیں ہوا اور فرض میں یہی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قہاریت اور بندے کی بے بسی اور عجز کا پورا اظہار ہوتا ہے وهو القاهر فوق عباده چنانچہ بندے کو خواہی نخواہی فرائض کو ادا کرنا پڑتا ہے اس کے اندر اپنی رائے اور اپنے ارادے اور اپنے اختیار کو کام میں نہیں لا سکتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کرنا ہوتا ہے پس جس طرح سے اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے خلاف کوئی شخص کچھ کام نہیں کر سکتا اسی طرح سے فرائض میں بھی انھیں کے تصرف سے کام کرنا ہوتا ہے آپ یہ تو کر سکتے ہیں کہ نماز کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکتے ہوں تو بیٹھ کر پڑھیے۔ رمضان شریف میں روزہ نہ رکھ سکیں تو بعد میں رکھ لیجئے مگر یہ نہیں کر سکتے کہ سرے سے اس کو ٹال ہی جائیے یا گرمی میں روزہ رکھنے کے بجائے اپنی جانب سے سردیوں میں مقرر کر لیجئے — جیسے کہ نصاریٰ وغیرہ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ اس کا ہم کو اختیار نہیں۔

صاحب ترشیح نے فرمایا ہے کہ فرض کا ثواب اس لئے زیادہ ہے کہ اس میں نفس کے لئے بندش اور قید ہے مگر میں یہ کہتا ہوں کہ فرض میں ثواب اس لئے زیادہ ہے کہ وہ خدا کا حکم ہے اور عبد کی عبدیت کا مظاہرہ اس میں زیادہ ہے باقی اللہ تعالیٰ نے جب آپ کے

ارادے اور آپ کی رائے اور آپ کے اختیار کو نزد نفس میں سلب فرمالیا ہے جو کہ انسان کی انتہائی محبوب شے ہے تو اس کے عوض میں اس کا اجر زیادہ مقرر فرمادیا۔ یہ ایک معقول بات ہے اور سمجھ میں آنیوالی چیز ہے۔ مگر تعجب ہوتا ہے کہ لوگ ایسی کھلی ہوئی باتوں کو سمجھنے سے قاصر ہیں اور معاملہ اس کے برعکس کر دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم خدا کا راستہ طے کر رہے ہیں ــــ

آپ نے سنا ہوگا کہ مشائخ کے یہاں فنائے ارادہ ایک چیز ہوتی ہے۔ چنانچہ مرید کی تعریف ہی یہ کرتے ہیں کہ جس کے لیے ارادہ نہ ہو اسی وصف کی وجہ سے ان حضرات نے بڑے بڑے مراتب پائے ہیں۔ فنائے ارادہ کا ان کے یہاں ایک خاص مقام ہے اسی مقام پر پہنچ کر یہ حضرات اپنی زبان حال وقال سے یہ فرماتے ہیں کہ ــ

اریداں لا اُرید واختار ان لا اختار یعنی میرا ارادہ یہ ہے کہ میرا کوئی ارادہ نہ ہو اور میں اختیار کرتا ہوں اس کو کہ کسی چیز کو نہ اختیار کروں ــــ چنانچہ فتح الربانی میں ایک حکایت لکھی ہے کہ کسی شخص نے ایک غلام خریدا اس سے پوچھا کہ میاں کیا پہنو گے ــ؟ اس نے کہا۔ جو آپ پہنائیں ــــ کہا اچھا یہ بتاؤ کہ کام کیا کروگے؟ کہا جو آپ میرے لیے تجویز فرمادیں۔ پھر پوچھا کہ کس جگہ رہنا پسند کروگے؟ کہا کہ حضور جہاں رہنے کو فرمادیں ــــ یہ سن کر آقا نے کہا۔ تم بھی عجیب آدمی ہو۔ کسی چیز میں تمھاری اپنی کوئی رائے ہی نہیں ہے اس نے کہا کہ اے میرے مالک! بھلا غلام کے لیے اس کے آقا کے سامنے بھی اپنی کوئی رائے ہوتی ہے ــــ

اس جواب کا اس شخص پر اتنا اثر ہوا کہا (کہ تم نے تو میرے لیے معرفت کا دروازہ کھول دیا۔) اے کاش کہ میرا معاملہ بھی اپنے مالک حقیقی کے ساتھ ایسا ہی ہوتا جیسا کہ تیرا معاملہ میرے ساتھ ہے۔ یہ کہہ کر اس کو آزاد کر دیا ــ (اور اس کو خدا کا ولی اور مقبول بندہ سمجھ کر) اس سے کہا کہ میری اب یہ آرزو ہے کہ آپ یہیں میرے پاس قیام کریں ــ اور میں خود آپ کی خدمت کروں ــ یعنی اب تک تو میں مالک تھا اور آپ غلام تھے۔ آج پتہ چلا کہ بڑی بے ادبی ہوئی۔ در اصل آقا آپ ہیں اور میں آپ کا غلام اس لیے اب میں آپ کی خدمت کرنا چاہتا ہوں ــ

دیکھا آپ نے یہ فنائے ارادہ اور سب سے بڑا مسئلہ صوفیا کا یہی اختیار اور ارادہ کے فنا کا ہے یعنی وہ اپنے اختیار اور ارادے کو ترک کر کے کامل فنائیت اختیار کرتے ہیں۔ اور جب اس کو ترک کر دیتے ہیں تو بہت خوش ہوتے ہیں اور جب تک اپنے ارادہ اور اختیار کو ترک نہیں کر پاتے تو سمجھتے ہیں کہ ہم میں بڑا نقص موجود ہے اور ہم نے اس راستہ میں ابھی کچھ کام نہیں کیا اسی کو ایک مومن شاعر یوں کہتے ہیں ؎

دھیان میں مومن آ گئی بحث جبر و اختیار
قالبِ یار میں ہیں ہم۔ وہ نہیں اختیار میں

فرماتے ہیں کہ اپنے روزمرہ کے حالات میں نظر کرنے سے اور اپنے ارادے اور اختیار کے مطابق عمل نہ کر سکنے کی وجہ سے جبر و اختیار کا مسئلہ خوب اچھی طرح سمجھ میں آ گیا اور وہ یہی کہ ہمارا کوئی اختیار نہیں ہم بالکل یار کے قالب میں ہیں اور یار پر ہمارا کوئی اختیار نہیں ہے۔ وہ جو کرتا ہے فعال لما یرید اس کی شان ہے

اسی مسئلہ کو حضرت عارف شیرازیؒ اپنی مشہور کتاب "بوستان" میں یوں بیان فرماتے ہیں ؎

چہ خوش گفت درویش کوتاہ دست
کہ شب توبہ کردم سحر گہ شکست

گر او توبہ بخشد بماند درست
کہ پیمان ما بے ثبات است وسست

یعنی اس عاجز درویش نے جو شام کو توبہ کرتا تھا اور صبح کو ٹوٹ جاتی تھی (اپنا عجز دیکھ کر) کیا ہی اچھی بات کہی یعنی یہ کہا کہ اگر حق تعالیٰ توبہ کی توفیق بخشیں تب ہی تو وہ توبہ باقی رہ سکتی ہے اس لیے کہ ہمارا عہد و پیمان بالکل ہی کمزور اور سست ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ثم تاب علیھم لیتوبوا۔

اس سے معلوم ہوا کہ توبہ کی نسبت بندے کی جانب بھی ہوتی ہے اور حق تعالیٰ کی جانب بھی۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ توبہ کی توفیق عطا فرمائے یعنی اسکی عنایت و رحمت بندے کے حال پر ہو جائے تو مجال نہیں کہ بندہ اس سے انحراف کر سکے

بہر حال میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اپنے ارادے اور اپنے اختیار کا فنا طریق میں اصل

ہے اور فرائض میں یہی ہوتا ہے ۔ یعنی فرائض میں یہ چیز بمقابلہ نفل کے زیادہ ہے۔ سنئے فرائض ہی اصل ہیں نوافل تو انھیں فرائض کی تکمیل کے لیے ہیں

چنانچہ حضرت سیدنا عبد القادر جیلانی ؒ نے تو یہاں تک فرمادیا کہ جس شخص کے فرائض باقی ہیں اور وہ انھیں ترک کر کے نوافل پڑھے تو وہ اس سے مقبول ہی نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرائض کا بہت اہتمام فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانہ میں کہ ہمارے درمیان تشریف فرما ہوتے اور اذان ہو جاتی تو بہت تیزی سے اٹھ جاتے اور پھر ایسا معلوم ہوتا کہ گویا ہم میں سے کسی کو پہچانتے ہی نہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب ؒ کا بھی معمول تھا کہ ایک گھنٹہ پہلے نماز کی تیاری شروع کرتے تھے تاکہ اس کا کوئی حصہ فوت نہ ہو ۔ یہی طریقہ ہے کہ جو چیز قابل اہتمام ہے اس کا اہتمام بہت پہلے سے کیا جاتا ہے۔ بلکہ جو چیزیں کہ فرض ہیں ان کا اہتمام بھی اسی وجہ سے فرض ہے آج جو ہم سے فرائض میں غفلت ہو رہی ہے تو اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ ہم کو فرائض کا اہتمام ہی نہیں بلکہ ہم اس اہتمام کو فرض نہیں جانتے اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ اگر پہلے سے اہتمام نہ کروگے تو نماز ہی فوت ہو جائے گی یا کم از کم جماعت ہی جاتی رہے گی۔

ایک بزرگ جو متبع سنت تھے نماز باجماعت ادا کرتے تھے اور اہتمام کا یہ حال تھا کہ تکبیر اولیٰ بھی فوت نہ ہوتی تھی۔ مگر ایک مرتبہ انکی تکبیر اولیٰ فوت ہو گئی ان کے مرید اور خلیفہ جو امام تھے انھوں نے نماز ختم ہو جانے کے بعد جماعت کو مخاطب کر کے کہا کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ لوگ نئی نئی شادیاں کرتے ہیں اور تکبیر اولیٰ فوت کر دیتے ہیں ۔ ان بزرگ نے فوراً معذرت کی اور کہا کہ مولانا ایک دفعہ ایسا ہو گیا معاف کر دیجئے دوبارہ ایسا نہ ہوگا ۔ مولانا بھی بڑے شخص تھے فرمایا کہ پہلے ہی بار کی بنا پر یہ کہہ رہا ہوں کہ ایسی غفلت کیوں ہوئی اور اب اگر دوبارہ اس قسم کی کوئی چیز پیش آئی تو بندے کو اپنے ساتھ نہ پائیے گا۔

یہ اس پر کہہ رہا ہوں کہ اہتمام ضروری ہے اگر ذرا سی بھی سستی ہو گی تو فرض میں نقصان آجائے گا۔

اور اس زمانے میں اسی کی کمی دیکھی جا رہی ہے اور اس کوتاہی میں ہر زمانہ میں ہر لوگوں کا ابتلاء رہا ہے چنانچہ مصلحین امت نے اپنے اپنے زمانہ میں برابر اس پر تنبیہ بھی فرمائی۔ حضرت مولانا اسمٰعیل صاحب شہیدؒ اپنی مشہور کتاب صراط مستقیم میں تحریر فرماتے ہیں کہ۔

(افادہ ۲) از جملہ مخلات عبادات عدم اہتمام یاد امور عبادات شرعیہ است واصل بنیادش ہمیں است کہ راہ رضاجوئی حق از دست شان کم می شود بدو صورت اول آں کہ رضاجوئی حق بخاطر خطور نمی کند بلکہ مطمح نظر کمال خود کہ فی الحقیقت نقصان است می باشد۔ دوم آں کہ رضاجوئی او سبحانہ می باشد لیکن از طریق آں خطا واقع می شود بہر حسب خیال ناقص ایشان بیگ زند کہ موجب رضائے اوست ہمانرا وسیلہ اش می سازند و حقیقت انیست کہ خود را از راہ رضاجوئی او ضال محض پنداشتہ مثل نابینا بالبصیر اخذ ہیدی را در زبان حال خود علی الدوام سازد و کلام ازلی حضرت حق را کہ خطاب باکمل انبیا فرمودہ کہ ووجدک ضالاً فہدیٰ وحدیث قدسی را کہ از زبان صادق البیان سرور عالم خود می فرماید کلکم ضال الا من ھدیتہ' طریق رضائے او را منحصر در اعلام و آگاہی او داند و شرع شریف کہ حبل متین دعروہ وثقیٰ است و فائدہ خود انگاشتہ ہیچ گاہ خلاف آں را موجب بہبود خود نداند و گمانے از قبیل کشف و کرامات و خرق عادت و ظہور انوار تجلیات و مصاحبت با ارواح و اہل سموات در مخالفت شرع شریف او را مظنون گردد۔

(فائدہ ۵) علامت تحقیق ایں مانع در سالک نامقبول ایں است کہ آں اہتمامیکہ در ادائے اوراد مشائخ می نمائند عشر عشیر آں در اہتمام ادائے صلوٰۃ مفروضہ نمی کنند۔ بلکہ ہرگاہ شیطان لعین بریں جماعت چیرہ دست می شود بمقتضائے واخوانھم یمدونھم فی الغی ثم لا یقصرون

آنہارا از راہ حق دور تر می بر د نماز ما شل سر کار حاکم وقت می دانند۔
و ایں قسم وقت را کہ در نماز و وضو می گذرد رائگاں می انگارند و کار آمدنی خود
نمیدانند معاذ اللہ من ذالک۔

و ایں حال جماعتے است کہ متسم باسلام اند و انان کہ خارج از دائرہ
اسلام اند باحال آنہا دریں مقام گفتگو نیست۔

(صراط مستقیم صفحہ ۸۴)

فرماتے ہیں کہ عبادات کا ایک بڑا مانع اوامر شرعیہ الہیہ اور عبادات شرعیہ
کا عدم اہتمام ہے۔

اور اس کی اصل بنیاد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی رضاجوئی کا خیال ان لوگوں کے قلب
سے کم ہو جاتا ہے اور اس کی دو صورتیں ہوتی ہے ایک تو یہ کہ حق تعالیٰ کی رضاجوئی کے خیال
کا ان کے قلب میں خطور ہی نہیں ہوتا ـــــ بلکہ ان کا مطمح نظر صرف اپنا کمال ہوتا ہے
جو کہ فی الحقیقت نقصان ہوتا ہے۔

دوسرے یہ کہ حق تعالیٰ کی رضاجوئی کا قصد تو ہوتا ہے۔ لیکن اس کے طریق کے اختیار
کرنے میں غلطی واقع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ان لوگوں کے ناقص خیال میں جو چیز بھی اللہ تعالیٰ
کی رضا کا موجب معلوم ہوتی ہے اسی کو وسیلہ بنا لیتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اپنے کو
حق تعالیٰ کی رضاجوئی کی راہ سے ناواقف محض سمجھتے ہوئے مثل ایک اندھے کے یا بصیراً
خذ بیدی (یعنی اے آنکھ والے میرا ہاتھ پکڑ لے) کے الفاظ کو اپنی زبان حال سے برابر کہتا
رہے اور حق تعالیٰ کے کلام ازلی کی رو سے کہ جس میں اکمل انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب
کرکے فرمایا گیا ہے کہ ووجدک ضالاً فھدیٰ یعنی ہم نے آپ کو ناواقف پایا پس
واقف کر دیا۔

اور اس حدیث قدسی کی رو سے جو زبان صادق البیان سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم
پر خود فرمایا ہے کہ "کلکم ضال الا من ھدیتہ" یعنی تم سب کے سب گمراہ ہو بجز
اس کے جس کو میں ہدایت دوں۔

دغرض ان نصوص کی رو سے) حق تعالیٰ کی رضا کے طریق کو انہیں کے بیان اور فرمان میں منحصر سمجھنا چاہیے اسی طرح سے (طریق رضا معلوم کرنے کے لیے) شرع شریف کو جو کہ اللہ تعالیٰ کی جل متین اور عروہ وثقیٰ ہے اپنے لیے مفید جان کر کبھی بھی اس کے خلاف کو اپنے لیے موجب فلاح و بہبود نہ سمجھنا چاہیے اگرچہ کوئی خیال جو کہ از قبیل کشف و کرامت یا خرق عادت یا ظہور انوار تجلیات یا ارواح و اہل سموات کے ساتھ مصاحبت وغیرہ سے متعلق ہو آکر اس کو شک و شبہہ میں ڈالے۔"

آگے اس مانع کی علامت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سالک نامقبول میں اس مانع کے پائے جانے کی علامت یہ ہے کہ جو اہتمام وہ سالک مشائخ کے اور اد و وظائف کے ادا کرنے میں کرتا ہو اس کا سواں حصہ بھی فرض نماز کی ادائیگی اور اس کے اہتمام میں نہ کرتا ہو بلکہ شیطان لعین جب اس جماعت پر قابو پالیتا ہے تو با قتضائے ارشاد ربانی واخوانھم یمدونھم فی الغیّ ثم لا یقصرون (یعنی ان کے بھائی ان کو بھی گمراہی میں کھینچے جاتے ہیں۔ اور اس میں کوتاہی نہیں کرتے)

ان لوگوں کو بھی راہ حق سے دور کر دیتا ہے اور اس کی وجہ سے یہ لوگ نماز کو سرکار حاکم وقت کی بیگار سمجھنے لگتے ہیں اور جس قدر وقت نماز اور وضو میں گذارتے ہیں اس کو بیگار سمجھتے ہیں یعنی کسی کام کا نہیں سمجھتے معاذ اللہ یہ حال اس جماعت کا ہے جو اپنے آپ کو اسلام کے ساتھ متصف اور اسم مسلم کے ساتھ اپنے کو موسوم سمجھتے ہیں۔ باقی جو لوگ کہ دائرہ اسلام سے ہی خارج ہیں ان کا حال یہاں زیر بحث نہیں۔

دیکھا آپ نے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس اللہ سرہٗ صاحب ترجح اور مولانا شہید دہلوی یہ سب حضرات اپنے اپنے زمانہ کا یہی مرض بیان فرما رہے ہیں کہ لوگوں میں فرائض کا اہتمام کم ہے۔ اور نوافل کا زیادہ ہے۔ حالانکہ فرائض پر عمل کر کے آدمی قرب فرائض کے مقام تک پہونچتا ہے اور نوافل پر پابندی کر کے صرف قرب نوافل ہی تک پہونچ سکتا ہے۔ فرض خدا کا مقرر کردہ فریضہ ہے اور اس کی معرفت بھی فرض ہے اور اس کا اہتمام بھی فرض ہے اور نفل کی معرفت بھی نفل ہی ہے اور اہتمام بھی اس کا فرض کے برابر نہیں ہے۔

دیکھئے خود رمضان شریف میں نفل کا ثواب فرض کے برابر ہو جاتا ہے اور ایک فرض کا ثواب ستر گنا ہو جاتا ہے۔ پس فرض کا درجہ نفل سے کہیں زیادہ ہوا۔ لہذا ہر ایک کے ساتھ اسی کے شایان شان معاملہ کرنا چاہیئے۔

مگر ہر زمانے میں خصوصاً اس زمانے میں ایسے بہت سے لوگ ہیں کہ خود ان کے اندر نقص موجود ہے۔ یعنی فرائض کے ساتھ ان کا عقیدہ ہی ٹھیک نہیں ہے اور شکایت کرتے ہیں کہ ہم کو کچھ فائدہ نہیں ہو رہا ہے تو فائدہ کس طرح سے ہو جب کہ قلب میں حب اکے فریضہ ہی کی عظمت نہیں ہے اور سینے ہ۔

ایک فرق فرض اور نفل میں یہ ہے کہ فرض سب پر فرض ہوتا ہے اور اس تعمیم سے غرض تیسیر ہوتی ہے تاکہ عموم فرضیت کے بعد لوگوں کے لیے اس کا کرنا آسان ہو جائے۔ کیوں کہ مشہور ہے کہ البلیۃ اذا عمت طابت۔ یعنی مصیبت جب عام ہوتی ہے تو خوش گواری ہو جاتی ہے۔ بخلاف نوافل کے اس کا کرنا سب پر لازم نہیں ہے خواہ کرے یا نہ کرے۔ رہی یہ بات کہ فرائض میں قرب کیوں زیادہ ہے۔ تو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو فرض کیا ہے جس کی وجہ سے اس کا درجہ نوافل سے کہیں زیادہ ہے اس لیے اس کی ادائے گی سے قرب خداوندی زیادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے۔ ما تقرب الیّ عبدی بشیٔ احب الیّ مما افترضت علیہ

یعنی میرے بندے نے میری جانب تقرب میرے فریضہ سے بڑھ کر کسی اور چیز کے ذریعہ حاصل نہیں کیا۔ تو اب چوں کہ یہ بات نفس میں موجود ہے۔ اس لیے شیطان بھی اس کی طرف سے خوب بہکاتا ہے اور نوافل کو مزین کر کے فرائض سے بد عقیدہ کر دیتا ہے اور اس کے فیض سے بہتوں کو محروم کر دیتا ہے۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ من سوء الاعتقاد و سوء الاعمال۔

"بشکریہ معرفت حق الہ آباد"

# جرح و تعدیل

(۷)

مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی
(استاد شعبہ دینیات مسلم یونی ورسٹی)

(حضرت مولانا ابو الحسنات محمد عبد الحی فرنگی محلی لکھنوی کی کتاب، اور اپنے موضوع پر نادر کتاب "الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل" اور اس پر شامی عالم مفتی عبد الفتاح ابو غدہ کے مفید حواشی کے ضروری مباحث کو اردو میں منتقل کرنے کے قصد سے یہ سلسلہ شروع کیا گیا تھا جس کی چھ قسطیں شائع ہو چکی ہیں۔ چھٹی قسط مارچ ۱۹۷۲ء میں شائع ہوئی تھی۔ اب پوری کتاب اور تمام حواشی کو اردو میں لے آنے کے خیال سے یہ سلسلہ پھر جاری کیا گیا ہے۔ پورے ایک سال کی تاخیر کی معذرت کے ساتھ۔ اب امید ہے کہ یہ کام پایۂ تکمیل کو پہونچ جائے گا۔ سال گذشتہ اپنی کتاب "بانیٔ درس نظامی استاذ الہند ملا نظام الدین محمد فرنگی محلی" کی تکمیل و اشاعت کی مصروفیتوں میں شدید انہماک رہا، بحمد اللہ اس اہم کام سے فراغت ہو گئی ہے، اب انشاء اللہ اس سلسلے کی تکمیل میں کوئی اور مصروفیت خلل انداز نہ ہونے پائے گی ——— محمد رضا انصاری)

**ابن القطان کی مخصوص اصطلاح** | میزان الاعتدال (تصنیف علامہ ذہبی) میں اکثر جگہ آپ نے "ابن القطان" کا بعض راویوں کے بارے میں یہ قول پڑھا ہے "لا یُعرف حالہ" (راوی کا کوئی حال نہیں ملتا) یا "لم تثبت عدالتہ" (اس کا معتبر ہونا یقین سے نہیں کہا جا سکتا)۔ ابن القطان سے مراد ابو الحسن علی بن محمد بن عبد الملک الفاسی ہیں جو ابن القطان کے نام سے مشہور ہیں، ۶۲۸ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ ان کی کتاب الوہم والایہام ہے، اسی کتاب سے بعض راویوں کے بارے میں ان کے

مذکورہ جملے (لا یُعرف حالہ یا لم تثبت عدالتہ) میزان الاعتدال میں ذہبی نقل کرتے ہیں، تو اس سے گمان ہوتا ہوگا کہ یہ راوی مجہول ہے یا غیر معتبر ہے، حالانکہ صورت حال یہ نہیں ہے، اسلیے کہ ابن القطان ان جملوں کو مخصوص اصطلاح کے طور پر استعمال کرتے ہیں، دوسرے حضرات ان کے اس اصطلاحی مفہوم میں ان کے مؤید نہیں ہیں، علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں ایک راوی حفص بن بغیل کے بارے میں لکھتے ہیں۔ " ابن القطان کا کہنا ہے کہ ان کا حال نہیں ملتا، میں کہتا ہوں کہ میں نے اپنی کتاب (میزان الاعتدال) میں اس قسم کے راویوں کا (جن کے بارے میں ابن القطان کہتے ہیں کہ ان کا حال نہیں ملتا) ذکر نہیں کیا ہے اس لیے کہ ابن القطان ہر اس راوی کے بارے میں جس کے حق میں اُس کے معاصر کسی امام (محدث یا کسی ایسے شخص نے جس نے معاصر امام سے حدیث حاصل کی ہے۔ ایسی کوئی بات نہ کہی ہو جو اس کے ثقہ ہونے پر دلالت کرتی ہو، یہی جملہ (لا یُعرف حالہٗ یا لم تثبت عدالتہٗ) کہہ دیتے ہیں، صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ایسی مثالیں بہت ہیں کہ کسی ایک نے راوی کو ضعیف قرار دیا مگر وہ راوی مجہول (ضعیف) نہیں ہے۔" (۱)

ذہبی نے مالک مصری کے حالات میں بھی (میزان الاعتدال میں) لکھا ہے۔ " ابن القطان کا کہنا ہے کہ مالک مصری کا ثقہ ہونا ثابت نہیں ہے، ابن القطان کا مطلب یہ ہے کہ کسی (ماہر فن جرح و تعدیل) نے صراحۃً ان کو ثقہ نہیں کہا ہے، حالانکہ صحیح بخاری کے راویوں میں بہت سے ایسے حضرات ہیں جن کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ انھوں نے مالک مصری کو ثقہ کہا ہے، اور جمہور کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ مشائخ میں سے اگر کوئی ایسا راوی ہے جس سے ایک گروہ محدثین نے روایت کی ہے اور وہ منکر حدیث بھی نہیں بیان کرتا ہے تو اس کی بیان کردہ حدیث صحیح ہے۔"

---

(۱) ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں بھی ابن القطان کے ذکر میں اسی طرح کی بات لکھی ہے۔ لکھتے ہیں "میں نے ابن القطان کی کتاب "الوہم والایہام" کا مطالعہ کیا ہے" یہ کتاب عبد الحق کی کتاب "الاحکام الکبریٰ" کی دفع پر ہے "الوہم والایہام" ابن القطان کی یادداشت اور قوت فہم پر قوی دلیل کی حیثیت رکھتی ہے۔ البتہ راویوں کے حالات لکھنے میں انھوں نے سختی برتی ہے اور انصاف سے کام نہیں لیا ہے۔ مثلاً ہشام بن عروہ اور ان کے ایسے بعض دوسرے راویوں تک کو وہ ضعیف ٹھہراتے ہیں۔" آگے چل کر خود مصنف (مولانا عبد الحی فرنگی محلی) نے بھی اس کا ذکر کیا ہے ۱۲ ابو غدہ

**یحییٰ القطان کا متروک راوی"**

"میزان الاعتدال" اور "تہذیب التہذیب" میں نیز اسماء الرجال کی دوسری کتابوں میں بعض راویوں کے بارے میں ملتا ہے کہ "ترکہ یحیی القطان" (یحییٰ القطان نے اس راوی کو متروک قرار دیا ہے) تو محض یحییٰ القطان[1] کا کسی راوی کو متروک قرار دینا اُس راوی کو درجۂ اعتبار سے مطلقاً نہیں خارج کر دیتا، اس کی دلیل ترمذی کا اپنی کتاب "جامع الترمذی" کے آخر میں "کتاب العلل" میں یہ قول ہے "علی بن المدینی کا کہنا ہے کہ یحییٰ القطان نے نہ شریک سے روایت کی ہے نہ ابوبکر بن عیاش سے، نہ ربیع بن صبیح سے اور نہ مبارک بن فضالہ سے' ابوعیسیٰ (یعنی مصنف کتاب ترمذی) کہتا ہے' اگرچہ ان راویوں سے یحییٰ القطان نے روایت ترک کر دی ہے لیکن اس لیے ترک نہیں کی ہے کہ ان راویوں پر غلط بیانی (کذب) کا الزام انھوں نے لگایا ہے بلکہ اسلیے ترک روایت کیا ہے کہ ان راویوں کی یادداشت (حفظ) اس کی مقتضی تھی، یحییٰ بن سعید القطان کے بارے میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ کسی راوی کو اس طرح پاتے کہ وہ اپنی یاد سے کبھی یوں روایت کرتا ہے اور کبھی یوں، اور ایک ہی روایت پر ثابت (قائم) نہیں رہتا تو اس سے روایت کرنا ترک کر دیتے تھے"۔

**یہ جرح نہیں!**

ماہرین جرح و تعدیل بعض راویوں کے بارے میں اکثر یہ کہتے ہیں کہ "یہ فلاں کا ایسا نہیں ہے (انہ لیس مثل فلاں) جیسے امام احمد بن حنبل نے عبداللہ بن عمر العمری کے بارے میں کہا ہے "وہ اپنے بھائی (عبیداللہ بن عمر العمری) کا ایسا نہیں ہے" یا بعض ماہرین فن کسی راوی کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ "اس راوی کے بجائے فلاں راوی میرے لیے زیادہ بہتر اور پسندیدہ ہے" (ان غیرہ احب الی) اور اسی طرح کے دوسرے جملے، تو یہ جرح نہیں ہیں!

حافظ ابن حجر نے "تہذیب التہذیب" میں ازہر بن سعد السمان کے حالات میں لکھا ہے:۔

"عقیلی نے ازہر بن سعد کو ضعیف راویوں میں شمار کیا ہے اس لیے کہ امام احمد نے کہا ہے کہ ازہر کے مقابلے میں ابن عدی میرے لیے زیادہ پسندیدہ ہیں" میں (ابن حجر) کہتا ہوں کہ امام احمد کا

---

(۱) امام سید الحفاظ ابوسعید یحییٰ بن سعید بن فروخ البصری القطان جرح و تعدیل کے اماموں میں سے ایک امام سنہ ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے ۱۹۸ھ میں وفات پائی۔ (تذکرۃ الحفاظ للذہبی)

ایک کہنا ایسی جرح نہیں کہ لازمی طور پر ضعیف راویوں میں دخول کا باعث بن جائے۔"

**مختلف رائیں کیوں؟** ایک ہی راوی کے بارے میں آپ دیکھتے ہیں کہ ابن معین اور دوسرے ماہرین فن کی رائیں کبھی کچھ ہوتی ہیں کبھی کچھ، ایک ہی کے بارے میں رائے کا یہ اختلاف کبھی تو اجتہاد کے فرق اور تغیر کی بناء پر ہوتا ہے اور کبھی نوعیت سوال کے اختلاف کی بنا پر، حافظ ابن حجر نے "بذل الماعون فی فضل الطاعون" میں لکھا ہے "ابو بلج کو یحییٰ بن معین، نسائی، محمد بن سعد، اور دارقطنی نے ثقہ قرار دیا ہے، ابن جوزی نے یحییٰ بن معین کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ ابو بلج کو ضعیف قرار دیتے تھے، تو اگر ابن جوزی کی روایت صحیح ثابت ہو جائے تو ہوا یہ ہوگا کہ ابو بلج اور اُن سے زیادہ معتبر کسی راوی کے بارے میں ابن معین سے پوچھا گیا ہوگا اور ابن معین نے زیادہ معتبر راوی کی نسبت سے ابو بلج کو ضعیف قرار دیا ہوگا، ابن معین کی جب ایک ہی راوی کے بارے میں مختلف رائیں منقول ہوں تو اس اہم نکتہ کو اس وقت ضرور پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ نوعیت سوال کے اختلاف یا تغیر اجتہاد کی بنا پر رائے میں فرق ہوا ہے) اس نکتہ کی طرف ابو الولید الباجی نے اپنی کتاب "رجال البخاری" میں خصوصی طور پر توجہ دلائی ہے۔"

حافظ ابن حجر کے شاگرد سخاوی نے "فتح المغیث" میں لکھا ہے "اس بات پر آگاہی دلانا ضروری ہے کہ ماہرین فن کے اقوال اور ان اقوال کے موقع و محل پر پوری طرح غور کیا جانا چاہیئے ماہرین فن کہہ دیتے ہیں کہ فلاں ثقہ ہے یا فلاں ضعیف ہے، اس سے ان کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ فلاں ثقہ کی حدیث قابل سند ہے اور فلاں ضعیف کی روایت ناقابل قبول، یہ صورت حال نوعیت سوال کی بنا پر پیدا ہو جاتی ہے کہ کس راوی سے ملا کر دوسرے راوی کے بارے میں پوچھا گیا ہے ایسی مثالیں بہت ہیں ہم زیادہ طول دینا نہیں چاہتے، ان میں سے ایک مثال یہ ہے کہ عثمان دارمی نے بیان کیا کہ میں نے ابن معین سے علاء بن عبد الرحمٰن اور اُن کے باپ (عبد الرحمٰن) کی سند کے بارے میں دریافت کیا کہ ان دونوں کی روایت کردہ حدیثوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے، انھوں نے کہا "کوئی خرابی نہیں ہے ان میں (لیس بہ باس) میں نے پھر پوچھا: علاء بن عبد الرحمٰن آپ کو زیادہ بہتر معلوم ہوتے ہیں کہ سعید المقبری؟ انھوں نے کہا: سعید زیادہ ثقہ ہیں اور علاء ضعیف ہیں۔" تو اس کہنے سے ابن معین کا یہ مطلب نہیں ہے کہ علاء مطلقاً ضعیف راوی ہیں،

دلیل یہ کہ ابھی ابن معین نے جواب میں کہا ہے کہ علاء کی روایت میں کوئی خرابی نہیں ہے، ابن معین کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ سعید المقبری کے مقابلے میں علاء ضعیف ہیں، ماہرین فن جرح و تعدیل میں سے کسی کے یہاں بھی جب کسی ایک ہی راوی کے بارے میں مختلف رائیں پائی جائیں یعنی ایک ہی راوی کو ایک وقت ثقہ اور دوسرے وقت مجروح اس نے قرار دیا ہو تو اس کے مختلف کلام کو اس طرح محل صحیح پر رکھنا چاہیے۔ اسی لیے یہ بھی چاہیے کہ اصحاب جرح و تعدیل کے اقوال کو اس تفصیل سے نقل کیا جائے جس کے تحت وہ کلام کیا گیا ہے تاکہ وہ حقیقت، جو شاید اکثر لوگوں سے مخفی رہ گئی ہو واضح ہو جائے، اور کبھی اختلاف رائے تغیر اجتہاد کی بنا پر بھی ہوتا ہے۔" (۱)

**راوی کو مجروح ماننے میں احتیاط** کسی راوی کو اہل جرح و تعدیل میں سے بعض نے اگرچہ مجروح قرار دیا ہو مگر آپ کو اسے مجروح قرار دینے میں جلد بازی سے کام لینے میں احتیاط لازم ہے، خود آپ کا فرض ہے کہ معاملے کی پوری طرح چھان بین کیجیے اس لیے کہ یہ مرحلہ بہت خطرناک اور مہلک ہوتا ہے، آپ کے لیے جائز نہیں کہ ہر جرح کرنے والے کی جرح کو خواہ وہ کسی راوی کے بارے میں ہو، سند بنا لیجیے، اگرچہ جرح کرنے والا ماہرین ہی میں یا مشہور علماء میں بھی سے کیوں نہ ہو؛ اس لیے کہ اکثر و بیشتر جرح کو قبول کرنے سے کوئی مانع موجود ہوتا ہے، جب مانع موجود ہو تو جرح کو رد کر دینے کا حکم دیا جاتا ہے، یہ صورت حال بہت پیش آتی ہے جیسا کہ ماہرین کتب شرعیہ سے مخفی نہیں ہے۔

اس صورت حال کی ایک شکل یہ ہے کہ جرح کرنے والا بذات خود مجروح ہو، تو اس حالت میں اس کی جرح قبول کرنے میں عجلت سے کام نہیں لیا جائے گا۔ اسی طرح اس کی تعدیل بھی اگر دوسرے

(۱) اجتہاد کے تغیر اور فرق کی بنا پر اگر دو مختلف رائیں ہوں تو کس رائے کو ترجیح دی جائے گی؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ دونوں میں جو آخری رائے ہوگی اس کو صحیح مانا جائے گا۔ اگر یہ معلوم ہونا ممکن ہو کہ آخری رائے کون سی ہے ورنہ توقف کیا جائے گا، یعنی نہ اس رائے کو مانا جائے گا نہ اُس رائے کو جیسا کہ زرکشی کا قول اس سے پہلے گزر چکا ہے۔ ابو غدہ

اس کی تائید میں نہیں ہیں بے جھجک قبول نہیں کی جائے گی جیسا کہ ذہبی نے 'میزان الاعتدال' میں اَبان بن اسحاق مدنی کے احوال میں ابو الفتح ازدی کی یہ رائے ذکر کرنے کے بعد کہ اَبان بن اسحاق متروک راوی ہیں کہا ہے "میں (ذہبی) کہتا ہوں کہ اَبان بن اسحاق کو ترک نہیں کیا جائے گا کیونکہ احمد العجلی نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے، جہاں تک ابو الفتح کی رائے کا سوال ہے تو وہ جرح کرنے میں حد سے تجاوز کر جانے والے ہیں۔ ان کی مجروحین کے موضوع پر حد تک پہونچی ہوئی ایک بڑی تصنیف ہے، اس میں بہت کچھ جمع کیا اور سنتا ہے، بہت سے لوگوں کی اپنے ہی طور پر جرح کر ڈالی ہے، ان راویوں کے بارے میں بھی جرح کی ہے جن پر ان سے پہلے کسی ایک نے بھی جرح نہیں کی، اس کا ذکر میں 'محمد مبین' کے بیان میں کروں گا۔"

پھر ذہبی نے باب المیم میں لکھا ہے کہ "حافظ محمد بن الحسین ابو الفتح بن یزید الازدی الموصلی' ابویعلی الموصلی، اور باغندی نیز ان ہی دونوں محدثین کے طبقے کے دوسرے محدثین سے روایت حدیث کرتے ہیں انھوں نے اکٹھا کیا اور کتابیں تصنیف کیں، ان کی ایک بڑی کتاب جرح اور ضعیف راویوں کے موضوع پر ہے، اس سلسلے میں ان کی گرفتیں کی گئی ہیں۔ ان ہی ابو الفتح سے ابو اسحاق برمکی اور دوسروں نے روایت حدیث کی ہے' برقانی نے ابو الفتح کو ضعیف مانا ہے اور ابو النجیب عبد الغفار ارموی کا بیان ہے کہ: "میں نے اہل موصل کو دیکھا وہ ابو الفتح کو حقیر سمجھتے تھے' اور اُن کی کچھ بھی حقیقت اُن کی نظر میں نہیں تھی" خطیب کا کہنا ہے کہ ابو الفتح کی حدیثوں میں منکر حدیثیں بہت ہیں۔ وہ حافظ حدیث تھے' علوم حدیث میں ان کی تصانیف ہیں۔" میں (ذہبی) کہتا ہوں ابو الفتح کا انتقال ۳۷۴ھ میں ہوا۔"

ابن حجر نے 'تہذیب التہذیب' میں احمد بن شبیب الحبطی البصری کے احوال میں 'ان کے بارے میں ازدی کی یہ رائے نقل کرنے کے بعد کہ وہ ناپسندیدہ راوی ہے' لکھا ہے "میں (ابن حجر) کہتا ہوں کہ ازدی کی رائے پر کسی ایک نے بھی التفات نہیں کیا ہے بلکہ خود ازدی ہی ناپسندیدہ ہے۔"

اس صورت حال کی ایک اور شکل یہ ہے کہ جائح سخت گیر اور تشدد پسند ناقدین میں ہو' ائمہ جرح و تعدیل میں خاصے ایسے لوگ ہیں جن کو اس مسئلہ میں خاص تشدد رہتا ہے' ذرا سی جرح پر راوی کو مجروح کر دیتے ہیں اور ایسے ایسے الفاظ جرح کا اس پر اطلاق کرتے ہیں جو کہ

سمجھ داروں کے نزدیک غیر مناسب ہیں، تو اس قسم کا جارح اگر کسی کی توثیق کر دے تو اس کا تو اعتبار کیا جائے گا، لیکن اس کی جرح کا اس وقت تک اعتبار نہیں کیا جائے گا جب تک اس کی تائید کوئی ایسا نہ کرے جو انصاف پسند اور معتبر ہے، ان متشددین میں ابو حاتم، نسائی، ابن معین، ابن القطان یحییٰ القطان اور ابن حبّان وغیرہ ہیں۔ یہ حضرات جرح میں حد سے تجاوز کر جانے اور سختی سے کام لینے میں مشہور و معروف ہیں، سمجھ دار کا فرض ہے کہ جن راویوں کے بارے میں ان میں سے کسی ایک نے سب سے ہٹ کر جرح کی ہے، ان کے بارے میں اپنی جگہ لے اور خود اس راوی کے بارے میں غور و فکر سے کام لیتا ہے۔

ذہبی نے میزان الاعتدال میں سفیان بن عُیَینہ کے احوال میں کہا ہے "یحییٰ ابن سعید القطان راویوں کے بارے میں سخت گیر ہیں" اور سیف بن سلیمان مکی کے احوال میں کہا ہے "باوجود اپنی سخت گیری کے یحییٰ القطان نے سیف سے حدیث روایت کی ہے۔" اسی طرح سُوید بن عمرو الکلبی کے ذکر میں ابن مَعین وغیرہ کی توثیق نقل کرنے کے بعد ذہبی نے کہا ہے "رہا ابن حبّان کا معاملہ تو وہ حد سے گزر گئے اور بے باکی سے کہہ گئے ہیں کہ سُوید بن عمرو سلسلۂ اسناد کو الٹ پلٹ کر دیا کرتا تھا اور صحیح اسناد کے سلسلے سے واہی (مہمل) متون بیان کر دیا کرتا تھا۔"

ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں حارث بن عبد اللہ الہمدانی الاعور کے احوال میں کہا ہے "حارث کی حدیثیں سنن اربعہ میں موجود ہیں، نسائی نے جرح میں سخت گیری کی اپنی عادت کے باوجود حارث کو معتبر قرار دیا ہے اور اس کے معاملے کو مضبوط ٹھیرایا ہے۔"

ذہبی نے میزان الاعتدال میں عثمان بن عبد الرحمٰن الطرائفی کے ذکر میں کہا ہے "رہا ابن حبّان کا معاملہ تو وہ حسب عادت عثمان بن عبد الرحمٰن الطرائفی پر ہونک دوڑے اور کہا کہ وہ ضعیف راویوں سے حدیثیں لے کر انھیں ثقات سے منسوب کر دیتا ہے ............ اور جب اس کی حدیثوں میں تدلیس بکثرت ہے تو میرے نزدیک اس کی کسی روایت کو کسی حال میں حجت بنانا جائز نہیں ہے۔"

ابن حجر نے "القول المسدد فی الذب عن مسند احمد" میں کہا ہے "اکثر ابن حبّان نے ثقات پر جرح کی ہے اور ان کو احساس بھی نہیں ہوتا کہ ان کی کھوپڑی سے کیا نکل رہا ہے۔"

اسی طرح کی بات ذہبی نے میزان الاعتدال میں فلیح بن سعید المدنی کے ذکر میں ابن حبان کے
ے میں کہی ہے"[1]

تقی السبکی نے "شفاء السقام" میں لکھا ہے "رہا ابن حبان کا محمد بن حمید کے بارے میں
کہنا کہ وہ ثقات سے ہنگامہ خیز باتیں روایت کیا کرتا ہے، تو یہ ویسے ہی ہے جیسا دار قطنی کا قول البتہ
ہمارے زمانے میں یہ مبالغہ کی حدود میں داخل ہو گئے ہیں۔"

ذہبی نے میزان الاعتدال میں محمد بن الفضل السدوسی عارم کے ذکر میں جو بخاری کے استاد
ہیں، دار قطنی کی توثیق نقل کرنے کے بعد لکھا ہے "میں کہتا ہوں کہ عارم کی یہ توثیق دار قطنی کے ایسے
اپنے عہد کے حافظ حدیث کی توثیق ہے، نسائی کے بعد دار قطنی کا ایسا حافظ حدیث دنیا میں آیا
ہی نہیں، تو اس توثیق کے مقابلے میں ابن حبان کے ایسے فضول گو اور عارم کے حق میں ... ایک
کے اس کہنے کا کیا اعتبار کہ "عارم آخر عمر میں خبطی ہو گئے تھے اور ان کو یہ احساس بھی نہیں رہا
تھا کہ وہ کیا حدیث بیان کر رہے ہیں، اسی لیے ان کی حدیثوں میں منکر حدیثوں کی کثرت ہوگئی تو
عارم کی ان حدیثوں سے پرہیز کرنا چاہیے جو متاخرین نے ان سے روایت کی ہیں اور جب یہ
نہیں چل پاتا کہ یہ حدیث آخر عمر کی ہے یا اس سے پہلے کی تو ان کی تمام حدیثوں کو ترک کر دیا گیا
ہے ان میں سے کسی ایک سے بھی حجت نہیں پکڑی جا سکتی"۔ میں (ذہبی) کہتا ہوں: ابن حبان
ایسی ایک حدیث بھی عارم کی بطور مثال پیش نہ کر سکے جو منکر کہی جا سکتی ہو تو پھر ان کی رائے
یا رائے ہوئی؟"

ابن حجر نے "بذل الماعون فی فضل الطاعون" میں لکھا ہے "ابو بلج یحییٰ الکوفی کے مضبوط
راوی ہونے کے لیے بس یہی کافی ہے کہ نسائی اور ابو حاتم تک نے اپنی سخت گیری کے باوجود ان کی
توثیق کی ہے۔

(۱) مصنف (مولانا ابو الحسنات محمد عبد الحی فرنگی محلی) کی مذکورہ عبارت سے مطلب نکلتا ہے کہ ابن حبان کے بارے
میں ابن حجر نے جو لکھا ہے وہ خود اپنی طرف سے لکھا ہے حالانکہ ابن حجر نے ذہبی کا یہ قول میزان الاعتدال سے نقل کر کے
لکھا ہے جیسا کہ القول المسدد میں عبارت کے شروع ہی میں ابن حجر نے صراحت کر دی ہے کہ یہ ذہبی کا قول ہے ۱۲ ابو غدہ۔

"فتح الباری" کے مقدمہ میں بھی ابن حجر نے محمد بن ابو عدی البصری کے ذکر میں لکھا ہے "ابو حاتم میں بڑی سخت گیری ہے۔"

ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں ابن القطان کے احوال میں جن کے بکثرت اقوال اپنی کتاب میزان الاعتدال میں انھوں نے نقل کیے ہیں لکھا ہے "ابن القطان کا نام ابو الحسن علی بن محمد ہے۔" ابن القطان کی خوبیاں لکھنے کے بعد ذہبی لکھتے ہیں "میں کہتا ہوں کہ میں نے ان کی تصنیف "الوہم و الایہام" دیکھی ہے، یہ کتاب عبد الحق کی "الاحکام الکبریٰ" کے وضع پر ہے۔ ابن القطان کی کتاب ان کی زبردست یادداشت اور سمجھ پر دلالت کرتی ہے لیکن راویوں کے احوال میں انھوں نے سخت گیری کا رویہ اختیار کیا ہے اور انصاف سے کام نہیں لیا ہے یہاں تک کہ ہشام بن عروہ اور ان کے درجے کے راویوں تک کو انھوں نے ضعیف ٹھیرا دیا ہے۔"

میزان الاعتدال میں ہشام بن عروہ کے ذکر میں ان کی توثیق بیان کرنے کے بعد ذہبی نے لکھا ہے "اور ابو الحسن ابن القطان نے ہشام بن عروہ اور سہیل بن ابی صالح کے بارے میں یہ جو کہا ہے کہ یہ دونوں خبطی ہو گئے تھے اور ان کا حال متغیر ہو گیا تھا تو ان کے اس کہنے کا کوئی اعتبار نہیں بے شک وہ آخر عمر میں کچھ متغیر ہو گئے تھے اور یادداشت کی وہ حالت باقی نہیں رہی تھی جو جوانی میں تھی اور ان محفوظ حدیثوں میں کچھ فراموش بھی کر گئے تھے اور کہیں کہیں شک و شبہ میں بھی پڑ گئے مگر اس سے اثر کیا پڑا؟ کیا وہ بھول چوک سے معصوم تھے؟ آخر عمر میں جب ہشام بن عروہ عراق آئے تو انھوں نے بہت سے محدثین (اہل علم) سے بہت سی حدیثیں بیان کیں اور ان بہت سی حدیثوں میں معدودے چند حدیثیں ایسی تھیں جو درجۂ اعلیٰ کی نہیں تھیں۔ یہ صورت حال تو امام مالک کو بھی شعبہ کو بھی وکیع کو بھی اور بڑے بڑے ثقہ حضرات کو بھی پیش آئی ہے، تو اے ابن القطان! ہر ایک کو خبطی کہنے کے خبط کو چھوڑ اور ثقات کو ضعیف اور خبطی راویوں میں خلط ملط کرنے کی عادت سے باز آ۔ ہشام بن عروہ شیخ الاسلام ہیں، لیکن اے ابن القطان! تیرے بارے میں خدا ہماری تسلی بخوبی کرے۔"

جاری

حافظ محمد نعیم ندوی ایم۔ اے
رفیق دار المصنفین اعظم گڑھ

# قاضی شریکؒ نخعی

## (ایک ثقہ راوی ——— ایک عادل جج)

**نام و نسب** شریک نام اور ابو عبد اللہ کنیت تھی۔ نسب نامہ یہ ہے۔ شریک بن عبد اللہ بن ابی شریک حارث بن اوس بن الحارث بن الاذھل بن وھبیل بن سعد بن مالک بن النخع بن جسر بن عمرو بن علہ بن خالد بن مالک بن ادد بن زید بن یشجب بن عریب بن زید بن کہلانؔ یمن کے قبیلہ بنو مذحج کی ایک بڑی شاخ بنو النخع سے نسبی تعلق رکھنے کے باعث نخعی کہلاتے ہیں۔

**ولادت۔ وطن اور خاندان** ان کی ولادت خراسان کے مشہور مردم خیز شہر بخارا میں ۹۵ھ میں ہوئی[2]۔ بنو النخع طلوع اسلام کے بعد نقل مکانی کر کے کوفہ میں آباد ہو گئے تھے اس لیے قاضی شریک بھی تاحیات کوفہ ہی میں سکونت اختیار کیے رہے۔ یہاں تک کہ نسباً نخعی کے ساتھ وطناً وہ کوفی ہی کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ ان کا خاندان علم و فضل کے اعتبار سے نہایت بلند و ممتاز مقام رکھتا ہے۔ امام ابراہیم نخعی جیسے جلیل القدر تابعی اسی گلستان فضل و دانش کے ایک گل سرسبد تھے۔ قاضی شریک کے جد امجد حارث بن اوس نے جنگ قادسیہ میں شریک ہو کر داد شجاعت دی تھی[3]۔

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۲۶۳ و ابن خلکان ج ۱ ص ۲ و اللباب ج ۳ ص ۱۲۱۔
[2] اخبار القضاۃ ج ۳ ص ۱۵۰ [3] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۲۶۳۔

**علوئے مرتبت** | قاضی شریک کو فضل و کمال خاندانی ورثہ میں ملا تھا۔ فقہ و حدیث میں ان کی مہارت وقدرت مسلم تھی۔ علاوہ ازیں فہم و دانش، ذہانت وفطانت سے بہرہ وافر پایا تھا۔ سلاطین وقت ان کی توقیر و تعظیم میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھتے تھے۔ کوفی شیوخ حدیث کی مرویات کا ان سے بڑا واقف کار اس وقت کوئی نہ تھا۔ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں۔

شریک اعلم بحدیث الکوفیین من سفیان[۱] — شریک کوفی علماء کی مرویات کے سفیان سے بڑے عالم تھے۔

امام احمد کا بیان ہے:۔

کان عاقلاً صدوقاً محدثاً کان شدیداً علی اھل الریب والبدع[۲] — وہ عاقل، صدوق اور محدث تھے۔ اہل ریب و بدعت کے بارے میں بہت سخت تھے۔

ابن خلکان رقمطراز ہیں:۔

کان عالماً فقیہاً فہماً ذکیاً فطناً[۳] — وہ عالم، فقیہ، عاقل، ذہین اور فطین تھے

علامہ ذہبی لکھتے ہیں:۔

کان شریک حسن الحدیث اماماً فقیہاً محدثاً مکثراً[۴] — قاضی شریک امام، فقیہ، اور کثیر الروایت محدث تھے۔

عیسیٰ بن یونس بیان کرتے ہیں:۔

ما رأیت احداً قط اورع فی علمہ من شریک[۵] — میں نے علم میں شریک سے زیادہ محتاط کسی کو نہیں دیکھا

**حدیث** | حدیث میں ان کی بلندیٔ مرتبت کا اندازہ صرف اسی سے کیا جا سکتا ہے کہ اسحاق ازرق نے ان سے نو ہزار حدیثوں کا سماع حاصل کیا تھا۔ ابن مبارک کے قول کے مطابق وہ شیوخ کوفہ کی حدیثوں کے سفیان ثوری سے بھی بڑے عالم تھے[۶]

---

۱ میزان الاعتدال ج ۱ ص ۴۴۴ ۲ ایضاً ۳ ابن خلکان ج ۱ ص ۲۰۲ ۴ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۲۰
۵ تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۳۵ ۶ العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۲۷۰۔

**تفقہ** | فقہ میں انھیں غیر معمولی کمال حاصل تھا اور اسی باعث وہ ایک طویل زمانہ تک واسط رہا اور کوفہ میں مسندِ عدل و انصاف کی زینت بنے رہے۔ علماء نے ان کے علم و فضل کا اعتراف کرتے ہوئے کمالِ تفقہ کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔

**شیوخ** | قاضی شریک کے اساتذہ اور شیوخ کی طویل فہرست میں بلند پایہ تابعین کافی تعداد میں شامل ہیں جن میں سے چند نمایاں اسمائے گرامی یہ ہیں۔ ابو اسحاق سبیعی، ہشام بن عروہ، سلیمان بن مہران الاعمش، عطاء بن السائب، منصور بن زاذان، زیاد بن علاقہ، عبد الملک بن عمیر، عباس بن ذریح، ابراہیم بن جریر البجلی، اسماعیل بن ابی خالد، ابو فزارہ، راشد بن کیسان، خصیفہ، عاصم بن سلیمان الاحول، سماک بن حرب، عاصم بن بہدلہ، عاصم بن کلیب، عبد العزیز بن رفیع، مقدام بن شریح، عبید اللہ بن عمرو، عمارہ بن القعقاع۔

**تلامذہ** | ان کے آفتابِ فیض کی شعاعوں سے کسبِ نور کرنے والوں کا حلقہ بھی اسی نسبت سے بہت وسیع ہے، فنِ جرح و تعدیل کے مشہور امام عبد الرحمٰن بن مہدی اور حافظ وکیع اور امام یحییٰ بن آدم جیسے فخرِ روزگار علماء ان ہی کے خرمنِ علم کے خوشہ چیں ہیں۔ ان کے علاوہ مشاہیر ائمہ میں فضل بن موسیٰ السینانی، یونس بن محمد المؤدب، عبد السلام بن حرب، ہشیم بن بشیر، اسحاق الازرق، اسود بن عامر شاذان، ابو اسامہ، حسین بن محمد المروزی، حجاج بن محمد، اسحاق بن عیسیٰ، حاتم بن اسماعیل، یعقوب بن ابراہیم، زید بن ہارون، ابو نعیم، ابو غسان النہدی، علی بن حجر، محمد بن الصباح الدولابی، محمد بن الطفیل النخعی، قتیبہ بن سعید، محمد بن سلیمان، اور عبد الرحمٰن بن شریک کے نام ان کے تلامذہ میں ملتے ہیں۔ سب سے آخری شاگرد عباد بن یعقوب کو کہا جاتا ہے۔[لہ]

**پایۂ ثقاہت** | ماہرینِ فن کی ایک کثیر تعداد ان کی عدالت و ثقاہت کی معترف ہے، ابو حاتم کا قول ہے:-

| | |
|---|---|
| شریك صدوق هو احب الی من ابی الاحوص[ٹہ] | شریک صدوق ہیں وہ میرے نزدیک ابو الاحوص سے زیادہ پسندیدہ ہیں۔ |

---

لہ تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۳۳ - ۳۴ ٹہ میزان الاعتدال ج ۱ ص ۴۴۵

ابن سعد رقمطراز ہیں :-

کان ثقة مامونا كثير الحديث[1] — وہ ثقہ، مامون اور کثیر الحدیث ہیں۔

عجلی شاہد ہیں کہ :-

کوفی ثقة وكان حسن الحديث و — وہ کوفی ثقہ اور حسن الحدیث تھے۔

كان اروى الناس عنه اسحاق الازرق[2] — ان سے سب سے زیادہ روایتیں اسحاق الازرق نے کی ہیں۔

امام نسائی فرماتے ہیں "لیس به بأس[3]" ابن حبان نے بھی کتاب الثقات میں ان کا ذکر کیا ہے، مزید برآں ان کی ثقاہت کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ امام بخاری نے بھی انھیں حجت قرار دیا ہے اور امام مسلم نے ان کی روایات کی تخریج کی ہے۔[4]

**تثبت و اتقان** اسی طرح وہ تثبت و اتقان میں بھی بلند پایہ تھے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ شریک نے ابو اسحاق سبیعی سے "قدیم" سماع حاصل کیا تھا جس کا مستند ہونا شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ اسی وجہ سے شریک کا مرتبہ مرویات سبیعی کے باب میں زہیر بن معاویہ، اسرائیل بن یونس اور زکریا بن ابی زائدہ سے بھی بلند ہے[5]۔ علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ قاضی شریک اتقان و تثبت میں حماد بن زید کے ہم پلہ تھے[6]۔

**منصب قضا** فقہ و افتاء میں ان کے کمال تبحر کے باعث مختلف سلاطین نے انھیں قضا کے عہدہ جلیلہ پر فائز کیا اور پھر کچھ عرصہ بعد معزول کر دیا۔ اس کے بعد جب مہدی اورنگ خلافت پر رونق افروز ہوا تو اس نے دوبارہ قاضی شریک کو اس منصب پر مامور کیا۔[7] لیکن حافظ ابن حجر نے ابن حبان کی روایت سے نقل کیا ہے کہ شریک ۱۵۰ھ میں واسط کے قاضی مقرر ہوئے اور اس کے بعد کوفہ کے مسند قضا پر رونق افروز ہوئے[8]۔ اول الذکر بیان ہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اس کی تائید دوسرے ماخذ سے

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۲۶۴ [2] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۳۵ [3] العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۲۰۰

[4] شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۰۰ [5] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۳۴ [6] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۰۔

[7] الاعلام ج ۲ ص ۴۱۱ [8] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۳۶

سے بھی ہوتی ہے۔ مؤرخ ابن خلکان نے اہواز کے قاضی ہونے کا بھی ذکر کیا ہے[1]

قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ قاضی شریک نے اس آزمائش سے محفوظ رہنے کی حتی الامکان پوری جدوجہد کی جب بھی حاکمِ وقت نے ان کو بلا کر اس منصب کی پیشکش کی انھوں نے برملا اس سے اس سے اپنے کو نااہل ثابت کر کے معذوری ظاہر کر دی۔ چنانچہ منصور عباسی نے جب ان سے کہا "قد ولیتك قضاء الكوفة" یعنی میں نے آپ کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا تو فوراً عاجزی سے فرمایا

| | |
|---|---|
| یا امیر المومنین إنی انما انظر فی الصلوٰۃ والصوم فاما القضاء فلا احسنه[2] | اے امیر المومنین میں تو صرف نماز روزہ ہی کے امور سے واقفیت رکھتا ہوں قضا کی ذمہ داریوں سے باحسن وجوہ عہدہ برآ نہ ہو سکوں گا۔ |

اسی طرح جب خلیفہ مہدی نے انھیں یہ منصب تفویض کرنے کے لیے بلایا تو فرمایا "لا اصلح لذلك" یعنی مجھ میں اس کی صلاحیت نہیں ہے۔ لیکن بالآخر جب حکمرانوں نے جبر و زبردستی کی حد تک اصرار کیا تو بادلِ ناخواستہ اس کو قبول کرنے پر تیار ہوئے[3]

**عدل پروری** قاضی شریک کی کتابِ زندگی کا سب سے درخشاں باب ان کا زمانۂ قضاء کا کردار و عمل ہے۔ وہ اس عظیم آزمائش سے بڑی حسن و خوبی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے۔ اس پوری مدت میں عدل پروری، انصاف پسندی اور غیر جانبداری ان کا خاص شیوہ رہا، حافظ ابن کثیر رقمطراز ہیں "کان مشکوراً فی حکمه وتنفیذ الأحکام[4]" علامہ ذہبی لکھتے ہیں "کان عادلاً فی قضاءه[5]" محمد بن خلف وکیع نے عدالتی فیصلے نافذ کرنے میں قاضی شریک کی زیرکی و ہوشمندی کے متعدد واقعات نقل کیے ہیں۔ یہاں خود قاضی صاحب کے بیان کردہ صرف ایک واقعہ کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

---

[1] ابن خلکان ج ۱ ص ۳۰۳ [2] ایضاً [3] اخبار القضاۃ ج ۳ ص ۱۵۰ و ۱۵۲، ابن سعد ج ۶ ص ۲۶۳۔
[4] البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۱۷۱ [5] میزان الاعتدال ج ۱ ص ۴۴۵۔

فرماتے ہیں کہ "جب منصور نے مجھے کوفہ کا قاضی مقرر کیا تو میں وہاں گیا، والیٔ کوفہ محمد بن سلیمان کا کاتب حماد بن موسیٰ کسی قضیہ میں ماخوذ ہو کر میرے سامنے پیش ہوا، میں نے دلائل و شواہد کی بنیاد پر فیصلہ صادر کر کے اسے جیل بھیج دیا۔ ایک دن ناگاہ مجھے خبر ملی کہ حاکم نے اسے رہا کر دیا ہے۔ میں نے سوچا کہ یہ پہلا موقع ہے اگر اس بار ہی میں نے کمزوری کا ثبوت دیا تو پھر حالات پر قابو حاصل کرنا مشکل ہوگا۔

چنانچہ میں فوراً محمد بن سلیمان کے پاس پہونچا اور نہایت درشت لب و لہجہ میں کہا کہ تمھیں تو میرے فیصلوں کے نفاذ میں مدد و معاون بننا چاہیئے تھا، لیکن تم نے میری قید سے ایک مجرم کو رہا کر کے توہینِ عدالت کا ارتکاب کیا ہے۔ بخدا اگر تم نے اسے دوبارہ قید میں نہ پہونچایا تو میں امیر المومنین کے سامنے پورا معاملہ رکھ دوں گا۔ یہ رنگ دیکھ کر حاکم مذکور نے فوراً اپنے کاتب کو قید میں واپس کر دیا۔[1]

ایک قابلِ ذکر معمول | پورے زمانہ قضا میں ان کا یہ مستقل معمول رہا کہ مجلس عدل منعقد کرنے سے قبل دوپہر کا کھانا تناول فرماتے، پھر اپنے موزے میں سے ایک کاغذ نکال کر اسے بغور دیکھتے اس کے بعد مقدمات کی پیشی کا حکم دیتے۔ ان کے بعض احباب کو تجسس پیدا ہوا کہ آخر اس کاغذ میں کیا لکھا ہے جسے روزانہ اتنی پابندی سے دیکھنے کا معمول ہے۔ چنانچہ انھوں نے دیکھا تو اس میں تحریر تھا۔

یا شریک بن عبد الله اذکر الصراط وحدته یا شریک بن عبد الله اذکر الموقف بین یدی الله عز وجل[2]

اے شریک بن عبد اللہ پل صراط اور اس کی دھار کی تیزی کو یاد رکھ، اے شریک اس دن کو یاد رکھ جب تو خداوند قدوس کے روبرو کھڑا ہوگا۔

عبادت | نہایت عبادت گزار تھے۔ محمد بن عیسیٰ تیمی شاہد ہیں کہ میں نے قاضی شریک کی پیشانی پر سجدہ کے واضح نشانات دیکھے۔[3]

عقل و ذہانت | ان کی فہم و دانش اور ذہانت اور ذکاوت کا ایک ثبوت اوپر مذکور ہوا۔ عمار بن زریق کہتے ہیں کہ ایک بار میں امام مغیرہ کی خدمت میں حاضر تھا اسی اثنا میں سامنے سے قاضی شریک

---

[1] اخبار القضاۃ ج ۳ ص ۱۵۱ [2] البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۱۷۱ [3] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۳۶

سفیان ثوری، حسن بن صالح اور قیس بن الربیع ساتھ ساتھ آتے نظر آئے۔ امام مغیرہ نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے فرمایا

ما من ھؤلاء احد اعقل من شریک لہ    ان میں شریک سے زیادہ فرزانہ کوئی نہیں ہے۔

بدیہہ گوئی | اسی عقل و دانش کا ثمرہ تھا کہ وہ حاضر جوابی اور بدیہہ گوئی میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے سفیان بن عیینہ کا بیان ہے کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ حاضر جواب تھے "کان احضر الناس جوابا"[۵]۔ منصور بن ابی مزاحم کہتے ہیں کہ میں نے قاضی شریک کی زبان گوہر بیان سے خود فرماتے سُنا "ترك الجواب فی موضعه اذابة القلب" یعنی موقع پر جواب سے چوک جانا دل کی سخت پشیمانی کا باعث ہوتا ہے۔

بعض اعتراضات اور اُن کے جوابات | ان کے فضل و کمال اور علم و دانش کا اعتراف کرنے کے ساتھ بعض علماء نے ان پر شدید نقد وجرح بھی کی ہے۔ عام طور سے ان پر دو اعتراض وارد کیے جاتے جاتے ہیں۔ اول یہ کہ سوء حافظہ اور فتور عقل میں مبتلا تھے جس کے نتیجہ میں روایات میں اکثر اضطراب، تخلیط اور تدلیس واقع ہو جایا کرتا تھا۔ ابراہیم بن سعید کا بیان ہے کہ شریک نے چار سو حدیثوں میں غلطی کی ہے۔ دار قطنی کہتے ہیں کہ ان کی منفرد روایات قابل قبول نہیں ہیں۔ یحییٰ بن سعید القطان بیان کرتے ہیں کہ

کان مشھورا بالتدلیس[۶]    وہ تدلیس کے لیے مشہور ہیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ وہ رافضی تھے اور حضرت علی کو دوسرے خلفائے راشدین و انبیائے کرام سے افضل اور خیر البشر قرار دیتے تھے چنانچہ ابو داؤد الرھاوی روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے قاضی شریک کو خود کہتے سنا کہ

علی خیر البشر فمن ابی فقد کفر[۷]    حضرت علی خیر البشر تھے۔ جو اس کا انکار کرے وہ کافر ہے۔

---

[۴] اخبار القضاۃ ج ۳ ص ۱۵۰ [۵] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۳۶ [۶]، [۷] ایضاً

لیکن تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ہی اعتراضات یکسر بے بنیاد ہیں۔ ائمہ سلف کی ایک خاصی تعداد کو رفض کے الزام سے متہم کیا گیا ہے جس کی حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس عہد میں اہل بیت کرام سے عقیدت و محبت کے غلو کو تشیع کا رجحان سمجھا جاتا تھا۔

مذکورہ بالا الزامات میں سے اول الذکر کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ آخر عمر میں قاضی شریک کا حافظہ کمزور ہوگیا تھا۔ اس لیے اس زمانہ کی مرویات کا پایۂ استناد اتنا بلند نہیں رہا جتنا اس سے قبل کی روایات کا تھا۔ لیکن یہ ضعف ان کی ساری عمر کی روایات پر اثر انداز نہ ہوگا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حقیقت کو بہت واضح طور پر ذکر کیا ہے کہ متقدمین کا ان سے سماع بالکل بے داغ ہے جن متاخرین نے ان کا قاضی مقرر ہونے کے بعد ان سے حدیثیں روایت کی ہیں اُن میں وہم و اضطراب کا شبہ ہے۔ اس لیے کہ اس زمانہ میں قاضی شریک کا حافظہ کبر سنی کے باعث درست نہیں رہا تھا عجلی کا بیان ہے کہ

| | |
|---|---|
| من سمع منہ قدیماً فحدیثہ صحیح ومن سمع منہ بعد ما ولی القضاء ففی سماعہ بعض الاختلاط[۱] | جس نے ان سے قدیم سماع حاصل کیا اسکی روایات درست ہیں اور جس نے ان کے قاضی ہونے کے بعد سماعت کی اس کی مرویات میں کچھ اختلاط ہے۔ |

صالح جزرہ کہتے ہیں کہ:

| | |
|---|---|
| صدوق ولما ولی القضاء اضطرب حفظہ[۲] | یوں تو وہ صدوق ہیں۔ لیکن منصب قضا پر فائز ہونے کے بعد ان کا حافظہ ٹھیک نہیں رہا |

اسی طرح ثانی الذکر الزام کی تردید ایک سے زائد بار خود قاضی شریک نے کردی تھی۔ ایک مرتبہ کسی مفسد نے خلیفہ مہدی سے شکایت کردی کہ شریک بن عبد اللہ رافضی ہیں۔ چنانچہ مہدی نے انھیں بلا بھیجا۔ انھوں نے آکر خلیفہ کو سلام کیا اُس نے اپنی ناراضگی کے [illegible] اعراض کیا۔ قاضی صاحب نے اس کا سبب دریافت فرمایا تو اس نے کہا [illegible]

---

۱؎ تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۳۶ ۲؎ ایضاً۔

کی بابت تم رافضی ہو؟" قاضی صاحب نے نہایت سکون سے جواب دیا کہ:

"اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت فاطمہ، حضرت علیؓ، حسنؓ اور حسینؓ سے محبت کا نام ہی رفض ہے تو میں خدا اور تم کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں بھی رافضی ہوں۔"[1]

علاوہ ازیں خلفائے راشدین پر حضرت علیؓ کی تفضیل کا الزام بھی صرف ایک بہتان ہے قاضی شریک کی زندگی میں ان کے سامنے جب بھی تفضیلیت کا مسئلہ اٹھایا گیا ہمیشہ یہی فرمایا کہ ابوبکرؓ و عمرؓ سے حضرت علیؓ کو وہی شخص افضل قرار دے سکتا ہے جس کی عقل ماری گئی ہو یہ دونوں شیوخ (ابوبکرؓ و عمرؓ) تو نبی اکرمؐ کے بعد خیر امت تھے۔[2]

قاضی شریکؒ کی حضرت علیؓ کو خیر البشر قرار دینے کی مذکورۂ بالا روایت کو لے کر جن لوگوں نے انھیں اتہام کا نشانہ بنایا ہے اُن پر حافظ ذہبی نے شدید ترین نقد کیا ہے، رقمطراز ہیں:

إن شريكاً لا يعتقد قطعاً أن علياً خير من الأنبياء ما بقي إلا أنه اراد خير البشر في وقته و بلاشك هو خير البشر في ايام خلافته[3]

قاضی شریک حضرت علی کو قطعاً انبیائے کرام سے افضل نہیں سمجھتے تھے، درحقیقت ان کی مراد یہ تھی کہ علی اپنے وقت میں خیر البشر تھے۔ اور بلاشبہ وہ اپنے دورِ خلافت کے بہترین انسان تھے۔

**احترام علم** | علم و علماء کی بے حرمتی و بے توقیری برداشت نہ کرتے تھے، اس سلسلہ کا ایک واقعہ لائق ذکر ہے۔ حمدان ابن الاصبہانی کہتے ہیں کہ ایک دن میں قاضی شریک کی خدمت میں حاضر تھا کہ خلیفہ مہدی کا کوئی لڑکا ان کے پاس آیا اور دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ بعد ازاں قاضی صاحب سے کسی حدیث کے بارے میں سوال کیا، انھوں نے کوئی التفات نہ کیا۔ کئی بار کے بعد اس لڑکے نے شاہی نخوت کے ساتھ کہا کہ آپ خلیفۂ وقت کی اولاد کی تذلیل کرتے ہیں۔ فرمایا: "لکن العلم أزين عند اهله من أن يضيعوه" (اہل علم کے نزدیک علم اس سے بالاتر ہے کہ اس کو ضائع کیا جائے۔) راوی کا بیان ہے کہ یہ سن کر فوراً وہ لڑکا دوزانو بیٹھ گیا اور پھر سوال کیا۔ قاضی صاحب

---

[1] اخبار القضاۃ ج ۳ ص ۱۵۶ [2] ایضاً ج ۳ ص ۱۱۰ [3] میزان الاعتدال ج ۱ ص ۴۴۵

نے فرمایا "هکذا یطلب العلم"[۱] (یہاں علم حاصل کرنے کا یہی طریقہ ہے)

**بھوک کا فائدہ** قاضی شریکؒ کا یہ گرانقدر مقولہ بہت مشہور ہے کہ "بھوک بیماری کو چوس لیتی ہے"[۲]

**وفات** یکم ذی الحجہ ۱۷۷ھ کو بمقام کوفہ علم و دانش کا یہ خورشید تاباں غروب ہوگیا۔ حسن حماد کہتے ہیں کہ ۱۷۷ھ میں جب قاضی شریکؒ کا انتقال ہوا تو میں کوفہ میں موجود تھا[۳]۔ موسیٰ بن عیسیٰ والی کوفہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ خلیفۂ وقت ہارون الرشید اُس وقت حیرہ میں تھا۔ خبر ملتے ہی بعجلت تمام نماز میں شرکت کے لیے کوفہ روانہ ہوگیا لیکن درمیان راہ ہی سے واپس ہوگیا کیونکہ اسے تدفین سے فراغت کی اطلاع مل گئی تھی۔[۴] وفات کے وقت قاضی صاحب ۸۲ سال کے تھے۔

---

۱؎ اخبار القضاۃ ج ۳ ص ۱۷۱ ۲؎ ایضاً ج ۳ ص ۱۶۵ ۳؎ ایضاً ج ۳ ص ۱۷۰ ۴؎ ابن خلکان ج ۱ ص ۴۰۳

# سیّد محمد جونپوری اور تحریکِ مہدویت

● از:- مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی جگدیش پوری اُستاذ مدرسہ قاسم العلوم حسین گنج اعظم گڑھ

سیّد محمد جونپوری کی ذات نویں صدی ہجری سے آج تک اہلِ علم کے حلقہ میں محلِ بحث اختلاف چلی آرہی ہے ایک جماعت انھیں صاحبِ مقامات اور کشف وکرامات کا حامل سمجھتی ہے — کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ متقی پرہیزگار ضرور تھے لیکن دعوائے مہدویت میں غلطی پر تھے — ایک تیسری جماعت ہے جس کا خیال یہ ہے کہ وہ زاہد ومتقی بالکل نہیں تھے بلکہ ایک جدید مذہب کے بانی تھے۔

اس لئے ضرورت ہے کہ ان کے حالات کا جائزہ ان کے معاصرین اور دیگر محقق مورخین کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں لیا جائے تاکہ صحیح نتیجہ پر پہنچا جاسکے اور اس مشہور روزگار ہستی کے سلسلے میں درست معلومات حاصل ہوں۔

**تاریخ ولادت اور نام ونسب** محمد نام، اسد العلماء خاتم الاولیا اور نوربخش القاب ہیں سلسلۂ نسب یہ ہے —— سید محمد بن سید عبد اللہ بن عثمان بن موسیٰ بن قاسم بن نجم الدین بن عبد اللہ بن یوسف بن یحییٰ بن نعمت اللہ بن اسمٰعیل بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق بن باقر بن زین العابدین بن سیدنا حسین بن امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ۔

۱۴ جمادی الاولیٰ ۸۴۷ھ میں بزمانہ سلطنت ابراہیم شاہ شرقی شہر جونپور میں پیدا ہوئے۔[1]

**تعلیم تربیت اور ابتدائی حالات** عمر جب بارہ سال کی ہوئی تو خاندانی روایت کے مطابق تعلیم و تحصیل کا سلسلہ شروع کیا اور استاذ کے لئے جونپور کے مشہور عالم اور بزرگ ترین صوفی شیخ دانیال کا انتخاب ہوا سات سال کی قلیل عمر میں قرآن حکیم کے حفظ سے فراغت ہو گئی اور بارہ برس کی عمر میں علوم و فنون رسمیہ سے فارغ التحصیل ہو گئے مطالعہ کی کثرت، معلومات کی وسعت اور بحث و مباحثہ کے وقت انتقال ذہنی کو دیکھ کر بڑے بڑے اہل علم متحیر ہو جاتے تھے انھیں اوصاف کے تحت اس عہد کے علماء نے آپ کو اسد العلماء کے لقب سے یاد کرنا شروع کر دیا تھا۔[2]

علوم رسمیہ سے فارغ ہونے کے بعد شیخ دانیال کی صحبت میں رہ کر تربیت علوم باطنی کی بھی تکمیل کی اور انھیں سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔[3]

۸۶۲ھ میں شاہ حسین شرقی نے اڑیسہ پر فوج کشی کی۔ ترہٹ کا راجہ دلپت راؤ مقابلہ میں آیا جسے شاہ حسین نے پہلے ہی حملہ میں پسپا کر دیا بالآخر معاملہ ادائیگی خراج پر ختم ہوا۔ لیکن واپسی کے بعد دلپت راؤ نے معاہدے کی خلاف ورزی کی اور خراج کی رقم روک لی جس کے نتیجے میں شاہ حسین نے ۸۶۴ھ میں اس پر دوبارہ حملہ کیا اس جنگ میں سید محمد نے بھی بہ نیت جہاد شرکت کی اور دلپت راؤ کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر کے کامیابی کے ساتھ واپس آئے اس وقت آپ کی عمر صرف سترہ سال تھی۔

شیخ دانیال کی صحبت کے اثر سے تصوف کا چسکا پہلے لگ ہی چکا تھا اور اس راہ کی منزلیں طے کر کے خلافت بھی پا چکے تھے مگر جنگ کی شرکت نے دنیا کی بے ثباتی کا ایسا نقشہ سامنے کر دیا کہ ماسوی اللہ سے بے نیازی اور تعلق مع اللہ کی حالت جذب کے درجہ تک پہنچ گئی اور سات سال تک بے حد استغراق رہا اور پانچ برس تک صحو و سکر کی ملی جلی کیفیت طاری رہی

---

[1] مقدمہ ترجمہ رسالہ مناقب [2] گلشن ابرار، مقدمہ رسالہ مناقب [3] خزینۃ الاصفیا ص ۴۲۰

اور اسی عالم میں وطن عزیز کو خیر باد کہہ کر راہ غربت اختیار کرلی۔

**جونپور سے ہجرت**

[illegible]ھ میں جونپور سے روانہ ہوکر عظیم آباد کے جنگلات میں اقامت پذیر ہو گئے ۔۔۔ اس سفر میں آپ کی زوجۂ محترمہ اور بڑے صاحبزادے سید محمود کے علاوہ اور دوسرے طالبان بھی ہمراہ تھے ۔۔۔ کچھ دنوں یہاں قیام کرنے کے بعد چندیری گئے اور وہاں سے مالوہ کے پایۂ تخت مانڈو میں رونق افروز ہوئے ۔ مالوہ کا حکمراں غیاث الدین خلجی متوفی ۹۰۵ھ نے جب آپ کے پاکیزہ اخلاق اور اتباع سنت نبوی کا چرچا سنا تو آپ کا گرویدہ ہوگیا یہاں آپ کے مواعظ حسنہ سے ہزاروں ہدایت یاب ہوئے مانڈو سے کوچ کرکے [illegible]ھ میں گجرات تشریف لائے اور تقریباً ڈیڑھ سال یہاں مقیم رہ کر خلق خدا کی اصلاح و تربیت میں مشغول رہے اسی مقام پر آپ کی زوجہ کا [illegible]ھ میں انتقال ہوگیا اس زمانہ میں گجرات فتح نہیں ہوا تھا مگر سلطان محمود بیگڑھ اس کا محاصرہ کئے تھا ۔ سلطان محمود کو آپ کے ورع تقویٰ اور پسندیدہ اخلاق کی خبر پہنچی تو آپ سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی لیکن امرائے سلطنت نے اس خیال سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ سید صاحب کی صحبت سے سلطان متاثر ہوکر ترک حکومت کر بیٹھے تو پھر گجرات کی مہم یونہی ناتمام رہ جائے گی ۔۔۔ سلطان کو کسی طرح سے سید صاحب کی مجلس میں آنے سے باز رکھا اس لئے سلطان محمود بیگڑہ اس مبارک صحبت سے محروم رہ گیا مگر اسی جگہ مالوہ کا تاجدار زبدۃ الملک عثمان خاں شرف ملاقات سے بہرہ ور ہوکر عقیدت مندوں میں شامل ہوگیا [illegible]ھ میں گجرات سے روانہ ہوکر خاندیش کے دار السلطنت برہان پور پہنچے پھر وہاں سے دولت آباد ہوتے ہوئے احمد نگر میں اقامت گزیں ہوئے چند دن قیام کرنے کے بعد یہاں سے بیدر شریف کا قصد کیا بیدر کا حاکم قاسم برید آپ کے حلقۂ [illegible] میں داخل ہوگیا بیدر سے کوچ کرکے گلبرگہ پہنچے یہاں آپ کے چند [illegible] سے [illegible] ہدایت یاب ہوئے [illegible] اور یہاں سے [illegible] کر کے [illegible]

[illegible] زیارت حرمین سے مشرف ہوکر [illegible] آپ [illegible] احمد آباد تشریف لے گئے [illegible] خان [illegible] بعد [illegible] اور اخلاق [illegible] فیض و برکات سے مستفیض ہوئی۔ احمد آباد

کے مشہور بزرگ حضرت سید جلال الدین حضرت شیخ جیو کو جب آپ کے اوصاف و کمالات کی اطلاع پہنچی تو ملاقات کے لئے خود حاضر ہوئے ـــــ سید صاحب نے قرآن کی ایک آیت پڑھی شیخ جیو نے قرآن ہی سے اس کا جواب دیا۔ سید صاحب نے دوسری اور تیسری آیات پڑھیں شیخ جیو نے ان کا جواب بھی قرآن ہی سے دیا اور اس کے بعد وہاں سے رخصت ہوئے راہ میں کسی نے ان سے سید صاحب کے بارے میں معلومات چاہی تو فرمایا مرد صاحب حال ہے خواص کی باتیں عوام سے کہتا ہے۔ اور کلموا علی قدر عقولہم کی رعایت نہیں کرتا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کے بعد اس کے مقلدین غلط فہمی میں مبتلا ہو کر فتنہ کھڑا کر دیں گے۔

احمد آباد کے قیام کے زمانہ میں سید صاحب نے ایک دن یہ فرمایا کہ میں اس دنیا میں انھیں مادی آنکھوں سے خدا دکھا سکتا ہوں اس بات سے اہل علم کے حلقہ میں ایک قسم کا اضطراب پیدا ہو گیا اور علماء جو سید صاحب کے اثر و رسوخ اور روز افزوں ترقی سے پریشان تھے اٹھ کھڑے ہوئے اور قرآن کے خلاف (لا تدرکہ الابصار) کا دعویٰ کرنے والے کے قتل کا فتویٰ تیار کر دیا۔

مولانا تاج محمد نے جو اپنے وقت میں کے بڑے اور مشہور عالم تھے لوگوں کو اس قسم کی جرأت سے روکا بالخصوص اپنے شاگردوں کو جن کا حلقہ بہت وسیع تھا اور ارشاد فرمایا کہ تم نے مجھ سے علم اسی لئے حاصل کیا تھا کہ اس کے ذریعہ سادات کے قتل کا فتویٰ دیا کرو۔

مولانا تاج محمد کی بروقت ترجمانی سے حکام سلطنت نے کسی قسم کی پیش دستی نہیں کی لیکن علماء سوء کی شورش برابر جاری رہی اس لئے سید صاحب فتنہ کے خیال سے ۹۰۳ھ میں احمد آباد سے سولہ سانتیج چلے آئے اور یہاں سے نہر والا (پٹن) منتقل ہو گئے جہاں خان سرور کے تالاب کو قیام کے لئے انتخاب کیا۔

سید صاحب کا یہ عام دستور تھا کہ قیام کے لئے شہری زندگی سے الگ کسی مسجد تالاب یا کھلی جگہ کو منتخب کرتے تھے جہاں آپ کا قیام ہوتا تھا اس کو آپ کے معتقدین دائرہ کہتے تھے۔ اس کی تصریح نہیں ملتی کہ دائرہ کی اصطلاح سید صاحب کی زندگی ہی میں رائج ہو گئی تھی یا ان کی وفات کے بعد اس کا رواج ہوا۔

دائرہ کا اپنا خاص معاشرتی نظام ہوتا تھا جس میں سب ایک گھر کے افراد کی طرح مل جل کر رہتے تھے۔ محنت و مزدوری سے جو کچھ دستیاب ہوتا اس کا دسواں حصہ خدا کی راہ میں صرف کردیتے باقی کو آپس میں برابر تقسیم کرکے کھاتے تھے۔ صبر و قناعت کا یہ حال تھا کہ کئی دن تک کھانے کو کچھ نہ ملتا مگر دلوں کی فراغت اور چہروں کی بشاشت سے یہ گمان ہوتا کہ ابھی شکم سیر ہو کر آرہے ہیں۔

طبقات اکبری میں ہے۔

اگر کشت یا زراعت و تجارت می کردہ دہ یک در راہ خدا صرف می نمود پس ہم چناں شدہ کہ پدر از پسر و زن از شوہر مفارقت گزیدہ راہ فقر و فنا پیش گرفتند و فتوح کہ بادی آمد خرد و کلاں علی السویہ شریک بودند و اگر چیزے بہم نمی رسید تا دو سہ روز بہ فاقہ می گذرانیدند و اظہار نمی نمود [1]

اگر کھیتی باڑی یا زراعت یا تجارت کرتے تو آمدنی کا دسواں حصہ خدا کے راستے میں صرف کردیتے یہ لوگ آپس میں ایسے رہتے کہ تمام رشتوں کو چھوڑ کر فقر و فاقہ کو اپنا سب کچھ بنالیا تھا سید مہدی کو فتوحات سے جو کچھ حاصل ہوتا سب لوگوں پر برابر تقسیم کردیتے اور اگر دو تین دن تک فاقہ کی نوبت آتی تو اس کا اظہار نہیں کرتے تھے۔

اسی قسم کے حالات ملا عبد القادر بدایونی اور عبد الباقی نہاوندی نے بھی تحریر کئے ہیں [2]
الغرض نہروالہ میں ایک سال قیام کرنے کے بعد کثرت ازدحام کی وجہ سے وہاں سے کوچ کرکے ۹۰۴ھ کے اختتام پر آپ مقام بڑلی میں فروکش ہوئے۔

ہندوستان کی عام تاریخوں میں مذکور ہے کہ بزمانہ قیام بڑلی ۹۰۵ھ میں آپ نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ لیکن اس کے برخلاف مہدوی تاریخوں میں ہے کہ آپ نے جب جونپور سے ہجرت کرکے عظیم آباد کے جنگل کو اقامت گاہ بنایا تو پہلی دفعہ آپ کو الہام ہوا کہ تم مہدی ہو اس کے بعد جب حج کو تشریف لے گئے تو رکن اور مقام کے درمیان کھڑے ہو کر مہدی ہونے کا دعویٰ کیا پھر ۹۰۳ھ میں احمدآباد میں مکرر دعویٰ مہدویت کیا اور جب بڑلی پہنچے تو چھ ماہ کے بعد ۹۰۵ھ میں مؤکد علی رؤس الاشہاد [?] علی الاعلان مہدویت کا اظہار کیا۔ [3] لیکن مہدوی تاریخوں کی اس روایت کی تائید

[1] طبقات اکبری [illegible] [2] منتخب التواریخ ج [illegible] دائرہ مہدویہ [illegible] [3] تاریخ [illegible]

ہندوستان کی عام تاریخوں سے نہیں ہوتی بلکہ جس مورخ نے بھی مہدویت کے ادعا کا تذکرہ کیا ہے اس نے تصریح کی ہے کہ جب آپ نہروالا سے بڑلی گئے ہیں تو مہدی ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور یہی صحیح بھی معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کا چرچا بڑلی ہی سے شروع ہوا اس سے پہلے کی زندگی میں آپ کے متعلق مسلمانوں کے عام عقائد کے خلاف کوئی بات نہیں ملتی یہی وجہ ہے کہ وہ جہاں جہاں پہنچے لوگ ان کے زہد و تقویٰ، فقر و درویشی کو دیکھ کر ان کے گرویدہ ہو گئے کسی جگہ مخالفت نہیں کی گئی۔ اگر مسلمانوں کے عقائد کے خلاف کچھ بیان ہوتا تو اس کا ذکر تاریخوں میں ضرور آتا خاص کر مخالفین تو کبھی بھی معاف نہ کرتے حالانکہ تاریخوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے آپ کی مخالفت احمد آباد میں رویت باری تعالیٰ کے مسئلے میں کی گئی اس کے علاوہ یہ امر بھی نہایت اہم ہے کہ اگر آپ حج کے موقع پر مکہ معظمہ میں مہدویت کا اعلان کئے ہوتے تو تمام دنیائے اسلام میں ایک شور برپا ہوتا اور علمائے مکہ معظمہ سے اسی وقت بحث و مناظرہ شروع ہو گیا ہوتا مگر کسی تاریخ سے بھی اس قسم کی کسی بات کا سراغ نہیں ملتا جو سراسر عقل کے خلاف ہے[1]

بڑلی میں آپ کا قیام کل چھ ماہ رہا اور اعلان مہدویت کے بعد یہاں علماء اور عوام کی مخالفت حد سے بڑھ گئی اس لئے اس کو چھوڑ کر دھراؤ چلے آئے اور یہاں سے جالور پہنچے اور چار ماہ قیام کرنے کے بعد ۹۰۶ھ میں مارواڑ تشریف لے گئے پھر وہاں سے جیسلمیر ہوتے ہوئے نصر پور کا ہہ میں رونق افروز ہوئے رمضان کا اکثر مہینہ اسی جگہ گذار کر ۲۷ ماہ مذکور کو نو سو مخلصین کی جماعت کے ساتھ خراسان کی جانب روانہ ہو گئے اور ۹۱۰ھ میں مقام فرح میں پہنچ کر اقامت گزیں ہوئے۔ اسی جگہ ۱۹ ذی قعدہ ۹۱۰ھ مطابق ۲۳ اپریل ۱۵۰۵ء کو آپ نے دق کے عارضہ میں مبتلا ہو کر وفات پائی۔

آپ کے صاحبزادے سید محمود نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور مقام برج و فرح کے درمیان مدفون ہوئے عشق تم سے تاریخ وفات نکلتی ہے[2]

**سید صاحب کی تعلیمات اور ان کا اثر** | نویں صدی کا زمانہ جو اکبر سے پہلے گذرا ہندوستان

---

[1] مقدمہ رسالہ مناقب اردو ص؟ [2] ایضاً ص؟

ہیں طوائف الملوکی کا زمانہ تھا روز روز حکومتیں بنتی اور بگڑتی تھیں کوئی مرکزی حکومت باقی نہیں تھی جو احکام شرع کے اجرا کی ذمہ دار ہوتی مزید برآں علمائے حقانی بہت تھوڑے تھے اور علمائے دنیا ہر طرف پھیلے ہوئے تھے دنیا طلبی اور مکر و فریب کی گرم بازاری تھی اس پر طرہ یہ تھا کہ جاہل صوفیوں کی بدعات و منکرات نے ایک عالم کو گمراہ کر رکھا تھا ایسے حال میں سید موصوف نے احیائے شریعت اور قیام امر بالمعروف کا غلغلہ بلند کیا۔ ؎۱

آپ نے دنیا طلبی، بدعات و منکرات اور گمراہی سے بچانے کے لئے اپنی تعلیمات اور دعوت و تذکیر کے آٹھ اصول مرتب کئے تھے (۱) ترک دنیا (۲) صحبت صادقین (۳) عزلت از خلق (۴) توکل (۵) طلب دیدار حق (۶) عشر (۷) ذکر کثیر (۸) ہجرت۔

انھوں نے اپنے مشن کو تقلیل دنیا کی بنیاد پر شروع کیا تھا آپ کا ارشاد تھا کہ دنیا محض کھیتی کی جگہ ہے اسے اپنی منزل نہ بناؤ اس سے زاد راہ لو مگر اس سے چمٹ نہ جاؤ اس سے فائدہ حاصل کرو مگر اس کو اپنے اوپر مسلط نہ کرو۔ سرمایہ داری اور ذخیرہ اندوزی آپ کے اصول کے قطعاً خلاف تھی آپ فرماتے تھے کہ مومن ذخیرہ نہ کند ؎۲ آپ کی تعلیمات کا اثر بقول مولانا آزاد یہ ہوا۔

> عشق کی صداقت اور قلب کی پاکی نے ان کی دعوت و تذکیر میں ایسی تاثیر بخشی تھی کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ہزاروں آدمی حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے اور متعدد سلاطین وقت نے بیعت کی ؎۳

آپ کے متوسلین کی زندگی کا نقشہ مولانا آزاد نے اس طرح پیش کیا ہے۔

> ان لوگوں کے طور طریق عجیب عاشقانہ و والہانہ تھے اور ایسے کہ صحابۂ کرام کے خصائص ایمانی کی یاد تازہ کرتے تھے۔ عشق الٰہی کی ایک جاں نثار جماعت تھی جس نے اپنے خون کے رشتوں اور وطن و زمین کی فانی الفتوں کو ایمان و محبت کے رشتہ پر قربان کر دیا تھا اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر راہ حق میں ایک دوسرے کے رفیق و غمگسار بن گئے تھے۔ امیر و فقیر اعلیٰ و ادنیٰ سب ایک رنگ میں رہتے اور بجز خلق اللہ کی ہدایت و خدمت اور احکام شرع کے اجراء و قیام کے اور کسی سے واسطہ نہ رکھتے تھے۔ ؎۴

---

؎۱ تذکرہ ص۴۵　؎۲ مقدمہ سراج الاخبار ص۳-۲-۱۹۶　؎۳ تذکرہ ص۴۶　؎۴ تذکرہ ص۴۶

## سید صاحب کے متعلق علما کی رائے

زمانہ حال و ماضی کے سبھی مورخین اور سوانح نویس خواہ موافق ہوں یا مخالف معترف ہیں کہ سید محمد علوم رسمیہ کے ساتھ زہد و تقویٰ اور فقر و درویشی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ شیخ علی متقی متوفی ۹۷۵ھ جو سید صاحب کے معاصر اور شدید مخالف تھے جنھوں نے سید صاحب کی تردید میں چند رسالے بھی تحریر کئے ہیں وہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا ابتدائی عہد کمال زہد و تقشف اور استغراق اور استہلاک میں گذرا۔

ملا عبدالقادر بدایونی متوفی ۱۰۰۴ھ نے سید صاحب کے کمالات کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے۔

ایں مرد آیت است از آیات خدا و نیز در ولایت و جلالت و بزرگی محتاج سخن نیست[2]

یہ شخص اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں اور ولایت و بزرگی میں محتاج تعریف نہیں

شیخ عبد الغنی شطاری بن شیخ عبداللہ شطاری متوفی ۱۰۴۰ھ تحریر فرماتے ہیں۔

میر سید محمد جونپوری رحمۃ اللہ مردی خالی از فضیلت نبودہ و از اکابران جونپور بودند در احمد آباد متوطن شدہ بودند در شاہ پور بیرون قلعہ احمد آباد مسجدی بودہ و عقب آں مسجد منزل داشتہ مردی نورانی و مرتاض بودہ و ہمیشہ مشغول بود و متوکل و ہرگز از خانہ خود بدر نیامدہ و بخانہ ارباب دولت نرفتہ و بر فقر و فاقہ عمر خود بکمال عشرت و شادمانی گذرانید[3]

میر سید محمد جونپوری صاحب فضل و کمال اور اکابرین جونپور میں تھے احمد آباد میں شہر سے باہر ایک مسجد تھی اس کے پشت کی جانب ایک مکان میں اقامت گزیں تھے نہایت مرتاض اور نورانی بزرگ تھے ہمیشہ ذکر و فکر میں مشغول رہتے صفت توکل کے ساتھ متصف تھے کبھی گھر سے باہر نہ نکلتے اور امرا کے یہاں حاضری نہ دیتے تھے فقر و فاقہ کی حالت میں نہایت مسرت و شادمانی کے ساتھ عمر گذار دی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی المتوفی ۱۰۵۲ھ اپنے ایک مکتوب میں رقمطراز ہیں۔

---

[1] دربار اکبری ص ۱۲۳ [2] نجات الرشید ص ۹۲۹ [3] تذکرۃ الاولیا قلمی نسخہ دار المصنفین اعظم گڑھ ص ۱۴۰

ہر کمالے کہ محمد رسول اللہ داشت در سید محمد مہدی نیز بود فرق ہمیں است کہ آنجا بالاصالت بود و اینجا بہ تبعیت رسول بجائے او رسیدہ کہ بیچوں او شد فقط۔ [۱]

ہر وہ کمال جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم رکھتے تھے (بجز وحی اور رسالت کے) سید محمد اس کے حامل تھے فرق یہ ہے کہ وہاں اصل تھا اور سید نے ان کی اتباع کی بدولت اس کے مثل حاصل کیا۔

....

ابوالفضل المتوفی سنہ ۱۰۱۱ھ آئین اکبری میں لکھتا ہے۔

سید محمد جونپوری سید بدہ اویسی است از فرادان روحانیہ فیض برگرفتہ و بر صوری معنوی علم چیرہ دست از شوریدگی دعوی مہدویت کرد بسیارے مردم برو گرویدند و بسا خارق ازو برگزارند۔ [۲]

سید محمد جونپوری (سید بدھ) مادر زاد ولی ہیں بے انتہا فیوض و برکات کے حامل تھے علوم ظاہری و باطنی میں مہارت تامہ رکھتے تھے شوریدگیٔ حال میں دعوائے مہدویت کیا۔ ان کے بہت سے ماننے والے ہیں اور بہت سی کرامتیں ان کی جانب منسوب ہیں

تحفۃ الکرام میں ہے۔

ایشاں سلالۃ الاولیا الکرام واسوۃ النجبا والعظام سید نور بخش کہ از سلسلہ کبرویہ علم مفاخرت می افراختند ـــــ صاحب تصانیف وکشف وکرامات در تصوف تصرف اہل مقامات بودہ دراصل منشاء شریفش در بلدہ جونپور الخ [۳]

مولانا آزاد تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ مولانا جمال الدین دہلوی نے سید محمد کی ولایت کے اثبات میں ایک کتاب لکھی اور دلائل و شواہد قاطعہ سے ثابت کیا کہ حضرت سید محمد کی ولایت حق ہے۔ [۴]

مندرجہ بالا علماء و مورخین کے علاوہ میاں حاتم سنبھلی۔ شیخ وجیہ الدین گجراتی ابن حجر مکی وغیرہ علماء سید صاحب کو عالم حق اور واصل باللہ تسلیم کرتے ہیں۔

---

[۱] دربار اکبری ص ۲۲۵ [۲] بحوالۂ دربار اکبری ص ۲۲۵ [۳] تحفۃ الکرام ص ۱۳۶ ج ۲ [۴] تذکرہ ص ۳۲

## دعوائے مہدویت پر ایک نظر

اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نویں صدی ہجری میں بچند وجوہ مہدی موعود کا چرچا عام تھا سرزمین ہند سے عالم اسلام تک ان کے ظہور کے بارے میں افواہ پھیلی ہوئی تھی۔ اس عہد کے علماء ومشائخ کی محفلیں مہدی موعود کے ذکر سے گرم رہتی تھیں اس زمانے کے لوگ بعض ابن حجر نے ان احادیث کی خوب ترویج وتشریح کی جن میں مہدی موعود سے متعلق پیشین گوئیاں پائی جاتی ہیں اسی طرح حضرت سید اشرف سمنانی جو اپنے دور کے بلند پایا عالم اور صوفی تھے۔ ان کی محفلوں میں بھی مہدی آخر الزماں کی آمد سے متعلق احادیث کا خوب چرچا تھا۔ [1]

اس عہد کے قریب کے علماء نے [illegible] نے بھی ایک فتویٰ شائع کیا تھا جس میں لکھا تھا کہ ہجرت نبوی کے ہزار سال پورے ہونے تک مہدی موعود کا ظہور ہو جائے گا۔ (۲)

اسی دور میں جب کہ مہدی موعود کے ذکر سے عوام کے ذہن و دماغ بالکل معمور تھے۔ حضرت سید محمد جونپوری نے اپنی تحریک دعوت واصلاح کا آغاز کیا مقصد کی لگن اور اس کی سچائی کے یقین نے اس تحریک میں غیر معمولی قوت پیدا کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصے میں آپ کی تحریک کا غلغلہ جونپور سے گزر کر پورے ہندوستان میں پھیل گیا۔ اور بے شمار خلق اللہ آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئی جس میں عالم جاہل، امیر غریب رعایا اور بادشاہ ہر قسم کے لوگ شامل تھے۔ سید صاحب کی حیات تک اس جماعت کے افراد نہایت پاک باطن اور خدا پرست تھے اور کسی قسم کی بدعت یا کوئی نیا عقیدہ ان میں رائج نہیں تھا۔ لیکن سید صاحب کی وفات کے بعد اس جماعت کے عقائد میں تبدیلی آگئی۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اس عہد میں مہدی کا چرچا عوام وخواص سب کی زبانوں پر تھا۔ اس لیے سید صاحب کے وفات پاتے ہی ان کے جاہل عقیدت مندوں نے اس عقیدے کا کھلے بندوں اعلان شروع کر دیا کہ سید محمد جونپوری ہی مہدی موعود تھے ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت سید نے خود اس کا دعویٰ نہیں کیا اور اگر عالم سکر میں یہ الفاظ کبھی آپ کی زبان پر آگئے تھے تو حالت صحو میں اس کی تردید کر دی جیسا کہ بہت سی تاریخوں سے ثابت ہے۔

---

[1] لطائف اشرفی ص ۱۲۰ [2] بدایونی ص ۱۸۳

خزینۃ الاصفیاء میں ہے۔

سید محمد مہدی جونپوری قدس سرہ پدروی یوسف وطنش از جونپور مرید و خلیفہ شیخ دانیال واز اولیائے مغلوب الحال و صاحب سکر بود درحالت سکر چنانچہ بعضے اکابر انا اللہ و انا الحق و سبحانی و امثال آں گفتہ او نیز لفظ مہدی بر زبان آورد واما در حالت صحو شل دیگر بزرگان از دعوئ مہدویت تائب شد بہ مہدی موعود اقرار نمود اما مردم جہلا کہ در زمان سکر او حاضر بودند حادث اد اعتبار نہ کردہ بر سخن اول او اصرار نمودہ او را مہدی موعود دانستند و در چاہ ضلالت و بطالت افتادند۔

حضرت سید محمد کے والد یوسف ہیں۔ جونپور کے رہنے والے تھے۔ شیخ دانیال کے خلیفہ تھے۔ جونپور کے اولیائے کبار میں سے تھے وہ اکثر حالت سکر میں رہتے تھے چنانچہ جس طرح بعض اکابرین نے غلبۂ حال میں انا اللہ اور انا الحق وغیرہ کہدیا اسی طرح سے انھوں نے انا مہدی کا نعرہ لگایا مگر جب افاقہ ہوا تو اس کی تردید کی اور مہدی موعود کا اقرار کیا مگر ان جہلانے جو اس وقت مجلس میں تھے ان کے غلبۂ حال کے قول ہی کو اصل قرار دیا اور ان کو مہدی موعود کہنے لگے اور گمراہی میں پھنس گئے۔

صاحب تحفۃ الکرام لکھتے ہیں۔

مریدانش محمد مہدی آخر الزمانش خوانند واعتقاد نمودند کہ مہدی موعود گویند در آخر الزمان جلوۂ ظہور نمود ہمیں محمد است چنانچہ ایں عقیدہ درمزاج ایشاں راسخ گشتہ وحالانکہ مرشد باین معنی امر نکردہ ایں بدعت مخترع مریدانش

ان کے مریدین انھیں مہدی آخر الزماں کہتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ جو مہدی آخری زمانہ میں آنے والے تھے وہ یہی سید محمد ہیں چنانچہ یہ عقیدہ ان لوگوں میں پختہ ہو گیا ہے حالانکہ ان کے مرشد نے اس امر کا انھیں حکم نہیں دیا تھا بلکہ یہ بدعت سراسر مریدوں کی گڑھی ہوئی ہے۔

اسی کے قریب قریب مراۃ احمدی کے خاتمے میں بھی ہے [3]

تحریک مہدویت کے بارے میں مولانا آزاد کا خیال ہے :-

" فرقہ سید محمد جونپوری کی طرف منسوب ہے جن کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ

---

[1] خزینۃ الاصفیاء ص۔ [2] تحفۃ الکرام ص۔ [3] مراۃ احمدی ص

مہدی ہونے کے مدعی تھے اگرچہ آگے چل کر اس فرقہ کے عقاید میں بہت سی نئی باتیں اور حد غلو سے بھی گذرے ہوئے اعتقادات شامل ہو گئے لیکن میرا خیال ہے کہ اس کی بنیاد صداقت وحق پرستی پر پڑی تھی یعنی دعوت و تبلیغ حق واحیائے شریعت و قیام امر بالمعروف ونہی عن المنکر اس کا مقصد اصلی تھا اور خود سید اور ان کے پیرووں کی پہلی جماعت کے اکثر بزرگ سچے اور پاک نفس اور خدا پرست تھے اس قسم کے حالات ہمیشہ ابتدا میں کچھ ہوتے ہیں اور آگے چل کر کچھ اور بن جاتے ہیں اور فتنۂ غلو و تاویل نے پچھلی امتوں کی طرح اس امت کی ہر جماعت کے لئے بھی ایک بڑا فتنہ ہے یہی حالت اس جماعت کو بھی پیش آئی اور رفتہ رفتہ اسکی بنیادی صداقت اخلاف کے غلو و جذبات میں گم ہو گئی [1]

سید ابوظفر ندوی تحریر فرماتے ہیں۔

سید محمد جونپوری کے سوانح اور تعلیمات کے مطالعہ سے مجھ پر جو اثر ہوا اس سے میں نے رائے قائم کی کہ وہ اپنے وقت کے بہترین انسان قابل ترین عالم اور کامل ترین صوفی تھے جن کی ساری زندگی تعمیل احکام الٰہی اور اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں صرف ہوئی ایسے شخص نے دعویٰ مہدویت کیا ہو مجھے یقین نہیں آتا اور کسی وقت حالت غلبہ میں مہدی ہونے کا اعادہ کیا ہو تو اس کو سہو پر اطلاق کرنا چاہئے جیسا کہ علی متقی نے فرمایا کہ ولی سے بھی ایسی غلطی ہو جاتی ہے اور الہام میں غیر انبیاء سے سہو ممکن ہے بلکہ غالب گمان یہ ہے کہ آپ کی وفات کے بعد ان کے مقلدوں نے ان کی طرف یہ دعویٰ منسوب کر کے تمام عقائد سے زیادہ اس پر زور دیا اور اسی پر زیادہ اصرار کرتے رہے [2]

---

[1] تذکرہ صد ۱۲ [2] مقدمہ رسالہ مناقب صد ۲۳

محمد منظور نعمانی

# تحدیث نعمت

# کیا دیکھا، کن کو پایا

(۸)

## حضرت حکیم الامت کی خدمت میں آخری حاضری:-

مرض جو بالآخر مرض وفات ثابت ہوا، اُس کا سلسلہ تو کئی سال سے چل رہا تھا، لیکن آخری چند مہینوں میں ضعف بہت بڑھ گیا تھا —— یہ عاجز حضرت کی وفات (۱۶ر رجب ۱۳۶۲ھ م ۱۹ر جولائی ۱۹۴۳ء) سے غالباً دو ڈھائی مہینے پہلے زیارت اور عیادت ہی کی نیت سے تھانہ بھون حاضر ہوا۔ (ان دنوں حضرت خانقاہ کسی وقت بھی تشریف نہیں لاتے تھے اور تشریف نہیں لا سکتے تھے —— دولتکدہ کے قریب ہی ایک مکان کی بیرونی نشست گاہ میں ظہر کے بعد کچھ وقت کے لیے تشریف لاتے تھے اور مجلس ہوتی تھی — یہ مکان حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب کا تھا، جو حضرت حکیم الامت کے عاشق اور محبوب خلیفہ تھے اور انھوں نے کچھ عرصہ پہلے سے تھانہ بھون ہی میں رہائش اختیار کر لی تھی۔)

یہ عاجز ظہر سے کچھ پہلے پہونچا تھا، خانقاہ کی مسجد میں ظہر پڑھ کے وہیں حاضر ہو گیا، جو حضرات مجھ سے پہلے پہونچ چکے تھے وہ وہاں کے ضابطے کے مطابق بیٹھ گئے تھے، حضرت ابھی تشریف نہیں لائے تھے، میں بھی پیچھے ایک طرف بیٹھ گیا [illegible] بیٹھا کہ جو

جاننے پہچاننے والے حضرات مجلس میں تھے ان کو بھی میری حاضری کی خبر نہیں ہوئی، اسوقت میں نے کسی وجہ سے یہی مناسب سمجھا تھا، میرے پہونچنے کے چند ہی منٹ بعد خواجہ صاحب نے کھڑے ہو کر اعلان فرمایا کہ حضرت تشریف لانے والے ہیں کوئی صاحب کھڑے نہ ہوں اور مصافحہ کی کوشش نہ فرمائیں، حضرت خود ہی حاضرین مجلس کو سلام کریں گے، آپ حضرات جواب دے دیں، اگر خود حضرت کسی صاحب سے کچھ دریافت فرمائیں تو وہ جواب دے دیں ــــــ

خواجہ صاحب یہ اعلان کر کے بیٹھ گئے اور حضرت فوراً ہی تشریف لے آئے، ایک ہاتھ میں عصا تھا جس کے سہارے چل کر آرہے تھے اور صاف محسوس ہو رہا تھا کہ شدت ضعف کی وجہ سے بہت مشقت سے چل رہے ہیں، ــــ دوسرے ہاتھ میں ٹین کا ایک گول اور لانبا سا ڈبہ تھا جس میں خطوط رہتے تھے ــــ مجلس میں داخل ہوتے ہی فرمایا السلام علیکم۔ حاضرین نے جواب عرض کیا، ایک چوکی بچھی ہوئی تھی اس پر تکیہ بھی لگا ہوا تھا، حضرت اس پر خود ہی بیٹھ گئے، میں نے دیکھا کہ شدت ضعف کی وجہ سے بہت مشقت اور تکلف سے بیٹھ سکے، غالباً کسی کو اس کی اجازت نہ تھی کہ بیٹھنے میں سہارا دے، یہ اصول اور معمول تھا کہ جہاں تک ممکن ہو اپنے لیے کوئی زحمت کسی کو نہ دی جائے اور حتی الوسع ذاتی خدمت نہ لی جائے ــــ

ڈاک کا ڈبہ کھول کر خطوط نکالے جو خاصی تعداد میں تھے ــــ ایسا اندازہ ہوا کہ حضرت ان خطوط کو جو اسی دن کے آئے ہوئے ہوں گے، ملاحظہ فرما چکے ہیں، جن خطوں کے مضامین کا ذکر کرنا حاضرین کے لیے مفید ہو سکتا تھا ان کا اور اکثر ان کے جواب کا بھی مجلس میں ذکر فرمایا ــــ علالت کے اس آخری دور میں شدتِ ضعف کی وجہ سے ساری ڈاک کا جواب حضرت خود تحریر نہیں فرماتے تھے ــــ کسی خصوصیت اور اہمیت کی وجہ سے جس خط کا جواب خود ہی لکھنا ضروری سمجھتے تھے وہ تو خود ہی تحریر فرماتے تھے باقی ڈاک خواجہ صاحب کے سپرد فرمادی جاتی تھی اور جواب سے متعلق اشارات فرمادیتے تھے، اس دن بھی ڈاک کا خاصا حصہ خواجہ صاحب کے سپرد فرمایا ــــ سب حاضرین خاموشی سے حضرت کے ارشادات صرف سنتے رہے، سوائے خواجہ صاحب کے غالباً کسی نے کوئی بات نہیں کی ــــ

حضرت کے ضعف کی حالت دیکھ کر میں نے طے کر لیا کہ بس اس خاموش زیارت ہی پر

قناعت کروں گا اور حضرت کو اپنی حاضری کی بھی اطلاع نہیں دوں گا۔ کیونکہ میرا خیال تھا کہ اگر اطلاع دوں تو حضرت ازراہِ شفقت و عنایت گفتگو فرمائیں گے اور اس سے خواہ مخواہ مشقت اور تعب میں اضافہ ہی ہوگا۔

ان دنوں میں غالباً ایک گھنٹہ اس مجلس کا معمول تھا جب مقررہ وقت پورا ہو گیا تو خواجہ صاحب پھر کھڑے ہوئے اور اعلان فرمایا کہ اب حضرت تشریف لے جائیں گے کوئی صاحب نہ تو کھڑے ہوں نہ مصافحہ فرمائیں، البتہ جو صاحبان آج ہی باہر سے تشریف لائے ہیں وہ اپنا نام بتلادیں اور یہ کہ کہاں سے تشریف لائے ہیں ـــــ ۳-۴ حضرات میرے علاوہ اور بھی اس روز زیارت کے لیے مختلف مقامات سے تشریف لائے تھے، انھوں نے اپنا نام اور مقام بتلادیا۔ سب سے آخر میں میں نے بھی عرض کیا کہ "محمد منظور بھی بریلی سے حاضر ہوا ہے"۔ــــ (اس زمانہ میں میرا قیام بریلی تھا اور الفرقان بھی وہیں سے نکلتا تھا)

حضرت نے بڑے ہی خاص انداز میں ارشاد فرمایا ـــــ مولانا آپ نے آج غضب کر دیا، آپ تشریف رکھتے تھے اور نہ آپ نے مجھے بتایا اور نہ کسی اور نے بتلایا، میں برابر اپنے اندر ایک خاص قسم کی کشش کی کیفیت محسوس کر رہا تھا اور سمجھ نہیں رہا تھا کہ کیا بات ہے، اب معلوم ہوا کہ آپ تشریف رکھتے ہیں۔ مولانا! قواعد و ضوابط تو ہوتے ہیں لیکن ان میں استثناءات بھی تو ہوتے ہیں ـــــ (اسی سلسلہ میں ارشاد فرمایا) یہ بھی ایک سنت ہے کہ آدمی مجمع میں اس طرح بیٹھے کہ پہچانا نہ جائے۔ بعض دفعہ حضور کی خدمت میں باہر سے آنے والے حضرات کو پوچھنا پڑتا تھا کہ "من محمد فیکم ؟ یا " ایکم محمد؟" (آپ لوگوں میں محمد کون ہیں ؟) ایک دفعہ ایک آنے والے نے پوچھا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور کی طرف اشارہ کرکے فرمایا "ھذا الابیض المتکئ" یہ گورے رنگ والے جو ٹیک لگائے بیٹھے ہیں"ــــ پھر حدیث کے لفظ "متکئ" کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ بعض لوگ "متکئ" کا ترجمہ کر دیتے ہیں "تکیہ لگائے ہوئے" میرے خیال میں یہ ٹھیک نہیں ہے، اگر وہ مراد ہوتا تو اس کے لیے "متوسداً" کا لفظ زیادہ بہتر تھا ـــــ مُتّکِئ کا صحیح ترجمہ ہے دیوار وغیرہ کسی چیز سے ٹیک لگائے ہوئے ـــــ (اسی سلسلہ میں فرمایا) ایک دوسری حدیث میں ہے

• لا آکل متکئاً" مطلب یہ ہے کہ میں کھانے کے وقت کسی چیز سے ٹیک لگا کے نہیں بیٹھتا، یہ کھانے کے ادب کے خلاف ہے، کھانے کے لیے اللہ کے عاجز بندے اور فقیر کی طرح بیٹھنا چاہیئے۔ حدیث شریف میں ہے "آکل کما یاکل العبد" یعنی میں ایسے کھاتا ہوں جیسے غلام کھاتا ہے ـــــ کھانا کھاتے وقت یہ دھیان ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے کھلا رہے ہیں، اور میں اُن کے خوان پر کھا رہا ہوں، اس لیے پوری عاجزی اور ادب کے ساتھ بیٹھنا چاہیئے۔

پھر تقریباً آدھا گھنٹہ اور تشریف فرما رہے اور برابر ارشادات اور ملفوظات سے نوازتے رہے اور یہ بیکار خصوصیت کے ساتھ مخاطب رہا ـــــ یہ حضرت حکیم الامت کی خدمت میں اس عاجز کی آخری حاضری اور آخری زیارت تھی۔

حضرت کے تشریف لے جانے کے بعد خواجہ صاحب نے بھی شکایت فرمائی کہ آپ ایسے چُھپ کے اور چھپ کے بیٹھے کہ ہم میں سے کسی نے نہیں دیکھا اور نہ پہچانا ـــــ حاضرین میں سے متعدد حضرات نے دُعائیں دیتے ہوئے فرمایا کہ تمھاری وجہ سے آج مجلس بہت طویل ہو گئی اور اتنے ارشادات و ملفوظات کا سُننا نصیب ہو گیا ـــــ

# ایک مخلص کا انتقال

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وَارْحَمْہُ وَعَافِہٖ وَاعْفُ عَنْہُ وَاَکْرِمْ نُزُلَہٗ وَوَسِّعْ مُدْخَلَہٗ

الفرقان کے اجراء سے بھی قبل ۴۳-۴۴ سال پہلے کی بات ہے جب کبھی بریلی جانا ہوتا یا بریلی کے سٹی اسٹیشن سے گزرنا ہوتا تو ایک صاحب ضرور ملتے، ان کا نام محمد حسین تھا، یہ بی این ڈبلیو ریلوے اسٹیشن کے ہوٹل میں ملازم تھے۔ آرڈر دینے والے مسافروں کو ٹرین پر جا کے کھانا پہنچانا ان کا کام تھا لیکن ہوٹل میں ملازم ہونے کے باوجود داڑھی رکھتے تھے اور نماز کے پابند تھے اس لیے ان کے ساتھی ہوٹل کے دوسرے ملازمین ان کو مولانا کہا کرتے تھے۔ بریلی شہر کے قریب ہی کریلی نام کا ایک گاؤں ہے وہاں کے رہنے والے تھے، بریلی کے ہمارے بعض دوستوں کی صحبت سے ان میں یہ دینداری آئی تھی اور عقائد بھی صحیح تھے، شرک و بدعت کے بڑے مخالف تھے، اس لیے ہم لوگوں سے اور ہمارے بزرگوں سے بڑی محبت کرتے تھے، پھر جب بریلی سے "الفرقان" جاری ہوا اور راقم سطور کا وہیں قیام ہو گیا تو تعلق اور زیادہ بڑھ گیا۔ ایک دفعہ مجھے اپنے گاؤں بھی لے گئے اور بیان کرایا ــــ ایک زمانہ میں گاؤں والوں نے ان کو "وہابی" قرار دیکر ان کا بائیکاٹ کیا، اور حقہ پانی تک بند کر دیا، لیکن یہ استقامت اور حق پرستی کے ساتھ مصائب جھیلتے رہے، پھر ایک وقت آیا کہ اللہ کی توفیق و ہدایت سے گاؤں والے ان کے معتقد ہو گئے۔ جو عرصہ ہوا، ہوٹل کی ملازمت چھوڑ کے گاؤں میں دوکان کر لی تھی اسی سے گزارا چلتا تھا۔

چند روز پہلے ان کے لڑکے خلیل احمد کا خط آیا جس کے ذریعہ مرحوم کے انتقال کی اطلاع دی ہے ــــ بہت کم لکھے پڑھے ایک بھائی کا یہ سادہ سا خط ہے جی چاہا کہ اس کو الفرقان میں شائع کر دیا جائے۔ انشاء اللہ بہت سے بندوں کو اس سے نفع ہوگا۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

.......

بعد تسلیم مکرم عرض ہے کہ آج آپ کو زندگی میں پہلی مرتبہ مجھے خط لکھنے کا موقع ہوا ہے کیونکہ آپ سے خط و کتابت کرنے والے والد محترم مولانا محمد حسین ... ۲۲ ... آج بتاریخ ...

اللہ کو پیارے ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں اور ہم چار بھائیوں اور تین بہنوں کو خدا پر چھوڑ گئے ہیں ـــــ ہم سب خدا کے فضل و کرم سے شادی شدہ ہیں اور اپنے اپنے کاموں سے لگے ہوئے ہیں ـــــ اور اپنے والد مرحوم کے بتائے ہوئے اصولوں کی پابندی کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم کو نیک عمل کی توفیق عطا فرمائے جس سے والد مرحوم کی روح کو بھی خوشی حاصل ہو ـــــ اللہ تعالیٰ والد مرحوم کو جنت الفردوس میں داخل فرمائے۔ آمین!

مولوی صاحب! والد مرحوم کی پوری زندگی ہمارے گاؤں میں شرک بدعت مٹانے میں ختم ہوئی، گاؤں کے لوگوں نے کسی زمانہ میں والد مرحوم کو بڑی ایذائیں دی تھیں... حقہ پانی بند کر دیا تھا، خاندان والوں نے بھی چھوڑ دیا تھا لیکن برابر توحید کی آواز بلند کرتے رہے..... اسی زمانہ میں حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے ابا سے کہا تھا کہ گھبراؤ نہیں یہ امتحان ہے اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا ـــــ پھر اللہ تعالیٰ نے والد صاحب کو کامیاب فرمایا۔

آپ کا رسالہ الفرقان جب بریلی سے شروع ہوا، والد صاحب اس وقت سے آج تک برابر رسالہ کے خریدار رہے اور ہم کو بھی وصیت کر گئے ہیں کہ الفرقان کو بیٹا بند نہ کرنا۔ یہ دین میں تمہاری امداد کرتا رہے گا ـــــ آپ نے ہی بریلی میں حکیم عبدالرشید صاحب کے مکان پر ابا کو حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کرایا تھا ـــــ آپ سے والد صاحب کو بڑی محبت تھی، رسالہ پڑھ کر بڑی دعائیں آپ کو دیتے تھے اور کہتے تھے کہ مولانا نے دین کی بڑی خدمت کی ہے۔ ساتھ ہی مولانا علی میاں کی بھی بڑی تعریف کرتے تھے ـــــ کہتے تھے کہ یہ دونوں اسلام کے سچے خادم ہیں۔

والد صاحب تبلیغی جماعت سے بھی بڑی محبت کرتے تھے، ہمارے گاؤں میں برابر تبلیغی جماعتیں آتی رہتی ہیں، والد صاحب ہر طرح کا انتظام کرتے تھے اور خوب ساتھ دیتے تھے۔

بریلی شہر کیونکہ بدعت کا مرکز ہے اور ہمارا گاؤں شہر سے ۹ میل بدایوں روڈ پر ہے اس لیے بریلوی علماء برابر دورے کرتے رہتے، والد صاحب برابر ان کا مقابلہ کرتے رہے، ہم لوگوں سے کہتے تھے کہ ان لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ یہ راہ ہدایت پر آجائیں۔

والد صاحب گاؤں کی مسجد کے ۱۹۳۴ء سے برابر امام رہے، نمازوں کے بعد برابر تبلیغ کیا کرتے تھے۔ نماز جمعہ سے قبل ہمیشہ ایک تقریر کیا کرتے تھے، کبھی الفرقان میں سے کوئی بیان سناتے تھے۔

آخر میں آپ سے گزارش ہے کہ آپ والد مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کریں ـــــ والد صاحب کی مجھے یہ آخری وصیت تھی کہ بیٹا میرے لیے دعا کرنا اور میرے ملنے والوں سے بھی دعا کی درخواست کرتے رہنا ـــــ میں یہ خط اسی لیے لکھ رہا ہوں۔ ـــــ والسلام

خلیل احمد (ہمردان)
پسر مولانا محمد حسین مرحوم کریلی ضلع بریلی

# الفرقان کی خاص اشاعت

گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

بریلی کے ۱۳ سالہ دور کے قریباً ۴۰ منتخب مضامین و مقالات کا مجموعہ

زیادہ تر مضامین کی کتابت ہو چکی ہے

پورا کاغذ فراہم نہ ہوسکنے کی وجہ سے ابھی طباعت شروع نہیں کرائی جاسکی

ضرورت کے مطابق کاغذ مل جانے کے بعد انشاء اللہ طباعت شروع ہوجائیگی

شمارہ ھذا (بابت فروری و مارچ) کے بعد ناظرین کی خدمت میں انشاء اللہ نمبر ہی پہنچے گا

ارادہ اور کوشش ہے ــــ کہ

آخر اپریل یا شروع مئی میں شائع ہو جائے

ضخامت کا اندازہ ۲۵۰ صفحات سے کچھ اوپر ہی ہے

الفرقان کے مستقل خریداروں کو خریداری ہی کے حساب میں پیش ہوگا

دوسرے حضرات کیلئے اس کی قیمت پانچ روپے یا اس سے بھی کچھ زیادہ ہوگی۔

کاغذ کی انتہائی گرانی اور کمیابی کی وجہ سے محدود تعداد ہی میں چھپوایا جاسکے گا

## ضروری اطلاع

"خاص نمبر" تمام خریدار صاحبان کو پوری جانچ پرتال کے بعد ڈاک سے روانہ کیا جائے گا

خدانخواستہ ڈاک سے ضائع ہو جانے کی شکل میں دفتر دوبارہ نہ بھیج سکے گا ــــ

جو حضرات رجسٹری سے منگوانا چاہیں وہ فیس رجسٹری (جو اب سوا روپیہ ہو گئی ہے)

منی آرڈر سے روانہ فرمادیں / منی آرڈر کوپن پر اپنا نام، پتہ، اور خریداری نمبر ضرور لکھیں۔

(چند مضامین و مقالات کے عنوانات اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

ناظم دفتر الفرقان ــ کچہری روڈ، لکھنؤ

۱۵ مارچ ۱۹۷۴ء

# خاص اشاعت کے
# چند مضامین کے عنوانات

خاتم النبیین (صلعم) کے امتیازی کمالات و خصائص ✤ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی تبلیغی دعوت اور علمائے کرام
راجگوپال آچاریہ کی ایک تقریر ✤ مسلمانوں کی دینی حالت اور ہمارے فرائض
ماہِ رحمت ربیع الاول اور مسلمانوں کا طرزِ عمل ✤ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے چند ارشادات
ربیع الاول کے سیرتی جلسے اور جلوس ✤ قربِ الٰہی اور دینی و روحانی ترقی کی شاہراہ
ماہِ محرم میں مسلمانوں کی بے راہ روی ✤ تحریکِ پاکستان اور مسلمانوں کی عبرتناک
مشرکانہ عقائد اور رسوم و بدعات سے متعلق مضامین ✤ سیاسی خانہ جنگی سے متعلق مضامین
مسئلہ علمِ غیب قرآن و حدیث کی روشنی میں ✤ سیاسی اختلافِ رائے اور ہمارا غیر اسلامی طرزِ عمل
اسلامی توحید سے کھلی بغاوت (رجب کے کونڈے) ✤ الکشنی جہاد اور اس کے ہتھیار
بریلی میں رسول اللہؐ کی دعوت (معاذ اللہ) ✤ سیاست پیشہ مسلمانوں کا اسلام پر ظلم
عرس کے نام پر اسلام کی تذلیل ✤ آیئے اس آئینے میں اپنی صورت دیکھئے
آج کے عرسوں کی قوالی کا شرعی حکم ✤ الکشن کا طوفان گزرنے کے بعد
مشائخ چشت اور سماع مزامیر ✤ ظلم اور درندگی کا چکر
دفن کے بعد قبر پر اذان ✤ ہمارے قومی لیڈر اور مظلوم اسلام
تیجہ ✤ مسلمانوں کی قومی سیرت کے چند کمزور پہلو
مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ ✤ عبرت کی باتیں
دعوائے مسیحیت میں مرزا غلام احمد کی خبط الحواسی ✤ مضامین و مقالات کے علاوہ
مرزائی مسیحیت کا ابطال خود مرزا صاحب کے قلم سے

چند بلند پایہ اصلاحی نظمیں

Regd. No. LW/NP-62

**Monthly 'ALFURQAN'** Kutchery Road, Lucknow U. P.

VOL. 42 NO. 1, 2 FEB., MARCH, 74 Phone No. 25547

*Cover Printed at*—Shining Press, Naya Gaon, Lucknow-1

42 (3-5

اشاعتِ خاص

گذشتہ فائلوں کے منتخب مضامین

مدیر

محمد منظور نعمانی

اپریل، مئی، جون سنہ ۱۹۷۴ء

## اشاعتِ خاص

## گزشتہ فائلوں کے منتخب مضامین (حصہ اوّل)

مدیر

## محمد منظور نعمانی

# فہرست مضامین

## باب ۵۔ عبرت کی باتیں



## باب ۶۔ دعوت تجدید و اصلاح





[illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# نگاہِ اوّلیں

از:- محمد منظور نعمانی

الفرقان کی خاص اشاعت جس کا اعلان کیا گیا تھا، اور جس کے آپ منتظر تھے، آپ کے سامنے ہے۔ یہ اس طرح کا خاص نمبر نہیں ہے جس طرح رسائل وجرائد کے خصوصی نمبر کسی خاص موضوع یا شخصیت یا کسی اہم تقریب سے متعلق نکلا کرتے ہیں۔ بلکہ جیسا کہ ناظرین کرام کو معلوم ہے اس کی نوعیت یا اس کا شانِ نزول یہ ہے کہ اب سے تقریباً ڈیڑھ سال پہلے جب الفرقان کی عمر کے ۴۰ برس پورے ہونے آئے، تو دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ۴۰ سال کی اس طویل مدت میں الفرقان میں ایسے بہت سے مضامین شائع ہوئے ہیں جن میں آج بھی وہی افادیت اور آج بھی اُن کی ویسی ہی ضرورت ہے جیسی کہ اُس وقت تھی، جب وہ لکھے گئے تھے لیکن اب وہ الفرقان کی قدیم جلدوں میں بس مدفون ہیں، اور ہمارے موجودہ ناظرین میں کم از کم اسّی، نوّے فی صد وہ ہوں گے جن کی نظر سے وہ نہیں گزرے۔ اگر ان مضامین کو الفرقان کے ایک خاص نمبر کی شکل میں شائع کر دیا جائے تو وہ موجودہ ناظرین تک پہنچ بھی جائیں گے اور ان کو ایک طرح کی "حیاتِ بعد الموت" حاصل ہو جائے گی ــــــــ بالآخر چند روز غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کر لیا گیا۔ مگر جب مضامین کے انتخاب کے لیے قدیم جلدوں کی ورق گردانی کی گئی تو اندازہ ہوا کہ ایسے مضامین ایک نمبر میں نہیں سمیٹے جا سکیں گے، بلکہ متعدد نمبر شائع کرنے پڑیں گے۔

اس کے بعد طے کیا گیا کہ اس سلسلہ کے پہلے نمبر میں الفرقان کے صرف اُس ابتدائی ۱۴ سالہ دَور کے مضامین کا انتخاب شائع کیا جائے جبکہ وہ بریلی سے نکلتا تھا ــــــــ یہی وہ پہلا خاص نمبر ہے جو آپ کے سامنے ہے۔

اس کی تیاری کے سلسلہ کا ابتدائی کام اب سے ۵، ۶ مہینے پہلے شروع کر دیا گیا تھا، اور اندازہ تھا کہ ان شاء اللہ مئی میں شائع ہو جائے گا۔ لیکن کاغذ بہت دیر سے اور بہت مشکل سے تھوڑا تھوڑا کر کے مل سکا، اور ضرورت کے بقدر پھر بھی نہ مل سکا، جس کی وجہ سے کئی مضمون جن کی کتابت بھی ہو چکی تھی روک لینے پڑے۔ اگر وہ بھی اس نمبر میں شامل ہو سکتے تو ضخامت ۳ سو صفحات کے قریب ہو جاتی ___ لیکن کاغذ نہ مل سکنے کی وجہ سے اب یہ نمبر ۲۴۸ صفحات پر شائع ہو رہا ہے، اور بجائے مئی کے جون میں شائع ہو رہا ہے۔

**اِس نمبر کا ایک المیہ** اِس نمبر کے سلسلہ میں ایک بڑا المیہ یہ پیش آیا کہ الفرقان کے مستقل کاتب جو لکھنؤ کے اچھے کاتبوں میں ہیں اور بڑے شریف طبیعت ہیں، اُن سے امید تھی کہ وہ اس نمبر کی یا اس کے اکثر حصّہ کی کتابت کریں گے لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کہ وہ اسی زمانہ میں مریض ہو گئے اور اس پورے عرصہ میں داخلِ ہسپتال رہے (اللہ تعالیٰ صحت و شفا عطا فرمائے) اُن کی اس بیماری کی وجہ سے مختلف دوسرے کاتبوں سے لکھانا پڑا، اور انتہائی افسوس اور قلق ہے کہ زیادہ حصّہ ایک ایسے کاتب صاحب سے لکھانا پڑا جن کا خط بھی الفرقان کے معیار کا نہ تھا، اور پھر غلطیوں کی کثرت اتنی کہ ان کی تصحیح و ترمیم سے چھپائی پر اور بھی زیادہ اثر پڑنا ناگزیر۔ جب اُن کی لکھی ہوئی کاپیاں راقم سطور کے سامنے آئیں تو جس قدر تکلیف ہوئی اُس کا بیان مشکل ہے۔ اگر وقت میں گنجائش ہوتی اور دو چار دوسرے کاتبوں کا وقت مل سکتا تو ان تمام صفحات کی دوبارہ کتابت کرائی جاتی اور اس کی وجہ سے ڈھائی تین سو روپے کا نقصان خوشی سے برداشت کیا جاتا ___ لیکن لکھنؤ میں اور شاید دوسرے مقامات پر بھی اچھے بلکہ اوسط درجہ کے کاتبوں کا بھی قحط ہے، اِسلئے مجبوراً انہی کاپیوں کو چھپوانا پڑا ___ اُمید ہے کہ یہ تفصیل معلوم ہو جانے کے بعد ناظرین کرام نمبر کے اس پہلو میں ہم کو معذور قرار دینگے۔

---

اِس نمبر میں مختلف النوع مضامین ہیں، جنھیں چھ بابوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ سب وہی ہیں جو الفرقان کے بریلی والے ابتدائی ۱۳ سالہ دَور میں شائع ہوئے تھے۔ ناظرینِ کرام ان کے مطالعہ کے وقت یہ ملحوظ رکھیں کہ تقریب قریب یہ سب مضامین ۲۷، ۲۸ سال پہلے لکھے گئے تھے، اسی بنا پر بعض مضامین ایسے رنگ کے بھی اس مجموعہ میں ملیں گے جس کے موجودہ ناظرینِ الفرقان عادی نہیں ہیں لیکن ان کی مقصدی افادیت کی بنا پر یہی مناسب نظر آیا کہ اس خاص رنگ کے باوجود انھیں شاملِ اشاعت کیا جائے۔ کیونکہ اصل مغز اور مقصد کے اعتبار سے

ان کی آج بھی مسلمانوں کے ایک طبقے کو ضرورت ہے۔

جو مضامین کاغذ کی کمی کے سبب سے کتابت شدہ روک لینے پڑے ہیں، جیسا کہ ابھی اوپر ذکر آیا ہے، تو ان کے بارے میں ممکن ہے کہ ہم یہ فیصلہ کریں کہ آئندہ مہینے جولائی کے شمارے میں وہ سب شائع کر دیئے جائیں اگر ایسا ہوا تو اگلا شمارہ اس نمبر کا ضمیمہ ہوگا۔ اگر ہم نے یہ مناسب نہ سمجھا تو انشاء اللہ آئندہ سال شائع ہونے والے نمبر میں ان کو شامل کر دیا جائے گا۔

---

کاغذ کے سلسلے میں اپنے ناظرین کو یہ بتا دینے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ جس اخباری کاغذ پر الفرقان چھپتا ہے اُس کی قیمت چھ مہینے کے اندر دوگنی ہو گئی ہے۔ چھ مہینے پہلے تک بھی قیمت میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا، مگر وہ معمولی نوعیت کا تھا، لیکن ادھر کے چھ ماہ میں اضافہ کی رفتار یہ رہی ہے کہ اکتوبر ۱۹۷۳ء میں ۱۹ روپئے کچھ پیسے فی ریم کے حساب سے خریدا گیا تھا اور اپریل ۱۹۷۴ء میں ۳۸ روپیہ فی ریم کے حساب سے ملا ہے، بلیک سے نہیں بلکہ کوٹے سے۔

چھ سات ماہ پہلے الفرقان جن حالات میں تھا، کہ جاری رکھنے یا بند کر دینے کا مسئلہ سامنے آ گیا تھا، اور کچھ مخلص دوستوں کی توسیع اشاعت کے لیے کوششوں اور کچھ مخصوص اعانتوں سے جاری رکھنے کی صورت پیدا ہو سکی تھی۔ اس کے پیش نظر اس نئی ہوشربا گرانی میں خاص نمبر کے وعدے کو پورا کرنے کا مرحلہ تو کسی طرح طے کر لیا گیا ہے، مگر آگے اِس بار کو اٹھانے کے لیے اِس کے سوا کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ چند صفحے کے اشتہارات کا کوئی انتظام لازماً الفرقان کی ہر اشاعت کے لیے ہو ——

اُمید ہے —— کہ

وہ مخلص احباب

جو اس کے لیے کوئی کوشش کر سکتے ہیں یا خود اشتہار دے سکتے ہیں توجہ فرمائیں گے۔

---

یہ نمبر مستقل خریداروں کیلئے اپریل، مئی، جون کی اشاعتوں کے قائمقام ہے۔ آئندہ شمارہ انشاء اللہ جولائی اور اگست کا مشترکہ شمارہ ہوگا، اور ۳۰ جولائی تک شائع ہو سکے گا۔ مینیجر

# ایک حادثہ اور اللہ کا کرم

(عتیق الرحمٰن سنبھلی)

الفرقان میں کچھ لکھے ہوئے بلکہ اُس کے سبھی کاموں سے سبکدوشی کو دس مہینے ہو رہے ہیں۔ اِس نمبر میں بھی سارا کام والد ماجد مدظلہٗ کے ہاتھوں انجام پایا۔ کتابت وغیرہ کے انتظام کی خدمت برادر عزیز محمد حسان سلمہٗ نے انجام دی۔ لکھنے کیلئے اِس نمبر میں بس "نگاہِ اولیں" کے صفحات تھے وہ بھی والد ماجد ہی کے قلم سے ہوئے۔ چند سال سے گرمیوں میں تیری صحت کچھ سنبھل جایا کرتی ہے، اِسلئے خاص نمبر کے کام کی زیادتی کی وجہ ضروری تھا کہ ان دنوں میں آکر میں کچھ ہاتھ بٹا لیتا، مگر ایک اور کام آٹھ دس مہینے سے انہی دنوں کے انتظار میں تھا اور وہ تھا، الفرقان کا انگریزی ڈائجسٹ جس کا اشتہار آپ اِس نمبر میں کسی جگہ دیکھیں گے۔ چنانچہ میں کچھ کرنے کے قابل ہوا تو اسی میں لگ گیا۔ ۱۶ مئی کو اس سے فراغت ہوئی، اور طبیعت ٹھیک ہی رہی تو والد ماجد نے فرمایا کہ اب اِس خاص نمبر کا باقی کام تم سنبھالو، میں تھک بھی گیا ہوں اور ایک سفر بھی کرنا ہے۔ پس اُس دن سے نمبر کا کام میرے ہاتھ میں آیا، جو صرف یہ تھا کہ ترتیب کو آخری اور عملی شکل دیدوں اور طباعت کے مرحلہ کی نگرانی کرلوں ——— مگر ایک حادثہ نے، جس کا ذکر یہاں مقصود ہے، بے گمان یہ ایک صفحہ میرے قلم سے بھی نمبر میں شامل کرا دیا۔ سچ فرمایا ہے عالم الغیب نے وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا (اور کوئی نہیں جانتا کہ کل کو اسے کیا کرنا ہوگا)۔

والد ماجد کے جس سفر کا ذکر ابھی کیا گیا، اس کیلئے وہ ۱۹ مئی کی شب میں لکھنؤ سے روانہ ہوئے۔ امروہہ، سنبھل، سہارنپور، دیوبند اور پھر دہلی ہوتے ہوئے ۲۶ کو لکھنؤ واپس آجانے کا پروگرام تھا ——— مگر ابھی ۲۴ رہیں ۲۵ تاریخ تھی کہ ناگاہ شام کے ۵ بجے دیوبند سے نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند جناب مولانا معراج الحق صاحب کا تار ملا ۔

"فوراً آؤ۔ مولانا کو رکشہ اُلٹ جانے کا حادثہ پیش آگیا ہے"

فوراً آؤ کا مطلب یہ تھا کہ حادثہ سنگین ہے۔ جان نکل گئی، اور پتہ نہیں چند ساعتوں میں کیا کیا عالم دل پہ بیت گئے مگر بس جلد ہی اللہ نے سکون اور اُمیدِ خیر کی توفیق بخشی، اور پھر اُمید و بیم کا ایک متوازن سا حال قائم ہوگیا۔

اسی حال میں عزیزی حسان سلمہٗ کو ساتھ لیکر دہرہ ایکسپریس سے جو اُس دن تین گھنٹے لیٹ تھی، رات کے دس بجے دیوبند کا سفر شروع کیا۔ اِس سے پہلے ٹیلیفون کے ذریعہ خبر لینے کی ہر ممکن کوشش کرلی تھی جو ناکام ہوئی۔ اگلے دن ۱ بجے دوپہر کو دھڑکتے ہوئے اور دعا و مناجات میں ڈوبے ہوئے دل کے ساتھ دارالعلوم کے مہمان خانے میں قدم رکھا تو سارا وجود سراپا حمد و شکر بن گیا کہ وہ ذات زندہ سلامت تھی جس سے ہمارے سارے گھر کی زندگی ہے۔

(باقی ص ۲۲۱ پر)

محمد منظور نعمانی

# حرفِ آغاز یا افتتاحی دُعا

قمری حساب سے پورے ۴۱ سال اور ۴ مہینے ہوگئے، جب محرم ۱۳۵۳ھ (مارچ ۳۴ء) میں "الفرقان"، کا پہلا شمارہ بریلی سے شائع ہوا تھا تو اُس کا آغاز و افتتاح اِس دُعا سے کیا گیا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے ساری کائنات کے پروردگار تیرا ایک عاجز و روسیاہ بندہ تیرا کام تیرے ہی جلالت والے نام اور عظمت والے کلام سے شروع کرتا ہے، تو اس کے ارادوں میں برکت عطا فرما اور اُسکے دل کو صدقِ نیت اور اخلاص کی توفیق دے! —— تیرے پاک دین کی حمایت اور میری بساط، یقیناً چھوٹا مُنہ اور بڑی بات ہے، لیکن تیری تائید رفیق ہو جائے تو قطرہ کو دریا اور ذرّہ کو آفتاب بنتے دیر نہیں لگتی —— خداوندا! میں پاپیادہ ہوں اور وادیٔ خاردار میں نہتّا ہوں اور راستہ میں ہزاروں خونخوار دشمن، میری کشتی شکستہ ہے اور سامنے حوادث کا طوفان، مگر تیری نُصرت ساتھ دے تو بیڑا پار ہے، اور اِسی بھروسہ پر تیرے اِس کمزور بندے نے کمرِ ہمّت باندھی ہے

دریں دریائے بے پایاں، دریں طوفانِ موج افزا
دل افگندیم بسم اللہ مجریہا و مُرسٰہا

تیری مقدس کتاب کا وعدہ ہے: ——

وَلَیَنصُرَنَّ اللّٰہُ مَن یَّنصُرُہٗ، اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیزٌ —— جوکوئی خدا کے دین کی حمایت کیلئے اٹھے گا خدا اُسکی مدد کرے گا، یقیناً خدا بڑی قوت والا اور بہت غلبہ والا ہے۔

کمر کستا ہوں تیرے نام پر تو مجھ کو ہمّت دے ❊ جو ہو لغزش تو مجھ کو تھام میرا مہرباں ہوکر
بھروسے پر تری امداد کے بیڑا اُٹھایا ہے ❊ فلک کے بوجھ اُٹھانے پر تُلا ہوں ناتواں ہوکر

(الفرقان بریلی، بابت محرم ۱۳۵۳ھ ص۲)

## باب ـــــ (۱)

# ایمان و اعتقاد

# حمد باری تعالیٰ

از رشحات افکار جناب سید انیس الدین احمد صاحب رضوی، امروہوی
ایم اے، ایل ایل بی (علیگ)

اے بلبلِ گلشنِ معانی ❊ کر آکے چمن میں نغمہ خوانی
وہ نغمۂ روح، غیر فانی ❊ تفسیر حیاتِ جاودانی
ہے گلشنِ حمد تیرے آگے
ہر پھول کو اک چمن بنا دے

ہے اسپ خیال زیر مہمیز ❊ رفتار شباب سے کہیں تیز
اور نغمہ جو، نشاط انگیز ❊ ہے بادِ شمیم بھی طرب ریز
رحمت کی بہار رنگ پر ہے
عاصی کا بھی دل اُمنگ پر ہے

رندوں کو ہیں ایک آج اور کل ❊ مستوں میں مچی ہوئی ہے ہلچل
ہر کف میں اٹھائے جام سلسل ❊ رحمت کے اُٹھے ہیں آج بادل
وہ جھومتا جام آرہا ہے
رحمت کا پیام آرہا ہے

ہے وجد میں روح کیوں ہماری ❊ رگ رگ میں ہے کس کا نور ساری
ہے وردِ زباں ثنائے باری ❊ دل میں بھی خدا خدا ہے جاری
پیدا کیا جس نے لامکاں کو
اور کُن سے بنایا دو جہاں کو

اللہ! وہ نور فی السمٰوات ❊ اللہ! وہ مستجیب دعوات
وہ قاضیٔ کُل امور و حاجات ❊ وہ خالقِ حسن خیر و برکات

ہیں مسجد و مندر و کلیسا
اُس کے ہی جمال سے مُجلّا!

عشاق کے حالِ زار میں ہے ❊ اُن کے دلِ بیقرار میں ہے
بیتابی و اضطرار میں ہے ❊ طولِ شبِ انتظار میں ہے

شیریں کو جو زندگی عطا کی
فرہاد کے تیشہ کی بنا کی

شاہوں کے قصورِ مرمریں میں ❊ مفلوک کے کلبۂ حزیں میں
ہے اُس کا ہی شوق ہر جبیں میں ❊ ہے اُسکی چمک ہر اک نگیں میں

والشمس اذا ضحٰی میں ہے وہ
واللیل اذا سجٰی میں ہے وہ

موجود ہے حرفِ آرزو میں ❊ پنہاں ہے اُمید و جستجو میں
آفاق میں، اس کی گفتگو میں ❊ گلزار میں اُس کے رنگ و بو میں

مقصودِ ہر آرزو وہی ہے
اور مطلبِ جُستجو وہی ہے

ہے نور میں، نار میں، نمودار ❊ ہر پھول میں، خار میں نمودار
ہوش اور خمار میں نمودار ❊ عجز اور وقار میں نمودار

ہر چیز، ہر ایک بات وہ ہے
القصّہ، یہ کائنات وہ ہے

(الفرقان، ماہ محرم ۱۳۵۳ھ)

# نعت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

از حضرت مولانا مولوی محمد اسعد اللہ صاحب اسعدؔ استاذ مظاہر علوم سہارنپور

مجھے کیا علم کیا تم ہو خدا جانے کہ کیا تم ہو ٭ بس اتنا جانتا ہوں محترم بعد از خدا تم ہو
کسی کی آرزو کچھ ہو! کسی کا مدعا کچھ ہو ٭ ہماری آرزو تم ہو، ہمارا مدعا تم ہو
زمانہ جانتا ہے صاحبِ لولاک لما تم ہو ٭ جہاں کی ابتدا تم ہو، جہاں کی انتہا تم ہو
نہ یہ قدرت زباں میں ہے، نہ یہ طاقت بیاں میں ہے ٭ خدا جانے تو جانے! کوئی کیا جانے کہ کیا تم ہو
رسالت کو شرف ہے ذاتِ اقدس کے تعلق سے ٭ نبوّت ناز کرتی ہے کہ ختم الانبیا تم ہو
کہاں ممکن تمھاری نعت حضرت مختصر یہ ہے ٭ دو عالم مل کے جو کچھ بھی ہیں اُس سے سوا تم ہو
گروہِ رازدانِ "نظمِ فطرت" پر نہیں مخفی ٭ یہ سب ہنگامۂ دُنیا خبر ہے، مبتدا تم ہو
نہیں شرمندۂ اظہار اوصافِ گرامی قدر ٭ بتاؤں کیا کہ کیا تم ہو، سناؤں کیا کہ کیا تم ہو
فصاحت کو تحیّر ہے، بلاغت کو پریشانی ٭ کہ لفظوں سے بہت بالا جنابِ مصطفےٰ تم ہو
گنہ گارانِ اُمّت کا سہارا ذاتِ والا ہے ٭ خوشا قسمت کہ حضرت شافعِ روزِ جزا تم ہو
یہ ربطِ باہمی اُمّت کو وجہ صد تفاخر ہے ٭ تمھارا ہے خدا محبوب! محبوبِ خدا تم ہو

تمھارے واسطے اسعدؔ کہیں بہتر ہے شاہی سے
کہ اک ادنیٰ غلامِ بارگاہِ مصطفےٰ تم ہو

(الفرقان، ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ)

محمد منظور نعمانی

# رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص و امتیازات

یہ ایک ایمانی حقیقت ہے کہ نفس منصب رسالت کے لحاظ سے انبیاء علیہم السلام میں کوئی فرق نہیں اور قرآن مجید کا فیصلہ ہے کہ ان میں تفریق شان ایمانی کے خلاف ہے۔ ﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ﴾ لیکن بایں ہمہ قرآن حکیم ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ خصائص اور امتیازات سے بھی نوازا ہے جن میں کوئی دوسرا نبی و رسول آپ کا شریک نہیں۔ پھر یہ خصائص و امتیازات صرف علمی اور محض خیالی نہیں۔ بلکہ ان کو نظام دینی میں اساسی حیثیت حاصل ہے۔ اور جب تک کوئی شخص اس امتیازی شان کو ملحوظ رکھ کر آپ پر ایمان نہ لائے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ رسالت محمدی پر اس کا ایمان کامل ہو گیا۔ اسی لیے قرآن حکیم نے جہاں انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی وحدت اور نفس منصب نبوت میں ان کی برابر کی شرکت پر زور دیا ہے۔ وہیں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ان خصوصیات کو بھی واشگاف کر کے بیان فرمایا ہے جن سے آپ کی شان امتیازی اور دوسروں پر فوقیت ظاہر ہوتی ہے۔ یہاں ان ہی میں سے چند خصائص طیبہ کا ذکر کرنا منظور ہے۔ وباللہ التوفیق:

**جامعیت کمالات** حق تعالیٰ نے سورہ انعام کے دسویں رکوع میں ایک خاص ترتیب کے ساتھ مندرجہ ذیل اٹھارہ پیغمبروں کا ذکر فرمایا ہے۔

سیدنا حضرت ابراہیم[1] سیدنا اسحاقؑ[2] سیدنا یعقوبؑ[3]، سیدنا نوحؑ[4]، سیدنا داؤد[5]، سیدنا سلیمانؑ[6] سیدنا ایوبؑ[7] سیدنا یوسفؑ[8]، سیدنا موسیٰؑ[9]، سیدنا ہارونؑ[10]، سیدنا زکریا[11] سیدنا یحییٰؑ[12] سیدنا عیسیٰؑ[13] سیدنا الیاسؑ[14]، سیدنا اسمٰعیلؑ[15]، سیدنا الیسع[16]، سیدنا یونسؑ[17] سیدنا لوطؑ[18] (علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام)

ان تمام انبیاء علیہم السلام کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد ہے "اولئک الذین ھدی اللہ فبھدٰھم اقتدہ" (یہی سب اللہ کے وہ مقبول بندے ہیں جن کو اللہ نے اپنی ہدایت بخشی اور نیک راہ پر چلایا۔ پس اے رسول آپ بھی ان کی اس ہدایت الٰہیہ کی پیروی کیجئے)

اس آیت کے سرسری مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرات مذکورین کی اقتداء اور پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن غور کرنے اور دوسری آیات کو پیش نظر رکھنے سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ فی الحقیقت یہاں حضور کو تمام مقدسین مذکورین کے اوصاف کمالیہ اور ملکات عالیہ اپنے اندر جمع کرنے کا امر فرمایا گیا ہے۔ اور حضور کی شان جامعیت کی طرف ایک لطیف اشارہ فرمایا گیا ہے۔

اور واقعہ بھی یوں ہی ہے۔ کہ جس قدر کمالات و ملکات دوسرے انبیاء علیہم السلام کو متفرق طور پر عطا فرمائے گئے تھے وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر جمع کر دیئے گئے۔

علامہ علی بن محمد خازن تفسیر لباب التاویل میں اسی آیت پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| احتج العلماء بھذہ الآیۃ علی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل من جمیع الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام وبیانہ ان جمیع خصال الکمال وصفات الشرف کانت متفرقۃ فیھم فکان نوح صاحب الاحتمال علی اذی قومہ وکان ابراھیم صاحب کرم وبذل مجاھدۃ فی اللہ عزوجل وکان اسحٰق ویعقوب من اصحاب الصبر علی البلاء والمحن وکان داؤد علیہ السلام وسلیمان من اصحاب الشکر علی النعمۃ قال اللہ فیھم اعملوا آل داود شکرا وکان ایوب صاحب صبر علی البلاء قال اللہ فیہ انا وجدناہ صابرا نعم العبد انہ اواب وکان یوسف قد جمع بین الحالتین یعنی الصبر والشکر وکان موسیٰ صاحب الشریعۃ الظاھرۃ | اس آیت سے علماء امت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل الانبیاء ہونے پر استدلال کیا ہے۔ اور اس استدلال کی تقریر یہ ہے کہ تمام اوصاف کمالیہ اور خصائل عالیہ انبیاء سابقین علیہم السلام میں متفرق طور پر پائے جاتے تھے۔ مثلاً نوح علیہ السلام کا خصوصی وصف یہ تھا کہ انھوں نے مدت مدید تک اپنی نافرمان اور کفر شعار قوم کی ایذا رسانیوں کا تحمل کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امتیازی شان اللہ کے راستے میں بے پناہ قربانی اور بے انتہا کرم النفسی تھی اور سیدنا اسحاق و یعقوب کا خاص کمال صبر علی المصائب تھا۔ اور سیدنا داؤد و سلیمان ارباب شکر میں سے تھے چنانچہ حق تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا ہے اعملوا آل داؤد |

والمعجزات الباهرة وكان زكريا ويحيى وعيسى والياس من اصحاب الزهد في الدنيا وكان اسمٰعيل صاحب صدق وكان يونس صاحب تضرع واخبات ثم ان الله تعالى امر نبيه صلی الله عليه وسلم ان يقتدی بهم وجمع له جميع الخصال المحمودة المتفرقة فيهم۔ (تفسیر خازن پ ٧ ص ١٢٩)

شکراً اور سیدنا ایوب صابرین کے پیشرو تھے جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے انا وجدناہ صابرا نعم العبد انہ اواب اور سیدنا یوسف میں صبر و شکر دونوں ہی وصف بدرجۂ کمال موجود تھے اور موسیٰ علیہ السلام مستقل شریعت اور روشن معجزات رکھتے تھے اور زکریا و یحییٰ اور الیاس و عیسیٰ علیہم السلام، ارباب زہد اور متاع دنیا کے تارک تھے، اور سیدنا اسمٰعیل پیکر صدق الوعدی اور حضرت یونس میں تضرع اور خاکساری کا غلبہ تھا۔ الغرض یہ اوصاف کمالیہ اور ملکات عالیہ حضرات انبیائے سابقین کو متفرق طور پر عطا ہوئے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوا کہ ان خصائل خیر میں ان تمام مقدسین کی اقتدا کرو۔

چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا، اور حق تعالیٰ نے یہ تمام خصائل حمیدہ اور شمائل لطیفہ جو تمام انبیاء سابقین میں منتشر اور متفرق طور پر پائے جاتے تھے آپ کے اندر تمام و کمال جمع فرما دیئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان جامعیت و اکملیت پر علامہ خازن بغدادی علیہ الرحمۃ کی یہ تقریر اگرچہ مختصر ہے تاہم اس باب میں ارباب فکر کی راہ نمائی کے لیے کافی ہے۔ علامہ ممدوح کی اس تقریر کی روشنی میں جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی زندگیوں کا غائر نظر سے مطالعہ کرے گا تو وہ ضرور اس نتیجے پر پہونچے گا کہ جو انسانی کمالات اور روحانی ملکات تمام انبیاء علیہم السلام کو متفرق طور پر عطا ہوئے تھے وہ سب بحیثیت مجموعی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر موجود تھے۔ اور بے ساختہ اس کا دل پکار اٹھے گا ؎

اے کہ بر تخت سیادت ز ازل جا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

---

## اکمال دین

جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تمام انبیاء علیہم السلام کے کمالات کو جامع ہے اسی طرح آپ کا دین بھی تمام ادیان سابقہ کی خوبیوں پر حاوی اور آپ کی تعلیم بھی مکمل ترین تعلیم ہے نا تعلیم کے دنیا و رسل اور علماء و حکمائے اقوام کی تعلیمات کا جو حصہ اس وقت دنیا میں موجود ہو۔ آپ اس سب کو دیکھ جائیے کہیں بھی آپ کو ایسا مکمل لائحہ عمل نہیں ملے گا۔ جو ہر زمانے اور ہر مزاج کے انسانوں کی تمام

ضروریات کا پورا پورا حل پیش کر سکے۔

انبیاء سابقین میں بڑی تعداد تو ان حضرات کی ہے جن کی تعلیم کا آج نام و نشان بھی دنیا میں موجود نہیں اور نہ کوئی امت آج ان کی پیروی کی مدعی ہے۔ اور جن حضرات کی تعلیم کسی درجہ میں موجود ہے وہ چند ہی شخصیتیں ہیں، آپ ان میں سے سب سے پہلے حضرت موسیٰ کی کتاب تورات پر ایک نظر ڈالیے کیوں کہ شریعت موسوی کا مدار اسی پر ہے اس میں آپ کو انبیاء سابقین کی تاریخ ملے گی — بالخصوص خاندان بنی اسرائیل کا ذکر زیادہ ملے گا۔ کچھ احکام ملیں گے جن میں قہر و جلال کی شان نمایاں ہوگی۔ کیوں کہ بنی اسرائیل کی اس وقت کی حالت کا اقتضاء یہی تھا اور ان کی سرکشی اور تمردی کا علاج اسی سے ہو سکتا تھا۔

—— لیکن مناجات، اسرار قلب، معرفت آلٰہی، وصول الی اللہ، تبتل و توکل، تزکیۂ باطن احسان و اخلاص اور ان جیسے دوسرے دینی حقائق کا ذکر اس میں تلاش کے بعد بھی کم ملے گا — اور جس قدر ملے گا وہ بھی ایک پیاسے کی اور روح کی تشنگی کے لیے ناکافی ہوگا۔

—— اسی طرح داؤد علیہ السلام کی کتاب زبور کو دیکھئے اس میں حمد و ثنا اور مناجات ہی کا نمونہ ملے گا۔ پھر اناجیل کا مطالعہ کیجیے ان میں حضرت مسیح کی کسی قدر سوانح حیات اور آپ کے نصائح اور سبق آموز امثال ملیں گی اور جو تھوڑے بہت احکام نظر آئیں گے وہ سراسر رفق اور لین پر مبنی ہوں گے۔ جن پر کسی مستقل تمدن کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی اور نہ عام حالات میں ان پر عمل ہی کیا جا سکتا ہے۔

...... بلکہ انجیل میں خود حضرت مسیح کا یہ اعتراف موجود ہے کہ میں تم کو مکمل تعلیم نہ دے سکا اور ساری صداقت و سچائی نہیں سکھا سکا، کیوں کہ تمہارے اندر ابھی اس کے تحمل کی استعداد نہیں ہے۔ اور تعلیم دین کی تکمیل کا یہ کام میں آنے والے پیغمبر کے لیے چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ اس موقع پر انجیل یوحنا کے اردو ترجمہ کے الفاظ یہ ہیں ——

مجھے تم سے بہت سی باتیں کہنی ہیں۔ مگر ابھی تم ان کے تحمل کی طاقت نہیں رکھتے جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تم کو سچائی کا پورا راستہ بتائے گا۔

—— چنانچہ اسی صاف صریح اور سچی پیشین گوئی کے مطابق خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جو حقیقی معنی میں روح حق ہیں، تشریف لائے اور آپ نے ان سربستہ حقائق اور معارف

کو بھی دنیا کے سامنے رکھ دیا جن کو اب تک کسی شخص نے واشگاف کر کے نہیں بیان کیا تھا۔

اور قرآن نے گواہی دی کہ :—

وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ،

ہمارا رسول تم کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور وہ باتیں بتاتا ہے جن کو اب تک تم نہیں جانتے تھے۔

بہرحال مسیح کی پیشگوئی کے مطابق اس روح حق کا نزول ہوا اور اس نے ان حقائق و معارف کو دنیا کے سامنے کھول دیا جو اب تک سربستہ چلے آتے تھے — اور انبیاء و رسل کے بھیجنے والے نے یہ اعلان فرما دیا :—

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا . . .

اے فرزندان آدم آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو آج مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور پسند کر لیا تمہارے واسطے دین اسلام کو پسند کیا۔

---

. . . ذی الحجہ ۱۰ھ کی نویں تاریخ تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قریباً ایک لاکھ قدوسیوں کے ساتھ عرفات کے میدان میں جمع تھے اور فرما رہے تھے کہ تکمیل دین کی وہ خوشخبری آ رہی ہے اور اسی وقت عرفات کی بلند ترین پہاڑی (کوہ رحمت) پر چڑھ کر آپ نے امت کو یہ مژدہ جانفزا سنایا اور اس مقدس ترین مجمع کو شاہد بنا کر جس سے بہتر مجمع کبھی چشم فلک نے بھی نہ دیکھا تھا۔ خدا کی طرف سے اعلان کر دیا گیا، کہ ہدایت جس حقیقت کا نام ہے اور دین حق کا اطلاق جس چیز پر ہوتا ہے وہ بہ تمام و کمال محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ تم تک پہونچا دی گئی اور جو قانون حیات پہلے انبیاء کے واسطے سے تھوڑا تھوڑا کر کے تم کو بتایا جا رہا تھا۔ اب وہ اتمام کو پہونچ گیا۔ معرفت الٰہی اور علم حق کا جو نصاب اب تک نامکمل تھا وہ آج مکمل کر دیا گیا اور اب اس سلسلہ کی کوئی چیز ایسی باقی نہیں رہی جس کی تعلیم کے لیے کسی اور نبی و رسول کے آنے کی حاجت باقی ہو۔

. . . . . . اور ہم صرف جوش عقیدت سے نہیں بلکہ پوری بصیرت سے کہتے ہیں کہ زمانہ سابق کے انبیاء و پیشواؤں کی تعلیم کا جو ذخیرہ اس وقت دنیا میں موجود ہے ان سب میں حق و صداقت علم و معرفت، خیر و صلاح، حسن اخلاق، و حسن معاملت کے جتنے پاکیزہ نمونے آپ کو مل سکتے ہیں وہ سب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں کچھ مزید محاسن کے ساتھ موجود ہیں اور اسی کے ساتھ علم حق، عمل صالح اور اصول خیر کا ایک وافر حصہ یہاں ایسا بھی ملتا ہے جس سے دنیا کے دفاتر اور صحائف خالی ہیں اور بجز تعلیم محمدی کے کسی دوسری جگہ اس کا نام و نشان بھی نہیں۔ بلکہ ہم

تو کہتے ہیں کہ انسان کی ہدایت اور اس کی صلاح و فلاح کے سلسلے میں زیادہ سے زیادہ غور و فکر اور تلاش و جستجو کے بعد جو کوئی صحیح بات انسان نکال سکتا ہے وہ ضرور اسلام میں موجود ہے اور گویا اب کوئی ایسی بات باقی نہیں رہی جس کا تعلق بنی آدم کی اصلاح و تربیت سے ہو اور وہ اسلام سے باہر ہو۔ الحاصل اسلام جمیع ابواب خیرات و برکات کو حاوی ہے اور انسان کی اعلیٰ سے اعلیٰ ترقیات کے لیے مکمل قانون اور کامیاب ترین لائحہ عمل ہے۔ اور اب اس پر کسی اضافہ کا امکان ہی نہیں۔

## نسخ شرائع سابقہ

اور اسی لیے شرائع سابقہ یعنی پچھلے انبیاء کے لائے ہوئے قوانین اب ناقابل اور منسوخ قرار دے دیے گئے کہ اصولاً کامل کے بعد ناقص کی ضرورت نہیں رہتی ہے نیز انبیاء گذشتہ کی تعلیمات اور ان کے قوانین کا اکثر حصہ تحریف و نسیان کی نذر ہو چکا تھا جس کی وجہ سے اب ان کا صحیح اتباع ممکن نہیں رہا۔ اس لیے یہ بھی اعلان کر دیا گیا کہ اب نجات صرف اسی قانون کے اتباع سے ہو سکتی ہے جو ہمارے پیغمبر (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) لیکر آئے ہیں اور جو لوگ انبیاء سابقین میں سے کسی کے ماننے والے ہیں۔ اب ان کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ اسی آخری اور مکمل قانون کا اتباع کریں اس کے سوا اب ان کیلئے کوئی ذریعہ نجات نہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

| | |
|---|---|
| يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ۔ | اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا ہے جو تم سے بہت سی وہ باتیں بیان کرے گا جن کو تم اپنی کتاب میں سے چھپاتے تھے نیز وہ بہت سی باتوں سے درگزر بھی کرے گا (دیکھو) تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور کھول کر بیان کرنے والی کتاب پہنچ گئی جس کے ذریعہ اللہ ان لوگوں کو جو اس کی رضامندی کا اتباع کرنا چاہیں سلامتی کی راستوں کی طرف ہدایت بخشے گا اور تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئے گا اور صراط مستقیم کی طرف ان کی رہنمائی کرے گا۔ |

٭٭٭

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

| | |
|---|---|
| الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ | اہل کتاب میں سے جنت کے مستحق صرف وہ ہیں |

الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۔

"جو پیروی اس فرستادہ نبی امی کی پیروی کرتے ہیں جس کو وہ تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ ان کو اچھائی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے۔ پاکیزہ چیزوں کو ان کے واسطے حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزوں کو ان کے واسطے حرام کرتا ہے اور ان پر سے بوجھ اور ان بندشوں کو دور کرتا ہے جو ان پر مسلط کر دی گئی تھیں۔ پس جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اس کی حمایت و اعانت کی اور اس نور کا اتباع کیا جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے۔ سو وہی فلاح پانے والے ہیں ——"

—— ان آیات میں اس کی تصریح فرما دی گئی ہے کہ اب ہدایت کا سرچشمہ شریعت محمدی میں ہے اور اس سے باہر کسی شخص کو نجات کا راستہ نہیں مل سکتا اور پہلی شریعتوں کا اتباع اب انسان کی فلاح کے لیے کافی نہیں اور اس کی علت بھی ظاہر کر دی گئی کہ تعلیم محمدی تعلیمات سابقہ کے لحاظ سے کامل بلکہ اکمل ہے۔ اس میں اصولاً ہر اچھائی کا حکم اور ہر برائی کی ممانعت موجود ہو تمام طیب اور پاک چیزوں کی حلت اور خبیث اور گندی چیزوں کی حرمت کا اعلان ہے اور جو سخت احکام بعض مصالح کے لیے عارضی طور پر بنی آدم کے کسی طبقہ پر نافذ کر دیئے گئے تھے اس شریعت میں ان کو ساقط کر دیا گیا ہے۔ بالجملہ چونکہ یہ شریعت ہر حیثیت سے جامع مکمل اور معتدل ہے اس لیے اب تمام انسانوں کے لیے یہی راہ نجات ہے اور پچھلے تمام قوانین جو وقتی مصالح کے لحاظ سے نامکمل بھیجے گئے تھے اب وہ منسوخ اور ناقابل عمل ہیں۔ اب خدا کی مرضی یہی ہے کہ اس کی سلطنت میں یہی آخری اور مکمل قانون نافذ ہو ——

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ

وہی اللہ ہے جس نے بھیجا ہے اپنے اس مقدس رسول کو کامل ہدایت اور دین حق دے کر تاکہ وہ اس کو غالب کر دے سب دینوں پر۔

**عمومِ دعوت** | اسی واسطے آپ کی بعثت کسی خاص طبقے، کسی خاص قوم کسی خاص

ملک اور خاص علاقہ سے مخصوص نہیں۔ بلکہ آپ کے بھیجنے والے کا اعلان ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا — اور اے رسول ہم نے تم کو تمام ہی لوگوں کے لیے اور سارے انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ (سبا ع ۳)

حالانکہ آپ سے پہلے جو پیغمبر آئے ان میں سے کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا۔ بلکہ اس کے برعکس ان کا اعلان تھا کہ ہمارا حلقۂ دعوت محدود ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا کے جلیل القدر پیغمبر اور اسرائیلی سلسلۂ نبوت میں امتیازی شان کے مالک ہیں۔ ان کی شریعت بھی ایک قانونی اور بلاشبہ بہت سی دوسری شریعتوں کے لحاظ سے مکمل شریعت ہے۔ حتیٰ کہ امت عیسوی کا عملدرآمد بھی اسی پر ہے (۱ر) کے باوجود انھوں نے تصریح فرمائی کہ میری یہ شریعت صرف خاندان بنی اسرائیل کے لیے ہے۔ چنانچہ توراۃ کی پانچویں اور آخری کتاب استثنا میں ہے

"موسیٰ نے ہم کو ایک شریعت فرمائی ... جو کہ یعقوب کی جماعت کی میراث ہو۔" (باب ۳۳ درس ۴) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو اس سے بھی زیادہ صاف الفاظ میں اعلان فرمایا کہ "میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا" (۱۵/۲۴ متی) اور جب حضرت مسیح نے اپنے بارہ شاگردوں کو منادی کے لیے روانہ کیا تو ان کو صاف صریح الفاظ میں ہدایت کر دی کہ :-

"غیر قوموں میں نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا" (۱۰/۵)

اسی طرح دیگر انبیاء بلکہ تمام اقوام کے مذہبی رہنماؤں اور پیشواؤں کی تعلیمات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کبھی اپنی تسلیم کی ہمہ گیری کا دعویٰ نہیں کیا اور ان کی تبلیغی سرگرمیاں کسی خاص حد تک محدود رہیں۔ اور چاہئے بھی یہی تھا کیوں کہ ان کے پاس جو لائحہ عمل تھا اس میں عالمگیر ہونے کی صلاحیت ہی نہ تھی اور نہ وہ یکساں طور پر بنی آدم کے تمام طبقوں کے لیے قابل عمل تھا۔

بہرحال طبقۂ انبیاء و مصلحین میں صرف ایک ذات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہے جنھوں نے خدا کے حکم سے دعویٰ کیا ہے کہ میری دعوت تمام نوع انسانی کے لیے اور میرا لایا ہوا قانون تمام بنی آدم کے لیے ہے۔ قرآن کہتا ہے:

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ — اے محمد! کہو کہ اے لوگو! میں تم سب کی

اللہ الیکم جمیعاً الذی لہ ملک السموٰت والارض لا الٰہ الا ھو یحیی ویمیت فاٰمنوا باللہ ورسولہ النبی الامی الذی یؤمن باللہ وکلمٰتہٖ واتبعوہ لعلکم تھتدون ....

(سورہ اعراف رکوع ۲۰)

طرف بھیجا ہوا اللہ کا پیغمبر ہوں جو زمین و آسمان کا واحد مالک ہے۔ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جو زندہ کرنے والا اور موت دینے والا ہے۔ پس ایمان لے آؤ اللہ پر اور اس کے فرستادہ نبی امی پر جو اللہ اور اس کے کلام پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی پیروی کرو تاکہ تم کو ہدایت نصیب ہو۔

—— اس آیت میں اعلان فرما دیا گیا کہ تمام بنی آدم کیلئے اب نجات کا ایک ہی راستہ اور ہدایت کی ایک ہی راہ ہے اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اور آپ کے احکام کی پابندی ہے اس کے سوا اب کوئی راستہ ایسا نہیں جس پر چل کر انسان نجات حاصل کر سکے اور اسی واسطے ایک موقع پر خود حضور نے ارشاد فرمایا۔

لو کان موسیٰ حیاً ما وسعہ الا اتباعی۔

اگر موسیٰ پیغمبر بھی اس دور میں زندہ ہوتے تو ان کو بھی بجز میرے قانون کی پیروی کے چارہ نہ تھا۔

## ۵ محفوظیت شریعت

اور چونکہ یہ دین (یعنی شریعت محمدی) مکمل قانون اور تمام بنی آدم کے لیے واجب العمل تھا اس لیے ضروری ہوا کہ وہ ہر قسم کی تحریف و تبدیل سے ابد الآباد تک کے لیے محفوظ کر دیا جائے چنانچہ خود اس کے نازل کرنے والے نے اس کی ضمانت بھی کر لی اور اعلان فرمایا۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ۔ (الحجر ع ۱)

ہم نے اس قرآن (یعنی قانون الٰہی) کو اتارا ہے اور ہم ہی خود بالضرور اس کی حفاظت کریں گے۔

اس حفاظت الٰہیہ کی امتیازی شان کا اندازہ اس وقت ہو سکتا ہے جب کہ آپ کتب قدیمہ اور شرائع ماضیہ کی تاریخ پر ایک نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ زمانہ کی دست برد نے ان کو کس درجے مسخ کر دیا ہے کہ آج اصل و نقل میں امتیاز کرنا بھی نہ صرف دشوار بلکہ محال ہو گیا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے۔

وَاِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ۔

کوئی امت ایسی نہیں ہوئی ہے جس میں خدا کی طرف سے کوئی نذیر نہ آیا ہو۔

نیز ارشاد ہے۔ وَلِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ۔

ہر قوم کے لیے ہادی اور رہنما آئے ہیں۔

ان جیسی قرآنی نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ قرون ماضیہ میں ہزاروں ہادی اور رسول آ چکے

ہیں اور بعض روایات میں ان کا عدد ایک لاکھ سے بھی اوپر بتایا گیا ہے۔ لیکن ان میں سے جن بزرگوں کے نام آج کی دنیا کو معلوم ہیں وہ انگلیوں پر شمار کئے جا سکتے ہیں پھر جن کے نام بھی معلوم ہیں ان میں سے اکثر کے حالات اور ان کی تعلیمات کے آثار دنیا سے بالکل محو ہو چکے ہیں۔ اور جن کی تعلیم کا کوئی حصہ آج پایا بھی جاتا ہے تو اس پر مسخ اور تحریف کے اتنے پردے پڑ چکے ہیں کہ اصلیت کا پتہ لگانا قطعاً ناممکن ہو گیا ہے اور خود اس تعلیم کی پیروی کرنے والے بھی اس سے عاجز ہیں کہ جس کو وہ اپنے پیغمبر کی تعلیم کہہ رہے ہیں۔ اس کی کوئی علمی سند بھی اپنے اس پیغمبر اور بانی مذہب سے پیش کر سکیں۔

اگرچہ مضمون کسی قدر طویل ہو جائے گا۔ لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر مشہور اقوام کی ان مذہبی کتابوں پر تاریخی حیثیت سے کچھ کلام کیا جائے۔ جن پر ان مذاہب کی بنیاد ہے تاکہ اسلامی شریعت اور دوسری امتوں کے قوانین کا فرق ہر شخص بچشم العین دیکھ لے۔

**توراۃ** | قرآن اور بائبل دونوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور سے الواح تورات لے کر واپس آئے اور آپ نے اپنی قوم کو گوسالہ پرستی میں مبتلا دیکھا تو فرط غضب سے وہ تختیں زمین پر ڈال دیں جو اسی وقت ٹوٹ پھوٹ گئیں اس کے بعد خود موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پھر لکھوایا اور وہ سب عہد کے صندوق میں رکھدی گئیں۔ (استثنا باب ۲۹)

بس یہی تورات کا ایک نسخہ تھا جس کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ وہ داؤد علیہ السلام کے زمانے تک عہد کے صندوق میں محفوظ رہا۔۔۔ لیکن سلاطین اول باب ۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب عہد کا صندوق ہیکل سلیمانی میں لایا گیا تو اس میں سے پتھر کی شکستہ لوحوں کے سوا کچھ بھی نہ نکلا گویا تورات کا وہ نسخہ بھی اس سے غائب تھا اسکے بعد سلیمان علیہ السلام نے کسی طرح تورات کو پھر مرتب کرایا اور اسکو عہد کے صندوق میں بند کرا کے ہیکل میں محفوظ کیا۔ جب ۵۸۶ء قبل مسیح میں بخت نصر نے ہیکل کو برباد کیا تو اس نسخۂ تورات کو بھی اس نے تلف کر دیا اس وقت دنیا میں تورات کا کوئی نسخہ بھی نہیں رہا۔۔۔ اس واقعہ کے تقریباً ۱۵۰ برس بعد حضرت عزیر نے اپنے حافظہ اور چند رفقاء کی امداد سے پھر تورات کو لکھا پھر ولادت مسیح سے تقریباً ۱۶۸ برس پہلے انطاکیہ کے یونانی بادشاہ انٹیوکس نے یہودیوں کے مذہب اور ان کی پولیٹکل حیثیت کو مٹانے کے لیے یروشلم پر متعدد حملے کئے مقدس ہیکل کی بے حرمت کیا اور ان کے جو مذہبی صحیفے بھی ہاتھ آسکے ان کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر جلا ڈالا اور اس پر بس نہیں کیا۔ بلکہ حکم عام دے دیا کہ جس کے پاس تورات یا اس سلسلے کی کسی دوسری مقدس کتاب

کا کوئی بھی نسخہ نکلے یا جو کوئی شخص شریعت یہود کی کوئی رسم ادا کرے اس کو قتل کیا جائے چنانچہ اس کی تعمیل کی گئی اور نہ صرف ایک دفعہ بلکہ ہر مہینے، تفتیش ہوتی اور ڈھونڈ ڈھونڈ کے ایسے لوگوں کو قتل کیا جاتا جن کے پاس کسی مقدس صحیفے کا کوئی نسخہ برآمد ہوتا۔

الغرض اس انقلاب نے تورات بلکہ عہد عتیق کے سارے مجموعے کو دنیا سے پھر ناپید کر دیا کہا جاتا ہے کہ ایک بوڑھا کاہن اس موقع پر اپنے تین فرزندوں کو لے کر یروشلم سے شہر مودن کو بھاگ گیا تھا — اس کے ایک لڑکے متائیس نے ۱۶۵ء قبل مسیح میں پھر کسی طرح ایک نسخہ تورات کے نام سے مرتب کر کے ہیکل میں رکھا اور اسی کو تورات مان لیا گیا۔

یہاں تک جو واقعات مذکور ہوئے وہ حضرت مسیح سے پہلے کے ہیں۔ لیکن ان ہی واقعات پر یہ سلسلہ ختم نہیں ہوا بلکہ زمانہ مابعد میں بھی تورات اور دیگر کتب مقدسہ بنی اسرائیل پر ایسے حوادث گزرے کہ دشمنوں نے ان کے ناپید کرنے کی پوری کوشش کی اور وہ بڑی حد تک اس میں کامیاب بھی ہوئے۔ ان حالات میں کس طرح کوئی دعویٰ کر سکتا ہے کہ موجودہ تورات وہی ہے جو موسیٰ علیہ السلام نے حضرت یوشع کے حوالہ کی تھی۔

**انجیل** | اب ذرا انجیل کی تاریخ پر بھی نظر ڈالیے۔ فی زمانہ چار کتابیں عیسائیوں میں انجیل کے نام سے مشہور ہیں اور ان چار شخصوں کی طرف منسوب ہیں جنھوں نے ان کو جمع کیا اور ترتیب دیا۔

(۱) انجیل متی — (۲) انجیل مرقس — (۳) انجیل لوقا — (۴) انجیل یوحنا۔ لیکن ان چاروں انجیلوں کے متعلق یہ مسلم ہے کہ ان میں کوئی بھی ایسی نہیں ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں یا ان کی نگرانی میں لکھی گئی ہو — بلکہ یہ سب بعد میں مختلف زبانوں میں لکھی گئی ہیں۔

ان میں متی کی انجیل سب سے پہلے عبرانی زبان میں لکھی گئی تھی۔ لیکن اس کا اصل عبرانی نسخہ آج دنیا سے بالکل ناپید ہے۔ قدیم سے قدیم نسخہ یونانی کا پایا جاتا ہے جس کے متعلق کوئی پادری نہیں بتلا سکتا کہ یہ ترجمہ کب اور کس نے کیا؟ اور یہ کہ صحیح ہے یا غلط؟ بلکہ اس میں ایسی چیزیں موجود ہیں جن کے ہوتے ہوئے اس کو متی کی تالیف بھی نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ خیال ہوتا ہے کہ وہ بعد میں ملحق کر دی گئی ہیں۔ اسی واسطے انجیل کے شارح فاضل نورٹن نے اس کے پہلے اور دوسرے باب کو بمقابلہ لوقا کے تسلیم نہیں کیا بلکہ اقرار کیا ہے کہ یہ دونوں باب اصل مصنف (متی) کے لکھے ہوئے نہیں ہیں۔ (کتاب الاسناد صہ ۵۳)

دوسری انجیل مرقس عہد جدید میں لوقا کی ہے اس شخص نے خود مسیح کو دیکھا بھی نہیں بلکہ یہ اس پولوس کا شاگرد ہو جو مسیح کی زندگی میں ان کے مشن کی مخالفت کرتا رہا۔

اس لیے ظاہر ہے کہ محققین کی نظر میں اس کی مرتب کردہ انجیل کو بھی کوئی خاص وقعت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس کے متعلق بھی وہی شارح انجیل فاضل نورٹن لکھتا ہے

• جن اعجازی باتوں کو لوقا نے لکھا ہے۔ ان میں جھوٹی روائتیں بھی شامل ہوگئی ہیں۔ اور اس کے لکھنے والے نے شاعرانہ مبالغے سے مخارج کیا ہے۔ اور اس زمانے میں سچ کو جھوٹ سے تمیز کرنا مشکل ہے (کتاب الاسناد)

غور کیجئے جس کتاب میں سچ کو جھوٹ سے تمیز کرنا مشکل ہوگیا ہو کیا وہ بھی کسی درجہ میں محفوظ کہی جا سکتی ہے۔ تیسری انجیل مرقس کی تالیف کردہ ہے۔ یہ شخص بھی خود مسیح کا شاگرد نہیں۔ بلکہ پطرس حواری کا شاگرد ہے اس کی انجیل کے مضامین لوقا سے بہت مختلف ہیں اور صحیح و غلط کی تمیز کا کوئی معیار نہیں۔

چوتھی انجیل یوحنا کی ہے کہا جاتا ہے کہ اس شخص کو براہ راست مسیح سے فیض حاصل کرنے کا موقع ملا تھا۔ لیکن یہ بھی مسلم ہے کہ اس کی انجیل سنہ تالیف کے لحاظ سے سب سے آخری ہے اور اس کی انجیل اور باقی تینوں انجیلوں کے مضامین میں بھی کافی اختلاف ہے

بہر حال چاروں انجیلوں میں سے کوئی ایک بھی ایسی نہیں جس کو یقینی طور پر مسیح کی انجیل کہا جا سکے۔ پھر ان کے باہمی تضاد نے ان کو اور بھی ناقابل اعتبار کر دیا ہو نیز پادری فرنچ جیسے عیسائی مصنفین نے ان میں تحریف کا بھی اقرار کیا ہے۔ اور تسلیم کیا ہو کہ ان میں چھوٹی موٹی ہزاروں غلطیاں موجود ہیں۔ بھلا جس کتاب کا یہ حال ہو کیا اس کی محفوظیت کا کسی کو گمان بھی ہو سکتا ہے۔؟

(وید) اس کتاب کو زمانہ قدیم سے ہندوستان میں خدائی کتاب سمجھا گیا ہے اور فی زمانہ آریہ سماج اور سناتن دھرمی ہندوؤں کے دونوں ہی مذہبی گروہ اس کی عظمت و تقدس کے معتقد ہیں مگر اس کے باوجود اس کے مصداق میں شدید اختلاف ہے آریہ سماج صرف منتر بھاگ کو ایشوری گیان مانتے ہیں اور سناتن دھرم برہمن بھاگ کو بھی اس میں شامل کرتے ہیں۔

واضح رہے کہ برہمن بھاگ ضخامت اور مقدار کے لحاظ سے منتر بھاگ کے قریباً دو چند ہے گویا قدیم علماء وید سناتن دھرم جس کو وید مانتے ہیں آریہ سماج اس کے دو تہائی حصے کا منکر ہو کر صرف ایک تہائی کو ایشوری گیان مانتا ہے اور سناتن دھرم آریہ سماج کے وید سے تین گ

وید تسلیم کئے ہیں۔

پھر اس میں بھی ان کو سخت اختلاف ہے کہ ان ویدوں کا ظہور اس دنیا میں کس ذریعے سے ہوا۔ سناتن دھرم برہما کو ویدوں کا ظاہر کرنے والا کہتے ہیں۔ اور آریہ سماج اگنی، وایو، آدت اور انگرا چار رشیوں کو۔ پھر دونوں میں سے کسی کے پاس کوئی سند ایسی نہیں جس سے وہ اپنے دعوے کو ثابت کر سکے اور معلوم ہو سکے کہ واقعی یہ وہی وید ہیں جو برہما یا چار رشیوں کے ذریعے سے آئے تھے ایسی حالت میں ان کی محفوظیت کا ادعا بھی ایک خیال خام ہوگا۔

سطور بالا سے ناظرین نے بخوبی سمجھ لیا ہوگا کہ حفاظت الٰہیہ نے ان کتابوں میں سے کسی کا بھی ساتھ نہیں دیا۔ اور نہ صرف یہ کہ ان کتابوں کی حفاظت نہیں کی گئی بلکہ ان زبانوں کو بھی قدرت کے زبردست ہاتھوں نے مٹا دیا جن میں کبھی یہ کتابیں نازل ہوئی تھیں۔ یا لکھی گئی تھیں۔ عبرانی جس میں توراۃ نازل ہوئی کالدی جو حضرت مسیح کی زبان تھی اور سنسکرت قدیم ویدک بھاشا، آج دنیا کے کسی حصے میں کسی ملک میں کسی صوبے میں بھی بطور زبان مستعمل نہیں۔ فی الحقیقت یہ قدرت کی طرف سے اس چیز کی زبردست گواہی ہے کہ اب ان کتابوں کا دور ختم ہو گیا جو ان زبانوں میں نازل ہوئی تھیں اور اب دنیا ان کتابوں سے مستغنی کر دی گئی۔

**قرآن اور شریعت اسلام**

لیکن اب اس کے مقابل ذرا قرآن کا حال بھی دیکھئے کہ اس کے نازل کرنے والے قادر و توانا نے کس طرح، اس کے لفظ لفظ بلکہ نقطہ نقطہ اور شوشہ شوشہ کی حفاظت کی ہے کہ کسی شکی اور وہمی طبیعت کے لیے بھی تردد کی گنجائش نہیں۔ اگر حق تعالیٰ کی زبردست قدرت اس کی حفاظت کی کفیل اور ضامن نہ ہوتی تو ایک ایسی کتاب میں ہزاروں غلطیوں کا ہو جانا چنداں مستبعد نہ تھا جس کا لانے والا اُمّی ؐ اور مَا کُنْتَ تَدْرِی مَا الْکِتَابُ کا مخاطب تھا۔

یہ صرف وہ "اِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ" ہی کا کرشمہ ہے کہ آج تیرہ صدیاں گذر جانے کے بعد بھی اس وحی کی الٰہی ہوئی اس کتاب کا ایک ایک حرف بلکہ زیر زبر تک بھی اسی طرح محفوظ ہے جس طرح کہ اس وقت نازل ہوا تھا۔

دینی انحطاط کے اس دور میں بھی لاکھوں سے زیادہ اس کے حفاظ موجود ہیں اور ہزاروں سے زیادہ ایسے اہل علم بھی پائے جاتے ہیں جو برجستہ بتا سکتے ہیں کہ فلاں حرف قرآن پاک میں اتنی جگہ آیا ہے۔ اور فلاں حرف اتنی جگہ۔ اور اگر آج کوئی بڑے سے بڑا دشمن اسلام

ثابت ہے اس میں ایک حرف بھی کم و بیش کرنا چاہے تو اس میں کامیاب نہیں ہو سکتی جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے۔

| | |
|---|---|
| لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه تنزیل من حکیم حمید ○ | اس قرآن میں نہ آگے سے باطل داخل ہو سکے گا نہ پیچھے سے یہ تو اللہ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے جو حکیم اور قابل حمد ہے۔ |

امام بیہقی یحییٰ ابن اکثم سے راوی ہیں کہ:۔

ایک یہودی مامون رشید کے دربار میں آیا اور بہت عمدہ گفتگو کی جس کی وجہ سے مامون رشید کے دل میں اس کی وقعت قائم ہو گئی اور مامون نے از راہ محبت و شفقت اس کو دین حق (اسلام) کی دعوت دی مگر وہ اس وقت اسلام نہ لایا اور چلا گیا۔ پھر اگلے سال مسلمان ہو کر آیا۔ مامون نے پوچھا کہ کیا چیز تمہارے اسلام کا باعث ہوئی اس نے عرض کیا کہ جب میں آپ کے یہاں سے لوٹ کر گیا تو میں نے ادیان و مذاہب کو جانچا اور یہ طریقہ اختیار کیا کہ پہلے میں نے توریت کے تین نسخے لکھے جن میں اپنی طرف سے کچھ کمی و زیادتی بھی کر دی اور میں اس کو لے کر کلیسا میں گیا اور وہاں کے لوگوں نے ان کو بے تکلف خرید لیا۔
پھر اسی طرح میں نے انجیل کے بھی تین نسخے لکھے اور ان میں بھی اپنی طرف سے کچھ گھٹا بڑھا دیا۔ اور ان کو لے کر میں گرجا گھر پہنچا۔ پادریوں نے وہ تینوں نسخے مجھ سے بے تکلف خرید لئے۔ پھر اسی طرح میں نے قرآن کے بھی تین نسخے تیار کئے اور ان میں بھی کچھ کمی بیشی کر دی اور میں اس کو لے کر کتب فروشوں میں پہونچا انہوں نے اوراق گردانی کر کے ان کو بخوبی دیکھا بھالا اور جب انہیں میری کارستانی کا حال معلوم ہوا تو پھینک دیا اور کسی نے نہیں خریدا تب میں نے سمجھ لیا کہ بس یہی ایک کتاب تبدیل و تحریف سے محفوظ ہے۔ اور اس آزمائش کے بعد میں نے اسلام[1] قبول کر لیا۔

اس قسم کے واقعات تاریخ میں اور بھی ملتے ہیں کہ امتحان کرنے والوں نے اس طرح، قرآن حکیم اور دوسری کتابوں کا امتحان کیا اور اس امتحان میں صرف قرآن حکیم ہی کامیاب ہو سکا۔

آج دنیا بھر کی کتابوں میں صرف قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جس کے دنیا میں آنے

---

[1] زرقانی ج ۵ صفحہ [illegible] ۱۲

کے وقت سے کہ اب تک علی التسلسل بے شمار حفاظ موجود رہے اور آج بھی مسلمانوں کی کوئی آبادی ایسی نہ ملے گی جس میں بکثرت حفاظ قرآن موجود نہ ہوں اگر خدانخواستہ تمام مذہبی کتابیں یعنی دساتیر دنیا سے فنا کر دیئے جائیں تو صرف ایک قرآن مجید ہی ہوگا جس کے بے شمار نسخے ان لاتعداد میں امانت دار سینوں سے باہر نکل کر اہل دنیا کی رہنمائی کر سکیں گے۔

قرآن مجید کی اس محفوظیت سے آج فضلاء یورپ بھی دنگ ہیں، سر ولیم میور سابق گورنر صوبہ متحدہ اپنی کتاب "LIFE OF MOHAMMED" (لائف آف محمد) کے دیباچہ میں قرآن مجید کے متعلق لکھتے ہیں۔

جہاں تک ہماری معلومات ہیں۔ دنیا بھر میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں جو اس قرآن مجید کی طرح بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو۔

بہرحال ان تمام کتابوں میں جن پر کسی قوم کے مذہب کی بنیاد ہے صرف ایک قرآن ہی ایسی کتاب ہے جو اپنی اصلی حالت میں ان ہی الفاظ کے ساتھ موجود اور محفوظ ہے۔ جن الفاظ میں اس کے لانے والے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اب سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا اور نہ صرف قرآن بلکہ آپ کی ساری تعلیم، بلکہ آپ کی ساری سیرت بھی اس طرح محفوظ کر دی گئی کہ ہر صاحب نظر کامل یقین اور اذعان کے ساتھ آپ کی تعلیم کی تعمیل اور آپ کی سیرت مقدسہ کی پیروی کر سکتا ہے۔

ابتدائے عالم سے آج تک پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ تاریخ کسی ایک بھی ایسے راہنما اور بانی مذہب کی مثال نہیں پیش کر سکتی۔ جس کے اقوال و افعال عادات و احوال اس طرح اہتمام کے ساتھ ضبط کئے گئے ہوں اور پھر اسی طرح قرناً بعد قرن حفاظت کے ساتھ منقول ہوتے رہے ہوں اور پھر ساتھ ہی حفاظت علم کیلئے ان کے ناقلین کے احوال کی بھی پوری طرح چھان بین کی گئی ہو حالانکہ ہر راوی کے کیر کٹر اس کے حافظہ اس کے ذہن اس کے تلامذہ و اساتذہ کے احوال بھی مدون کئے گئے ہوں۔

فی الحقیقت اس سلسلے میں جو کچھ مسلمانوں کے ہاتھوں سے ہوا اور انھوں نے جن طریقوں سے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور آپ کی سیرت کی حفاظت کی وہ محض قدرت الہیہ کا ایک کرشمہ تھا اور امت مسلمہ اس کے لیے بمنزلہ ایک جارحہ کے تھی۔

اللہ! اللہ! حضور کو اس دنیا سے رخصت ہوئے آج تیرہ سو چھیالیس ۱۳۴۶ برس کا عرصہ ہو گیا مگر آپ کی تعلیم اور آپ کے حالات زندگی اس تفصیل اور تنقیح کے ساتھ محفوظ ہیں کہ

آج بھی دنیا میں آپ کو اتنے ہی قریب سے دیکھ سکتی ہے جتنے قریب سے کہ آپ کے عہد مقدس کے لوگ دیکھ سکتے تھے فرق ہے تو صرف یہ کہ آج آپ کا جسد اطہر اس دنیا میں موجود نہیں ہے۔ لیکن اطاعت اور اتباع کے لیے جس تعلیم اور اسوۂ حسنہ کے معلوم ہونے کی ضرورت ہے وہ احادیث اور سیر کی مستند کتابوں میں اپنی اصلی حالت میں محفوظ ہیں۔

**الغرض رسولوں اور پیشواؤں میں سے اگر کسی کا اتباع یقینی بنیاد پر کیا جا سکتا ہے تو وہ صرف حضرت محمد ہی کی ذات بابرکات ہو سکتی ہے کیونکہ صرف آپ ہی کی لائی ہوئی کتاب اور آپ ہی کی بتلائی ہوئی شریعت اپنی اصلی حالت میں محفوظ ہے۔**
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم۔ بارک وعظم وشرف وکرم

### ختم نبوت

اور چوں کہ آپ کا دین مکمل ہے آپ کی دعوت عام اور آپ کی شریعت ابد الآباد کے لیے محفوظ ہے اس لیے آپ پر ہی سلسلۂ نبوت کو ختم کر دیا گیا۔ کیوں کہ کسی نبی کی بعثت کے تین ہی سبب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ کسی قوم کو ہدایت الٰہیہ ابھی پہنچی ہی نہ ہو۔ اور وہ لکل قوم ھاد کے قانون عام کے مطابق کسی نبی یا رسول کے ذریعہ اس کے پاس پیغام ہدایت بھیجا جائے دوسرے یہ کہ پہلے نبی تو آئے مگر ان کی ہدایت اور تعلیم کے آثار محفوظ نہیں رہے مٹ گئے یا تحریف ونسیان کی نذر ہو گئے جس کی وجہ سے اب لوگوں کے لیے ان کی اطاعت اور پیروی ناممکن ہو گئی۔ تیسرے یہ کہ پہلے آنے والے نبیوں کی تعلیم مکمل نہ تھی اور زمانہ کے احوال نے اس میں مزید اضافے کی ضرورت پیدا کر دی۔

بس یہی وہ تین سبب ہیں جن کے ماتحت دنیا میں انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے اور ان کے سوا عقلاً کوئی چوتھا سبب انبیاء کی بعثت کا نہیں نکلتا اور رسالت محمدی نے ہمیشہ کے لیے ان تینوں سببوں کا خاتمہ کر دیا اس لیے بعثت انبیاء کا سلسلہ بند ہو گیا چونکہ آپ کی دعوت عام تھی اور آپ کی بعثت تمام عالم کی طرف ہوئی اس لیے اب کوئی قوم اور نسل انسانی کا کوئی طبقہ ایسا نہیں رہا جس کے پاس ہدایت الٰہی نہ پہنچی ہو اور اس بناء پر اس کے لیے نبی کا آنا ضروری ہو، اور چوں کہ آپ کی لائی ہوئی کتاب اور آپ کی بتلائی ہوئی شریعت کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا گیا ہے اور اب اس میں تحریف وضیاع کا کوئی خطرہ نہیں رہا اس لیے دوسرے سبب کی بنا پر بھی اب قیامت تک کسی نبی اور رسول کی ضرورت نہیں۔ اور چونکہ آپ کا دین مکمل ہے اور آپ کی شریعت میں ان تمام انسانی ضروریات کا حل موجود ہے جو کسی وقت انسان کو پیش آسکتی ہیں۔ اس لیے اب اس پر کوئی اضافہ ہونا بھی متصور

ہیں جن کے لئے کسی اور رسول کی آمد کی ضرورت ہو۔
اسی لئے کتاب الہٰی میں اعلان کر دیا گیا۔

| | |
|---|---|
| ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ | محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ تو نہیں |
| وخاتم النبیین وکان اللہ بکل شئ علیما | مگر وہ اللہ کے رسول اور سب نبیوں کے خاتم ہیں |
| (احزاب) | اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ |

انقطاع سلسلۂ نبوت کا یہ اعلان صرف قرآن ہی نے کیا اور اس سے پہلے جو صحیفے خدا کی طرف سے نازل ہوئے یا جو پیغمبر آتے رہے انھوں نے کبھی اس قسم کا اعلان نہیں کیا بلکہ ہمیشہ بعد میں آنے والے پیغمبروں کی بشارت دیتے رہے۔

موسیٰ علیہ السلام سے ان کے خداوند خدا نے کہا۔ "اور میں ان کے (بنی اسرائیل) کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہے گا۔ (توریت۔ استثناء ۱۸)

اور ملاکی نبی کی کتاب باب سوم میں فرمایا گیا۔

"دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجوں گا اور وہ میرے آگے میری راہ کو درست کریگا"۔

(ملاکی باب ۳)

اور حضرت مسیح نے اپنے حواریوں سے کہا۔

"لیکن وہ فارقلیط یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا..... اور اب میں نے تم سے اس کے ہونے سے پہلے کہہ دیا ہے تاکہ جب وہ وقوع میں آئے تو تم ایمان لاؤ۔ اس کے بعد میں تم سے بہت کلام نہ کرونگا کیونکہ اس جہان کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں۔

(انجیل یوحنا۔ باب ۱۴)

بہرحال انبیاء سابقین نے ہمیشہ اسی طرح بعد میں آنے والے پیغمبروں کی بشارت دی اور کسی نے یہ اعلان نہیں کیا کہ بس میں ہی اس سلسلہ کی آخری کڑی ہوں۔ یہ اعلان صرف قرآن اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے کیا۔ اور آپ ہی پر انبیاء و رسل کا یہ سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔

یا رب صل وسلم دائما ابدا
علی حبیبک خیر الخلق کلھم

(الفرقان بابت ربیع الاول ۱۳۵۰ھ)

# اِسلام اور پیغمبرِ اسلام

## مسٹر راجگوپال آچاریہ[1] کی ایک تقریر

گورنمنٹ محمڈن کالج مدراس میں سر محمد عثمان صاحب کے زیر صدارت سیرت کا ایک جلسہ ہوا جس میں صوبہ مدراس کے وزیر اعلیٰ مسٹر راجگوپال اچاریہ نے بھی ایک لمبی تقریر کی جس کا ترجمہ بعض اردو اخبارات میں بھی شائع ہو چکا ہے ۔۔۔ اس تقریر کے مطالعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان گئے گزرے حالات میں بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الٰہی پیغام کے لئے کتنی فضا بلکہ کیسی پیاس موجود ہے اور اس پیغام حیات کو دوسروں تک پہنچانے کے بارے میں اس امانت کے حامل ہم مسلمانوں سے کیسی غفلت اور کس قدر کوتاہی ہو رہی ہے ۔۔۔ وزیر موصوف نے اسلام کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا۔

"بے شک اگر دنیا میں کسی مذہب نے انتہائی فراخ دلی سے کام لیا ہے تو وہ اسلام ہے"

اسلام کی باطنی قوت اور اپنے ماننے والوں کے دلوں پر اس کی زبردست گرفت کا اعتراف آپ نے ان الفاظ میں فرمایا۔

"یہ نہایت مسرت بخش امر ہے کہ اب بھی میں یہ دیکھتا ہوں کہ موجودہ تعلیم یافتہ مسلمان اپنی عبادت بعینہٖ اس طرح کرتے ہیں جیسے کہ ان کے مذہبی پیش رو کرتے تھے اور یہ چیز بے شک اعتقاد میں حسن اور ایمان میں استقامت پیدا کرتی ہے۔ جب کبھی بھی میں ان تمام چیزوں کا خیال کرتا ہوں تو میں یہ کہے بغیر نہیں رہ پاتا کہ اسلام میں کوئی ایسی چیز ضرور پوشیدہ ہے جس کی وجہ سے اہل اسلام آج تک اس پر قائم ہیں جس کا ہندومت میں فقدان ہے بلکہ وہاں تو بجائے اس کے کوئی ایسی چیز ہے جس نے انھیں ان اصول و قواعد کی پابندی کے بجائے ان کے چھوڑنے کی طرف مائل کر دیا ہے اس ضمن میں میں یہ کہنے پر مجبور

---

[1] یہ وہی راجگوپال اچاریہ ہیں جو ایک زمانہ میں ہندوستان کے گورنر جنرل تھے۔

ہوں کہ اسلام میں ایک قوت غیبی موجود ہے جس نے باوجود موجودہ تعلیم و تہذیب کے انہیں اپنی روش پر برقرار رکھا ہے۔

آپ نے داعی اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ کی تعلیمات کے مطالعہ کی طرف حاضرین کو توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:

آپ تمام اصحاب کو رسول اللہ کی زندگی اور ان کی محبت اور عفو و درگزر کی پر زور سفارشی تعلیمات کا بغور مطالعہ کرنا چاہیے جنھیں انھوں نے وہاں پھیلایا جہاں کے لئے ان چیزوں کا نام بھی بالکل غیر مانوس تھا اور ان ذریعوں کو معلوم کرنا چاہیے جو انھوں نے اپنے گرد رہنے والوں کے لئے اختیار کئے تھے جس کی وجہ سے وہ ایک بالکل نئی اور مفید اور صداقت پر مبنی تہذیب کو نہایت آسانی اور تیزی کے ساتھ پھیلانے میں کامیاب ہوئے جس کا اثر خوش قسمتی سے ہر ملک نے بہت تیزی کے ساتھ قبول کیا اور جس سے آج تک دنیا برابر مستفید ہو رہی ہے۔ یہ اسلام اور تعلیمات محمدیہ میں ایک خاص چیز تھی جس کی وجہ سے اس مذہب کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوا تھا جس کی وجہ سے تمام عالم کو بہت قلیل عرصہ میں ان تمام خصوصیات سے مالامال کر دیا گیا جن کی اسے اشد ضرورت تھی اور جن کے نہ ہونے کی وجہ سے دنیا بہت پیچھے پڑی ہوئی تھی۔ میں اپنے اظہار خیال کو بھی اس اعتراف کے ساتھ ختم کرتا ہوں کہ میں نے جہاں تک ممکن تھا اسلام اور محمد کی زندگی کا مطالعہ نہایت شوق و عظمت کے جذبہ کے ساتھ کیا لیکن پھر بھی میں اس کا یقین رکھتا ہوں کہ وہ ایک ایسا محیط ہے جس کا عبور میرے امکان سے باہر ہے۔

وزیر موصوف نے اپنی تقریر میں پیغام محمدی سے عام ہم مسلمانوں بالخصوص علمائے اسلام کے لئے جو سب سے زیادہ قابل عبرت لیکن بالکل مبنی بر حقیقت بات کہی ہے وہ یہ ہے:

میرا یہ خیال ہے کہ ہندوستان کے اکثر حلقوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح تفہیم نہیں ہوئی اس سلسلہ میں ابھی بہت کچھ کام کیا جا سکتا ہے جو ایک کار خیر ہوگا۔ اس کا بیڑا اٹھانے کے بعد یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ میرا یہ خیال کہ محمد صلعم کی صحیح تفہیم اکثر حلقوں میں مفقود ہے، بالکل صحیح ہے ۔۔۔۔۔ اس کے لئے کہ ناقص معلومات اور خراب ذہنیت دور کر دیا جائے۔ تعلی کی ضرورت نہیں بلکہ ان کے سامنے واضح کر کے ہر ہر حقیقت کو بیان کرنا چاہیے۔ برے خیالات قائم کر لینے اور برے برتاؤ سے پیش آنے سے کچھ نہیں ہوتا ہے اور سمجھانے اور ہر چیز کی گہرائیوں کو

کھانے سے دماغوں کی اصلاح ہوتی ہے۔

ایک چیز کا ایک ہی ملک میں جب غلط مفہوم بھی لیا جا سکتا ہے تو یہ کیونکر ممکن ہو کہ دور دراز کے ممالک کے واقعات اور حالات کا صحیح اندازہ ہو سکے اور بعض حقیقت سے بعید چیزوں کا بھی یقین نہ کر لیا جائے — اس موجودہ مخالفت کا سبب مقامات کا بعد اوقات کا اختلاف اور ہم خیال پڑوسیوں کا فقدان ہے — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً چودہ سو سال قبل دنیا میں موجود تھے اور وہ بھی ہندوستان سے ایک بالکل مختلف نوعیت کے ملک میں، اس لئے ان کی عرب کی زندگی کے حالات ان قوموں کی سمجھ میں اچھی طرح نہیں آسکتے جو اس ماحول میں نہ تو خود رہ چکے ہوں اور نہ جن کے اسلاف ہی، بلکہ اس کے برعکس انھوں نے ہندوستان میں ترقی معکوس کے زمانہ میں پرورش پائی ہے اس لئے یہی ایک صورت باقی رہجاتی ہے کہ اول تو دوسروں کی غلط فہمیوں کو برداشت کرنے کی عادت ڈالی جائے اور ان میں تعلیم کے ذریعے ان چیزوں کو نکالنے کی کوشش کی جائے۔

یہ ہے ہمارے لئے ایک "بڑے اقتدار" کے مالک اور ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ غیر مسلم کی تذکیر فھل من مدکر؟

نید موصوف کو خیالات کی اس منزل تک کس چیز نے پہنچایا اور اسلام و داعی اسلام کی تفہیم کے لئے ہم کو کون سا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے جو خالص "اندھیر لعل" میں رہنے والوں کو "روشنی" سے قریب کر سکے۔ اس کو بھی خود موصوف ہی کے لفظوں میں سنیئے۔

میں اپنے دائرہ احباب میں جیسے بہت سے اچھے مسلمان پاتا ہوں جن کے ساتھ رہ کر میں اپنی زندگی کو ان قدیم مسلمانوں کی صحبت کے مشابہ سمجھنے لگا ہوں جن کے متعلق مجھے مطالعہ کے ذریعے کچھ علم ہوا ہے آج سے ۴۰ سال پہلے جب میں جیل خانہ میں تھا اس وقت بھی میرے ساتھ دو نہایت اچھے عقائد کے مسلمان دوست تھے جنھوں نے اس سلسلے میں میری بہت زیادہ مدد کی۔ کوشش و محنت کر کے قرآن مجید کے نہایت اچھے ترجمے اور مفید تعلیمات سے میرے ہم پہنچائیں جنھیں میں کبھی بھول نہیں سکتا۔

(منقول از پیام حیدرآباد دکن ۱۹ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ)

(الفرقان جمادی الاخریٰ ۱۳۵۸ھ)

محمد منظور نعمانی

# ربیع الاول اور مسلمانوں کا طرز عمل

هُوَ الَّذِىٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا

---

اب سے تقریباً چودہ سو برس پہلے جب کہ کائنات انسانی بحر ظلمات میں غرق تھی۔ اور روحانیت شیطنت سے مغلوب ہو رہی تھی۔ خلاق عالم نے اپنے آخری نبی اور محبوب ترین رسول حضرت محمد بن عبداللہ روحی وقلبی فداہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس دنیا میں بھیجا تاکہ آپ نور ہدایت سے ظلمات ضلالت کو شکست دیں۔ اور حق کو باطل پر غالب کر دیں۔ ہمارے ماں باپ آپ پر نثار ہوں آپ تشریف لائے اور آتے ہی باذن اللہ دنیا کا رخ پلٹ دیا۔ بندوں کا ٹوٹا ہوا رشتہ خدا سے جوڑا اور جو بدنصیب حضیض ذلت میں گر چکے تھے۔ ان کو وہاں سے اٹھا کر اوج رفعت پر پہونچایا مشرکوں کو موحد بنایا اور کافروں کو مومن بت پرستوں کو خدا پرست کیا اور بت سازوں کو بت شکن، رہزنوں کو رہنمائی سکھائی۔ اور غلاموں کو آقائی ــ، چور چوکی دار بن گئے اور ظالم غمخوار ـــ اور جو دنیا بھر کے آوارہ تھے وہی سب سے زیادہ متمدن ہو گئے اور جن کا قومی شیرازہ بالکل منتشر ہو چکا تھا وہ کامل طور پر منظم کر دیئے گئے ــ روحانیت کے فرشتے شیطنت پر غالب آگئے۔ کفر و شرک، بدعت وضلالت اور ہر قسم کی گمراہیوں کو زبردست شکست ہوئی شقاوت وبدبختی کا موسم بدل گیا۔ ظلم وعدوان اور فساد وطغیان کا دور ختم ہو گیا۔ حق وصداقت اور خیر وسعادت نے عالمگیر فتح پائی اور زمین پر امن وعدالت کی ایک ایسی بادشاہت قائم ہو گئی ـــ

جس وقت عالم انسانی کے اس نبی اعظم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس عالم

پس اے غفلت شعاران ملت! تمہاری غفلت پر صد فغاں و حسرت اور تمہاری سرشاریوں پر صد ہزار نالہ و بکا اگر تم اس ماہ مبارک کی اصلی عزت و حقیقت سے بے خبر ہو اور صرف زبانوں کے ترانوں اور دیوار کی آرائشوں اور روشنی کی قندیلوں ہی میں اس کے مقصد یادگاری کو گم کردو تم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ ماہ مبارک امتہ المسلمہ کی بنیاد کا پہلا دن ہے۔ خداوندی بادشاہت کے قیام کا اولین اعلان ہے خلافت ارضی و وراثت الٰہی کی بخشش کا سب سے پہلا مہینہ ہے۔ پس اس کے آنے کی خوشی اور اس کا تذکرہ و یاد کی لذت یہ اس شخص کی روح پر حرام ہے جو اپنے ایمان اور عمل کے اندر اس پیغام الٰہی کی تعمیل و اطاعت اور اسوۂ حسنہ کی تاسی و پیروی کیلئے کوئی نمونہ نہیں رکھتا۔

فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه اولئک الذین هداهم الله واولئک هم اولوا الالباب ط

(الفرقان ربیع الاول ۱۳۵۱ھ)

# جنت و جہنم

از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی سابق صدر شعبۂ دینیات
(عثمانیہ یونیورسٹی — دکن)

پہلے بھی اور پچھلے دنوں میں بھی بعض خاص مغالطوں سے متاثر ہو کر کچھ لوگوں نے عربی زبان کے جن الفاظ سے حق تعالیٰ کے جن معلومات کو ادا فرمانا چاہا تھا انھوں نے ان الفاظ کو تو تسلیم کر لیا، لیکن جب معنی کے سمجھنے کا وقت آیا تو انھوں نے خدا کے معلومات کو خدا ہی کے سپرد کر کے خود اپنے یا اپنے جیسے انسانوں کے بافیدہ تخیلات پر اصرار کرنا ضروری خیال کیا — پرانے زمانہ میں اخوان الصفائے مصنفین نے اور ہمارے ملک میں علی گڑھ کے سید صاحب نے اپنی تفسیر میں یادریوں کے اس حیث فقرہ سے متاثر ہو کر کہ "قرآن کی جنت حیوانی جنت ہے" خصوصاً اس فقرہ میں جیسی اپیل لئے اور زیادہ پیدا ہو گئی کہ پادریوں کے دائرے سے نکل کر علم و حکمت کے مدعیوں نے بھی ادعائے تعصبی کے ساتھ اسی کا ڈھنڈورا پیٹنا شروع کر دیا تو مکلومیت کے گھاؤ سے جن کے سینے مجروح تھے پادر سے گزر کر جب انھوں نے دیکھا کہ دکا تر کی زبانوں پر بھی یہی فقرہ جاری ہے۔ یہ بیچارے تلملا اٹھے۔ گھبرا کر —

"مجھے تفسیر بھی آتی ہے اپنا مدعا کہیے"

مرعوبیت کے اختناقی دوروں میں ان مبتلا ہونے والوں کی زبان و قلم سے جس قسم کا الل ٹول نکلتا رہا اسی کو اپنی کتابوں میں لکھتے چلے گئے۔ ان بندگانِ خدا نے ایک لمحہ کے لئے اس کی زحمت گوارہ نہ کی کہ آخر "غیب" جس کی "ذات" ہی کے متعلق "فلسفہ" شک میں مبتلا ہے اور سائنس جسے اپنے حدودِ بحث سے خارج سمجھتی ہے پھر اس کے "صفات" کے متعلق ان علوم کی رہنمائی میں کیا بحث ہو سکتی ہے لیکن صرف یہ اتفاق کہ جس ملک کے باشندوں

تفصیل کے ساتھ ان کے موسم[1]، آب و ہوا، دریا، پہاڑ، نباتات، حیوانات سب کا ذکر کیا ہے اور اس لئے ہم ان ممالک میں بھی اُن ساری چیزوں کو مانتے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ جو لوگ اس دنیا میں ان چیزوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، ہاتھوں سے چھو رہے ہیں۔ ان مسکینوں کی عقل پر کیا آفت آئی ہے کہ جب دوسری دنیاؤں میں انھیں چیزوں کے ہونے کی خبر دی جاتی ہے تو عیسائیت زدہ فطرتوں میں بلا وجہ انقباض پیدا ہوتا ہے۔ معلوم کا انکار کرتے ہیں اور مجہول پر ایمان لانا چاہتے ہیں لیکن جب ذات سے آگے بڑھ کر ان ہی چیزوں کی صفات کی قرآن تفصیل شروع کرتا ہے مثلاً جنت کی بوتلوں کی تیاری ایسے عنصر سے ہوگی جس کی تعبیر قرآن نے (قواریرمن فضۃ) (شیشے چاندی) سے کی ہے یا وہاں کے نہروں کے پانی کو غیر آسن (نہ سڑنے والا) قرار دیتا ہے۔ وہی دودھ جو یہاں تھنوں سے نکل نکل کر بہہ رہا ہے، نہروں میں بہے گا، یا وہی شکر جو یہاں پھولوں کے رس سے شہد کی صورت میں تیار ہوتی ہے مکھی کے معدے میں نہیں بلکہ جنت کی فضاؤں میں تیار ہوگی یا وہاں کے میوہ دار درختوں کے پھل فصلوں اور موسموں کی قید سے آزاد ہوں گے۔ وہ غیر ممنون (نہ ختم ہونے والے ہوں گے) نہ گھٹنے والے ہوں گے۔

اسی طرح کھانے کے ساتھ قضاء حاجت پینے کے ساتھ پیشاب کی ضرورت یا پسینے کی کراہت، شباب کے ساتھ بڑھاپا، صحت کے ساتھ مرض، زندگی کے ساتھ موت۔ الغرض دنیا کی ہر مسرت کے پھول کے ساتھ جو کلفت کا کانٹا چھپا ہوا ہے۔ جب کہا گیا کہ انسانی زندگی جنت میں برائی کے ان پہلوؤں سے پاک ہوگی۔ اسی طرح جہنم کی ناری فضا کو بجائے روشن ہونے کے دھوئیں کی چھاؤں جیسی سیاہ اس کی غذاؤں کو (لا یسمن ولا یغنی من جوع۔ نہ فربہی پیدا ہو نہ بھوک کی تکلیف سے رہائی ہو) اس آگ میں بجائے کوئلہ اور راکھ ہونے کے احساسات کو تیز کرنے کے لئے تر و تازہ کھالیں آدمی میں پیدا ہوں گی اور جہنمی نباتات میں اس کی حرارت سے بالیدگی اور شادابی پیدا ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ تفصیل ابھی تو یہی لوگ جو معلوم کو چھوڑ کر روحانی جنت کے مجہول تخیل کی طرف بھاگ رہے تھے یکایک پلٹ پڑتے ہیں اور چونکہ اس دنیا میں کوئی چیز ان صفات کے ساتھ موصوف ہو کر ان کے یا ان کے تحقیقی اساتذہ کے علم میں نہیں آئی ہے اس لئے چیخ اٹھتے ہیں "ہم اسی پر ایمان لا سکتے ہیں یا لائیں گے جو ہمیں پہلے سے معلوم ہو" آخر ذہنی آوارہ گردی[illegible]

---

[1] یہاں مولانا گیلانی رحمہ نے حاشیہ میں ان آیات کی طرف اشارے کئے تھے جن میں جنت و جہنم کے موسم اور آب و ہوا وغیرہ کی طرف اشارات ہیں لیکن وہ حاشیہ کاتب کے سہو قلم سے مسودہ میں نقل ہونے سے چھوٹ گیا تھا۔

کا آخر کوئی علاج ہے حالانکہ سیدھی بات یہ تھی کہ حق تعالیٰ نے عربی زبان کے جن الفاظ سے جو علم ہمیں عطا کرنا چاہا ہے ہم ان سے اپنی معلومات میں اضافہ بھی کرتے۔ یعنی جب ہم سے کہا گیا تھا کہ آخرت کے عالم میں بھی نباتات وجمادات دریا پہاڑ وغیرہ ہیں تو جو چیزیں ہم دیکھ رہے ہیں ان ہی چیزوں کے ماننے میں ہمیں آخر عذر کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ یہ خیال کہ یہاں تو یہ چیزیں ہو سکتی ہیں اور وہاں نہیں ہو سکتیں۔ یہ یہاں اور وہاں کا فرق کرنا عجیب ہے۔ ایک ایسا آدمی جو اس دنیا میں چند سال ہوئے آیا اور چند ہی سال بعد چلا جائے گا۔ وہ یہاں اور وہاں کی تقسیم آخر کس بنیاد پر کر رہا ہے اور یہاں جو کچھ ہو سکتا ہے وہاں نہیں ہو سکتا آخر اس قسم کی مضحک منطق کی بنا کیا ہے؟ بہرحال جو کچھ دکھایا جا رہا ہے جب وہی منوایا جاتا تھا تو ماننے کے لئے اس سے زیادہ آسان مطالبہ اور کیا ہو سکتا تھا۔ لیکن چیزوں کی ذات وہی بیان کی گئی تھی جو یہاں ہے پھر اسی کے صفات ایسے بیان کئے جا رہے ہیں جنھیں نہ کسی کی آنکھوں نے دیکھا اور نہ کانوں نے سنا، نہ کسی دل پر اس کا خطرہ ہوا مثلاً ایسا شیشہ جو چاندی سے بنا ہو یا ایسا عنصر جس میں شیشے کی شفافیت اور چاندی کی چمک تو ہو لیکن چاندی کی کثافت اور شیشے کی بے ثباتی کا عیب نہ ہو تو اپنے علم کے اضافے سے محض اس بنیاد پر انکار نہ کرنا چاہیئے کہ جو چیز آج نہیں معلوم ہوئی ہے وہ کبھی نہیں ہو سکتی۔ جو درخت یورپ میں بار آور نہیں ہو سکتا وہ ہندوستان میں بھی نہیں پھل سکتا۔ آخر یہ بھی کوئی منطق ہے۔ قرآن میں ان ہی صفاتی عجائبات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ لا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین یعنی نہیں جانتا کوئی جو چھپائی گئی ہے اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک ــــ بلکہ میں تو خیال کرتا ہوں کہ جنت کے ہر لمحہ میں جن عجیب صفات کا ظہور ہوگا وہ اپنے پہلے لمحہ سے مختلف ہوگا آیات قرآنی کلما رزقوا منھا من ثمرۃ رزقاً قالوا ھذا الذی رزقنا من قبل (جب دیئے جائیں گے پھل ان جنتیوں کو تو کہیں گے یہ وہی ہے جو ہمیں پہلے دیا گیا تھا یعنی ذات تو ان پھلوں کی وہی ہوگی جو انھیں دنیا میں یا جنت میں پہلے ملی تھی مثلاً وہ آم ہی ہوگا یا سیب ہی ہوگا وغیرہ لیکن صفاتی طور پر اُتوا بہ متشابھا (دیئے جائیں گے وہ ملتے جلتے) یعنی واقع میں یہ دوسرے پھل وہی نہیں ہوں گے جو انھیں پہلے ملے ہوں گے بلکہ صرف صورت میں مشابہت ہوگی اور صفاتاً خصوصاً مزہ میں، بو میں اور دوسری کیفیتوں میں ایسا فرق ہوگا جسے نہ کسی نے دیکھا تھا اور نہ سنا تھا نہ سوچا تھا اور یہ سلسلہ جا بسے تمام بیرونی و اندرونی احساسات میں جاری رہے گا یعنی ذاتی طور پر جسمانی

اور روحانی دونوں قسموں کا قائل نہیں ہوں۔ بلکہ خالق کا وجود، مخلوق کا وجود، محض ان دونوں کا قائل ہوں، لیکن جو نہ روح کو جانتے ہیں اور نہ جسم کو سمجھ سکتے ہیں کہ واقع میں وہ کیا ہے ۔۔۔ عرض ہے یا جوہر، خارجی حقیقت ہے یا ذہنی احساس اُن بیچاروں کی رعایت سے کہہ دیتا ہوں کہ جسمانی اور روحانی ہر قسم کے انسانی مطالبات کی تکمیل اسی لامحدود طریقہ سے ہوگی۔ مرحوم شاعر اسلام رحمہ اللہ نے۔

تپش است زندگانی تپش است جاودانی

میں اسی طرف اشارہ فرمایا اور میں نے اپنے اس خط میں جو یہ اشارہ کیا تھا کہ جنت سے تحویل کا کوئی خواہشمند نہ ہوگا۔ یہ دراصل سورہ کہف کی آخری آیتوں کا ماحصل ہے جس میں اہل ایمان کے لئے فردوس کی مہمان نوازی کا ذکر فرمانے کے بعد حق تعالیٰ نے فرمایا ہے لایبغون عنھا حولا۔ اس فردوس اس فردوس سے باہر نکلنا نہ چاہیں گے، اس کے بعد قرآن کی مشہور آیت کلمات رب کے متعلق ہے۔

قل لوکان البحر مدادا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مددا (کہف) کہو۔ اگر سمندر بن خدا کے کلمات کے لئے روشنائی بن جائیں تو سمندر ختم ہو جائے گا قبل اس کے کہ خدا کے کلمات ختم ہوں اگرچہ ہم اسی سمندر جیسا کسی اور سمندر کا اضافہ کریں۔

مدت تک میری سمجھ میں "کلمات رب" کی اس لامحدودیت کا تعلق جنت سے نہ نکلنے کی خواہش کے ساتھ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ لیکن اچانک معلوم ہوا کہ پرانی چیزوں سے آدمی میں تھک جانے یا اکتا جانے کا جو جذبہ پایا جاتا ہے اسی کو پیش نظر رکھ کر بتایا ہے کہ جنت میں جب صفاتی عجائبات کا ظہور "کلمات رب" کے ذریعے ہر دن بلکہ ہر دقیقہ بلکہ ہر لمحہ میں نو بہ نو تازہ بتازہ طریقہ سے ہوتا رہے گا تو پھر جنت کی زندگی سے اکتا جانے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ حدیثوں میں اسی اجمال کی تفصیل مختلف تعبیروں کے ذریعے سے کی گئی ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ آدمی میں نئی نئی چیزوں کے دیکھنے کا جو بے پناہ جذبہ پایا جاتا ہے اور اس بنیاد پر کتنے ایسے ہیں جو اعزہ و اقارب سب کو خیرباد کر دنیا کی سیر کے لئے نکل پڑتے ہیں لیکن چونکہ اپنے اس فطری جذبہ کا استعمال انھوں نے غلط طریقہ سے کیا اس لئے گھوم گھام کر جب گھر آتے ہیں اور لوگ پوچھتے ہیں کہ تم نے اپنی سیاحت کے دوران کن نئی چیزوں کو دیکھا؟

تو یہ دیکھا ہو گا کہ اکثر وہ گھبرا جاتے ہیں۔ آخر وہی دن، وہی رات وہی ستارے وہی آفتاب وہی زمین وہی آسمان۔ جہاں کہیں آدمی جائے ان کے سوا اور کیا دیکھے گا۔ دنیا میں چار آنکھوں والے آدمی یا تین ٹانگوں والی مرغیاں کہاں نظر آئیں گی مجبور ہو کر ان جہاں دیدوں کو جھوٹا دروغ بیانی سے کام لینا پڑتا ہے۔ وہ ایک نئی چیز کے ذکر کے بعد ان کے سفرناموں کی اکثر چیز مکرر ہوتی ہے، حال میں ایک سیاح سے جو سائیکل پر ہندوستان کا دورہ فرما رہے ہیں، گیلانی میں ملاقات ہوئی کلکتہ سے دلی تک ان کی معلومات میں صرف یہ اضافہ ہوا تھا کہ چلتے ہوئے انھوں نے دریائے سون کے شمالی پل کو ٹکور کے قریب کی محرابوں کو گنا تھا اور واپسی میں ڈیہری اون سون کے پل کے دروازوں کو شمار کرکے اپنے نوٹ بک میں درج کرکے اپنے سفر کی قیمت وصول کی تھی اس کے۔ اس بیچارے کے پاس اور کوئی نئی بات نہیں تھی۔ مئی اور جون کے اس مہینے میں سائیکل پر اس طرح مارے مارے پھرنا صحیح جذبہ کے غلط استعمال کا کتنا اچھا خمیازہ ہے، حالانکہ:۔

دل من مسافر من کہ خداش یار بادا  —  (اقبال)

کتنے عجیب عالم اور کتنے غریب ممالک کا سفر آدمی کے سامنے ہے، چاہے تو آرام و آسائش کے ساتھ اس سفر سے لذت اندوز ہو سکتا ہے اور چاہے تو اپنے اس سفر کو صرف دکھ درد تکلیف و مصیبت کی دوزخ بنا سکتا ہے۔ پورا پروگرام، منزلوں کی تفصیل، ہر موڑ پر تنبیہی کلمات لگا دئے گئے ہیں، جس کا جی چاہے ان دلالت ناموں سے نفع اٹھائے اور جس کا جی چاہے اس کو ٹھکرا کر قدرت اور قدرت کے قوانین کی ٹکر کھاتا پھرے سفر سے گریز تو ممکن نہیں ہے جس نے آج سے چالیس پینتالیس سال پہلے مجھے اچانک قدرتی قوانین کے اس نظام میں لا کھڑا کیا ہے۔ وہی یوں ہی ایک نظام سے دوسرے نظام میں منتقل کرتا ہوا چلا جائے گا جس طرح اس دنیا میں آنے سے ہم اپنے آپ کو روک نہیں سکتے تھے۔ آئندہ بھی ہم اپنے کو کہیں جانے سے کس طرح روک سکتے ہیں۔

الغرض وہ لوگ سخت گمراہ اور احمق ہیں جو یورپ کے سائنس نما علم سائنس فروش ختامیہ سے متاثر ہو کر مجاز و استعارہ کی چادر اوڑھ کر "الجنۃ والنار" کے متعلق قرآنی الفاظ کی لفظی تصدیق کے ساتھ معانی کی تکذیب پر مصر ہیں۔ العیاذ باللہ ان میں سے بعضوں کا اصرار تو اس حد تک بڑھ گیا کہ مولوی نے تو قرآنی جنت پر صرف حیوانی جنت کا فقرہ چست

کہا تھا لیکن رقص کرنے والوں نے تو اس سے بھی آگے قدم بڑھایا اور خاک بہ دہنش زندیں کے چپکا اور گھو صندوں کے لہنگوں سے بہ تر ان کی نگاہوں میں وہی جنت نظر آئی جس کی دید کی تمنا میں تیرہ سو سال سے مسلمان ان کے اکابر و اماعز اس دنیا سے سفر کر رہے ہیں۔ بادشاہ اگر دن کو رات کہے تو ماہ و پرویں کے دیکھنے کا بھی غلغلہ بلند کر دینا چاہیئے محکومیت کے زمانہ کی ان پیداوارں میں اس کی کتنی اچھی مثال پائی جاتی ہے ــــ

مجاز و استعارہ کا لطیفہ بھی خوب تراشا گیا۔ اس آڑ میں جس لفظ سے جو چاہیئے آپ اس کے وضعی معنی کو پوچھ کر جس مطلب کو چاہئیے گوند لگا کر چپکا دیجیئے۔ جوتہ کے معنی ٹوپی کے لیجئے اور روٹی سے مراد اگالدان - اگالدان سے اونٹ مراد لیجئے۔ رحم کرے اللہ حضرت امام غزالی پر۔ [؟] سچ فرمایا ہے کہ "مجاز و استعارہ کی اتنی بھرمار کہ مخاطب اس سے مغالطہ میں مبتلا ہو جائے ـــ۔ دراصل دروغ بیانی اور جھوٹ ہی کی ایک شکل ہے"۔ تعالیٰ اللہ من ذالک علوًا کبیرًا

(ماخوذ از صدق لکھنؤ) شائع شدہ الفرقان بابت جمادی الآخری سنہ ۱۳۵۸ھ

## باب ——— (۲)

# نگہ کی نامُسلمانی سے فریاد!

# اسلامی تہذیب کیا ہے؟ اور کہاں ہے؟

جناب مولوی سید طفیل احمد صاحب[ع‌ه] بی اے (علیگ)

اسلامی تہذیب کیا ہے؟ مختصر طور پر اس سوال کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ "اسلامی تہذیب نام ہے بانیٔ اسلام کے نقش قدم پر چلنے کا" حقیقت یہ ہے کہ ہر قوم کی تہذیب اس قوم کے مذہبی رہنماؤں اور پیشواؤں کے اعمال و اقوال اور ان کے طرز معاشرت کی بنا پر قائم ہوتی ہے مگر اس بارے میں مسلمانوں کا مسئلہ ایک بڑی حد تک دوسری قوموں سے جدا ہے مسلمانوں کے پیغمبر رہنما کی تعلیمات، احکام، سیرۃ، آثار اور روزمرہ کی معاشرت کے حالات جس صحت و احتیاط کے ساتھ محفوظ کئے گئے ہیں اس طرح کسی دوسرے مذہبی پیشوا کی زندگی کے حالات یا احکام محفوظ نہیں ہیں، اس لئے آج ہر قوم کے لئے یہ تقریباً ناممکن ہے کہ وہ اپنے مذہبی رہنما کے نقش قدم پر چلنے میں کامیاب ہو سکے —— کیونکہ یہ نقش اس قدر دھندلے اور مٹے ہوئے ہیں کہ صاف طور پر نظر نہیں آتے۔

یہ واقعہ ہے کہ دنیا کی تاریخ میں یہ فخر صرف مسلمانوں ہی کے حصہ میں آیا ہے کہ انھوں نے نہ صرف بانیٔ اسلام کے ارشادات کا ایک ایک لفظ محفوظ رکھا بلکہ اس سے بڑھ کر یہ اہتمام بھی کیا کہ آپ کی روزمرہ کی معاشرت اور معمولات زندگی کی تمام جزئیات کو بھی صحیح ترین تاریخی معیار پر مستند ذرائع اور سلسلۂ روایت کے ساتھ ترتیب دیا اسی مجموعہ اقوال و افعال کا نام شریعت اسلامیہ کی اصطلاح میں "حدیث" ہے اور اسی کو "سنت"

---

ع‌ه مرحوم مضمون نگار مولوی طفیل احمد صاحب سے ہماری نئی نسل کے کم لوگ واقف ہونگے، بڑے مخلص و صاحب فکر بزرگ تھے آزادی کی جنگ میں مسلمانوں کی شرکت کے خاص حامیوں میں تھے اب سے ۳۰، ۴۰ سال پہلے اس موضوع پر ان کی کتاب "روشن مستقبل" کی ملک میں دھوم تھی۔ ۱۲

بھی کہتے ہیں۔ اس کا مرتبہ قرآن مجید کے بعد تسلیم کیا گیا ہے۔ یہ مجموعہ احادیث رسول اللہؐ کے ارشادات اور آپ کے روزمرہ کے اعمال زندگی کا صحیح ترین مرقع ہے جو نہایت معتبر سلسلۂ روایت کے ساتھ مسلمانوں کے پاس محفوظ موجود ہے۔ اس سلسلۂ روایت کی چھان بین کرنے میں علمائے حدیث نے اتنی محنت و کوشش کی ہے کہ دنیا کے کسی نہایت مشہور و مسلمہ تاریخی واقعہ کے متعلق بھی ایسی چھان بین نہیں کی گئی ـــــ اس میں کوئی شک نہیں کہ دوسری قوموں نے بھی اپنے رہنماؤں کی زندگی کے مرقعے دنیا کے سامنے پیش کئے ہیں مگر بدقسمتی سے وہ اتنے دھندلے اور بے رنگ ہیں کہ ان میں ان مذہبی رہنماؤں کی تصویریں صاف طور پر نظر نہیں آتیں اور ان کی روزمرہ کی زندگی کے اعمال و معمولات کا صحیح طور پر کچھ پتہ نہیں چلتا۔ اس پر مزید کوتاہی یہ ہے کہ ان کی تعلیم بھی کسی صحیح سلسلۂ روایت کے ساتھ محفوظ نہیں ہے۔ حضرت مسیح ہوں یا گوتم بدھ، رامچندر ہوں یا کرشن مہاراج سب کی زندگی تاریکی میں ہے اور ان کے جو حالات کہیں کہیں ملتے ہیں ان کی حیثیت ایک افسانہ سے زیادہ نہیں ہے۔

جو لوگ اسلامی تعلیمات سے باخبر ہیں وہ جانتے ہیں کہ احادیث یعنی "سنت نبوی" کا مرتبہ آسمانی کتاب کے بعد سب سے زیادہ بلند تسلیم کیا گیا ہے۔ گویا مذہب اسلام کا مدار کتاب (قرآن مجید) اور سنت (حدیث) پر ہے اور اس لئے یہی دو چیزیں اسلامی تہذیب کا سرچشمہ ہیں اور پیغمبر اسلام انسانی پیکر میں اس سرچشمہ کا مکمل نمونہ۔ خدا نے قرآن مجید میں صراحتہً رسول کی پیروی کا حکم دیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ رسول اللہ جو کچھ فرماتے ہیں وہ اپنی خواہش نفس کی بنا پر نہیں بلکہ احکام الٰہی کی بنا پر فرماتے ہیں۔ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (وہ اپنے دل سے باتیں بناکر نہیں کہتے ہیں بلکہ یہ تو وحی ہے جو ان پر خدا کی طرف سے نازل ہوتی ہے) اسی طرح ایک اور موقع پر آپ کی زندگی کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (تمہارے سامنے رسول کی زندگی ایک بہترین نمونہ ہے)

یہ حقیقت ہے کہ دنیا کے دوسرے مذہبوں کی طرح اسلام صرف چند عقائد مخصوصہ کا نام نہیں ہے بلکہ وہ زندگی کا ایک مکمل ضابطہ یا بالفاظ دیگر مکمل تہذیب بھی ہے ـــــ صحابۂ کرام جو رسول اللہ صلعم کے اولین پیرو تھے اس حقیقت کو خوب اچھی طرح سمجھتے تھے چنانچہ وہ اتباع سنت کا سب سے زیادہ اہتمام کرتے تھے اور ان کی یہ پیروی زندگی کے ہر شعبہ میں تھی، یعنی رسول اللہ کا چلنا پھرنا، سونا جاگنا، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا سب چیزیں ان کے لئے

پیروی کے قابل تھیں، اس کے بعد تمام علما کا یہ مسلک رہا ہے کہ مسلمانوں کو ان کی روزمرہ زندگی میں رسول اللہ کی پیروی کی ترغیب دیں نیز اسلام کے ہر دور میں جو مصلح اور ہر صدی میں جو مجدد پیدا ہوئے ان سب کے وعظ و تبلیغ کا اولین مقصد بھی یہی احیائے سنت تھا خود رسول اللہ کا ارشاد گرامی ہے کہ:- عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي تم پر میرے طور طریق کی پابندی ضروری ہے گویا اس طرح آپ نے مسلمانوں کو اپنے طریقۂ حیات کی پیروی کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اسی بنا پر وہ تمام مصلح و مجدد جو اپنے اپنے زمانہ میں ہوئے مسلمانوں کو اتباع سنت کی تاکید کرتے رہے۔ ہندوستان میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے یہ خدمت بڑے اہتمام کے ساتھ انجام دی تھی۔ اس زمانہ میں اس کی بڑی سخت ضرورت لاحق ہو گئی تھی، کیونکہ ہندوستان کے مسلمان دوسری قوموں کے اختلاط سے صحیح راستہ سے ہٹ گئے تھے اور شریعت سے بہت دور ہو گئے تھے۔

——لیکن جیسے جیسے زمانۂ نبوت سے دوری ہوتی گئی۔ مسلمانوں میں غیر اسلامی رسوم و رواج داخل ہوتے گئے۔ ہندوستان کے آخری مسلمان بادشاہوں یعنی مغلوں کے تمدن کو دیکھا جائے تو اس میں مقابلہ زمانہ سابق کے کافی تبدیلی نظر آئے گی۔ اس خاندان کے بادشاہوں اور درباریوں کی تصویریں اس وقت بکثرت موجود ہیں جن میں صورت اور لباس کے اعتبار سے مسلم و غیر مسلم میں کوئی خاص فرق نہیں معلوم ہوتا۔ اسی طرح شاہی محل میں بکثرت غیر مسلموں کے طریقے اور رسمیں اختیار کر لی گئی تھیں جب یہ چیز حد سے زیادہ بڑھ گئی تو مسلمان عالموں نے ان کا قلع قمع کرنے میں جد و جہد کی اور نہ صرف شہروں ...... میں بلکہ دیہات تک میں گھوم پھر کر سنت نبوی اور تہذیب اسلامی کو زندہ کیا، اگر دہلی میں شاہ عبدالرحیم کا خاندان اس خدمت کو انجام دے رہا تھا تو بنگال کے دیہات میں مولوی شریعت اللہ وسیع پیمانہ پر مسلمانوں کو نہ صرف پابند صوم و صلوٰۃ بلکہ انھیں مسلمان صورت بھی بنا رہے تھے۔ مولوی شریعت اللہ اٹھارویں صدی کے آخر میں مکہ معظمہ جا کر سالہا سال تک وہاں رہے اور ۱۸۰۲ء میں ہندوستان واپس آ کر اسلامی معاشرت و تہذیب کے پھیلانے میں مصروف ہو گئے۔ مولوی شریعت اللہ کے بعد حضرت سید احمد صاحب رائے بریلوی ۱۸۲۱ء میں حج کو گئے اور دو سال بعد وہاں سے ہندوستان آ کر اسلامی تہذیب و معاشرت کی اشاعت و تبلیغ کے کام میں مصروف ہو گئے۔ ان دونوں حضرات کے اثر سے نہ صرف شہروں میں بلکہ دیہات تک میں مسلمانوں نے اسلام کی حقیقی تہذیب کو زندہ کیا۔ لیکن بدقسمتی سے حکام وقت نے انھیں مذہبی مجنون اور وہابی قرار دے کر ان پر بغاوت کے مقدمات چلائے۔ بنگال کے ہندو زمینداروں نے حکومت کا یہ رخ دیکھ کر مسلمان رعایا پر جن کے مسلمان ہونے کی شناخت داڑھی قرار دی گئی تھی فی کس ڈھائی روپیہ ٹیکس لگایا اور جب ان لوگوں نے عدول حکمی کی تو حکومت کی مدد

انھیں فوج کی گولیوں کا نشانہ بنایا۔ باوجود ان مظالم کے مسلمانوں کا ایک طبقہ اپنی قدیم طرز معاشرت اور تہذیب پر قائم رہا۔ اگرچہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں ایسے بدنصیب مسلمانوں اور مسلمانوں کے عالموں کی تعداد کم نہ تھی جنھوں نے انگریزوں کا ساتھ دیا۔ مگر ان مسلمانوں کی کافی تعداد ایسی نہ تھی قدرتاً اس قسم کے برگزیدہ لوگ حکومت کے نزدیک مشتبہ سمجھے گئے اور انھیں جانی اور مالی نقصانات اٹھانا پڑے۔ اسی قسم کے مشتبہ علما کے ایک طبقہ نے اپنی مذہبی تہذیب کو قائم رکھنے کے لئے جب دیوبند میں ایک مدرسہ قائم کیا تو حکومت ان سے اور زیادہ مشکوک ہو گئی، اسی طرح جب لکھنؤ میں ندوۃ العلماء کی بنیاد قائم ہوئی تو اس پر سرکاری نگرانی قائم کی گئی۔ اسی کے ساتھ انگریزوں کے ایک نمکخوار اور خیر خواہ طبقہ نے جو انگریزی لباس و معاشرت کو دینی اور اپنی قوم کی ترقی کا واحد ذریعہ سمجھتا تھا مذہبی جماعت پر اخبارات و رسائل کے ذریعے حملے کئے، ان کے جبہ اور عمامہ پر ان کے طریق رہائش اور نشست و برخاست پر جو سنت نبوی کے مشابہ تھے پھبتیاں اڑائیں۔ جہاد کو جو مذہبی حفاظت کا ذریعہ ہے صرف قلمی جہاد میں محدود کیا اور ان طریقوں سے غیر ملکی حکومت کے محبوب بن کر بڑے بڑے عہدے اور خطابات حاصل کئے اور خوب خوب ترقیاں کیں۔

اسی نہج کے لوگوں کی نسبت نواب صدر یار جنگ بہادر نے مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے ایک جلسہ منعقدہ اٹاوہ میں فرمایا تھا کہ جب ڈپٹی کلکٹری لینے کا وقت ہوتا ہے تو یہ انگریز صورت اصحاب مسلمان بن جاتے ہیں لیکن جب نماز کا وقت آتا ہے تو غائب ہو جاتے ہیں۔ ان اصحاب نے اسلامی معاشرت تہذیب پر قائم رہنے والوں اور سنت نبوی پر چلنے والوں کی تحقیر اور تذلیل کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی ان غریبوں کے متعلق حکومت سے یہ رپورٹیں کی گئیں کہ یہ جہاد سے تعلق رکھتے ہیں اور اس طرح ان پر سرکاری نگرانی قائم کرائی گئی۔ انگریزی صورت و سیرت پر جان دینے والا طبقہ جو کالجوں اور یونیورسٹیوں سے نکل رہا تھا اس کی طرف سے کہا گیا کہ ان ملاؤں کی وجہ سے مسلمانوں کی خیر خواہی کی سلطنت پر حرف آتا ہے۔ یہ مسجد کے مینڈھے ہیں۔ غرضکہ اس جماعت پر دو طرفہ مار رہی لیکن باوجود ان تمام مصائب کے۔ اسلامی تہذیب کی جو کچھ محافظت کی الخوف نے ہی کی۔ تمام دنیوی فائدوں پر لات مار کر دینی مذہبی علوم پڑھے۔ سخت افلاس اور عسرت کی زندگی بسر کی لیکن حکومت وقت کے آگے اپنی زبان اور تہذیب کی حفاظت کے لئے گداگری کا دامن کبھی نہ پھیلایا۔ مگر اب اس قسم کے اہل دل حضرات پر پہلے سے کہیں زیادہ سخت وقت آیا ہے یعنی انگریزی صورت اور انگریزی تمدن اختیار کرنے والے اور انگریزی زبان میں نہ صرف لکھنے اور بولنے والے بلکہ اسی زبان میں سوچنے

فخر کرنے والے اصحاب اپنے کو مسلمانوں کی تہذیب کا محافظ قرار دے رہے ہیں اور سنت نبوی کو قائم و برقرار رکھنے کے لئے قربانیاں کرنے والے طبقہ کو اسلام اور مسلمانوں کا دشمن قرار دیا جا رہا ہے۔ العظمۃ للہ!

ایک اور مصیبت ہے اور وہ یہ کہ بدنصیبی سے ہمارے برادران وطن میں بھی تنگ خیال افراد کی ایک ایسی جماعت کچھ دنوں سے پیدا ہو گئی ہے جو اسلامی تہذیب سے خواہ مخواہ بیزار ہے اور اس کا نام و نشان بھی باقی رکھنا نہیں چاہتی۔ اس لئے بحیثیت ایک مستقل اور شاندار تاریخ رکھنے والی قوم کے مسلمانوں کے لئے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ وہ اسلامی تہذیب و روایات کو زندہ رکھنے کی جان توڑ کوشش کریں اور اپنی اسلامی و قومی تہذیب کو دشمنوں کے نرغے سے (جنھوں نے اپنی کوتاہ اندیشی سے اپنی قدیم زبان اور تہذیب کو تمام ملک میں پھیلانے کا تہیہ کر لیا ہے) بچانے کی جدوجہد کریں مگر یہ کام وہ حضرات کیا کر سکتے ہیں جو خود سات سمندر پار کے رہنے والوں کی تہذیب میں ڈوبے ہوئے ہیں اور جو اپنے سیاسی جلسوں کی تقریروں میں سنت نبوی کی پیروی کرنے والوں کی طاقت توڑ دینے پر فخر کرتے ہیں درآنحالیکہ آج انہی کی بدولت "اسلامی تہذیب" کے کچھ آثار باقی ہیں۔

لیکن اگر واقعی خدا نے ہمارے "انگریزیت زدہ" نوجوانوں کے دل پھیر دیئے ہیں اور اب وہ سچے دل سے اسلامی تہذیب کے دلدادہ ہو گئے ہیں اور دیگر اقوام کے مقابلے میں اس کی حفاظت کرنا اور اسے قوم میں پھیلانا چاہتے ہیں تو انھیں چاہیئے کہ سب سے پہلے خود اس تہذیب کو اختیار کر کے خود کو ایک نمونہ بنائیں ورنہ خیالی باتیں بنانے سے کیا حاصل؟ —

گر یہ نہیں تو بابا پھر سب کہانیاں ہیں

اصلاح کا پہلا قدم گھر سے شروع ہونا چاہیئے لیڈر کے لئے ضروری ہے کہ جو کچھ اس کی زبان سے نکلے وہی اس کی رفتار و کردار سے ظاہر ہو لیکن افسوس ہے کہ آج مسلم کلچر کے تحفظ کے دعویداروں میں اکثر بیت ایسے لوگوں کی نہیں ہے کاش یہ صورت حالات بدل سکتی۔

(الفرقان جلد ۶ نمبر ۹)

# ایمان کا سودا

(از: مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی)

ذکر قرونِ اولیٰ کا نہیں، قرونِ آخر کا نہیں، زمانہ ہجرت کی پہلی صدی کا نہیں۔ تیرھویں صدی کا ہے اور انیسویں صدی عیسوی کا، اور مقام حجاز کی ارضِ مقدس نہیں، لکھنؤ بدعت زدہ لکھنؤ کی سرزمین ہے۔ دینی اور روحانی ہی نہیں، دنیوی و مادی اقتدار بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے رخصت ہو چکا ہے اور وہ جو اودھ کی ایک بڑے نام کی "اسلامی سلطنت" گزشتہ عظمت و اقبال کی نوحہ خواں، بچی کھچی، کٹی پٹی باقی رہ گئی تھی وہ بھی، صاحب کے قبضے میں جا چکی ہے۔

اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

زمانہ ۶۳-۱۸۶۲ء کا ہے یعنی۔ تاریخ اودھ کے مشہور ہنگامہ ۱۸۵۷ء کو فرو ہوئے ابھی پانچ ہی چھ سال ہوئے ہیں۔ ہر دل میں اقبالِ فرنگ کا نقش بیٹھا ہوا، ہر زبان سرکار عظمت مدار کی عظمت کا کلمہ پڑھتی ہوئی، فرنگی محل کے ایک گوشے میں فقر و فاقہ کے بوریہ پر ایک صاحب بیٹھے نظر آرہے ہیں۔ نام محمد یوسف بن مفتی محمد اصغر۔ کسی زمانہ میں عالم صاحبِ افتاء تھے ہنگامہ میں گھر بار کچھ اس طرح لٹا کہ مفتی صاحب زر و مال سے ہر طرح فارغ البال ہو گئے۔ دل میں داعیہ حج کا تھا۔ وقت وہ آگیا کہ نہ حج فرض رہا نہ زکوٰۃ۔ اب صبر و تسلیم کی منزلیں ہیں اور یہ خانہ نشین، گوشہ گزین مولانا۔

---

ایک روز کیا ہوتا ہے کہ ایک صاحب بہادر حکومت انگریزی کے بہت بڑے با اختیار عہدہ دار صوبہ کے فنانشل جوڈیشل کمشنر (اس اودھ کے چیف کمشنر کے بعد سب سے بڑا عہدہ دار یہی تھا) پتہ پوچھتے پوچھتے فرنگی محل پہنچتے ہیں اور بعد اجازت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتے

ہیں۔ ''بعد اجازت'' کا لفظ یاد رکھئے پرانے وقت کا یہ مولوی ملانا ملازمت کی تلاش میں نہیں نکلتا، عہدہ و منصب خود اسے تلاش کرتا ہوا اُس تک پہنچتا ہو اور پھٹے حالوں مولانا جب تک اجازت نہیں دے لیتے انگریز بہادر کی ہمت سامنے آنے کی نہیں ہوتی — روایت ساری کی ساری ایک چشم دید نادی، فرنگی محل ہی کے خاندان کے ایک نوجوان کی دیکھی ہوئی اور بڑھاپے میں بیان کی ہوئی۔ اور راوی بھی کون؟ کوئی گمنام مجہول نہیں۔ مولوی شرافت اللہ مرحوم پنشنر ڈپٹی کلکٹر ابھی تو ان کے دیکھنے والے اور ملنے والے سیکڑوں کی تعداد میں موجود ہیں، انھوں نے اپنے صاحبزادے مفتی عنایت اللہ مرحوم (صدر مدرسہ نظامیہ) سے بیان کیا اور انھوں نے اپنے تذکرۂ علمائے فرنگی محل" مطبوعہ ۱۹۳۰ء صفحہ ۲۰۹ میں اسے درج کر دیا — ان کی وفات تو ابھی کل کی بات ہے۔

سانا صاحب" کا ہوا وقت وہ تھا کہ انگریز کا بچہ بچہ حاکم وقت تھا اور پھر یہ انگریز تو دا قعی صوبہ کا تقریباً سب سے بڑا افسر تھا۔ شکستہ حال، غربت زدہ مولوی بوسیدہ چٹائی پر بیٹھا ہوا کچھ لکھنے میں مشغول تھا، کہاں کا ڈرائنگ روم اور کہاں کے کوچ اور صوفے حاکم وقت حاکم صوبہ کو اجازت ایک ٹوٹے ہوئے مونڈھے پر بیٹھنے کی ملی۔ آنے والے نے کچھ سوالات کیے شریعت کے معاملات قانونی (نکاح و طلاق) سے متعلق جوابات مفصل ملے ایک سوال ہوا کہ جناب کی بسر اوقات کی کیا صورت ہے؟ جواب ملا کہ اسباب ظاہر تو کچھ نہیں۔ بسر عسرت سے ہوتی ہے۔

فاقہ زدہ مولوی نوکری پر نہیں گر رہا ہے۔ سندیں اور درخواستیں نہیں پیش کر رہا، دسفارشوں کے پشتارے پیٹھ پر نہیں اٹھائے ہوئے ہے۔ نوکری خود اس خود دار مولوی پر گر رہی ہے سوال وجواب آگے سنیئے۔

"تو میں آپ کو سرکاری ملازمت دلوا دوں گا—"

"لیکن میں نے تو مدتوں فتوے احکام شریعت کے دیئے ہیں۔ خدا سے شرم آتی ہے کہ اب احکام خلاف شرع صادر کروں۔ انگریز کی ملازمت میں یہ ہونا لازمی ہے۔"

انگریز افسر نوکری دینے اور عہدہ بخشنے ہی آیا تھا، رخصت ہوا، چلتے چلاتے یہ الفاظ کہتا ہوا۔

"جی نہیں، آپ کے لئے ایسا انتظام کر دیا جائے گا کہ نہ آپ کو احکام صادر کرنا پڑیں اور نہ کوئی امر خلاف شریعت آپ سے متعلق کیا جائے۔

دوسری صبح کا طلوع ہوا، تو انگریز افسر پھر موجود۔ اور آج ایک مسلمان منشی بھی ہمراہ مفتی فرنگی محل کے لیے عہدہ رجسٹراری کا تجویز ہوا۔ اس رجسٹراری کو آج کی سب رجسٹراری پر قیاس نہ کیجیے گا شروع انگریزی عہد میں ایک معزز ترین عہدہ تھا کہیں۔ یہ خدمت کلکٹر سے لی جاتی اور کہیں ڈسٹرکٹ جج سے! مشاہرہ، چھ سات سو ماہوار سے بھی اوپر تھا رقم کا خیال فرمایا آپ نے؟ دس بیس پچاس نہیں، کہ وہ بھی ایک ملائے مسجد کے لیے بہت تھے۔ بلکہ چھ سات سو! اور وہ بھی اس زمانے کے! گویا آج کی شرح کے تناسب سے کوئی ڈھائی ہزار کا مشاہرہ[۱]!

کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے!

اور یہ تو آگ لانے کے لیے اپنی جگہ سے ہلے تک نہ تھے! جاہ و دولت کی پیمبری خود ہی چل کر ان کے پاس آگئی تھی ——— ملائے مسجدی اب بھی فرط مسرت سے بے خود نہیں ہو جاتا۔ صاحب کے قدموں سے لپٹ نہیں جاتا مدح و توصیف کے قصیدے نذر گزارنے کی فکر نہیں کرتا۔ سکون و وقار کے ساتھ پوچھتا ہے کہ یہ رجسٹراری ہے کیا چیز؟ صاحب سمجھاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ۔

آپ کو زحمت کچھ بھی نہ ہوگی، نہ کہیں آنا جانا، نہ کاغذات کا لکھنا پڑھنا، آپ کی کچہری، آپ کے مکان میں رہے گی ایک کمرہ ان منشی کو دے دیجیے، یہ اپنا کام کرتے رہیں گے چار بجے کاغذات آپ کے سامنے پیش کر دیا کریں گے۔ آپ کا کام صرف دستخط کر دینا ہوگا۔

ایسی بے مشقت نوکری آج تک کسی کو کیوں ملی ہوگی۔

---

فرنگی محلی کی فرنگی ملازمت کا پہلا دن شروع ہوا۔ منشی نے دن میں کام کیا۔ سہ پہر کو کاغذات مفتی صاحب کے پاس دستخط کے لیے پیش کیے۔ آپ نے دستاویزوں کو پڑھنا چاہا۔ منشی نے کہا کہ اس زحمت کی کیا ضرورت ہے کاغذات میرے دیکھے ہوئے جانچے ہوئے ہیں۔ آپ صرف دستخط فرما دیجیے۔ ارشاد ہوا کہ یہ کیوں کر ممکن ہے۔ ؟ دستخط تو بمنزلہ میری شہادت کے ہیں۔ بغیر پڑھے شہادت کیسے دے دوں؟ رجسٹر کھلا اور آپ نے کاغذات پڑھنے شروع کیے۔ اتفاق دیکھیے کہ پہلی ہی دستاویز سودی قرضے سے متعلق تھی! ——— آگے کیا گذری اسے خود راوی ہی کی زبان سے سنیے:۔

چہرہ مبارک غصے سے سرخ ہوگیا۔ رجسٹر اٹھا کر دور پھینک دیا۔ منشی سے کہا ابھی نکل جاؤ!۔

---

[۱] ہمارے اس زمانہ (۱۹۶۲ء) کی شرح تناسب کے لحاظ سے قریباً ۲۵، ۳۰ ہزار۔ (الفرقان)

اور فوراً نکال دیا۔
منشی غریب رنجیدہ ہوا اور فریادی کے صاحب کے پاس پہونچا دوسرے دن صاحب خود وارد ہوئے
منشی کو ساتھ لیے ہوئے اب پھر روایت کے الفاظ راوی ہی سے سنیئے :-

آپ نے صورت دیکھتے ہی اس کو بھی ڈانٹنا شروع کیا اور فرمایا کہ کافر سے سوا اس
کے اور کیا امید ہو سکتی ہے۔ میری ہی غلطی تھی جو کافر کے کہنے میں آگیا اور
زار و قطار رونا شروع کیا

پھر فرمایا کہ یہ منشی
سودی دستاویز پر میرے دستخط کرا رہا تھا جو گویا میری شہادت ہے۔ حدیث
شریف میں سود کے متعلق لکھنے والے اور گواہ سب پر لعنت آئی ہے ابھی تھوڑے
زمانے تک تو میرے دستخط خدا و رسول کے احکام پر ہوتے تھے اب میرے دستخط
سودی دستاویز پر ہوں گے۔

---

انگریز حاکم نے ایک بار پھر معافی مانگی، تلافی کر دینا چاہی اور کہا کہ بے شک مجھ
سے غلطی ہوئی اب میں ایسی صورت رکھوں گا کہ یہ بھی زحمت نہ رہے اور کسی امر خلاف
شریعت کی صورت نہ پیش آئے گا اور عہدہ پر برقرار رہنے پر بے حد اصرار کیا ...... لیکن
جو زبان ایک بار انکار پر کھل چکی تھی پھر کسی ترغیب اور کسی ترکیب سے نہ پلٹی۔ اور آپ عمر بھر
فرنگیت کے سایہ سے بھی بچے رہے۔

عمر کا بڑا حصہ سلم و شرح سلم ملا حسن، شمس بازغہ طبیعیات شفا وغیرہ خرافات معقولات
کی حاشیہ نویسی میں گزارا تھا۔ شاید اسی تقویٰ و استقامت ایمانی کی برکت تھی کہ چند سال بعد جب مدرسہ
جونپور سے تعلق کے بعد نوبت حج کے جانے کی آئی تو ماہ رمضان مبارک مکہ معظمہ میں گزار کر مین
قرب حج میں وفات مدینہ منورہ میں پائی اور جنت البقیع میں صدہا، ہزارہا پاکوں اور
پاکبازوں کے جوار میں جگہ پائی۔ اور فرنگی محل کے مشہور و معروف عالم و عارف مولانا
عبدالحئی نے اپنے قلم سے یہ شہادت اپنی "تمام تاموس الفقہ" میں دی کہ کان
جامعاً للفروع والاصول حاویاً للمعقول والمنقول صاحب الریاضات
والمجاھدات منبع البرکات والفیوضات حسن الصورة

# مسلمانوں کی موجودہ قومی سیرت
## کے بعض کمزور پہلو

از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

(مولانا کا یہ مقالہ تقسیم ہند سے قبل کی سیاسی اور انتخابی کشمکش کے موقع پر الفرقان محرم ۱۳۶۵ھ میں شائع ہوا تھا۔ زمانہ بدل گیا، حالات کی بساط بھی الٹ گئی لیکن سوائے اس کے کہ مسلمانانِ ہند کی قومی سیرت کی جن کمزوریوں کا تعلق انگریزی اقتدار سے تھا ان میں ایک گونہ فرق آگیا، باقی جن کمزوریوں سے مولانا نے بحث کی ہے وہ اپنی ہو بہو شکل میں آج بھی موجود ہیں اور ان کے لحاظ سے اس مقالے میں کسی بھی تغیر و تبدل کی ضرورت نہیں، اور اس لئے یقیناً موزوں اور مفید یہ مقالہ اپنی پہلی اشاعت کے وقت تھا اتنا ہی آج بھی ہے —— مدیر)

مسلمانوں پر تنقید کرنا اور ان کے کمزور پہلوؤں کو نمایاں کرنا کسی مسلمان کے لئے قطعاً کوئی خوش گوار کام نہیں ہے، اور اس کے لیے کوئی شخص آسانی سے تیار نہیں ہو سکتا۔ لیکن دنیا کے سب ضروری کام خوش گوار نہیں ہوتے۔ ایک ایسی جماعت کی کمزوریوں کو خاموشی سے دیکھتے رہنا جس سے نہ صرف اس کی اپنی قسمت بلکہ دنیا کی قسمت بھی وابستہ ہو اور جو انجیل کی زبان میں زمین کا نمک ہو جس کی نمکینی کے ضائع ہو جانے کے بعد پھر زمین کو کوئی چیز نمکین نہیں کر سکتی، ایک ایسا ناخوش گوار کام ہے جس کے مقابلے میں دنیا کی ہر ناگواری، ہر تلخی، ہر طرح کی روحانی اذیت اور ہر قسم کی ذہنی کوفت ہیچ ہے اور اس کے مقابلے میں اپنی یا دوسروں کی یہ ناخوشگواری کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

مسلمانوں کی کسی قوم یا ملک کا سلطنت و اقتدار سے محروم ہو جانا یا مسلمانوں کا عالمگیر سیاسی زوال بہت بڑا حادثہ ہے جس پر جتنا ماتم کیا جائے وہ کم ہے، اس کے جو اخلاقی اور ذہنی نتائج ہوتے ہیں وہ بھی اب کچھ پوشیدہ نہیں رہے۔ لیکن اس سے بڑھ کر المناک حادثہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت کی ذہنیت یا نفسیت کسی ایسے سانچے میں ڈھلنے لگے جو صحیح اسلامی تعلیم و تربیت کا سانچہ

نہیں ہے اور بعض انفرادی عیوب ولقائص یا منکر خدا اور منکر آخرت قوموں کے صفات وخصائص مسلمانوں کی سیرت کا جزو بننے لگیں اور قومی کیرکٹر کی صورت اختیار کرنے لگیں۔ تحریف دین کی اصطلاح تو پہلے سے موجود ہے اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ عملی کوتاہیوں اور ذاتی انحراف سے بڑھ کر کوئی جماعت اصل دین، اس کی کتابوں اور اس کی تعلیمات میں ترمیم وتنسیخ اور رد وبدل شروع کر دے اس کے نتائج انحراف سے کہیں بڑھ کر خطرناک اور وسیع ہوتے ہیں اور اس کا علاج اور اس صورت حال کی اصلاح تقریباً محال ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اس تحریف سے اس قوم کے ذہن میں حقائق بدل جاتے ہیں، گناہ عین صواب اور بعض اوقات کار ثواب بن جاتا ہے اور ان کو دین کی اصل وحقیقت سے ہٹ جانے یا دور پڑ جانے کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ جو کچھ کرتے ہیں، وہی عین دین معلوم ہوتا ہے یہودیوں اور عیسائیوں میں مذہبی طور پر یہی صورت پیش آئی۔ جب اس تحریف دین کے مقابلے میں۔ اس ذہنی واخلاقی تبدیلی کو جو ہندوستان کے مسلمانوں میں نظر آ رہی ہے تحریف مسلمین سے تعبیر کر دل گا۔ مسلمانوں میں عملی کوتاہیاں کم وبیش ہمیشہ پائی گئیں۔ اور انسانوں کی کسی جماعت کا ان سے یکسر پاک ہونا بہت مستبعد ہے۔ لیکن یہ انحراف تھا مسلمان اس کو غلط سمجھتے رہے اور اسلامی ذہن وضمیر ہمیشہ اس کے خلاف احتجاج کرتا رہا۔ اور کبھی مسلمانوں نے اس پر فخر نہیں کیا۔ لیکن اب جو کچھ نظر آ رہا ہے اس کو انحراف کہنا مشکل ہے۔ اور وہ اس سے کچھ زیادہ وسیع اور عمیق اور اس سے مختلف شکل رکھتا ہے۔ یہ مسئلہ مسلمانوں کے تمام تعلیمی سیاسی اور اقتصادی مسائل سے زیادہ اہم اور قابل توجہ ہے قومی کیرکٹر ہر قوم کی زندگی میں اس کی قومی دولتوں سے کہیں بڑھ کر بیش قیمت ہوتا ہے بالخصوص مسلمانوں کی اسلامی سیرت بڑی سے بڑی اسلامی سلطنت اور بڑے سے بڑے قومی ادارہ اور زیادہ سے زیادہ تیز ترقی اور اقتصادی خوش حالی سے زیادہ قیمت رکھتی ہے۔ کسی بڑی سے بڑی قیمت اور عظیم سے عظیم بدل پر بھی اس کے نقصان یا زوال کو گوارہ نہیں کیا جا سکتا اگر اس پر زوال آ گیا یا اس میں کچھ غلط تبدیلی واقع ہو گئی تو بڑی سے بڑی مادی کامیابی اور فتح سے اس کا کفارہ نہیں ہو سکتا۔ یہ تبدیلی مختلف تاریخی وسیاسی وتعلیمی وتہذیبی اسباب، بعض موثر اور اشتعال انگیز حالات اور واقعات اور زیادہ تر غفلت کی کمزوری سے صدیوں میں پیش آتی ہے۔ لیکن جب بدقسمتی سے یہ تبدیلی واقع ہو جاتی ہے تو صدیوں تک اس کا اثر قائم رہتا ہے اور اس کے اجتماعی نتائج اس قوم کے تمام افراد کو برداشت کرنے پڑتے ہیں — خواہ انفرادی طور پر بعض افراد کتنے ہی ایک سیرت ہوں۔

اس موقع پر چند نمایاں کمزور پہلوؤں کا ذکر کیا جاتا ہے جو دینی و اخلاقی حیثیت سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ اور جن کو اصل اسلامی سیرت اور اخلاقی تعلیمات سے زیادہ بُعد اور تعارض ہے۔

# اصولِ اخلاق پر مصالح و منافع کی ترجیح

(۱) ایک نہایت اہم اور گہری اور انقلاب انگیز تبدیلی جو مسلمانوں کی ذہنیت و نفسیات میں اس پچاس سال کے اندر اندر واقع ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ آخرت پر ایمان عملاً کمزور ہوتا چلا جا رہا ہے اور اس کے نتیجے کے طور پر یا مستقلاً اصول اور صداقت کے مقابلے میں منافع و مصالح، آجل کے مقابلہ میں عاجل کو ترجیح دینے کا مرض پیدا ہو گیا ہے۔ اس سے مسلمان ایک با اصول، بلند اخلاق، پختہ عقیدہ جماعت کے بلند مقام سے گر کر ایک بے اصول ناقابلِ اعتبار ابن الوقت اور مصلحت پرست قوم کی ادنیٰ سطح پر آتے جا رہے ہیں جس کے سامنے کوئی اخلاقی معیار نہیں ہے بلکہ صرف منافع و مصالح اور اغراض و مقاصد ہیں۔ یہ تبدیلی اس وقت شروع ہوئی جب ہندوستان میں اور تقریباً تمام اسلامی ممالک میں (جو کسی طرح یورپ کے زیرِ اثر آئے) مسلمانوں کو مغربی تہذیب، مغربی فلسفۂ اخلاق اور مغربی معیاروں کے قبول کرنے کی دعوت دی گئی۔ مغربی اخلاق، فلسفہ، علوم اور سیاست کا ہر طالب علم اور اس زمانے کا ہر واقف آدمی جانتا ہے کہ یورپ کا سارا نظامِ زندگی تمام تر مادہ پرستی اور مصلحت جوئی پر مبنی ہے۔ "افادیت" اور "مصلحت بینی" اس نظامِ زندگی کے ریشہ ریشہ میں سرایت کر چکی ہے سارا یورپ اس وقت سے جب سے اس نے کلیسا کے اقتدار سے اپنے کو آزاد کرایا۔ صرف ایک ہی عملی مذہب رکھتا ہے (جس کے خلاف کسی گوشہ میں بھی عملاً کوئی بغاوت نہیں) اور وہ مذہب مادہ پرستی ہے۔ مسلم ممالک میں اس نظام کے غلبہ کا طبعی نتیجہ یہ ہے کہ آخرت کی اہمیت کم ہوتے ہوتے بعض حلقوں میں (جہاں یہ نظام اپنی پوری روح کے ساتھ مستولی ہے) معدوم ہو گئی ہے دنیاوی ترقی اور مادی فوائد و منافع منتہائے نظر بن گئے ہیں اصولی و اخلاقی معیار منافع و فوائد کے مقابلے میں اپنی اہمیت بالکل کھو چکے ہیں۔ مسلمانوں میں اس دعوت کے علمبرداروں نے ترقی (یعنی دنیاوی ترقی) پر اتنا زور دیا اور اس شد و مد اور بلند آہنگی سے مادی ترقی کی دعوت دی کہ بالارادہ یا بلا ارادہ آخرت اور امورِ آخرت کی اہمیت کم ہو گئی۔ بلکہ بعض اوقات انھوں نے اس نظام اور ان افکار کی تعریف و تحسین کی جن میں دنیا کے مقابلے میں آخرت کی اہمیت زیادہ تسلیم کی گئی تھی۔ اور مسلمانوں کو دنیا

پرست اور آخرت سے غافل ہونے سے روکنے کی کوشش کی گئی تھی ان جملوں اور ان تقریروں اور تحریروں کا مذاق اڑایا گیا اور ان کی ہجو کی گئی جن میں دنیا کو متاع قلیل اور متاع غرور کہا گیا تھا دنیا پرست اور مادہ پرست اور منکر آخرت قوموں اور ملکوں (غالباً صحیح تر ایک قوم اور ملک) کو مسلمان نوجوانوں کے سامنے ایک بلند نمونہ اور معیار کامل کے طور پر پیش کیا گیا جو ہر تنقید سے بالاتر تھا۔ پھر جو نظام تعلیم قائم کیا گیا اس میں انکار آخرت کی روح بسی ہوئی تھی اس کی اساس اخلاق کے مقابلے میں ظاہری منافع کی ترجیح پر رکھی گئی تھی۔ اس میں شرافت اور اخلاق کے مقابلے میں خواہش نفس اور لذت کا عنصر غالب تھا وہ تمام تر ایسی قوم اور ایسی تہذیب کے ذہن کی پیداوار تھا جو سرتاپا منکر آخرت تھی درا صل یہ کسی مجرد نظام تعلیم کی قبولیت کی دعوت نہ تھی اور نہ ایسا ممکن ہے بلکہ یہ ایک پوری تہذیب تمدن و معاشرت اور اخلاق و فلسفۂ اجتماع کی دعوت تھی۔

پھر اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ انھوں نے مسلمانوں کو صاف صاف ہوا کے رخ پر چلنے اور دریا کے بہتے ہوئے دھارے پر کشتی چھوڑ دینے کی دعوت دی اور صاف صاف کہا کہ۔

"چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی"

"زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز" اور ۔

اس دعوت میں مسلمانوں کی بہترین قابلیتیں صرف ہوئیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی نظروں میں اصول و اخلاق کی اہمیت بتدریج گھٹتی چلی گئی اور بڑی تعداد میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا جس کے نزدیک اخلاق و مصالح میں کوئی تقابل نہ تھا اور ہر موقع پر مصالح کو اصول پر ترجیح حاصل تھی وہ ہر وقت بڑے سے بڑے مذہبی اصول، شرعی حکم، اخلاقی تعلیم کو ایک شخصی منفعت یا قومی مصلحت پر قربان کرنے کے لیے تیار رہتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک خاص قسم کی محدود معاشی ترقی کے ساتھ ایک عام اخلاقی انحطاط اور بے اصولی پھیلی۔ بیسویں صدی کے اس نصف اول میں ہندوستان میں ہمیں مسلمانوں کے کیرکٹر میں پہلے کے مقابلے میں نمایاں اور محسوس انحطاط نظر آرہا ہے جو ہر سوچنے سمجھنے والے مسلمان کے لیے حد درجہ تشویش ناک ہے اب ایک اصول اور مذہبی اعتقاد کے مقابلے میں ذاتی ترقی یا شخصی فوائد کے قربانی کی مثالیں کم سے کم تر نظر آتی ہیں۔ وہ بھی زمانہ گذشتہ کی یادگار ہیں جو بہ سرعت رو بزوال ہیں۔ اب تمام مسائل زندگی پر ایک تعلیم یافتہ مسلمان کا طرز فکر اور زاویۂ نگاہ خالص مادہ پرستانہ اور تاجرانہ ہے۔ وہ یہ دیکھتا ہے کہ اس کام میں اس کے لیے کتنی مالی منفعت ہے یا اس کو کس قدر جاہ و اعزاز حاصل ہوگا اس بات سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ وہ شرعاً اس

کے لیے جائز اور اخلاقاً مستحسن ہے یا نہیں بلکہ اس کا اپنا ضمیر بھی اس سے مطمئن ہے یا نہیں۔ یہ سوالات مسلمانوں کے دماغوں سے ایک عرصہ سے بالکل نکلتے جا رہے ہیں یا ان کی اہمیت کم ہو گئی ہے اور ان کی بنا پر کسی مسلمان کو کسی عہدہ یا منفعت یا اعزاز کے قبول کرنے میں قلب و ضمیر کی رکاوٹ کم سے کم پیش آتی ہے خواہ وہ شریعت میں مطلقاً حرام اور اخلاقاً معیوب ہو اور اس کا ضمیر ایک لمحہ کے لیے بھی اس سے مطمئن نہ ہو۔ بلکہ اب اس کو ایک قومی خدمت سمجھا جاتا ہے اور اسی نقطۂ نظر سے اس کو دیکھا جاتا ہے۔ کیوں کہ یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ جو روپیہ کسی جائز یا ناجائز طریقہ پر کسی فرد کی جیب میں آتا ہے اور اس کے بچوں اور متعلقین کی خوش حالی کا سبب بنتا ہے وہ گویا قومی فنڈ میں جمع ہوتا ہے اس لیے کہ سب مسلمان ہیں اور ایک مسلمان کی خوش حالی یا چند افراد کی خوش حالی خواہ وہ کسی قدر ولت اور احکام مذہبی کی صریح مخالفت کے بعد ہی ہو قومی خوشحالی کے مرادف ہے۔

اس ذہنیت دسیرت اور اس عام اخلاقی انحطاط اور کیرکٹر کی کمزوری کا اثر مسلمانوں کی زندگی کے تمام شعبوں پر پڑ رہا ہے اور افسوسناک بات یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کا عیب نظر نہیں آتا بلکہ اس پر بحث کی گنجائش بھی بہت کم رہ گئی ہے اس کا نتیجہ وہ عام بے اصولی تناقض اور اخلاقی کمزوریاں ہیں، جن کی مثالیں ہمیں ہر جگہ ملتی ہیں۔ ہمارے مسلمان اخبار و رسائل میں (ماشاء اللہ) ہر قسم کا خلاف تہذیب اشتہار شائع کرایا جا سکتا ہے اگر اس کی قیمت ادا کر دی جائے۔ ادبی رسائل میں ہر قسم کے مخرب اخلاق، حیا سوز عریاں مضمون و افسانے و اشعار شائع ہو سکتے ہیں یہ بے حیائی اور اخلاقی بے نظمی کی ہر تحریک کے لیے وہ آلہ بن سکتے ہیں۔ بدتر سے بدتر فواحش کی اشاعت ان کے ذریعہ سے کی جا سکتی ہے۔ اگر ان کو اس راستے سے اپنے رسالے کی کامیابی اور مقبولیت کا ایک فی صدی بھی امکان نظر آئے تو ایسی صورت میں وہ اس کی ہرگز پرواہ نہ کریں گے کہ ان کی اس حرکت سے خلق خدا کی اخلاقی ابتری اور انحطاط کا ۹۹ فی صدی امکان ہے یہ بھی ممکن ہے کہ ان اخبارات و رسائل کے مالک و اڈیٹر ذاتی طور پر شریف مسلمان ہوں اور وہ اصولاً ان چیزوں کو درست نہ سمجھتے ہوں۔ لیکن اگر آپ اس مسئلے پر ان سے گفتگو کریں گے تو وہ صاف کہہ دیں گے کہ تجارت و صحافت میں اصول مذہب اور اخلاق کی پابندی نہیں کی جا سکتی۔

— اخبارات کسی اصول اور صحیح مسلک کی ترجمانی اور صحیح خیالات و افکار کی اشاعت کے

بجائے اپنے قارئین — اور عوام کے خیالات و خواہشات کی ترجمانی کو اصل صحافت سمجھتے ہیں۔
وہ عوام کی ناراضی اور بددلی کو ایک منٹ کے لیے بھی برداشت نہیں کر سکتے اور ان کی خوشی اور اپنے
اخبارات کی مقبولیت و اشاعت کے لیے ہر قسم کی بے اصولی ہر طرح کے تناقض اور ہر درجہ کے ابتذال
کو گوارا کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے مذاق سلیم فکر صحیح اور اخلاق قومی پر یہ اخبارات بڑی طاقت کے ساتھ
اثر انداز ہیں اور مسلمانوں کے افکار و خیالات میں جو عام بے ربطی و تناقض، عام ذہنی انتشار
اور اشتعال پذیری پائی جاتی ہے۔ اس میں میرے نزدیک ان اخبارات کا بڑا حصہ ہے۔

مسلمان اہل علم اور اہل قلم کو آپ ہر کام پر لگا سکتے ہیں اگر اس کا خاطر خواہ معاوضہ آپ ان
کو ادا کریں۔ ان سے خود ان کے خیالات و افکار کے خلاف سب کچھ لکھوا سکتے ہیں۔ لکھوا سکتے ہیں اور
شائع کروا سکتے ہیں، اگر اس کی قیمت ادا کر سکیں بڑے بڑے سنجیدہ اور ذی علم اہل قلم و اخبار نویس بعض
پرجوش اسلامی نظمیں لکھنے والے شاعروں سے ایسے پروپیگنڈے کے کام لیے جا سکتے ہیں جس
سے وہ خود بھی متفق نہیں ہیں۔ اگر آپ ان سے اس بارے میں استفسار کریں گے تو وہ آپ کو جواب
دیں گے کہ۔ اس میں کونسا مذہبی یا قومی نقصان یا شرعی گناہ ہے۔؟ یہ تو ایک بزنس ہے ایک
شخص ہم کو معاوضہ دیتا ہے اور ہم اس کے بدلے میں اس کو ایک تقریر یا مضمون تیار کر دیتے ہیں
گویا ضمیر فروشی بھی ایک شریفانہ تجارت اور تعاون علی الاثم والعدوان۔ (گناہ اور
زیادتی پر مدد کرنا) خود کوئی گناہ نہیں۔ حالانکہ یہ دماغی و مذہبی بیوائی اس بیسوا عورت کے گناہ
سے بدتر ہے۔ جو اپنا جسم کرایہ پر چلاتی ہے۔

جب سے مسلمانوں پر مغربی طرز کی تربیت کا غلبہ ہوا ہے وہ ہر چیز کو قومی ترقی اور قومی مفاد کے
نقطہ نظر سے دیکھنے لگے ہیں اور جن چیزوں کا ارتکاب وہ ذاتی سربلندی اور شخصی منفعت کے لئے کرتے تھے اب
اس کو قومی مفاد کے لئے ضروری سمجھنے لگے ہیں مثلاً اب ان کیلئے ضروری ہو گیا ہے کہ تمام محکموں اور شعبوں میں ان
کا تناسب قائم رہے۔ خواہ وہ آب کاری کا محکمہ ہو یا جاسوسی کا سودی کاروبار کے نظام ہوں
یا فی سبیل الشیطان لڑنے والے نظام۔ غضب یہ ہے کہ وہ کام بھی جس کی حرمت مسلمانوں کے لیے
قرآن کی نص قطعی سے ثابت ہوتی ہے اور جس پر قرآن کی یہ دو آیتیں شاہد ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا

بلاشبہ جن لوگوں کی فرشتے اس حال میں جان نکالتے
ہیں کہ وہ اپنا برا کرتے ہوں ان سے فرشتے کہتے ہیں کہ تم
کس حال میں تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم ملک میں بے بس کر دیئے گئے

أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيرًا۔ (النساء)

وہ کہتے ہیں کہ ہم اس ملک میں بے بس تھے فرشتے کہتے ہیں کیا خدا کی زمین وسیع نہ تھی جہاں تم وطن چھوڑ کر چلے جاتے سو یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے لوٹنے کی۔

الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا۔ (النساء)

جو لوگ ایمان دار ہیں وہ جہاد کرتے ہیں اللہ کی راہ میں اور جو لوگ کافر ہیں وہ لڑتے ہیں شیطان کی راہ میں سو تم لڑو شیطان کے حامیوں سے در حقیقت شیطان کا فریب کمزور ہے۔

اس کو آئی قرآنی فساد اور مسلمانوں کے تناسب اور ان کے قومی تفوق کو برقرار رکھنے کے لیے جائز قرار دیا گیا اور بعض مسلمانوں ہی کی کوشش سے اس میں غیر معمولی کامیابی ہوئی اور ہو رہی ہے۔

ان تمام مثالوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ موجودہ ہندوستانی مسلمانوں کے نزدیک اصول و صداقت پر مفاد و مصلحت مقدم ہیں۔ اخلاقی معیار اور اخلاقی حقیقتیں ان کی نگاہ میں مقصود نہیں۔ اصل چیز وہ منافع اور فوائد ہیں جن کا حصول اپنی ذات، خاندان یا قوم کے لئے ضروری یا فائدہ مند سمجھا جاتا ہے۔ یہ ذہنی کیفیت اور سیرت ایک ایسی ملت کے لئے جو پیغمبروں کی تعلیمات اور اصول کی حامل اور مدینہ کے اخلاق و سیرت کو لے کر تمام دنیا کے لئے نمونہ و شاہد ہے۔

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ

اور اسی طرح کیا ہم نے تم کو امت معتدل تاکہ تم گواہ ہو لوگوں پر۔

حد درجہ نامناسب اور غیر مطابق ہے۔ اگرچہ ایک قوم خالص و قوم کے لیے بالکل مناسب اور عین مطابق ہے۔ اور اس کا مسلمانوں کو فیصلہ کرنا چاہئے کہ ان کی صحیح پوزیشن کیا ہے۔

یہ ذہنیت و سیرت ہمارے علم میں کم سے کم ہندوستان میں اس پچیس تیس برس کے عرصے میں نمایاں ہوئی ہے اور اس کو بڑا فروغ اس مغربی قوم پرستی اور موجودہ سیاسی جوش اور دنیاوی جذبے نے دیا ہے جو ان پچھلے برسوں میں مسلمانوں میں پیدا ہوا ہے ورنہ مسلمانوں کی پوری تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ انھوں نے اصول و اخلاق پر بڑے بڑے مصالح و منافع

کو ہمیشہ قربان کیا اور ایک اخلاقی اصول یا دینی حکم کی حفاظت کے لیے انھوں نے عظیم الشان سیاسی یا معاشی فوائد کو ٹھکرا دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جبلہ کے معاملے میں ٹھیک یہی طرز عمل اختیار کیا تھا جسے ایک خالص قوم پرست کے نقطہ نظر سے ایک بڑی سیاسی غلطی کہنا چاہیے صرف ایک شرعی حکم (قصاص) اور دینی اصول (مساوات) کے قائم رکھنے کی خاطر ان کو جبلہ جیسے با اثر والی ریاست اور غسان جیسے طاقتور قبیلہ کی امداد سے دست بردار ہونا پڑا مگر انھوں نے اس کے لیے اصول میں کوئی تبدیلی نہیں کی اس کا نتیجہ ہے کہ جبلہ سے ہزار درجہ بڑھ کر طاقتور فرمانروا اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے غسان سے ہزار درجے بڑی ریاستیں اسلام کے اثر میں آئیں اور شریعت اسلامی میں کوئی تحریف نہیں ہو سکی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کسی سیاسی مصلحت کی خاطر ادنیٰ درجہ کی بھی بے اصولی اور اخلاقی معیار سے انحراف قبول نہیں کیا اور اس کے لیے وہ تمام مشکلات قبول کیں جو ان کو اپنی خلافت میں پیش آئیں۔ مگر نظام خلافت میں کوئی تحریف نہیں ہونے دی۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کوئی سیاسی مصلحت اور قومی مفاد ایک ایسے نظام حکومت سے تعاون کرنے پر آمادہ نہ کر سکا جو ان کے نزدیک غلط اور ان کے اعتقاد و اصول کے خلاف تھا۔

ابھی نصف صدی پہلے جب مغربی تہذیب اور مغربی افکار ہندوستان میں مقبول نہیں ہوئے تھے ہندوستان مسلمانوں کا کیرکٹر اتنا مضبوط تھا کہ اعلیٰ قسم کے دینداروں کے علاوہ متوسط درجہ کے با اصول اور معتمد اشرفا بھی جھوٹ بولنا اپنے ضمیر اور اعتقاد کے خلاف کوئی کام کرنا یا کچھ کہنا کفر سے کم نہیں سمجھتے تھے۔ اور مر جانے کو اس پر ترجیح دیتے تھے بدایوں کے ایک بزرگ (جناب مولوی رضی اللہ صاحب) ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں ماخوذ تھے۔ کلکٹر جو ان کا شاگرد تھا اس نے ہزار کوشش کی کہ ایک مرتبہ مولوی صاحب اپنی زبان سے جرم کا انکار کر دیں تو ان کو صاف بری کر دے گا۔ لیکن انھوں نے آخر وقت تک جھوٹ بولنے اور اپنے ضمیر و اعتقاد کے خلاف کچھ کہنے سے انکار کیا اور سزا موت قبول کی۔

مولینا محبوب علی صاحب دہلوی نے ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں عام علماء کے مسلک سے کچھ اختلاف کیا بعد میں انگریزوں نے ۹ گاؤں صلہ میں دینے چاہے مگر انھوں نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ یہ میرا اجتہاد تھا میں نے کسی مصلحت سے اختلاف نہیں کیا تھا۔

سینکڑوں ہزاروں میں سے دو مثالیں تھیں شریف خاندانوں اور شرفا کی بستیوں میں جاکر پوچھئے تو اس قسم کی بہت سی مثالیں آپ سنیں گے۔

سیرت کی صلابت، اخلاق کی استقامت اور اصول کی پابندی کی ان مثالوں کا مقابلہ اس زمانے کی بے اصولیوں اور اخلاقی کمزوریوں، ضمیر فروشیوں اور مسلک و خیالات کی نیرنگیوں سے کیجئے تو آپ کو اس قومی انحطاط اور اخلاقی زوال کا اندازہ ہوگا جو مسلمان قوم میں نظر آرہا ہے۔ اور روز بروز سرعت کے ساتھ بڑھ رہا ہے۔ یہ مسلمانوں کی زندگی کا تاریک پہلو ہے جس کو دیکھ کر ایک حساس مسلمان کا دل خون ہوتا ہے۔ اور وہ اس تلخ نوائی پر مجبور ہو جاتا ہے جو اس کے لیے اور پڑھنے والوں کے لیے کوئی خوشگوار چیز نہیں۔

اخلاق و سیرت اس امت کے نظام جسم میں قلب کا درجہ رکھتے ہیں۔ لوگ تنومند و فربہ جسم کو دیکھ کر ... جسم کی صحت و طاقت کا حکم لگا دیتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ قلب کس قدر کمزور اور ماؤف ہے اور کس طرح بتدریج اس کی حرکت بند ہو رہی ہے۔ مسلمانوں کی ترقی کا اندازہ مردم شماری کے اعداد، ان کے قومی جوش، ظاہری تنظیم اور سرکاری عہدوں کے حساب سے لگانا بالکل غلط ہے۔ ایک با اصول دنیا کے لیے ایک پیغام رکھنے والی اور اخلاق و سیرت میں دنیا کی تمام قوموں کے لیے معیار بننے والی امت کی پیمائش کا ہرگز یہ صحیح پیمانہ نہیں۔ ضرورت ہے کہ دیکھا جائے کہ وہ اخلاق و اوصاف جو زندگی کے صحیح عناصر ہیں اور جن سے اس امت کا تشخص و امتیاز ہے وہ روبہ انحطاط ہیں یا روبہ ترقی اور اس کا اندازہ سرکاری کاغذات سے نہیں ہو سکتا۔ بلکہ مسلمانوں کی عام زندگی اور ان کے اقوال و افعال سے ہو سکتا ہے۔ بقول اکبر مرحوم ؎

نقشوں کو تم نہ جانچو لوگوں سے مل کے دیکھو
کیا چیز جی رہی ہے کیا چیز مر رہی ہے

# عالمگیر اور اصولی حیثیت سے غفلت

دو متضاد پیغام اس زمانے سے دنیا میں دو مقابل دعوتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک پیروی نفس اور انسان کی مکمل آزادی اور غیر ذمہ داری کی دعوت، اگرچہ اس میں صدہا قسم کی خامیاں شامل ہیں دوسرے انسان کی عبدیت اور اس کی خدا کے سامنے ذمہ داری و جوابدہی اور وحی و تعلیمات پیغمبر

کی پیروی کی دعوت، پہلی دعوت کا نام اسلام کی وسیع اصطلاح میں جاہلیت اور دوسری دعوت خود اسلام کی ہے۔ ان دونوں دعوتوں کی دنیا کی مختلف جماعتیں اور قومیں اپنے اپنے وقت میں علمبردار رہیں۔ ساڑھے تیرہ سو برس سے دوسری دعوت (اسلام) کی امامت قیامت تک کے لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرووں کے نام لکھ دی گئی اور پہلی دعوت کی قیادت وقتاً فوقتاً دنیا کی مختلف قومیں اور تہذیبیں کرتی رہیں۔ یہاں تک کہ تقریباً دو سو برس سے تقدیر الٰہی نے اس کی قیادت و امامت کا فیصلہ یورپ کی مسیحائی قوموں کے حق میں کیا اس وقت سے مسیحی (لیکن در اصل مادی) یورپ نے جاہلیت کی عالمگیر نمائندگی اور ایسی طاقت و اکمل کے ساتھ اس کی قیادت کی کہ اس سے صدیوں پہلے سے ہمارے علم میں کسی قوم نے نہیں کی تھی طبعی طور پر زندگی کے ہر شعبے اور تمدن دنیا کے تقریباً ہر میدان میں ان دونوں مقابل دعوتوں اور قوموں کے نمائندوں اور علمبرداروں کا تصادم پیش آیا لیکن مختلف علمی ذہنی اور سیاسی اسباب کی بنا پر جن کی وضاحت بہت تفصیل طلب ہے دوسری دعوت (اسلام) کے نمائندوں نے بعض اپنی کمزوریوں کی بنا پر پہلے کے مقابلہ میں شکست کھائی انکے اصلی وطن کے سرسبز اور اہم ممالک ان کے ہاتھوں سے نکل کر یورپین قوموں کے قبضے میں چلے گئے ان کا عالمگیر سیاسی اقتدار ختم ہو گیا سمندروں اور خشکی پر سے ان کا تعلق اٹھ گیا ان کی بین الاقوامی ساکھ جاتی رہی اور دنیا کے ہر حصہ میں اور خود اپنے ممالک میں بدترین قسم کی غلامی اور قومی ذلت کا سامنا کرنا پڑا پھر رفتہ رفتہ ان کے دماغ بھی مفتوح اور غلام ہونے لگے مغربی تہذیب نے اسلامی تہذیب پر حملہ کیا مسلمانوں کے قومی اوصاف اور اخلاقی محاسن جو ان کی سلطنتوں اور شاداب ملکوں سے زیادہ بیش قیمت تھے ایک ایک کر کے مٹانے شروع کیے اور ان کی جگہ بدترین انسانی عیوب اور اخلاقی کمزوریاں، جو بت پرست یونان و روم اور تاریک یورپ کے دور نشأۃ ثانیہ سے اس کے حصہ میں آئی تھیں ان پر مسلط کر دیں پھر انھوں نے مفتوحوں کے دین و ایمان پر حملے شروع کیے ان کی دینی تعلیمات اور ان کے اصول و احکام شریعت کا استہزا کیا ان کو لامذہب تثلیث پرست اور بعض اوقات ملحد و بے دین بنانے کی کوشش کی اور ان میں خود بڑی تعداد میں ایک ایسی با اثر جماعت پیدا کر دی جو ان کے دین و مذہب سے باغی تھی اور جو اندر اندر ان کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کی کوشش میں تھی غرض فاتح نے مفتوح کو ہر طرح سے غیر مسلح غیر منظم اور ناتواں کر دیا اور اس کے ہر سرمایہ اور ملکیت کو تاوان جنگ یا مال غنیمت میں وصول کرنے کی کوشش کی۔ فاتح نے اپنی ذہانت اور دور بینی سے اس حقیقت کا

پورے طور پر ادراک کیا کہ اس زمین کے اوپر مسلمان فطرۃً بڑھ کر اس کا کوئی حریف نہیں اس لیے یا تو اس نے اس حریف کا سر کچلنے کی کوشش کی اور جہاں اس سے یہ نہ ہو سکا وہاں اس نے اس حریف کو اپنا مستقل حلیف اور بدرجۂ مجبوری بے ضرر خادم بنانے کی کوشش کی۔

یورپ کی قوموں کے مقابلے میں مسلمانوں کی اس مکمل شکست، اس مغلوبیت و ذلت اور اس نقصان عظیم کا جو ان کو پہنچا، طبعی و نفسیاتی اثر کیا ہونا چاہئے تھا؟ ہر صحیح الفطرت، انسان کہے گا کہ مسلمانوں کے دل میں یورپ کی قوموں کی طرف سے سخت عناد اور جذبۂ انتقام پیدا ہونا چاہئے تھا اور ان کو بھی ان قوموں کو اپنا مستقل حریف، حقیقی مدمقابل اور عالمگیر دشمن سمجھنا چاہئے تھا، اور اس کی کوشش کرنی چاہئے تھی کہ وہ مقابل دعوت کی عالمگیر نمائندگی کی طاقت سے محروم ہو جائے اور اس کا اقتدار اس حد تک ختم ہو جائے کہ اس کی تحریک و دعوت میں کوئی کشش اور کمزور انسانوں کے لیے کوئی کشمکش باقی نہ رہے اور دنیا میں دو دعوتیں برابر کی باقی نہ رہیں۔ بلکہ صرف ایک دعوت رہے اور وہ دعوت الی اللہ —

حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ۔

یہاں تک کہ فتنہ (کفار کا غلبہ) باقی نہ رہے اور دین خالص اللہ کا ہو جائے۔

ان کی دعا یہ ہونا چاہئے تھی۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ۔

اے ہمارے پروردگار تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو آرائش اور دولتیں بخش رکھی ہیں اے ہمارے پروردگار نتیجہ یہ ہے کہ وہ تیرے راستے سے لوگوں کو بھٹکا دیں۔ اے ہمارے پروردگار ان کی دولتوں کو نیست و نابود کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے کہ وہ اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔

ان کو دنیا کے ہر حصہ میں یورپین تہذیب اور یورپین طاقت کو اس نظر سے دیکھنا چاہئے تھا کہ وہ دنیا میں جاہلیت کی علمبردار ہے اور اس کی قوت کی دجہ سے دعوتِ الٰہی کو فروغ نہیں ہوتا، ان کی نگاہ میں دنیا کا سب سے اہم مسئلہ یہی عالمگیر مسئلہ ہونا چاہئے تھا اور ہر مسئلہ اسی

مرکزی مسئلہ کا جز ہونا چاہیئے ان کو ہر ملک میں اپنے کو دعوت اسلام کا عالمگیر نمائندہ سمجھنا چاہیئے تھا اور ہر ملکی قومی سیاسی مسئلہ پر اسی نقطہ نظر سے غور کرنا چاہیئے تھا اور وہی طرز عمل اختیار کرنا چاہیے تھا جو اس عالمگیر دعوت کے نمائندوں کے شایان شان ہے ان کو کوئی ایسا موقف اختیار نہیں کرنا چاہیے تھا جس سے اس عالمگیر حریف اور اس جاہلی تحریک دعوت کو کسی قسم کی تقویت و امداد حاصل ہو، خواہ محدود ملکی مسائل اور وطنی و قومی مصالح کا تقاضہ کچھ ہو۔ ان کو کوئی ایسا طرز عمل اختیار نہیں کرنا چاہئے تھا جس سے اس نظام کی طرف ان کا میلان اور اس کے علمبرداروں کے ساتھ ان کا اتحاد اور محبت ظاہر ہو۔

وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ

اور ان لوگوں کی طرف مت جھکو جنہوں نے ظلم کیا ہے ورنہ تم کو بھی آگ لگ جائے گی اور اللہ کے مقابلے میں تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا اور کسی طرف سے تمہیں مدد نہ مل سکے گی۔

لیکن کس قدر حیرت و تأسف کا مقام ہے (وہ تأسف و تحیر جو بقول حضرت علیؓ قلب کو مردہ دماغ کو معطل اور غموں اور فکروں کو بڑھا دیتا ہے) کہ یہ عظیم الشان حقیقت مسلمانوں کی نگاہوں سے بالکل اوجھل ہو گئی ہے یہ مسئلہ اپنی اس مرکزیت اور عمومیت کے ساتھ ان کے ذہن سے صاف نکل گیا ہے۔ اپنی اور اپنے تاریخی اور مستقل عالمگیر حریف کی یہ صحیح پوزیشن ان کی نظر سے بالکل مخفی ہے دو سو برس کی خونچکاں تاریخ جو فتح و شکست اور واقعات و حوادث کا مرقع ہے ان کے حافظہ سے بالکل محو ہو گئی۔ وہ اس حقیقت کو واقعی بھول گئے ہیں کہ وہ اور مغربی قومیں دو متقابل دعوتوں دو متضاد نظام حیات اور دو متضاد تہذیبوں کے علمبردار ہیں اور اس طرح ایک ترازو کے دو پلڑوں کی طرح ہیں کہ جس قدر ایک نیچا ہوگا دوسرا اونچا ہوگا۔ ان میں سے ہر دعوت کے علمبرداروں کا وجود ان کا فروغ اور ان کی طاقت دوسری دعوت کے علمبرداروں کے لیے ایک مستقل مزاحمت ایک مسلسل خطرہ اور ایک مستمر کشمکش ہے۔ اس امر واقعی کا اہل خبر کو پورا شعور رہے۔ مگر افسوس کہ مسلمانوں کو اس کا احساس نہیں، اس حقیقت کو قرآن حکیم نے کس صراحت اور بلاغت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ

اے ایمان لانیوالو! تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ کہ تم انکی طرف محبت کا پیغام بھیجو اور دوستی کا اظہار کرتے ہو حالانکہ تمہارے پاس جو دین حق آچکا ہے

مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَن تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِن كُنتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي تُسِرُّونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنتُمْ وَمَن يَفْعَلْهُ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝ إِن يَثْقَفُوكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَأَلْسِنَتَهُم بِالسُّوءِ وَوَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ ۝

(ممتحنہ - ۱)

اس کے منکر ہیں اور رسول اور تم کو اس بنا پر کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان لائے ہو جلاوطن کرتے ہیں اگر تم میرے راستے پر جہاد کرنے کی غرض سے اور میری رضامندی کی طلب میں نکلے ہو تو ان سے تمہیں دوستی نہ کرنی چاہئے۔ تم ان سے چپکے چپکے دوستی کی باتیں کرتے ہو حالانکہ مجھے ان سب چیزوں کا اچھی طرح علم ہے جو تم چھپا کر کرتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو اور جو شخص تم میں سے ایسا کرے گا وہ راہ راست سے بھٹک گیا۔ اگر ان کو تم پر دسترس ہو جائے تو وہ کھل کر تمہارے دشمن ہو جائیں اور تمہاری طرف برائی کے ساتھ دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں وہ اس بات کے خواہشمند ہیں کہ تم کافر ہو جاؤ

اس موقع پر ایک مسلمان کا کیا طرز عمل ہونا چاہئے اور اس کے ایمان اور غیرت دینی کا کیا تقاضا ہے؟ اس کے لیے حضرت ابراہیمؑ اور ان کے متبعین کا نمونہ پیش کیا گیا ہے ایک ہی آیت کے بعد کہا گیا ہے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ

تمہارے لیے ابراہیم اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے ان میں عمدہ نمونہ ہے۔ جب انھوں نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن کو تم پوجتے ہو بیزار ہیں ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں تم میں عداوت اور بغض ظاہر ہو گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔

کتنی عجیب بات ہے کہ اہل کفر کو تو اس فرق و اختلاف کا احساس ہو اور اپنے دین و مسلک کے لیے محبت و غیرت زیادہ ہو اور وہ اپنے مخالفین سے کبھی اتحاد و موالات کے لیے تیار نہ ہوں مگر اہل ایمان ذرا سی مصلحت سے ان کے ساتھ موالات کرنے لگیں اس فرق کو بھی قرآن نے بیان کیا ہے۔

هَا أَنتُمْ أُولَاءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا

ہاں تم لوگ ایسے ہو کہ ان سے محبت کرتے ہو مگر وہ تم سے

تحبونکم — قطعاً محبت نہیں رکھتے۔

وَلَن تَرْضَىٰ عَنكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ (البقرہ)

تم سے یہودی اور عیسائی اس وقت تک راضی نہیں ہو سکتے جب تک تم انکے مذہب کے بالکل پیرو نہ ہو جاؤ۔

اس تفصیل و وضاحت کے ساتھ نہ سہی لیکن اجمالی طور پر مسلمانوں کے دلوں میں اب سے کچھ مدت پہلے تک بے دین لا مذہب یورپ اور اس کے حیوانی تہذیب و نظام کے لیے نفرت موجود تھی۔ کافر فرنگی۔ نفرت و حقارت کے لیے ضرب المثل تھا لیکن ہم کو اس حقیقت کا برملا اظہار کرنا چاہیے کہ اس چالیس برس کے عرصے میں مغربی تعلیم و تہذیب نے تبدریج اس نفرت کو کم کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ نفرت کے بجائے رغبت پیدا کر دی اس تبدیلی کی پوری ایک تاریخ ہے پہلے اس نے مسلمانوں میں احساس کمتری پیدا کیا، مغرب کا بالعموم تفوق ذہن پر قائم کیا۔ اس کا پورا نظام نہایت خوشنما اور آراستہ کر کے دکھایا۔ پھر اس کی محبت کو قلب و دماغ کی گہرائیوں میں اس طرح اتار دیا کہ تعلیم یافتہ مسلمان کے لیے اس سے انحراف مشکل ہو گیا۔ یہاں تک کہ سیاسی طور پر اگر اس کو اس سے اختلاف بھی ہو تو ذہنی اور تہذیبی حیثیت سے اس کا رابطہ اس سے قائم رہتا ہے۔ رفتہ رفتہ مسلمان کی ذہنیت اتنی تبدیل ہو گئی کہ اس کو دنیا میں اگر کوئی حلیف اور سرپرست نظر آتا ہے تو صرف یورپین طاقت! اس نے اس حقیقت سے آنکھیں بند کر لیں جو روز روشن کی طرح ہے کہ اس کا اصلی اور عالمگیر حریف جس سے پہلی صدی ہجری سے اس چودھویں صدی ہجری تک مسلسل معرکہ آرائی رہی اور جو دنیا کی قیادت اور اس کی تعمیر نو میں اس کا اصلی رقیب اور مزاحم ہے وہ یورپ ہے۔ اس نے اس نکتہ کو بالکل نہیں سمجھا کہ جب تک یورپ کا سیاسی اقتدار دنیا میں قائم ہے۔ اس وقت تک دین کی دعوت پورے طور پر سرسبز نہیں ہو سکتی اور اس میں وہ طاقت جذب و کشش نہیں پیدا ہو سکتی۔ جس کی وہ مستحق ہے۔ جب تک یورپ تنہا دنیا کے لیے مقتدا اور پیشوا ہے اس وقت تک انسانی محاسن و فضائل اور اسلام کے معیار اخلاق کو فروغ نہیں ہو سکتا اس لیے اسلام کی اور بالتبع انسانیت کی عین مصلحت یہ ہے کہ یورپ کو منصب قیادت سے معزول کرنے کی کوشش کی جائے اور چونکہ مسلمان ہی دنیا کے اخلاق اور صلاح و فساد کے ذمہ دار ہیں اور وہی دنیا کے محتسب ہیں اس لیے یورپ کو اس منصب سے ہٹانا تنہا ان ہی کا فریضہ ہے اور یہ مسلمانوں ہی کا منصب ہے کہ یورپ کو رہنمائی و سرداری کے مقام سے ہٹا کر دنیا کی زمام قیادت خود سنبھالیں۔

لیکن افسوس ہے کہ مسلمان ان مسائل پر اس نقطۂ نظر سے غور ہی نہیں کرتے اور انکو اپنی صحیح حیثیت کا احساس ہی نہیں وہ یورپ کو پورے طور پر بے نقاب ہونے کے بعد بھی پہچان نہیں سکے ان کی نظر اب بھی محدود اور کوتاہ ہے اور وہ قومی مصلحتوں اور محدود جغرافی مسائل میں اس عالم گیر ضرورت کو بھولے ہوئے ہیں ۔ اور وہ بہترین فرصت ضائع کر رہے ہیں جو تاریخ میں صدیوں میں پیش آتی ہے ۔

## بے عملی و بزدلی

(۲) مسلمانوں پر اس وقت ایک نظر ڈالنے سے ایک عام ذہنی و نفسی کیفیت نظر آتی ہے ۔ جسے پورے طور پر الفاظ میں ادا کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے ۔ لیکن شائد قریب تر الفاظ یہ ہوں کہ " کچھ کئے بغیر سب کچھ پا جانے کی خواہش " گویا استعارہ کی زبان میں مسلمان بیٹھے بیٹھے شطرنج کی ایسی چال چلنا چاہتے ہیں کہ دفعتاً بازی مار لیں اس میں شک نہیں کہ مسلمان سیاست میں دیر میں آئے ۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ انھوں نے سیاست کا مفہوم محض انجمن آرائی تجاویز کی منظوری ، اظہار رائے اور زیادہ سے زیادہ اظہار ناراضگی سمجھا ، جس سیاست کی بنیاد آج سے ۳۰ - ۴۰ سال پہلے پڑی تھی اس کا مزاج اور خمیر مسالم تر یہی تھا ۔ بلکہ درحقیقت یورپ میں بھی اس وقت (جب انتخابی اور جمہوری زندگی کا آغاز تھا) سیاست کا مفہوم اس سے کچھ زیادہ نہ تھا ۔ مگر اس کے بعد سے تمام دنیا کے حالات بہت سرعت کے ساتھ بدل گئے اب سیاست نام جد وجہد اور ایثار و قربانی کا ہے ۔ مگر مسلمانوں میں تبدیلی بہت دیر میں واقع ہوتی ہے اور عجیب بات ہے کہ ان کا سب سے زیادہ بدلنے والا طبقہ سب سے کم بدلنے والا ہے ۔ اور سب سے زیادہ متحرک اور ترقی پسند جماعت سب سے زیادہ جامد اور ساکن واقع ہوئی ہے چنانچہ تحریک خلافت کے چند سالوں کو مستثنیٰ کر کے مسلمانوں کی پوری سیاسی تاریخ محض جلسوں تقریروں ، تجاویز بیانات ، وفود اور یادداشتیاں (میمورنڈم) کی روداد ہے انھوں نے مغربی سیاست کا جو سبق یاد رکھا ہے وہ صرف یہ کہ سیاست نام ہے دماغی ذہانت قانونی قابلیت سیاسی حاضر دماغی اور حسن تقریر کا ۔ لیکن وہ بھول گئے ہیں کہ یہ مجلسی (پارلیمنٹری) سیاست کے لیے تو مفید ہے مگر خارجی اور عملی سیاست اور انقلابی جد وجہد کچھ اور چاہتی ہے اور کبھی کبھی اس کی ضرورت بھی پیش آتی ہے ۔

اس تربیت کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں اتنی ذہنی پستی پیدا ہو گئی ہے کہ وہ شماتت (دشمن کی مصیبت پر خوشی) پر اتر آتے ہیں ۔ تربص حد سے بڑھ گیا ہے گردش زمانہ کا انتظار ان کا شیوہ

ہو گیا ہے۔ اخلاقی طاقت اتنی کمزور ہو گئی ہے کہ وہ دوسروں کی جرأت وجانبازی اور ایثار وقربانی کا اعتراف بھی نہیں کر سکتے اور اس کے ماننے کے لیے بھی تیار نہیں کہ کوئی قوم کسی صحیح یا غلط مقصد کے لیے کوئی قربانی کر رہی ہے چہ جائے کہ ان میں اس سے اپنے صحیح اور بلند مقصد کے لیے جدوجہد اور قربانی کا جذبہ پیدا ہو

یہ صورت حال بھی تشویش کی باعث ہے اس کا سبب یہ ہے کہ مسلمانوں پر اپنی کمزوری اور ناتوانی کا احساس اتنا طاری کر دیا گیا ہے کہ وہ اپنے کو کسی جدوجہد اور قربانی کا اہل نہیں سمجھتے اور کسی قسم کے خطرات کے لیے قطعاً تیار نہیں۔ انھوں نے یقین کر لیا ہے کہ مسلمان خربوزے کی طرح ہیں۔ جس کے لیے ہر حال میں خطرہ ہی خطرہ ہے۔ اس لیے نہ وہ چھری پر گرنے کو تیار ہیں اور نہ چھری کو اپنے اوپر گرنے دینا چاہتے ہیں نیز ان کو دوسری طاقت پر اعتماد کرنے کا ایسا عادی کر دیا گیا ہے کہ وہ خدا پر بھروسہ کرنے اور اعتماد علی النفس کی دولت سے محروم ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ صورت حال وقتی اور عارضی نہیں ہے - اندیشہ ہے کہ کہیں ان حالات میں مسلمانوں کی مجاہدانہ روح اور ان کا جذبہ سرفروشی ایک مدت طویل کے لیے سرد نہ ہو جائے اور وہ توکل علی اللہ اور پھر اعتماد علی النفس کے جوہر سے محروم نہ ہو جائیں۔ یہ مسلمانوں کا اتنا بڑا نقصان ہے کہ اس کی تلافی آسانی سے ممکن نہ ہو گی۔

مسلمانوں کو اپنے آپ سے مایوسی اور اعتماد علی الغیر، اپنی کمزوری کا ضرورت سے زیادہ احساس اور دوسروں کی طاقت کا ضرورت سے زائد اندازہ، اور اقلیت واکثریت کے مسائل سے شب وروز کا یہ انہماک، انگریزی تعلیم و تہذیب اور مغربی سیاست کا نتیجہ ہے جو مسلمانوں کو ایک جامد قوم دیکھنے کی عادی ہے اور جو اعداد کے طلسم سے کسی طرح نکل نہیں سکتی اور جو ایمان و توکل کی دولت سے محروم ہے اس زہر کا تریاق قرآن و حدیث کی اشاعت ہے۔ جب تک مسلمان کی سیاست قرآن و حدیث پر مبنی تھی اور اس کے دماغ و دل اور روح پر ان کا اثر تھا۔ اس میں اتنا عزم و توکل اور خدا کے وعدوں پر اتنا بھروسہ تھا کہ اس سے خارق عادت واقعات صادر ہوتے تھے۔ محمد بن قاسم فاتح سندھ اور طارق بن زیاد فاتح اندلس کے واقعات کے یاد دلانے کی ضرورت نہیں۔ قرآن کی آیت ہے۔

لَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ۔

نہ سست پڑو اور نہ غمگین ہو، تمھیں بالا و برتر ہو اگر تم مومن ہو۔

اور :-

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ

کتنی ہی چھوٹی جماعتیں اللہ کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آگئیں اور اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔

جن لوگوں کے سامنے رہتی تھیں اور ان کا اس پر ایمان تھا انھوں نے مٹھی بھر جماعتوں سے ملکوں کو فتح کرلیا اور وہاں کی تہذیب، زبان و معاشرت کو بالکل بدل دیا۔ آج بھی صرف قرآن و حدیث کی اشاعت ہی مسلمانوں میں اعتماد اور تغلب کی طاقت پیدا کرسکتی ہے۔

صحابہ کرام اور مجاہدین اسلام کے حالات و واقعات کی اشاعت بھی اس نقطۂ نظر سے بہت ضروری ہے خصوصاً ماضی قریب کے عالی ہمت مجاہدین کے سوانح و حالات مثلاً حضرت سید احمد شہید۔ مولانا اسمٰعیل شہید، شیخ سنوسیؒ، محمد بن عبدالکریم ریفی نے قریب تر ماضی میں نہایت قلیل طاقت اور ذخائر کی بہت تھوڑی تعداد کے ساتھ بڑی سلطنتوں کا مقابلہ کیا اور ایمان کی طاقت اور عزم و توکل کا اعلیٰ مظاہرہ کیا جو لوگ سیاسی تحریکوں سے ہٹ کر مسلمانوں میں تعمیری اور تعلیمی کام کر رہے ہیں ان کو اس ضرورت کی طرف جلد متوجہ ہونا چاہیے کہ یہ مسلمانوں کی کسی سیاسی خدمت سے کم اہم کام نہیں ہے، بلکہ یہ مسلمانوں کی سیاست کی صحیح بنیاد ہے اور اسی پر ان کے مستقبل کی تعمیر ہوگی۔

## غیر مشروط اطاعت

(۴) مسلمانوں کا ایک بہت بڑا جوہر جس نے کسی غلط چیز کو عام طور پر مسلمانوں پر مسلط ہونے سے روکا اور قیادت کی کسی کمزوری سے یا شخصی رائے اور فیصلہ کی غلطی کی وجہ سے ان کو ہلاک ہونے سے محفوظ رکھا۔ وہ ان کی آزادی رائے اور آزادی ضمیر کا جوہر یا غلط چیز سے انکار کر دینے کی طاقت اور شریعت کا یہ زریں اصول تھا کہ۔

لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق — خدا کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت صحیح نہیں۔

اسی کا مظاہرہ تھا کہ حضرت عمرؓ کو برسر منبر ایک بڑھیا اور عرب کا ایک بدو ٹوک دیتا تھا اور اس کے سامنے وہ سر جھکا دیتے تھے اور اسی کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کی شخصی سلطنت کے بڑے سے بڑے دور استبداد و جبر میں بھی مسلمانوں کی آزادی رائے کبھی سلب نہیں ہوئی اور بادشاہوں کے غلط فیصلوں اور خلفاء کی غلطیوں کے خلاف علمائے وقت نے ہمیشہ آواز بلند کی جس سے

دین و شریعت اور مسلمانوں کے عام مزاج و طبائع میں تحریف نہیں ہو سکی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سعید بن المسیبؒ حسن بصریؒ سعید بن جبیرؒ امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ کے واقعات تاریخ اسلام میں روشن رہیں گے۔

اسلام میں مطلق و غیر مشروط اطاعت صرف اللہ و رسول کی ہے۔ باقی کسی انسان کی اطاعت غیر محدود اور غیر مشروط نہیں ہے۔ بلکہ اس کی اطاعت اس وقت تک ہے جب تک وہ اللہ و رسول کی اطاعت کرتا ہے کسی خلاف شریعت فیصلہ اور کسی ایسے حکم کی تعمیل میں جس سے دین اور امت کو یقینی طور پر نقصان پہنچتا ہو اطاعت جائز نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مجاہدین کی ایک جماعت پر ایک صحابی کو سردار بنایا اور لوگوں کو اس کی اطاعت و تعمیل حکم کی تاکید کی۔ راستہ میں سردار کو اپنے ساتھیوں سے کچھ شکایت پیدا ہو گئی۔ اس نے لوگوں کو حکم دیا کہ لکڑیاں جمع کرو، پھر اس میں آگ لگائی اور الاؤ تیار کیا۔ پھر لوگوں سے کہا کہ تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری اطاعت و تعمیل حکم کی تاکید نہیں کی تھی؟ لوگوں نے اقرار کیا۔ اس نے کہا تو پھر میرا حکم ہے کہ اس آگ میں کود پڑو۔ لوگوں نے اس سے انکار کر دیا اور کہا کہ خودکشی حرام ہے۔ اور فعل حرام میں آپ کی اطاعت ہمارے لیے ضروری نہیں۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی آپ نے لوگوں کے کام کی تصویب فرمائی اور فرمایا کہ اگر یہ لوگ اس آگ میں کود جاتے تو ہمیشہ اسی میں رہتے۔ لیکن اب چند سالوں سے مسلمانوں میں سیاسی شخصیت پرستی اس درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ وہ اپنے قائدوں کے احکام اور فیصلوں کی کسی قسم کی تنقید کے لیے تیار نہیں اور ہر غلط اور صحیح حکم کی تعمیل اور اس کی توجیہ و تاویل اپنا اسلامی فریضہ سمجھنے لگے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قائد کے احکام کی تعمیل بھی ضروری ہے اور مسلمانوں میں رائے و اختلاف کی آزادی بعض دور میں بے اعتدالی، اور نوعیت (انارکی) یا خارجیت کی حد تک پہنچ گئی ہے۔ لیکن جب قائد مسائل اسلامیہ میں اسے بصیرت اور رسوخ نہ رکھتا ہو اور سیاست اسلامی میں تقویٰ و تدین کے ساتھ تفقہ و اجتہاد کی قابلیت اس کو حاصل نہ ہو اس وقت اپنے کو کَالْمَيِّتِ فِي يَدِ الْغَسَّالِ (مردہ بدست زندہ) کے طور پر اس کے حوالے کر دینا صحیح نہیں ہے۔ اور بڑے عظیم دینی و سیاسی خطرات کا باعث ہے۔

# ابتذال و اشتعال

(۵) یہ چند کمزور پہلو ہیں جو ہم کو اس وقت لکھے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی قومی سیرت میں نمایاں نظر آتے ہیں اور جو سیاسی جماعتوں اور مسلکوں کی حمایت یا مخالفت کے جذبہ سے بالکل علیحدہ ہو کر پیش کئے گئے ہیں ان کا محرک اسلامی احساس اور درد دل کے سوا کچھ نہیں۔ اسلامی جرائد و رسائل سے گزارش ہے کہ وہ اس مضمون کو بجنسہ یا اختصار کے ساتھ شائع کر کے ایک بڑی اسلامی خدمت انجام دیں یا ان مقاصد و عرضداشت کو (خواہ کچھ تنقید اور اختلاف کے ساتھ) اپنے طور پر اپنے الفاظ و مضامین میں پیش کریں۔

صحیح تعلیم اور اخلاقی و ذہنی سیاسی تربیت کی کمی اور خود غرض عہدہ طلب رہنماؤں کی ناعاقبت اندیشی اور بے ضرورت اشتعال انگیزی کی وجہ سے نیز صحافت و سیاست و ادب کی پستی اور سوقیانہ طرز تحریر کی وجہ سے ایک عرصے سے ابتذال و اشتعال ہندوستانی مسلمانوں کا عام مزاج بن گیا ہے۔ حالات کی معمولی سی تبدیلی اور خفیف سی ناراضگی کے موقع پر دماغی توازن کھو دینا اور ضبط و اعتدال اور انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دینا اور ہر اختلاف میں مخالفت کی عامیانہ اور ادنی سطح پر آتر آنا۔ اور اختلاف رائے رکھنے والوں کی مذمت اور ہجو میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھنا اور لغت کا وہ سارا ذخیرہ جس کو میر جعفر زٹلی اور سودا نے بھی ہاتھ نہیں لگایا بے تکلف استعمال کر دینا ایک قومی شعار بن گیا ہے۔ اللہ آخری حجت برسول میں کتاب و شریعت اور اسوۂ رسول رکھنے والے مسلمانوں نے جو ولا یجرمنکم شنآن قوم علیٰ ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی (لوگوں کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کرنے پائے کہ تم انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دو انصاف کرو وہ خدا ترسی کے زیادہ قریب ہے۔) اور ولا تنابزوا بالالقاب (اور ایک دوسرے کو برے لقب سے نہ پکارو) کے مخاطب تھے۔ ابتذال و اشتعال اور باہمی اہانت و تذلیل کا وہ نمونہ پیش کیا ہے جو تمام عیوب و نقائص کے باوجود یورپ کے جاہل اور منکر خدا قوموں اور ہندوستان کے خدا ناشناس اور آخرت فراموش ہندوؤں میں نہیں مل سکتا۔

جیسا کہ عرض کیا گیا اس کا ایک سبب صحیح تعلیم کی کمی اور اخلاقی و ذہنی و سیاسی تربیت کا افسوسناک فقدان ہے۔ جو لوگ سیاسی تلاطم اور طغیانیوں کی وجہ سے سطح پر آگئے ہیں۔

ان میں سے اکثر تعلیم یافتہ مستقل مزاج اور دینی تعلیمات سے محروم ہیں۔ قوم بھی عرصہ دراز سے دینی تعلیم اور اخلاقی تربیت سے محروم چلی آرہی ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس بارے میں مزاجوں کا پیدا توازن ہے اور متاع کاروان کے ساتھ کاروان کے دل سے احساس زیاں بھی رخصت ہوتا ہے۔

آج ہندوستانی مسلمانوں کی زندگی میں سیاست وقومیت کی جو اہمیت اور ان کے قلب ودماغ اور اعصاب پر سیاسی حالات واختلافات کا جو اثر ہے اس سے زیادہ گزشتہ دور میں مسلمانوں کی زندگی اور ان کے قلب ودماغ پر دینی مسائل واختلاف کا اثر رہ چکا ہے سیاسی مسلکوں اور جماعتوں نے ان کی زندگی اور دلچسپیوں میں ابھی اتنی وسیع جگہ نہیں گھیری اور اتنی سنجیدگی اور گہرائی نہیں حاصل کی جتنی اس دور کے بعض معرکۃ الآرا مسائل کو حاصل رہ چکی ہے۔ علمی ودرسی حلقے انھیں مباحث ومناظروں سے گرم تھے۔ گھروں میں یہی چرچے تھے۔ مجلسوں میں یہی تذکرے۔ لیکن اس وقت کا پورا علمی ذخیرہ ہمارے سامنے ہے اور وہ شہادت دیتا ہے کہ انھوں نے کبھی ضبط واعتدال کا اور ثقاہت ووقار کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور رکاکت وابتذال کی اس سطح پر نہیں آئے جس سطح پر اس وقت کے بلند پایہ اہل سیاست آچکے ہیں۔

اس سلسلے میں سیاسی رہنماؤں پر بڑی ذمہ داری ہے ان میں سے ایک جماعت قومی جوش اور کسی سیاسی مسلک وخیال کی حمایت میں اور ایک جماعت محض اپنے ذاتی اغراض وجاہ واعزاز کے لیے اپنی مخالف جماعت یا قیادت کو نیچا دکھانے کیلئے بڑی بے دردی کے ساتھ عوام کے جذبات اور ناواقفیت کو استعمال کرتی ہے۔ اور قوم کے اعصاب کو بے جان ڈوریوں کی طرح کھینچتی اور ڈھیلا کرتی رہتی ہے۔ موقع بے موقع اشتعال وہیجان پیدا کر کے عوام کے ہاتھوں اپنے مخالفوں کی تذلیل واہانت کراکے اخبار نویسوں کے قلم سے اور مقرروں کی زبان سے بیجا طنز کے مبتذل اور اشتعال انگیز الفاظ استعمال کراکے قومی مزاج ومذاق کے بگاڑ کا سامان کرتی ہے۔ اور نادان بے تربیت قوم کے فرزندوں کے ہاتھ میں گویا دھاردار اور خطرناک اوزار دیتی ہے جن کے متعلق یہ کبھی اطمینان نہیں کیا جاسکتا کہ وہ کب اور کس موقع پر ان کو استعمال کریں گے یہ حضرات وقتی جوش میں اس بات کو بالکل بھول جاتے ہیں کہ دوسرے وقت جب یہ عوام (جن کا ہمیشہ راضی رکھنا بہت مشکل ہے) ان سے ناراض ہو جائیں گے تو یہ سارے حربے اور الفاظ کا یہ سارا ذخیرہ ان کے خلاف صرف کریں گے۔

ان حضرات سے اس قومی جوش میں دو بڑی مہلک غلطیاں ہوتی ہیں ایک یہ کہ سیرت واخلاق

رائے کی گنجائش ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ اور جبر و بزورِ قوت ایسے مسائل میں جن پر کفر و ایمان و ہلاکت و نجات کا انحصار نہیں ایک نقطہ پر لے آنا چاہتے ہیں یہ فسطائیت اور خارجی ذہنیت دینی حیثیت سے بھی ایک فتنہ ہے۔ اور اس لحاظ سے بھی ایک خطرہ ہے کہ اس سے امت سے فکری استقلال اور اجتہاد و تنقید کی قوت سلب ہوتی ہے اور ملت پر ایک ذہنی جمود اور بے شعور تقلید کی فضا طاری ہو جاتی ہے ایسے جبری اور غیر طبعی وحدتِ خیال کی صورت میں اگر غلطی ہو جائے تو پھر قوم کی کشتی کو ڈوبنے سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ کہ صرف ایک ناخدا ہوتا ہے اور وہ دوسرے اشخاص جو ناخدائی کی صلاحیت رکھتے ہیں دست و پا بستہ اور پنبہ بہ دہن ہوتے ہیں، جو نہ بول سکتے ہیں نہ ہاتھ پاؤں چلا سکتے ہیں۔ امت مسلمہ کی راہ یقیناً نہ انتشار و خود رویت (انارکزم) کی راہ ہے نہ جبریت و فسطائیت (فیسزم) کی راہ۔

دوسری خطرناک غلطی یہ ہو رہی ہے کہ عوام کو غلط فہمی ہوتی جا رہی ہے کہ ان کی رائے اور خواہش اصل اور معیار ہے اور خواص اور اہلِ علم و اہلِ دین کو بھی اسی کے مطابق چلنا چاہیے وہ رہنماؤں، علماء اور اہلِ فکر کو اپنی رائے اور خواہشات کے مطابق چلانا چاہتے ہیں اور جو اس میں ذرا بھی تامل کرے اس کے لیے وہ بڑی سے بڑی سزا تجویز کرتے ہیں جو قرونِ وسطیٰ کا محکمہ احتساب (انکوزیشن) اپنے نزدیک ملاحدہ اور آزاد خیالوں کو دیا کرتا تھا۔ یہ عوام چاہ و ناچار مقتدی تو بن جاتے ہیں مگر مولانا محمد علی مرحوم کے بقول مقتدی بن کر نماز خود پڑھانا چاہتے ہیں اس غلط روی کی وجہ سے قومی و مذہبی زندگی میں جو ابتری و بے نظمی اور انتشار پیدا ہوگا اس کا تصور کرنا کچھ مشکل نہیں۔

سب سے بڑی ذمہ داری صحافت پر ہے صحافت قوم کی سب سے بڑی امانت ہے جس کے لیے بڑی خدا ترسی اور تربیت و اہلیت اور فنی قابلیت شرط ہے۔ گذشتہ دور میں مصلحوں اور ندیموں اور مبشروں اور وزیروں شاعروں اور بذلہ سنجوں اور ہمدم و دمساز رفیقوں اور دوستوں کو مزاجوں میں وہ درخور اور دل و دماغ پر وہ دسترس حاصل نہیں تھی جو اس وقت اخبار نویسوں کو قوم کے مزاج اور مذاق پر حاصل ہے شاعری، ادب و خطابت، وعظ و احتساب کی ساری طاقتیں صحافت کی طرف منتقل ہو گئی ہیں۔ اگر یہ صحیح ہاتھوں میں ہے تو پوری قوم کے مزاج اور مذاق کی اصلاح تصورات کی تصحیح اور اخلاقی تربیت اور ذہنی ترقی کے لیے اس سے زیادہ موثر و مفید۔ اور اس سے زیادہ وسیع اور عمومی راستہ نہیں اور اگر غلط ہاتھوں میں ہے تو

راس زہر کا تریاق نہیں۔

بدقسمتی سے بہت سے لوگوں نے صحافت کا پیشہ اختیار کرلیا ہے جن میں نہ دینی و اخلاقی اہلیت ہے نہ فنی استعداد۔ اصول و کردار کے لحاظ سے قطعاً غیر ذمہ دار، فن کے لحاظ سے خام نوشق اور ناآزمودہ کار۔ زبان و ادب کا معاملہ اہل زبان کے لیے بھی اتنا آسان نہیں جتنا سمجھا جا رہا ہے۔ محض الفاظ کی نشست ادب و صحافت نہیں۔ مناسب الفاظ کو مناسب محل پر استعمال کرنا اور الفاظ کا انتخاب بڑی مشق اور زبان کی قدرت کا طالب ہے۔ ہر زبان میں الفاظ کیلئے بھی مدارج اور گویا درجہ حرارت و برودت ہے۔ بعض الفاظ روزانہ اور ہر موقع پر استعمال ہو سکتے ہیں۔ بعض الفاظ کے صحیح استعمال کی برسوں میں نوبت آنی مشکل ہے وہ ایسے مواقع کے لیے وضع ہوئے ہیں جو شاذ و نادر پیش آتے ہیں اور ایسا اثر پیدا کرتے ہیں۔ جو اہم نتائج پیدا کرتا ہے۔ عام اور معتدل حالات کیلئے علیٰحدہ الفاظ ہیں۔ غیر معمولی اور انتہائی صورت حال کے لیے علیٰحدہ الفاظ ہیں۔ نوشق اخبار نویس یا مشتعل مزاج ادیب پہلے ہی موقع پر وہ آخری اور انتہائی الفاظ استعمال کر دیتا ہے جس کو واضعین لغت نے خاص مواقع کے لیے وضع کیا تھا۔ اور ایک ایسی غلط اور غیر واقعی فضا پیدا کر دیتا ہے جس کا وہ شخص یا صورت حال ہرگز مستحق نہیں جس کے لیے یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ معمولی غلطی یا معمولی اختلاف کے موقع پر بیزاری اور لعنت کے آخری الفاظ اور مدح کے موقع پر عقیدت و عظمت کے وہ القاب جو پیغمبروں اور اولیاء امت کے متعلق استعمال ہوتے ہیں سیاسی مسلک سے معمولی اختلاف رکھنے والوں کے لئے وہ الفاظ و کلمات جو یزید اور شمر کے لیے بھی اس امت کے محتاط لوگوں نے استعمال نہیں کئے۔ ان اخبارات کا دن رات کا کھیل ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ الفاظ اہمیت اور قوت کھوتے جا رہے ہیں۔ اور کم علم ناظرین کا خزانہ معلومات ایسے ہی الفاظ سے بھرتا جا رہا ہے اور وہ اپنی تقریروں تحریروں اور زبانی گفتگو میں ان کو بے تکلف استعمال کرتے ہیں اور روزآنہ زندگی میں ابتذال و اشتعال کا عنصر بڑھتا جا رہا ہے۔ اس غیر ذمہ دار غیر ثقہ اور ناقص صحافت کی وجہ سے بہت بڑی مقدار میں آنکھوں کے راستہ لاکھوں مسلمان ناظرین کے ذہن و دماغ میں، پھر قلب میں اور مزاج و مذاق میں روزانہ اور صبح و شام ایسا زہر پہنچ رہا ہے جس کا کوئی تریاق نہیں ہوتا۔ گنتی کے چند اخبارات و رسائل اس زہر کا تریاق بہم پہنچاتے ہیں تو قوم کی بدمذاقی

ابتذال پسندی اور تفریح طلبی کی وجہ سے ان کو وہ مقبولیت وعمومیت حاصل ہیں جس کے وہ مستحق ہیں ۔ یہ مسموم اد
صحافت قلب ونظر کو رفتہ رفتہ ایسا ماؤف کر دیتی ہے کہ کسی سنجیدہ معتدل اور صحیح چیز کو وہ پسند
نہیں کر سکتی اور اس کے قبول کرنے اور ہضم کرنے سے وہ مستقل طور پر معذور ہو جاتی
ہے بعض اخبارات ورسائل کو اس بارہ میں کمال حاصل ہے کہ کچھ مدت تک ان کو
پڑھتے رہنے سے دماغ میں ایک خاص قسم کی ایسی کجی پیدا ہو جاتی ہے کہ کسی صحیح اور متوازن
چیز کے نفوذ کرنے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی ۔ اور سیدھا سادہ اخبار بین دنیا کو، واقعات
کو اشخاص کو اور دینی مسائل واحکام کو اخبار نویس ہی کی نظر سے دیکھنے لگتا ہے۔

ادبی رسائل کا حال ان اخبارات سے برا ہے ۔ چند سنجیدہ علمی وادبی رسائل
کو چھوڑ کر سستے قسم کے کثیر الاشاعت رسائل جو نوجوانوں کے اخلاق اور زندگیوں کو اس
سے زیادہ تباہ کر رہے ہیں جتنا طاعون کو روبائی امراض کسی ملک یا بستی میں پھیل
کر انسانی نفوس کو تباہ کرتے ہیں ۔ یا چنگیز و ہلاکو اپنے مفتوحہ ممالک میں تباہی وہلاکت
پھیلاتے تھے ۔ دنیا نے شائد کبھی ایسا مجرمانہ اور ذلیل تجارت کا تجربہ نہیں کیا
ہوگا جیسا کہ اس کاغذی تجارت کا ہو رہا ہے ۔ جس کی قیمت قوم کو ماہوار یا ہفتہ وار
نوجوانوں کے اخلاق، جذبات اور صحت وزندگی سے ادا کرنی پڑتی ہے ۔
بداخلاقی، بدذوقی، عریانی وبے حیائی اور فسق ومعصیت کے یہ جراثیم گھر گھر پھیلے ہوئے
ہیں ۔ کوئی شہر قصبہ حتیٰ کہ دیہات پہاڑوں کی چوٹیاں اور چلتی ہوئی گاڑیاں بھی ان سے
محفوظ نہیں ہے حیائی کی اشاعت، حیوانی خواہشات وبرہنگی کا جوش اور
جنون پیدا کرنے اور فسق وفجور کو خوشنما اور دلپذیر بنانے اور سنجیدگی و
معقولیت وشرافت اور اخلاق کو بے وقعت اور قابلِ مضحکہ قرار دیتے ہیں
ان رسائل نے جو کامیابی حاصل کی ہے وہ آج تک کسی تحریک ودعوت کو حاصل
نہیں ہوئی ۔ اگر قوم میں اخلاقی شعور ہوتا ، تو وہ ان نامہ سیاہ سوداگروں
سے وہ سخت سے سخت محاسبہ کرتی جو سب سے بڑے قومی مجرمین سے کیا جانا
چاہیے ۔ لیکن وہ الٹی ان کی سرپرستی یا اپنی غفلت سے ان سے چشم پوشی کر رہی
ہے اگر کچھ عرصے تک یہی حال رہا تو قوم اخلاق کی اس سطح پر پہونچ جائے گی
جس پر فرانس اور یورپ کی بعض دوسری قومیں پہونچ گئی ہیں اور پھر اسلام کی،

دعوت دینا شروع کی تو الگ سے وہ کسی سنجیدہ اور تعمیری کام اور کسی صبر وجہد کے قابل بھی نہیں رہے گی فالی اللہ المشتکی وھو المستعان ۔ ([illegible] جلد سوم ۱۳۶۵ھ)

# سیاسیات حاضرہ میں دین کا اصلی مقام

مولانا محمد منظور نعمانی

کئی مہینے ہوئے ہمارے ایک بزرگ نے مسلم لیگ کے موجودہ سیاسی نظریہ کی حمایت میں ایک بیان دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ سب سے بڑا اور اشتعال انگیز جھوٹ جو اس وقت بولا جا رہا ہے یہ ہے کہ مسلمانوں کی مستقل قومیت سے انکار کیا جا رہا ہے۔

لیکن فی الحقیقت اس سے بھی بڑا اور بہت بڑا جھوٹ اور فریب یہ ہے کہ موجودہ انتخابی کشمکش اور سیاسی تنازعہ کو اسلام و کفر کی جنگ یا دین و لادینی کا معرکہ قرار دیا جا رہا ہے در حقیقت یہ اختلاف اپنی اصل و بنیاد کے لحاظ سے خالص قومی نقطۂ نظر رکھنے والے اور اسی نقطۂ نظر سے سوچنے والے ہمارے لیڈروں کے دو سیاسی نظریوں کا اختلاف ہے۔ اس میں کسی جانب سے بھی دین و مذہب کو گھسیٹنا اور دین اور اسلام کو فریق قرار دے کر اس کے نام پر مسلمانوں سے اپیلیں کرنا علاوہ جھوٹ اور فریب ہونے کے اسلام پر ایک طرح کا ظلم بھی ہے۔ اسلام اللہ کا مقدس دین ہے، وہ اس سے بالاتر ہے کہ ایسے گھٹیا مقاصد کے لئے فریق جنگ بنے پھر کیسی ستم ظریفی ہے کہ جو لوگ اس سیاسی معرکہ میں قائد اور کمانڈر ہیں وہ خود "دین" اور "دینیات" کو اگرچہ کوئی اہمیت اور وقعت نہیں دیتے مگر ان کے زیر کمان لڑنے والے پھر بھی اس جنگ کو اسلام و کفر کی جنگ قرار دیتے ہیں اور دین کے نام کی دہائیاں دے رہے ہیں۔ پنجاب کے میرے ایک دوست جو ہر طرح ثقہ اور قابل اعتماد ہیں اور دنیوی جاہ و منصب کے لحاظ سے بھی بہت بلند ہیں اور سیاسی مسلک کے لحاظ مسلم لیگی یا مسلم لیگ سے قریب تر ہیں خود انھوں نے راقم سطور سے اپنا یہ واقعہ بیان کیا کہ مسلم لیگ کے ایک لیڈر اعظم سے انھوں نے ایک ملاقات میں نماز کے لئے کہا اور نماز کی ضرورت اور دینی اہمیت ان پر واضح کی ——— سب کچھ سننے کے بعد ان لیڈر اعظم صاحب نے کسی قدر برافروختہ ہو کر انگریزی میں فرمایا

"کیا وقت کا تقاضا ان باتوں کے لئے ہے"۔ اس جواب کے بعد بھی ہمارے ان مبلغ دوست نے بطرز احسن اپنی تبلیغ جاری رکھی اور ان کو بتلایا کہ اسلام میں نماز کی اہمیت تمام دوسری چیزوں سے زیادہ ہے اور آپ چونکہ اس وقت قوم کے سب سے بڑے لیڈر ہیں اس لئے قوم بھی یہ چاہتی ہے کہ آپ نماز پڑھیں۔"

ان لیڈر اعظم نے یہ سب سننے کے بعد ایک خاص انداز سے فرمایا — "کیا مصطفےٰ کمال نماز پڑھتا تھا —" یہ بھی واضح رہے کہ گفتگو کرنے والے ہمارے یہ دوست کوئی مولوی ملا نہیں بلکہ اونچے درجے کے جدید تعلیم یافتہ اور عالی منصب شخص ہیں مگر ساتھ ہی بڑے پکے اور خدا پرست مسلمان بھی ہیں۔ اس واقعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے جو سیاسی لیڈر یہ انتخابی جنگ لڑا رہے ہیں بلکہ جن کے زیر ہدایت و قیادت یہ سارا ہنگامہ ہو رہا ہے ان کی نظروں میں دین کی کیا قدر و قیمت ہے پھر دین کی یہ ناقدری یکطرفہ ہی نہیں ہے بلکہ دوسری طرف بھی اس طرح کی افسوسناک اور عبرتناک مثالیں ملتی ہیں — ایک صحبت کا ذکر ہے کسی ذکر کرنے والے نے صوبہ سرحد کے دو مشہور مسلمان کانگرسی لیڈروں کی لامذہبی اور ان کے لادینی خیالات کا ذکر کیا، مجلس میں ایک کانگرسی مسلمان بھی موجود تھے جو خود عامی قسم کے دیندار ہی نہیں ہیں بلکہ دین کے جاننے والے اور دینی شغل رکھنے والے ایک مولوی صاحب ہیں، انھوں نے اپنے ہم خیال ان سرحدی لیڈروں کی لادینی کو تسلیم کرتے ہوئے برجستہ کہا — "بھئی جو کچھ بھی ہو ملک کے بہادر سپاہی ہیں اور بزدل عبادت گذار سے بہادر سپاہی ہی اچھا ہوتا ہے —" اگر اس فقرہ کا تجزیہ کیا جائے تو حاصل یہی نکلے گا کہ دینداری اور عبادت گذاری تو دوم و سوم درجہ کی چیز ہے، اصل چیز ہے ملکی سیاست اور اس کے لیے قربانی کچا ہے وہ لادینیت کے ساتھ ہی ملی جلی ہو —"

واقعہ یہ ہے کہ موجودہ سیاست میں جو یورپ سے آئی ہوئی ہے "دین" اسی طرح نظر انداز کیا ہوا ہے۔ موجودہ سیاسی کشمکش کے بارہ میں بس زیادہ سے زیادہ جو کہا جا سکتا ہے۔ وہ یہی ہے کہ بعض طرف کچھ دیندار مسلمان بھی ہیں۔ کسی طرف بہت کم اور صرف پچھلی صفوں میں ہیں اور کسی طرف کچھ زیادہ اور اگلی صفوں میں بھی نمایاں — باقی رہا "دین" اور "اسلام" سو اس کو تو خواہ مخواہ گھسیٹا جارہا ہے اور جو شرمناک اور غلط طریقے سے گھسیٹا جارہا ہے۔

مجھے تو یقین ہے کہ قیامت کے دن جب "دین" کو [illegible] ہوگی کہ وہ اپنے مظالم

کے خلاف عدالت الٰہیہ میں دعویٰ اور استغاثہ کرے تو ہمارے زمانہ کے ان چالاک لیڈروں
کے خلاف اس کا دعویٰ ٹرا سنگین ہوگا جو اسلام اور اس کی ہدایت و تعلیمات سے اپنا ذاتی
تعلق بھی نہ رکھنے کے باوجود محض انتخابی مقاصد کے لیے اس کا نام استعمال کر رہے ہیں
اور اس سراسر غیر دینی الکشن جنگ میں اس کو فریق بنائے پھر رہے ہیں۔

کاسمہ لطیف السیرۃ فی خلقہ
(سعایہ فی کشف ما فی شرح الوقایۃ جلد اول منقدمہ ۱۷)

آج کا نوجوان مسلمان فرنگی نوکری کا بھوکا اپنے ماضی بعید کی نہیں ماضی قریب
کی اس سچی حکایت کو سن رہا ہے؟ اور اس پر یقین کرے گا؟ (ماخوذ از "صدق")
(الفرقان رجب ۱۳۶۲ھ)

محمد منظور نعمانی

# قول و عمل کا تضاد

مسلمانوں کی زندگی میں نفاق اور قول و عمل کے تضاد کی عجیب و غریب مضحکہ خیز یا تکلیف دہ مثالیں آئے دن سامنے آتی رہتی ہیں اور اتنی کثرت سے آتی ہیں کہ اگر مسلمانوں کی اجتماعی زندگی سے تعلق رکھنے والا کوئی شخص روزمرہ کے صرف اپنے ہی اس سلسلہ کے تجربات اور مشاہدات کی ڈائری لکھے تو ہر مہینے کی ڈائری ایک پوری کتاب بن سکتی ہے۔ ذرا غور تو کیجئے۔

دین سے بے بہرہ اور دینی احکام کے کھلے باغی، بلکہ اپنی پرائیویٹ صحبتوں میں دینی شعائر تک کا مذاق بنانے والے ہمارے قومی لیڈروں کا اسلام ہی کے نام پر لوگوں کو اپنی طرف بلانا اور اسلام کے درد سے ایسی بیقراری اور بے چینی اپنی تقریروں اور تحریروں میں ظاہر کرنا جتنی کہ قرن اول کے مسلمانوں نے بھی نہ کی ہوگی یہ نفاق اور قول و عمل کے تضاد کی ایسی مثال نہیں ہے جس کا تماشا آج کل ایک ایک دن میں کئی کئی دفعہ ہم نہ دیکھ لیتے ہوں۔

علیٰ ہذا اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ غیروں کے واقعی یا فرضی معاندانہ طرز عمل پر کانفرنسوں کے اسٹیجوں پر یا اخباروں کے کالموں میں خوب رونا رلانا مگر خود اپنی اولاد کو قرآن اور نماز تک سے دور رکھنا ——— اسی طرح اسلام کی بہتری اور سربلندی کو مقصد قرار دے کر جلسے کرنا اور فرض نمازوں کا وقت آنے پر بھی سامعین اور مقررین سبھوں کا نماز کے لئے نہ اٹھنا۔ ایسے ہی "اللہ اکبر" اور "اسلام زندہ باد" کے نعرے لگاتے ہوئے ہمارے قومی جلوسوں کا ٹھیک نمازوں کے اوقات میں مسجدوں کے سامنے سے بالکل غیر مسلموں کی طرح نمازوں سے بے پروا ہو کر گذرتے چلے جانا۔ اسی طرح قرآن مجید کی حدود کو اپنے عمل سے توڑتے رہنا اور نجی زندگی میں علی الاعلان قرآنی احکام کو پامال کرتے ہوئے قرآنی حکومت یا نظام اسلامیہ کو اپنا نصب العین بتانا اور اس پر دھواں دھار تقریریں کرنا اور لمبے لمبے مضامین لکھنا کیا یہ سب نفاق اور تضاد عمل کے وہ نمونے نہیں ہیں جو روزمرہ ہماری نظروں کے سامنے

تڑانے رہتے ہوں۔

علیٰ ہذا اپنی حنیف پارٹی کے کسی دین سے بیگانہ اور دینی احکام و ہدایات کو پامال کرنیوالے کسی لیڈر کی کج خیالیوں اور بداعمالیوں کے خلاف خوب گرجنا خوب برسنا اور مسلمانوں کی رائے کو اس کے خلاف کرنے کے لیے اس کی ایک ایک چیز کو خوب اچھالنا ——— لیکن بالکل انھیں صفات کے جو لیڈر اپنی پارٹی میں ہوں ان کی گمراہیوں اور بداعمالیوں کے متعلق کبھی ایک حرف بھی زبان پر نہ لانا! کیا یہ وہ دوہرا پن اور طرز عمل کا وہ افسوسناک تضاد نہیں ہے جس میں بہت سے اچھے اچھے بھی عام طور سے مبتلا ہیں۔

اسی طرح ربیع الاول کے مہینے میں شہروں کے آوارہ عناصر کا اپنے ایک ایک عمل اور ایک ایک ادا میں اسوۂ نبوی اور ہدایاتِ محمدی سے بغاوت کرتے ہوئے سیرتی جلوس اور جلسوں کی شکل میں سیرۃ النبیؐ کے ساتھ اپنے عشق و محبت اور وابستگی کے مظاہرے کرنا اور پھر ان مظاہروں میں بھی اسلامی تعلیمات اور نبوی ہدایات کو پامال کرنا۔ اگر یہ سب نفاق نہیں تو کیا ہے۔

---

لیکن کل (۱۱ فروری ۱۹۷۶ء) یہاں بریلی ہی میں بازار سے گزرتے ہوئے اس طرح کے نفاق اور تضادِ عمل کی جو مثال دیکھی، واقعہ یہ ہے کہ ابتک کی سیکڑوں ہزاروں دیکھی ہوئی مثالوں میں، وہ میرے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ ہوئی۔ سر بازار ایک سینما کے پھاٹک پر سرخ رنگ کا لمبا چوڑا ایک خوبصورت بورڈ آویزاں دیکھا جس پر جلی قلم سے لکھا ہوا تھا ←

نبی
محمد
سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں
منجانب: جگت سینما بریلی

سینما کی طرف سے سینما کے پھاٹک پر یہ بورڈ اس طرح آویزاں دیکھ کر جتنی تکلیف ہوئی یاد نہیں آتا کہ نفاق اور تضادِ عمل کے کسی اور نمونے سے کبھی اتنی تکلیف دل کو ہوئی ہو۔ معلوم نہیں عجائبات کی اس دنیا میں ابھی کیا کیا اور دیکھنا مقدر ہے۔

---

اوپر کی سطریں لکھ کر ختم کی جا چکی تھیں اور کتابت کے لیے بھی دی جا چکی تھیں کہ بریلی ہی کا چھپا ہوا ایک اشتہاری پوسٹر نظر پڑا اس میں لکھا ہوا ہے۔ (باقی صفحہ ۸۷ پر)

محمد منظور نعمانی

# الیکشن کے طوفان پر ایک نظر

الیکشن کا طوفان اپنی ساری ہنگامہ خیزیوں کے ساتھ کسی نہ کسی طرح گزر گیا۔ بحران جنون کے ان ایام میں جن کو سوچنے سمجھنے کی کوئی فرصت نہیں ملی کاش اب ہی غور کریں کہ اس ہنگامہ میں ہماری سیاسی پارٹیوں نے کس قدر بے دردی اور بے فکری کے ساتھ شرافت اور دیانت کو ذبح کیا ہے اور کتنی ناخدا ترسانہ جسارت کے ساتھ اسلام کے پورے اخلاقی نظام کو اپنے پاؤں سے روندا ہے۔

اپنی اپنی پارٹیوں اور اپنے اپنے امیدواروں کے حق میں اور فریق مخالف کے خلاف اس قدر بے بنیاد اور بے باکانہ جھوٹ بولا گیا اور جھوٹ لکھا گیا کہ اس آسمان کے نیچے اور اس زمین کے اوپر شاید کسی جاہلی دور میں بھی اتنا بے حساب جھوٹ کسی کافر مشرک قوم نے نہ بولا ہوگا۔

اچھوں اچھوں پر ایسے ایسے ناپاک اور محض بے بنیاد بہتان لگائے گئے اور ایک دوسرے کا وقار گرانے اور رسوا کرنے کی ایسی ایسی ذلیل کوششیں کی گئیں کہ انسانیت پناہ مانگ گئی۔ ناروا طنز و عیب چینی، غیبت و بدگوئی، گالم گلوچ اور فتنہ و فساد کی اتنی گرم بازاری رہی کہ اس سے پہلے غالباً کبھی بھی ان شیطانی حرکات کا ظہور اتنے وسیع پیمانہ پر اس دنیا میں نہ ہوا ہوگا۔

سادہ لوح اور جاہل عوام کے جذبات میں خالص پُر فریب پروپیگنڈے کے ذریعے ایسا ہیجان پیدا کیا گیا کہ بھائی بھائی کا دشمن ہوگیا اور عوام اپنے مقتداؤں اور رہنماؤں کی پگڑیاں اچھالنا اور داڑھیاں نوچنا کار ثواب سمجھنے لگے۔

موقع بے موقع لاکھوں روپے کی رشوتیں چلیں اور قاروں کے جن خزانوں دولت کا کوئی حصہ کبھی راہ خدا میں کبھی نہ نکلا اور کسی دن بھی غریبوں مسکینوں

کے کام نہ آیا۔ انھوں نے اس الکشن میں روپیے کا وہ سیلاب بہایا اور ریاولی کا وہ نمونہ پیش کیا کہ حاتم کی روح بھی شرما گئی۔

بجا بیجا کمزوروں اور زیردستوں کو ڈرا ڈرا اور دھمکا دھمکا کے ان کے بھی ووٹ حاصل کئے گئے اور جہاں ظلم و جبر کے بغیر کام بنتا نظر نہ آیا وہاں اس سے بھی نہ چوکا گیا۔

غرض اللہ کو ناخوش اور شیطان کو خوش کرنے کے اسی مسلم قوم نے اپنی اس لڑائی میں سارے ہی جتن کئے اور کون ایسا بے بصیرت ہوگا جو ان باتوں سے انکار کی جرأت کر سکے یا یہی کہہ سکے کہ صرف فلاں ہی پارٹی نے یہ سب کچھ کیا ہے اور ہماری پارٹی والوں کا دامن ان سب نجاستوں سے پاک صاف رہا ہے۔

---

بیشک ہمارا یہ دعویٰ نہیں کہ الکشن میں حصہ لینے والے تمام ہی لوگوں نے یہ سب کچھ کیا اور ہم یہ بھی باور کر سکتے ہیں کہ الیکشن میں حصہ لینے والی ہر پارٹی ہی میں کچھ حضرات ایسے بھی ہوں گے جو ان چیزوں کی قباحت کو ہم سے بھی زیادہ محسوس کرنیوالے ہوں گے اور یہ سب کچھ ان کی منشا اور مرضی کے خلاف ہوا ہوگا۔ لیکن اگر وہ اپنی الکشنی فوج اور اپنے درکروں کے اعمال کی کچھ تفصیلی واقفیت رکھتے ہوں گے تو بلاشبہ وہ بھی اس یقین میں ہمارے شریک ہوں گے کہ ان کے کارندے بھی ان تمام ناپاکیوں میں ملوث ہوئے ہیں اور یہ سارے شیطانی حربے انھوں نے بھی خوب خوب استعمال کئے ہیں۔

غرض الیکشن کیا تھا کہ تمیز نا خدا فراموشی اور معصیت کوشی کا ایک سیلاب تھا اور شرافت

---

[1] یہاں یہ ظاہر نہ کرنا شاید بے انصافی ہو جائے کہ الیکشن میں حصہ لینے والی جماعتوں میں جہاں تک ہمیں معلوم ہو سکا ہے صرف جمعیۃ العلماء نے اپنے کارکنوں کی اخلاقی روک تھام کے لیے مولینا اخشام الحسن صاحب کا مضمون جو الفرقان کی گزشتہ سے پیوستہ اشاعت میں کچھ حذف و اختصار کے ساتھ شائع ہوا ہوا تھا مستقل رسالہ کی صورت میں پورا چھپوا کر اپنے الکشنی لٹریچر کے ساتھ تقسیم کیا تھا لیکن یہ بھی واقعہ ہے جیسا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ کنندگان جمعیۃ کی اس کوشش اور خواہش کے باوجود جمعیتی کارکنوں کا طرز عمل بھی دین و اخلاق کے نکتۂ نظر سے دوسروں سے کچھ زیادہ ممتاز نہیں رہا۔

وہ اخلاق کے خلاف بغاوت کی ایک آندھی تھی جو "ظلمات بعضہا فوق بعض" کا مصداق تھی۔

---

الیکشن کا ہنگامہ اگرچہ ختم ہو چکا لیکن خصوصاً ہمارے نوجوانوں کے ذہنوں پر اس نے جو مستقل اثرات چھوڑے ہیں اور قومی سیاست کی راہ میں "حسب ضرورت" دین و اخلاق کی پامالی، کے سیکیا ملی اصول کو جو مسلّمہ پالیسی کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے حقیقت یہ ہے کہ دین کے درد مندوں اور دین و اخلاق کی قدر و اہمیت پہچاننے والوں کے لیے وہ وقت کا نہایت اہم اور قابل غور مسئلہ ہے۔

لاہور کے ایک دوست جو اگرچہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ ہی کے ایک فرد ہیں اور وہاں کے ایک کالج سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی بڑے پختہ مسلمان بھی ہیں اپنے ایک تازہ گرامی نامے میں الیکشن ہی کے تاثرات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ہمارے کالجوں کے نوجوان دین سے بیزار ہو گئے۔ پہلے حال یہ تھا کہ ان کو نماز کے لئے کہا جاتا تو وہ شرمندہ ضرور ہو جاتے تھے لیکن اب الٹی اہانت کرتے ہیں انکے دلوں میں اب یہ عقیدہ راسخ ہو گیا ہے کہ قوم کی خدمت کرنے والا خواہ وہ بالکل ہی بے شرعی ہوں وہ علمائے ربانی سے کہیں افضل ہے۔

اس سلسلے میں ایک عبرت آموز واقعہ بھی قابل ذکر ہے ایک صالح نوجوان جو (غالباً اپنی دینی تعلیم کی تکمیل کے بعد) ایک یونیورسٹی کے اعلیٰ درجات میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ راوی ہیں کہ ایک دن یونیورسٹی کی مسجد میں عصر کی نماز کے لیے پہنچا تو کچھ طلباء کو دیکھا کہ مسجد کے صحن میں بیٹھے ہوئے قرآن شریف کی بعض خاص آیتیں (جنھیں الیکشن پروپیگنڈے میں انھیں استعمال کرنا تھا) اور ان کا ترجمہ اور مطلب رٹ رہے ہیں جماعت کا وقت آیا۔ اقامت کہی گئی اور جماعت شروع ہو کر ختم ہو گئی۔ مگر یہ طالب علم اسی طرح بیچ مسجد میں پوری دیدہ دلیری کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہے اور جھوٹوں بھی نماز میں شریک نہیں ہوئے جب میں نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے باہر جانے لگا تو ان میں سے بعض نے ایک کتاب کے متعلق مجھ سے کچھ پوچھنا چاہا میں نے بہت غصے سے کہا "تم کو شرم نہیں آتی جب سامنے نماز ہو رہی اور تم لوگ نماز میں شریک نہیں ہوئے" پوچھنے والے اس طالب علم نے پوری جسارت کے ساتھ جواب دیا کہ ہم جس کام میں لگے ہوئے ہیں وہ اس وقت نماز سے بھی

زیادہ ضروری ہے۔

اگرچہ یہ واقعہ بہت ہی زیادہ قابلِ افسوس اور عبرت آموز ہے لیکن جس فضا میں یہ بیچارے رہتے ہیں اور جس طرح ان کا ذہنی نشوونما ہوتا ہے اس کے پیشِ نظر کچھ زیادہ تعجب کی بات بھی نہیں، خاص ہم جیسوں کے لیے۔ اس سے بھی زیادہ افسوسناک اور قابلِ فکر چیز یہ ہے کہ ہمارے خالص دینی مدرسوں کے پڑھے ہوئے بعض فضلا نے بھی اس الکشن میں دین اور دینی ہدایات کو پس پشت ڈالنے میں اپنے حلقہ کے ان مغرب زدوں کی پوری پوری تقلید کی، بلکہ بعض نیز تعلیم نے تو شاید ان سے بھی بازی لے جانے کی کوشش کی۔ انا للہ! اسلام نہیں ہمارے یہ برادر اپنے مقام اور اپنے منصب کو کب پہچانیں گے۔

---

خیر ماضی پہ رونے سے کیا فائدہ۔ دین کے سب دردمندوں کے لیے سوچنے کی بات ہے کہ اب ان حالات میں ہمارے فرائض کیا ہیں؟ — کاش جتنی کوششیں ہم نے اس الکشن میں کی ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو ان گندگیوں سے پاک و صاف کرنے کے لیے ہم اتنی ہی کوششوں کا عزم کرلیں۔ (الفرقان صفر ۱۳۶۵ھ)

---

## قول و عمل کا تضاد صفحہ ۸۲ کا بقیہ

فلاں صاحب کو ووٹ دیجئے — کیوں؟

اس لیے کہ وہ خدا پرست ہیں — ملک پرست ہیں — قوم پرست ہیں

اس اشتہار کا مضمون غالباً کسی مسلمان ہی کا لکھا ہوا ہے۔ اوّل تو اس بھلے آدمی سے کوئی پوچھے کہ خدا کی پرستش کے ساتھ ساتھ ملک اور قوم کی پرستش کا کیا جوڑ ہے؟ پھر جن صاحب کے لیے یہ لکھا گیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ اور تو سب کچھ ہوں گے لیکن ان کو خدا پرست کہنا خود اللہ کے ساتھ اور ان کے ساتھ بہت ہی بیہودہ مذاق کرنا ہے۔ اور غضب یہ ہے کہ اس اشتہار میں اپیل کرنے والے حضرات کے جو نام لکھے گئے ہیں۔ ان میں سب سے پہلا نام حضرت مولانا حسین احمد صاحب کا ہے۔ حالانکہ یقیناً ان کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوگی کہ ان کے نام سے کس کے متعلق کیا کہا جا رہا ہے۔ الامان!! الامان!! الحذر!!

(الفرقان صفر ۱۳۶۵ھ)

## باب ——— (۳)

# سیرِ قادیانیت

# مرزا قادیانی اور ان کا دعوائے مسیحیت

(از جناب مولانا محمد چراغ صاحب گوجرانوالہ)

دنیا کے جھوٹے مدعیانِ نبوت و مہدویت میں سے کسی کے دعاوی کی فہرست اسقدر طویل نہیں ہے جسقدر مرزا قادیانی کے دعاوی کی۔ اگرچہ بعض دعووں میں لاہوری اور قادیانی پارٹیوں میں اختلاف ہے جیسے دعویٔ نبوت۔ یا بعض دعاوی۔ سے دونوں جماعتوں کو چڑ ہے۔ جیسے مرزا صاحب کا یہ دعویٰ کہ ؎

کرم خاکی ہوں مرے پیارے نہ آدم زاد ہوں
ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار
نصرۃ الحق

لیکن مسیح موعود ہونے کا دعویٰ مرزا صاحب کا وہ دعویٰ ہے جس پر دونوں جماعتیں متفق ہیں۔ اور اسی واسطے دونوں جماعتیں مرزا صاحب کو "مسیح موعود" کے لقب سے یاد کرتی ہیں، غرض مرزا صاحب کا یہی دعویٰ دونوں جماعتوں کا اجماعی عقیدہ ہے۔ حالانکہ یہی دعویٰ مرزا صاحب کی خبط الحواسی اور لغو گوئی کا خصوصی منظر رہا ہے۔ اور جس بوکھلاہٹ کا ظہور آپ سے اس معاملہ میں ہوا ہے اُس کی نظیر دیوانوں اور پاگلوں کے سوا شاید ہی کسی دوسرے کے کلام میں مل سکے۔

آج کی صحبت میں ہم مرزا صاحب کے دعوائے مسیحیت کے متعلق مندرجہ ذیل دو چیزوں پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔ اوّل یہ کہ خود مرزا صاحب کا دعویٰ "مسیح موعود" ہونے کا ہے بھی یا نہیں؟ دوّم یہ کہ اس دعوے میں مرزا صاحب سے کسقدر خبط الحواسی اور بوکھلاہٹ ظاہر ہوئی؟

## امر اوّل

اگرچہ مرزا صاحب کے ناسمجھ اور بیوقوف معتقدین ان کو "مسیح موعود" کے لقب سے یاد

کرتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ خود مرزا صاحب کا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا نہیں۔ بلکہ وہ اپنے کو صرف "مثیل مسیح موعود" کہتے ہیں۔ جس کی تصریح خود مرزا صاحب نے اپنی کتاب ازالہ اوہام طبع اول صفحہ ۱۹ پر ان الفاظ میں کی ہے:-

"اے برادران دین! و علمائے شرع متین، آپ صاحبان میری ان معروضات کو متوجہ ہو کر سنیں کہ اس عاجز نے جو مثیل موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے جس کو کم فہم لوگ مسیح موعود خیال کر بیٹھے ہیں۔"

عبارت کا مطلب بالکل صاف ہے جو کسی توضیح کا محتاج نہیں کہ مرزا صاحب کا دعویٰ مثیل مسیح موعود ہونے کا ہے اور بس۔ پھر یہ مثلیت بھی ایسی عام ہے کہ اس کو محض اپنی ہی ذات تک محدود نہیں کرتے بلکہ فرماتے ہیں کہ مثیل مسیح ہونا مجھ ہی پر ختم نہیں بلکہ میرے نزدیک آئندہ زمانوں میں میرے جیسے ہزاروں مثیل مسیح ہو سکتے ہیں۔ ثبوت کے لیے حوالجات ذیل ملاحظہ ہوں۔

(۱) "میں نے صرف "مثیل مسیح" ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور میرا یہ بھی دعویٰ نہیں کہ صرف مثیل ہونا میرے پر ہی ختم ہو گیا ہے۔ بلکہ میرے نزدیک ممکن ہے کہ آئندہ زمانوں میں میرے جیسے اور دس ہزار بھی مثیل مسیح آجائیں...... پس اس بیان کی رو سے ممکن اور بالکل ممکن ہے کہ کسی زمانہ میں کوئی ایسا مسیح بھی آجاوے جس پر حدیثوں کے بعض ظاہری الفاظ صادق آسکیں کیونکہ یہ عاجز دنیا کی حکومت اور بادشاہت کے ساتھ نہیں آیا۔" (ازالہ اوہام طبع اول صفحہ ۱۹۰)

(۲) "بالآخر ہم یہ بھی ظاہر کرنا.... چاہتے ہیں کہ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ ہمارے بعد کوئی اور بھی مسیح کا مثیل بن کر آوے کیونکہ نبیوں کے مثیل ہمیشہ دنیا میں ہوتے رہتے ہیں۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے ایک قطعی اور یقینی پیشین گوئی میں میرے پر ظاہر کیا ہے کہ میری ہی ذریت سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کو کئی باتوں میں مسیح سے مشابہت ہوگی وہ آسمان سے اترے گا۔" (ازالہ اوہام طبع اول صفحہ ۱۵۵-۱۵۶)

(۳) "اس عاجز کی طرف سے بھی یہ دعویٰ نہیں ہے کہ مسیحیت کا میرے وجود پر ہی خاتمہ ہے، اور آئندہ کوئی مسیح نہیں آئے گا۔ بلکہ میں مانتا ہوں اور بار بار کہتا ہوں کہ ایک کیا دس ہزار سے بھی زیادہ مسیح آسکتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ ظاہری جلال و اقبال کے ساتھ بھی آوے اور ممکن ہے کہ اول وہ دمشق میں ہی نازل ہو۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۲۹۶-۲۹۵، طبع اول)

(۴۲) "ممکن ہے کہ کوئی مثیل مسیح ایسا بھی ہو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ کے پاس مدفون ہو" (ازالہ اوہام صفحہ ۴۷۰ طبع اول)

ناظرین کرام پر سطور بالا سے بخوبی واضح ہو گیا ہو گا کہ مرزا صاحب کا دعویٰ صرف مثیل مسیح ہونے کا ہے اور یہ مثلیت صرف مرزا صاحب کے ساتھ مخصوص نہیں۔ اب مرزا صاحب کا وہ اقرار ملاحظہ فرمائیے جس میں صاف انھوں نے اصلی مسیح موعود کی تشریف آوری کو تسلیم کیا ہے۔ اور انھیں کو احادیث کا مصداق قرار دیا ہے۔ اپنی کتاب ازالہ اوہام میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"ممکن ہے کہ میرے بعد کوئی اور مسیح بن مریم بھی آوے اور بعض احادیث کی رو سے وہ موعود بھی ہو اور کوئی ایسا دجال بھی آوے جو مسلمانوں میں فتنہ ڈالے"

(ازالہ اوہام صفحہ ۲۶۱ طبع اول)

"ہاں اس بات سے اس وقت انکار نہیں ہوا اور نہ اب انکار ہے کہ شاید پیشین گوئیوں کے ظاہری معنوں کے لحاظ سے کوئی اور مسیح موعود بھی آئندہ کسی وقت پیدا ہو"

(ازالہ اوہام صفحہ ۲۶۱ طبع اول)

المختصر عبارات منقولہ بالا سے صاف ظاہر ہو گیا کہ مرزا صاحب مسیح موعود نہیں بلکہ مثیل مسیح ہیں اور یہ مثلیت مرزا صاحب کی خصوصیت سے بھی نہیں ہزاروں مثیل مسیح آ سکتے ہیں۔ نیز یہ کہ اصلی مسیح موعود جن کا ذکر احادیث نبویہ میں ہے اور جن کی علامات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقوال مبارکہ میں متعین فرما دی ہیں، اُن کا ظہور آئندہ زمانہ میں ہو گا۔ بہرحال مرزا صاحب باقرار خود مسیح موعود نہیں ہیں اور یہی امر اول ثابت کرنا تھا۔ فثبت المراد۔

---

لہ اگرچہ مرزا صاحب کا خیال بلکہ قطعی اور یقینی الہام ہے کہ اس عہدہ پر ان کا کوئی صاحبزادہ بلند اقبال مامور ہو گا جیسا کہ عبارت مرقومہ نمبر ۲ میں مذکور ہے۔ نیز ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ "اس مسیح کو بھی یاد رکھو جو اس عاجز کی ذریت میں سے ہے جس کا نام ابن مریم بھی رکھا گیا ہے" (ازالہ اوہام صفحہ ۲۳ طبع اول)

مگر معلوم نہیں کہ مرزا صاحب کی اولاد میں سے کوئی اس عہدہ پر ابھی فائز ہوا یا نہیں؟ جواب میں اثبات ہو یا نفی بہرصورت قادیانی حضرات اس معمہ کو بھی حل کر دیں جو مرزا صاحب نے اعجاز احمدی کے صفحہ ۱۷ پر لکھا ہے "انا اذا ودعنا الدنیا فلا مسیح بعدنا الی یوم القیامۃ" یعنی میرے (مرزا کے) بعد قیامت تک کوئی مسیح نہیں ہو گا۔ دونوں الہاموں میں تطبیق دینے والے کو سوا لاکھ انعام۔ منہ غفرلہ

## امرِ دوم

یوں تو مرزا صاحب کے تمام ہی دعووں میں تہافت و تناقض پایا جاتا ہے۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ دعوائے مسیحیت میں انھوں نے جسقدر رنگ بدلے ہیں وہ آپ کی خبط الحواسی کا عجیب و غریب نمونہ ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

**پہلا دور** مرزا صاحب کا اقرار کہ مسیح موعود میں ہی ہوں، اپنی مشہور کتاب براہین احمدیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"پھر اس کے بعد الہام ہوا کہ یا عیسیٰ اِنی متوفیك ...... اس جگہ عیسیٰ کے نام سے بھی یہی عاجز مراد ہے۔" (براہین احمدیہ صفحہ ۵۵۶ حاشیہ در حاشیہ ۳ طبع اول)

عبارت واضح ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی ہی مسیح موعود ہیں۔

**دوسرا دور** وہ ہے جس میں مرزا صاحب نے اپنے آپ کو مسیح موعود نہیں سمجھا حتیٰ کہ زمانۂ دراز تک وحی الٰہی سے بھی غافل اور بے خبر رہے۔ اصل عبارت یوں ہے:۔

"پھر میں قریباً بارہ برس تک جو ایک زمانۂ دراز ہے بالکل اس سے بے خبر اور غافل رہا کہ خدا نے مجھے بڑی شد و مد سے براہین میں مسیح موعود قرار دیا ہے۔" (اعجاز احمدی صفحہ ۷)

گویا براہین احمدیہ کے بعد بارہ برس تک مرزا صاحب نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ نہیں کیا کیونکہ اس زمانہ میں وحی خداوندی ہی کو سمجھ نہیں سکے تو دعویٰ کس طرح کیا جا سکتا تھا۔ بہر حال یہ دوسرا دور وہ ہوا جس میں مرزا صاحب مسیح موعود ہونے سے انکار کیا کرتے تھے۔

**تیسرا دور** کتاب فتح الاسلام کی تصنیف کا زمانہ ہے جس میں مرزا صاحب کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ عاجز (مرزا قادیانی) مسیح موعود ہے، چنانچہ اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"اسی فطرتی مشابہت کی وجہ سے مسیح کے نام پر یہ عاجز بھیجا گیا تا صلیبی اعتقاد کو پاش پاش کر دیا جائے سو میں صلیب کو توڑنے اور خنزیروں کے قتل کے لیے بھیجا گیا ہوں میں آسمان سے اُترا ہوں۔" (فتح الاسلام حاشیہ صفحہ ۱۰)

اسی چیز کو مرزا صاحب ایک دوسری جگہ یوں لکھتے ہیں کہ:۔

"ہم نے جو رسالہ فتح الاسلام اور توضیح مرام میں اپنے اس کشفی و الہامی امر کو شائع کیا ہے کہ مسیح موعود سے مراد یہی عاجز ہے۔ میں نے سنا ہے کہ بعض ہمارے علماء ان پر بہت

افروختہ ہوئے ہیں۔" (ازالۂ اوہام صفحہ ۱۳۹ طبع اول)

ان دونوں عبارتوں کا مفہوم صریح یہ ہے کہ مرزا صاحب مسیح موعود ہیں، بلکہ اس دعویٰ پر بعض اپنے علماء کی افروختگی کو بنظر تعجب دیکھتے ہیں۔

**چوتھا دور** وہ ہے جس میں مرزا صاحب نے مسیح موعود ہونے سے پھر انکار کیا اور صرف مثیلیت کا دعویٰ کیا، یہاں تک کہ جس نے مرزا صاحب کو مسیح موعود سمجھا اُن کو "کم فہم" کا لقب دیا گیا۔ عبارت امر اول میں گزر چکی ہے تاہم ناظرین کی سہولت کے لیے پھر درج کی جاتی ہے۔

"اے برادرانِ دین و علمائے شرع متین آپ صاحبان میری ان معروضات کو متوجہ ہو کر سنیں کہ اس عاجز نے جو مثیل موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے جس کو کم فہم لوگ مسیح موعود خیال کر بیٹھے ہیں۔"

(ازالۂ اوہام صفحہ ۱۹۰ طبع اول)

اس سلسلہ میں دیگر عبارات امر اوّل کے ذیل میں سپرد قلم کی جا چکی ہیں جن کا صاف مطلب یہ ہے کہ مرزا صاحب مسیح موعود نہیں بلکہ صرف مثیل مسیح موعود ہیں جس کو نا سمجھ اور بیوقوف لوگ "مسیح موعود" خیال کر بیٹھے ہیں۔ اصلی مسیح موعود تو کوئی اور شخص ہے جو آئندہ پیدا ہوگا۔ غرض اس سلسلہ میں مرزا صاحب کا عجیب حال رہا۔ حتیٰ کہ ایک ہی کتاب میں کبھی اقرار کیا کبھی انکار کیا چنانچہ ازالۂ اوہام صفحہ ۱۳۹ میں خود ہی اقرار کیا کہ میں مسیح موعود ہوں۔ اور اس سلسلہ میں اپنے علماء کی افروختگی کو بنظر تعجب دیکھا۔ اور حتیٰ کہ اسی ازالۂ اوہام صفحہ ۱۸۵ تک اپنے اسی دعوے پر قائم رہے چنانچہ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"اگر یہ عاجز مسیح موعود نہیں تو پھر آپ لوگ مسیح موعود کو آسمان سے اتار کر دکھلا دیں۔"

(ازالۂ اوہام صفحہ ۱۸۵)

اور اب صفحہ ۱۹۰ پر اپنے سابقہ دعاوی کی نہایت دلیری کے ساتھ تردید بھی کر دی۔ آفریں باد بریں ہمت مردانہ تو!

**پانچواں دور** پھر مسیح موعود ہونے کا دعویٰ ہے اور لطف یہ کہ اسی ازالۂ اوہام میں اور صفحہ ۱۹۰ کے بعد ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

"واضح ہو کہ وہ مسیح موعود جس کا آنا انجیل اور احادیث صحیحہ کی رو سے ضروری طور پر قرار پا چکا تھا وہ تو اپنے وقت پر اپنے نشانوں کے ساتھ آ گیا اور آج وہ وعدہ پورا ہو گیا۔"

(ازالۂ اوہام صفحہ ۴۶۲ طبع اول)

اپنے اس دعوے کو مرزا صاحب نے اسی ازالۂ اوہام کے صفحہ ۶۶۵ پر "مسیح موعود ہونے کا ثبوت" کے عنوان سے بھی نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ یہ دونوں مضامین صفحہ ۱۹۰ کے بعد کے

ہیں۔ لہٰذا یہ پانچواں دور اقرارِ مسیحیت کا ہوا اور شاید اسی پر آخر تک قائم رہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مرزا صاحب کے اس دعویٰ مسیحیت میں پانچ مختلف دور گزرے کبھی اقرار کبھی انکار، کبھی پھر اقرار کبھی پھر انکار اور کبھی پھر اقرار۔ ناظرین کرام! خود ہی بتلائیں کہ یہ خبط الحواسی نہیں تو اور کیا ہے اور ان متعارض اقوال میں کس کا اعتبار کیا جائے؟

مرزا جی کو اپنی مسیحیت کا سالہا سال تک پتہ نہ چلنا یہ بھی بہ اقرار خود اُن کے جھوٹے ہونے کی پختہ دلیل ہے اور اس پر مولوی محمد علی صاحب لاہوری مرزائی کی مہر تصدیق بھی ثبت ہے ثبوت ملاحظہ ہو۔

اوّل تو مرزا صاحب نے خود ہی اعجاز احمدی ص۷ میں لکھا کہ بارہ برس تک براہین احمدیہ کے بعد مجھے کوئی خبر نہ ہوئی کہ خدا نے مجھے براہین احمدیہ میں بڑی شد و مد سے مسیح موعود قرار دیا ہے اور براہین میں خدا کی کھلی کھلی وحی روز روشن کی طرح مسیح موعود بناتی رہی لیکن میں اس سے بے خبر اور غافل رہا اور اسی اعجاز احمدی کے ص۲۴ و ص۲۶ پر لکھتے ہیں کہ نبی اور رسول اور محدث کو کسی اور امر میں الہام کے سمجھنے میں غلطی ہو جائے تو ممکن ہے لیکن اس کو اپنے دعوے کے سمجھنے میں کبھی غلطی نہیں ہو سکتی۔ پس مرزا صاحب کو اپنے دعوے مسیح موعود کے سمجھنے میں جو غلطی لگی رہی اور وہ بھی بارہ برس تک۔ یہ اُن کے اقراری کذاب و مفتری ہونے کی نہایت قوی دلیل ہے۔ اعجاز احمدی ص۷ و ص۲۴ و ص۲۶ کی وہ اصل عبارتیں بالترتیب ملاحظہ ہوں۔

> اعجاز احمدی ص۷ "تاہم یہ الہام جو براہین احمدیہ میں کھلے کھلے طور پر درج تھا خدا کی حکمت عملی نے میری نظر سے پوشیدہ رکھا اور اسی وجہ سے باوجودیکہ میں براہین احمدیہ میں صاف اور روشن طور پر مسیح موعود ٹھیرایا گیا تھا مگر پھر بھی میں نے بوجہ اس ذہول کے جو میرے دل پر ڈالا گیا حضرت عیسیٰ کی آمد ثانی کا عقیدہ براہین احمدیہ میں لکھ دیا...... پھر میں قریباً بارہ برس تک جو ایک زمانہ دراز ہے بالکل اس سے بے خبر اور غافل رہا کہ خدا نے مجھے بڑی شد و مد سے براہین احمدیہ میں مسیح موعود قرار دیا ہے۔"

> اعجاز احمدی ص۲۴ "اور بعض کا خیال یہ ہے کہ اگر کسی الہام کے سمجھنے میں غلطی ہو جائے تو امان اُٹھ جاتا ہے اور شک پڑ جاتا ہے کہ شاید اس نبی یا رسول یا محدث نے اپنے دعوے میں بھی دھوکا کھایا ہو۔ یہ خیال سراسر فاسد ہے۔"

> اعجاز احمدی ص۲۶ "ایسا ہی نبیوں اور رسولوں کو اُن کے دعوے کے متعلق اور اُن تعلیموں کے متعلق بہت نزدیک سے دکھایا جاتا ہے اور اسمیں اس قدر تواتر ہوتا ہے جسمیں کچھ شبہ باقی نہیں رہتا۔"

ان حوالوں سے میرے گزشتہ مضمون کا ثبوت ہو گیا کہ مرزاجی کو اپنے مسیح موعود ہونے کا سالہا سال تک پتہ نہ چلا۔ حالانکہ اُن کو خدا کی کھلی کھلی وحی روشن طریق سے اور بڑی شد و مد سے مسیح موعود قرار دے رہی تھی اور مرزا صاحب نے خود قاعدہ مقرر کیا تھا کہ محدث یا نبی یا رسول کو اپنے دعوے کے سمجھنے میں کبھی غلطی نہیں ہو سکتی، مگر خود اسی کتاب میں مرزاجی نے تسلیم کیا کہ مجھے غلطی لگی رہی۔

اب سنیئے مولوی محمد علی لاہوری مرزائی کا فتویٰ وہ اپنے ٹریکٹ "النبوۃ فی الاسلام" کے صہ۱۴ پر لکھتے ہیں:۔

"تم اس عہدہ دار کو کیا کہوگے جس کو اس کے افسروں نے ایک عہدہ پر مامور کر کے بھیجا اور پندرہ سال تک یہ سمجھا ہی نہیں کہ میرا عہدہ کیا ہے۔ ایک تھانہ میں سب انسپکٹر کو بھیجا اور وہ خیال کرتا رہا کہ میں کانسٹبل ہوں، کیا ایسے شخص کو مجنوں کہوگے یا کچھ اور"

مولوی محمد علی مرزائی کے اس فتوے کے مطابق مرزا صاحب مجنون اور پاگل ہوئے جن کو بارہ سال تک یہ پتہ نہ چلا اور وہ یہ نہ سمجھے کہ میں مسیح موعود ہوں اور اپنے مسیح موعود ہونے سے مدتوں تک انکار کرتے رہے۔ ہم بھی مسٹر محمد علی صاحب کی اس رائے سے اتفاق کرتے ہیں فی الحقیقت مرزا صاحب کو مالیخولیا بھی تھا جیسا کہ انھوں نے خود بھی اپنی بعض تصانیف میں لکھا ہے۔ اس کے بعد اس بحث کا ایک گوشہ رہ جاتا ہے اور وہ دعوائے مسیحیت کا ابطال خود مرزائی لٹریچر سے۔ انشاء اللہ کسی قریبی صحبت میں یہ بحث بھی ہدیۂ ناظرین کی جائے گی۔ (الفرقان ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ)

ص ۔۔۔ اکل الکتب ہے:
تصانیف آج تک لاجواب ہیں مثلاً اظہار الحق۔ ازالۃ الشکوک، ازالہ اوہام، اعجاز عیسوی وغیرہ۔ ان ہی کتابوں کے مرزا صاحب خوشہ چین بھی ہیں، پھر بھی ان کے بالمقابل مرزا صاحب نے عشر عشیر بھی کام نہیں کیا۔

بہرحال مرزا صاحب اس علامت سے بھی محروم ہیں اور بقول خود دجال و کذاب ٹھیرتے ہیں کیونکہ جس کام کے لیے آئے تھے وہ کام کر کے نہیں گئے اور اسی کو انھوں نے اپنے صدق و کذب کا آخری معیار ٹھیرایا تھا ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری۔ میں نے اختصار کا لحاظ رکھتے ہوئے چھ نمبر لکھے ہیں اگر مرزائی صاحبان "ہل من مزید" کہیں تو ابھی اس جنس کا کافی ذخیرہ باقی ہے۔ اور خدا توفیق دے تو ہدایت کے لیے یہی کافی ہے۔ اور محرومانِ ازلی کے حق میں ارشادِ خداوندی ہے وما تغنی الآیات والنذر عن قوم لا یؤمنون ؎

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل    کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

(الفرقان محرم ۱۳۵۶ھ)

# مرزائی مسیحیت کا ابطال خود مرزا صاحب کے قلم سے

از جناب مولانا محمد چراغ صاحب گجرانوالہ

دعوائے مسیحیت میں مرزا صاحب سے جس خبط الحواسی اور تحیر العقول بوکھلاہٹ کا ظہور ہوا اس کا ذکر میں اپنے پہلے مضمون مندرجہ الفرقان جلد ۳ نمبر ۱۲ میں کر چکا ہوں اور اسی کے آخر میں میں نے وعدہ کیا تھا کہ آئندہ صحبت میں مرزائی مسیحیت کا ابطال خود مرزائی لٹریچر سے پیش کیا جائیگا آج اسی وعدے کے ایفاء کا ارادہ ہے اور بعون اللہ تعالیٰ اس وقت مجھے یہ ثابت کرنا ہے کہ قطع نظر ان علامات کے جو ہمارے اسلامی لٹریچر میں مسیح موعود کے لیے بیان کی گئی ہیں وہ خود علامات بھی مرزا صاحب میں مفقود ہیں جن کو خود مرزا صاحب ہی نے بڑے زور شور سے سچے "مسیح موعود" کی علامات ٹھہرایا ہے۔ ذرا غور سے ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) احادیث صحیحہ میں وارد ہوا ہے کہ مسیح موعود اپنی آمد ثانیہ کے وقت حج کریں گے اور خود مرزا صاحب نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

> "ہمارا حج تو اس وقت ہو گا جب دجال بھی کفر و دجل سے باز آ کر طواف بیت اللہ کرے گا کیونکہ بموجب حدیث صحیح کے وہی وقت مسیح موعود کے حج کا ہو گا ...... آخر ایک گروہ دجال کا ایمان لا کر حج کرے گا سو جب دجال کو ایمان اور حج کے خیال پیدا ہوں گے وہی دن ہمارے حج کے بھی ہوں گے۔" (ایام الصلح ص ۱۶۸ و ۱۶۹)

اس عبارت میں مرزا صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ حدیث صحیح کی رو سے مسیح موعود کا حج کرنا ثابت ہے اور وہ حج کرے گا لیکن دنیا جانتی ہے کہ مرزا صاحب نے اخیر دم تک حج نہ کیا اور ان میں مسیح موعود کی یہ مسلّم علامت نہ پائی گئی۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مرزا جی کے نے ابھی تک دجال اور اس کی دجالیت کو بھی فنا نہ کیا۔ اور مسیح موعود کی یہ دوسری علامت بھی جو احادیث صحیحہ سے ثابت

تھی وہ بھی نہ پائی گئی کیونکہ اگر دجال اپنی دجالیت سے باز آگیا ہوتا یا فنا ہوگیا ہوتا تو مرزا صاحب ضرور حج کرتے کیونکہ ان کا خود اقرار تھا کہ میں حج اس وقت کروں گا جب دجال مسلمان ہوگا۔

(۲) مرزا جی نے اپنی مختلف کتابوں میں مسیح موعود کی ایک یہ علامت بھی لکھی ہے کہ اس کے زمانہ میں تمام مذاہب باطلہ دنیا سے مٹ جائیں گے اور صرف ایک مذہب اسلام ہی رہ جائے گا۔ ملاحظہ ہو۔

"شہادۃ القرآن ص۱۶ ——— فنفخ فی الصور فجمعناھم جمعاً..... تب ہم تمام فرقوں کو ایک ہی مذہب پر جمع کر دیں گے ...... اور ایسے زمانہ میں صور پھونک کر تمام قوموں کو دین اسلام پر جمع کیا جاوے گا ...... اور ایک آسمانی مصلح آئے گا درحقیقت یہی وہ مسیح ہے جس کا نام مسیح موعود ہے۔"

حمامۃ البشریٰ ص۳۹ ـ وقد اتی زمان تھلک فیہ الاباطیل ولا یبقی الزور والظلام وتفنی کلھا الا الاسلام

"وہ زمانہ آتا ہے کہ اس میں باطل ہلاک ہو جائے گا اور جھوٹ نہ رہے گا اور بجز اسلام تمام کی تمام ملتیں نیست و نابود ہو جاویں گی۔

چشمۂ معرفت ص۸۳ حاشیہ :۔ ونفخ فی الصور فجمعناھم جمعاً۔ یعنی ہم آخری زمانہ میں ہر ایک قوم کو آزادی دیں گے تا اپنے مذہب کی خوبی دوسری قوم کے سامنے پیش کرے ...... ایک مدت تک ایسا ہوتا رہے گا۔ پھر قرنا میں ایک آواز پھونک دی جائے گی تب ہم تمام قوموں کو ایک قوم بنا دیں گے اور ایک ہی مذہب پر جمع کریں گے۔"

بعینہ یہی مضمون چشمۂ معرفت ص۷۶ و ص۸۳ میں بھی ہے اور یہی مضمون کچھ زیادہ وضاحت کے ساتھ عبارت عربی میں مرزا جی کے رسالہ "الفرق فی آدم والمسیح الموعود" ص۳۰۶ ملحقہ خطبہ الہامیہ میں ہے۔

مندرجہ بالا تینوں حوالجات سے ثابت ہوا کہ "مسیح موعود" کی علامت یہ ہے کہ اس کے زمانہ میں تمام مذاہب باطلہ مٹ کر نیست و نابود ہو جاویں گے اور ساری دنیا کا مذہب ایک مذہب اسلام ہی ہوگا لیکن دنیا گواہ ہے کہ مرزا کے زمانہ میں بلکہ اس کے مرنے کے بعد بھی آج تک یہ علامت پوری نہ ہوئی بلکہ معاملہ دگرگوں ہے۔ مذاہب باطلہ کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے اور آئے دن اسلام پر دشمنوں کے حملے ہوتے رہتے ہیں۔

(۳) مرزا صاحب نے مسیح موعود کی ایک یہ علامت بھی لکھی ہے کہ اس کا زمانہ امن صلح و اتحاد کا زمانہ ہوگا۔ ملاحظہ ہو رسالہ الفرق فی آدم و المسیح الموعود صٹ ملحقہ خطبہ الہامیہ:

"ویضع اللّٰہ الحرب وتقع الامنۃ علی الارض وتنزل السکینۃ والصلح فی جذر القلوب۔"

خدا تعالیٰ جنگ کو مٹا دے گا اور زمین میں امن و امان واقع ہوگا۔ اور دلوں میں طمانیت اور صلح نازل ہوگی۔

لیکن مشاہدہ بالکل اس کے خلاف ہے۔ جنگ کا خاتمہ تو نہیں ہوا۔ بلکہ مرزا صاحب کی آمد کے بعد ہی وہ تباہ کن جنگ عظیم ہوئی جس کی نظیر زمانہ سابقہ میں نہیں ملتی اور اسمیں اسلامی سلطنت (ترکیہ) کو غیر معمولی نقصان پہنچا اور اس وقت سے اب تک امن و سلامتی جیسی کچھ ہی ہے وہ بھی ظاہر ہے کہ ایک دن کے لیے بھی اقوام عالم ایک دوسرے سے مطمئن نہیں ہوئیں۔ بہرحال مرزا صاحب کی بیان کردہ یہ علامت بھی پوری نہ ہوئی۔

(۴) مرزا صاحب نے اپنی متعدد تصانیف میں مسیح موعود کی ایک یہ بھی علامت لکھی ہے کہ اس کے زمانہ میں مکہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ریل جاری ہو جاویگی۔ حوالجات ملاحظہ ہوں۔

"اربعین ۳ صت حاشیہ۔" ابھی مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے لوگوں کے لیے ایک بھاری نشان ظاہر ہوا ہے ...... حدیث یترک القلاص فلا یسعی علیھا۔ اس کی گواہ ہے پس یہ کیسی قدر بھاری پیشین گوئی ہے جو مسیح کے زمانہ کے لیے اور مسیح موعود کے ظہور کے لیے بطور علامت تھی، ریل کی تیاری سے پوری ہوگئی۔"

یہی مضمون ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صٹ و تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۰۱ و ۱۰۲ و ۱۰۳ و ۱۴۵ میں بھی موجود ہے کہ مسیح موعود کی علامت یہ تھی کہ مرکز اسلام میں یعنی مکہ اور مدینہ منورہ میں ریل جاری ہوگی۔

لیکن دنیا جانتی ہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان نہ ریل مرزا کے زمانہ میں جاری ہوئی اور نہ آج تک جاری ہو سکی۔ البتہ جن دنوں میں مرزا نے پیشین گوئی کی تھی ان دنوں میں ریل کی تیاری ہو رہی تھی اور ہندوستان وغیرہ سے اس کے لیے چندے بھی کیے گئے تھے (الحکم ۳ جلد ۱۲ ص۲ کالم ۳، ۲۴ جنوری ۱۹۰۸ء میں چندوں کا ذکر ہے)

مگر مرزا جی کی پیشین گوئی کا یہ اثر ہوا کہ وہ تیار ہوتے ہوتے بھی رک گئی اور خدا کی شان آج تک معرض وجود میں نہ آسکی۔ خدا کو یہی منظور تھا کہ مرزا کو جھوٹا اور رسوا کیا جائے۔

(۵) مرزا صاحب نے مسیح موعود کی ایک خاص علامت یہ بھی لکھی ہے کہ آخری زمانہ کا مسیح موعود

اور مہدی معہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کسی انسان کا شاگرد نہ ہوگا بلکہ وہ براہِ راست خدا تعالیٰ سے تعلیم حاصل کرے گا بخلاف حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے کہ وہ انسانوں کے شاگرد تھے اور انہیں انسان کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے پڑے۔ اصل عبارت ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں۔

"ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور نبیوں کی طرح ظاہری علم کسی اُستاد سے نہیں پڑھا تھا۔ مگر حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ مکتبوں میں بیٹھے تھے اور حضرت عیسیٰ نے ایک یہودی استاد سے تمام توراۃ پڑھی تھی۔ ....... سو آنے والے کا نام جو مہدی رکھا گیا سو اس میں یہ اشارہ ہے کہ وہ آنے والا علم دین خدا ہی سے حاصل کرے گا اور قرآن و حدیث میں وہ کسی کا شاگرد نہ ہوگا ...... سو میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میرا حال یہی ہے، کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ میں نے کسی انسان سے قرآن یا حدیث یا تفسیر کا ایک سبق بھی پڑھا ہو۔"

(ایام الصلح صفحہ ۱۴۷)

یہ مرزا جی کا حلفیہ بیان ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کسی انسان کی شاگردی نہیں کی اور قرآن یا حدیث یا تفسیر کا ایک سبق بھی کسی انسان سے نہیں پڑھا۔

لیکن میں ثابت کرتا ہوں کہ مرزا صاحب اپنے اس حلفیہ بیان میں بالکل جھوٹے ہیں اور اُن میں یہ علامت بھی مفقود ہے کیونکہ اُن کو انسانوں کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنا پڑا ہے اور لطف یہ کہ اُن کے اُستادوں میں ایک صاحب گل علی صاحب شیعہ مذہب کے بھی ہیں۔ ایک اُستاد مرزا جی کے فضل احمد صاحب ہیں ایک فضل الٰہی صاحب ہیں۔ ایک مرزا غلام مرتضیٰ (والد مرزا غلام احمد قادیانی) ہیں۔ نیز یہ خود مرزا صاحب ہی کے اقرار سے ثابت ہے کہ انھوں نے قرآن میں بھی انسانوں کی شاگردی کی ہے۔ اور اُن کا یہ حلف ایسا ہی جھوٹا ہے جیسا کہ دعوائے مسیحیت، ملاحظہ فرمائیے۔ (کتاب البریہ صفحہ ۱۴۹ در لویاآنت الجنیر)

"میری تعلیم اس طرح پر ہوئی کہ جب میں چھ سات سال کا تھا تو ایک فارسی خواں معلم (مولوی فضل الٰہی) میرے لیے نوکر رکھا گیا جنھوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کی کتابیں مجھے پڑھائیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ مرزا جی نے قرآن مجید مولوی فضل الٰہی سے پڑھا تھا۔ پس معلوم ہوا کہ ایام الصلح میں جو علامت مقرر کی تھی وہ مرزا جی میں موجود نہ ہوئی۔ علاوہ ازیں یہ بھی ثابت ہو گیا کہ حلف کے ساتھ صریح جھوٹ بولا۔

(۶) مرزا صاحب نے اپنی مسیحیت کا ایک یہ بھی نشان مقرر کیا تھا کہ مجھے صلیبی فتنہ کو مٹانا ہے

اور عیسائیت کا ستون توڑ دینا ہے۔ ملاحظہ ہو فرماتے ہیں۔

"باوجود ان تمام علامتوں کے طالب حق کے لیے میں یہ بات پیش کرتا ہوں کہ میرا کام جس کام کے لیے میں اس میدان میں کھڑا ہوا ہوں یہی ہے کہ میں عیسیٰ پرستی کے ستون کو توڑ دوں اور بجائے تثلیث کے توحید کو پھیلاؤں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت اور عظمت اور شان کو دنیا پر ظاہر کردوں۔ پس اگر مجھ سے کروڑ نشان بھی ظاہر ہوں اور یہ علت غائی مجھ سے نہ ظاہر ہو تو میں جھوٹا ہوں۔ پس دنیا مجھ سے کیوں دشمنی کرتی ہے وہ میرے انجام کو کیوں نہیں دیکھتی۔ اگر میں نے اسلام کی حمایت میں وہ کام کر دکھایا جو مسیح موعود مہدی معہود کو کرنا چاہیے تھا تو پھر میں سچا ہوں اور اگر کچھ نہ ہوا اور میں مر گیا تو پھر سب گواہ رہیں کہ میں جھوٹا ہوں۔"

(اخبار بدر جلد ۲ صفحہ ۲۹ کالم ۳ ، ۱۹ جولائی ۱۹۰۶ء)

اس سے صاف ظاہر ہوا کہ مرزا جی کی سچائی کی علامت یہ ہے کہ دنیا سے عیسائیت کو مٹادیں اور یہی ان کے زعم میں کسر صلیب ہے۔ اگر وہ عیسائیت کو نہ مٹا سکے اور کروڑ نشان بھی وہ دکھاتے ہیں تو وہ جھوٹے اور کذاب اور مفتری علی اللہ ٹھہریں گے اور ان کے باقی نشانات بے قدر ہوں گے۔ اب میں یہ بھی مرزا صاحب ہی سے تعیین کرا دوں کہ غلبہ عیسائیت کیا ہے اور اس کے مقابلہ میں غلبہ اسلام کیا ہوگا۔ اسی اخبار بدر نمبر ۱۵ جلد ۲ صفحہ ۸ کالم ۲، ۲۰ دسمبر ۱۹۰۲ء میں فرماتے ہیں۔

"میں یقیناً کہہ سکتا ہوں اور یہ بالکل صحیح بات ہے کہ ہر طبقہ کے مسلمان عیسائی ہو چکے ہیں اور ایک لاکھ سے بھی ان کی تعداد زیادہ ہوگی۔"

اخبار مذکور کے صفحہ ۹ کالم ۱ "اب جبکہ عیسائی مذہب کا غلبہ ہو گیا اور ہر طبقہ کے مسلمان اس گروہ میں داخل ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ اسلام کو اپنے وعدہ کے مطابق غالب کرے۔"

اس جگہ یہ واشگاف ہو گیا کہ عیسائیت کا غلبہ یہ ہے کہ لوگ اسلام وغیرہ مذاہب کو چھوڑ کر عیسائیت میں داخل ہو رہے ہیں اور عیسائیت کی تعداد اور مردم شماری روز بروز ترقی پر ہے تو اس کے بالمقابل اسلام کا غلبہ عیسائیت پر یہ ہوگا کہ عیسائیت سے کٹ کر لوگ اسلام میں داخل ہوتے جاویں اور عیسائیت کی تعداد کم ہوتی جائے۔

لیکن افسوس کہ مرزا صاحب میں یہ نشان بھی نہیں پایا گیا اور اس علامت سے تو ایسا تہ یہ مرزا صاحب حاملین جس قدر فرعون ایمان سے حالانکہ اس پر مرزا صاحب نے بڑا زور و شور ظاہر کیا تھا۔ اب میں مرزا صاحب کے اقرار سے ہی ثابت کرتا ہوں کہ جوں جوں مرزا صاحب مسیحیت کے منازل طے کرتے ہیں توں توں عیسائیت کی مردم شماری بڑھتی گئی۔ ملاحظہ ہو خود ہی فرماتے ہیں۔

"ابھی کلکتہ میں جو پادری ہیکر صاحب نے اندازہ کرسٹان شدہ آدمیوں کا بیان کیا ہے اس سے ایک نہایت قابل افسوس بات ظاہر ہوتی ہے پادری صاحب فرماتے ہیں جو پچاس سال سے پہلے تمام ہندوستان میں کرسٹان شدہ لوگوں کی تعداد صرف ستائیس ہزار تھی۔ اس پچاس سال میں یہ کارروائی ہوئی جو ۲۷ ہزار سے ۵ لاکھ تک شمار عیسائیوں کا پہنچ گیا ہے ——

(اناللہ وانالیہ راجعون" (براہین احمدیہ صلا۲۴ مطبع لاہور)

یہ تعداد اس وقت کی ہے جس وقت مرزا صاحب ابھی ابتدائی مراحل طے کر رہے تھے اور مسیحیت کے پینترے جما رہے تھے اس کے بعد کی حالت دیکھئے۔ نزول مسیح صلا۲۹ پر فرماتے ہیں۔

"کیونکہ ۱۹ لاکھ نومرتد عیسائی پنجاب اور ہندوستان میں ظاہر ہو گیا"

یہ ۱۹ لاکھ کی تعداد اس وقت کی ہے جب مرزا صاحب کا دعویٰ مسیحیت زوروں پر تھا۔ اب خیال فرمایئے کہ جوں جوں مسیحیت میں ترقی ہوتی گئی توں توں عیسائیت ترقی کرتی جاویگی؟ پچھلے پچاس سال میں تو ۵ لاکھ ہوئے تھے لیکن جھوٹے "مسیح موعود" کے آنے کے بعد چند سالوں میں پانچ لاکھ سے مرزا جی کے اقرار کے مطابق اُنیس ۱۹ لاکھ ہو گئے۔ اور ملفوظاتِ احمدیہ حصہ اول صلا۲۷۴ پر فرماتے ہیں۔

"دیکھو اس قدر لوگ جو عیسائی ہو گئے ہیں جن کی تعداد ۲۰ لاکھ تک پہونچی ہے میں نے ایک بشپ کے لیکچر کا خلاصہ پڑھا تھا اس نے بیان کیا کہ ہم ۲۰ لاکھ عیسائی کر چکے ہیں"

ملفوظاتِ احمدیہ حصہ اوّل صلا۲۷۵ میں بھی بعینہ یہی مضمون ہے۔ اور ریویو آف ریلیجنز بابتہ ماہ نومبر و دسمبر ۱۹۰۳ء صلا۴۲۵ میں مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ "۲۹ لاکھ لوگ عیسائی ہو کر مرتد ہو گئے ہیں"

یہ ۲۹ لاکھ مرتدین کی مردم شماری مرزا صاحب ہی کے قلم سے ۱۹۰۳ء کی ہے۔ ابھی ۱۹۰۸ء تک (جو مرزا صاحب کے اس جہان سے کوچ کرنے کا سال ہے) تب تک خدا جانے کتنی ترقی عیسائیت میں ہوئی ہوگی اور پھر ان کے مرنے کے بعد خدا جانے کیا ترقی ہوئی اب ۱۹۳۷ء کی مردم شماری کو اسی پر قیاس فرما لیجئے۔

مرزا صاحب نے اچھی کسر صلیب کی اور اچھا اسلام کا غلبہ دکھایا کہ عیسائیت دن بدن ترقی کر رہی ہے۔ اگر مرزا جی اور ان کی امت یہ جواب دیں کہ غلبہ سے مراد دلائل کا غلبہ ہے تو اوّل تو وہ باطل ہے جیسے کہ میں نے اخبار بدر نمبر ۱۵ جلد ۲ صلا۹۰ سے ثابت کر دیا ہے کہ غلبہ سے مراد تعداد کا اضافہ ہے۔ علاوہ بریں اگر دلائل کا غلبہ مراد ہے تو کیا قرآن مجید نے عیسائیت کے ستون کو نہ گرا دیا تھا اور اس کے بعد حضرت مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے عیسائیت کی تردید میں کوئی کمی کی تھی جن کی

(باقی صفحہ ۹۴ پر)

## باب — (۴)

# کاروبارِ شرک و بدعت
## اور
# نورِ کتاب و سُنّت

# ماہ محرم میں مسلمانوں کی بے راہ روی

## آہ! خیر امت مشرکوں کے نقش قدم پر

(از۔ جناب مولوی محمد فضیل صاحب مدرس مدرسہ مصباح الاسلام بریلی)

در محرم اہل بیت بر دین میرود از جور و ظلم
کس ندیدہ در جہاں جز کشتگانِ کربلا

الحمد للہ! ہم آخر الامم ہیں اور خیر الامم، ہمارے خالق و مالک عز اسمہ نے اپنے مقدس صحیفہ میں ہمارا منصب خود ہی یہ بیان فرمایا کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر وتومنون باللہ (تم بہترین امت ہو، تم عام انسانی دنیا کی اصلاح رہنمائی کے لئے ہی پردۂ وجود پر لائے گئے ہو۔ تمہارا کام یہ ہے کہ بھلائی کے احکام جاری کرو اور برائیوں سے روکو اور "ایمان باللہ" کو اپنا شعار بلکہ اپنی پوری زندگی کا محور بنائے رکھو) گویا۔ امت مسلمہ سے الٰہی مطالبہ صرف یہی نہیں ہے کہ وہ خود صالح مومن اور "عامل بالمعروف" بنے بلکہ اس کے ذمہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنا اچھا اثر دوسروں پر بھی ڈالے، دنیا بھر کے بنی نوع انسان کو برائیوں سے نکالنے اور بھلائیوں کی طرف لانے کی کوشش کرے بالفاظ دیگر ہم کو صرف "خیر لازم" نہیں بلکہ "خیر متعدی" ہونا چاہیئے۔ جس راہ سے ہم گزریں اپنی نیکی اور نیک چلنی کے آثار چھوڑتے ہوئے گزریں اور جن قوموں میں ہم رہیں بسیں ان کو جاہلیت کی تاریکی سے نکال کر دین فطرت کی راہ پر لانے کے لئے ہر ممکن جد وجہد کرتے رہیں۔ بس یہ ہونا چاہیئے انسانوں میں ہمارا طغرائے امتیاز لیکن آہ! کہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہو رہا ہے بجائے اس کے کہ ہم دوسروں پر اپنے اچھے اثرات ڈالتے اور لوگ ہماری مساعی خیر اور ہمارے چال چلن سے متاثر ہو کے رسوم چھوڑ کر شعائر اسلام اختیار کرتے، الٹے ہم دوسروں سے متاثر ہو رہے ہیں اور زندگی کے کسی ایک شعبہ میں نہیں بلکہ حق یہ ہے کہ شاید کوئی شعبہ ہی ہماری زندگی کا ایسا ہو جس میں ہم شعوری ا

طور پر دوسروں کے قدم بہ قدم نہ چل رہے ہوں اور ان کے جاہلی مراسم سے ہم نے اس میں کوئی اثر نہ لیا ہو۔

اس وقت دنیا بھر کے مسلمانوں سے ہماری بحث نہیں اگرچہ حال سب جگہ کچھ قریب قریب سا ہی ہے تاہم ہمارے سامنے اس وقت ہندوستانی مسلمانوں کے اعمال اور ان کے بگڑے ہوئے احوال ہیں۔

اگر آپ تھوڑا سا بھی غور کریں گے تو یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ یہاں کے عوام مسلمانوں کی پوری زندگی غیروں سے (بالخصوص برادران وطن ہندوؤں سے) متاثر ہوئی ہے، اور حالت یہ ہوگئی ہے کہ ـــ ع: تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم۔

بیاہ شادی بلکہ ولادت کی چھٹی چلّہ ہی سے لے کر موت کے تیجہ، دسویں اور برسی تک وہ کون سی رسم ہے جس کے متعلق تحقیق سے یہ معلوم نہ ہو چکا ہو کہ اس کی اصل برادران ہنود کے یہاں سے آئی ہے۔

پھر زندگی کے انفرادی معاملات کے علاوہ اگر آپ غور فرمائیں گے تو اجتماعی امور اور سوسائٹی کے دستور میں بھی اس قبیل کی بہت سی چیزیں آپ کو ملیں گی جن کا نسب نامہ کسی غیر مسلم قوم ہی میں مل سکے گا۔ مگر یہ داستان تو بہت طویل ہے جو کسی بڑی فرصت ہی میں سنائی جا سکتی ہے اور اگر آپ خود بھی اس نقطۂ نظر سے مسلمانان ہند کے طریق زندگی اور ان کے مراسم حیات کا تجزیہ کریں گے تو آپ ہی اس تفصیل کو دریافت کر سکیں گے۔ آج تو ہم مسلمانوں کی اس گمراہی اور بے راہ روی ... کے صرف ایک ہی شعبہ کے متعلق چند کلمات عرض کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں جس کا تعلق ماہ محرم الحرام سے ہے۔

ہندوستانی مسلمانوں نے جس طرح اور بہت سی بلکہ بے گنتی چیزوں میں غیر مسلموں کی نقالی کی ہے اسی طرح ان کے میلوں ٹھیلوں اور قومی تہواروں کی نقل اتارنے کی بھی پوری کوشش کی ہے اور یقیناً اس کوشش میں انھوں نے کوئی کمی نہیں کی۔

اسلام اور پیغمبر اسلام نے مسلمانوں کے لئے سال میں صرف دو دن (یوم الفطر اور یوم الاضحیٰ) عید اور جشن کے لئے مقرر کئے تھے اور ان کا نہایت پاکیزہ اور ستھرا پروگرام بھی خود ہی بتلا دیا تھا۔ کہ ان مبارک دنوں میں جشن بس اس طرح منایا جائے گا کہ اپنے کو صاف ستھرا کر کے اللہ کی عبادت کی جائے گی اور اس کی عظمت و کبریائی اور حمد و ثنا کا نغمہ بلند کیا جائے گا اور صدقہ و قربانی سے اللہ کے

حکم کی تعمیل کے ساتھ غرباء ضعفاء اور مساکین وفقراء کی مدد کی جائے گی ان دو دنوں کے علاوہ اور کوئی یوم "جشن" اور کوئی تہوار مسلمانوں کے لئے ان کے خدا و رسول نے مقرر نہیں کیا تھا۔

مگر "ہندوستانی مسلمانوں" نے اپنے برادران وطن کو دیکھا کہ ان کے یہاں لاتعداد تہوار ہیں اور ہر قسم کے ہیں تو انھوں نے اس پہلو سے شاید اپنی کمزوری محسوس کی اور ان کے سے ہی تہوار خود اپنے لئے بھی ایجاد کر لئے۔

ہندی مسلمانوں کے جس قدر خود ایجاد تہوار ہیں آپ ان سب کی "تاریخ پیدائش" کا کھوج لگائیں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ سب کسی نہ کسی غیر مسلم قوم کی نقالی میں ایجاد کیے گئے ہیں۔ اور اکثر و بیشتر تو ہندوؤں ہی سے لئے گئے ہیں۔ اس وقت ان تہواروں سے ہماری بحث نہیں البتہ عشرۂ محرم میں تعزیہ داری کی شکل میں جو سوانگ ہندوستان کے مختلف حصوں میں رچایا جاتا ہے صرف اسی کی طرف ہم آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں۔

ہندوؤں کی مذہبی تاریخ میں راون اور رام کی جنگ ایک خاص حیثیت رکھتی ہے وہ ہر سال رام لیلا منا کر اس کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ غرض راون اور رام کے درمیان جو معرکہ ہزاروں برس پہلے ہوا تھا (یا ہونا بیان کیا جاتا ہے) رام لیلا اسی کی تمثالی یادگار ہے — ہندی مسلمانوں کے یہاں اس قسم کی کوئی چیز نہ تھی انھوں نے اس "کمی" کو اس طرح پورا کیا کہ عشرۂ محرم میں معرکۂ کربلا کی تمثالی یادگار منانی شروع کر دی — اگر آپ کے علاقہ میں بھی تعزیہ داری اسی طرح اور اتنی ہی دھوم دھام سے منائی جاتی ہے جتنی کہ ہمارے نواح میں تو آپ کو خود بھی اندازہ ہوگا کہ یہ علم اور دُلدُل اور تابوت اور کربلا اور ڈھول دھاکے تاشے باجے رام لیلا کی کیسی مکمل نقل ہے۔

اس تعزیہ داری کی قباحتیں اور اس کا خلاف دین وایمان ہونا اتنا ظاہر ہے کہ کسی ادنیٰ درجے کے سمجھدار مسلمان کے لئے بھی اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں — ذرا کوئی سوچے تو اس تعزیہ داری کا کونسا جز اور کون سا حصہ وہ ہے جو صریحاً تعلیم اسلام اور روح ایمان کے خلاف نہیں — بخدا اگر قرون اولیٰ ہی نہیں بلکہ قرون وسطے کا بھی کوئی مسلمان عشرہ کے ایام میں ہمارے علاقہ میں آجائے اور یہاں بریلی، بدایوں اور گرد و نواح کے مسلمانوں کے وہ مشرکانہ اور مجنونانہ تماشے دیکھے جو وہ دین و مذہب کے نام پر اس عشرہ میں کرتے ہیں تو ہرگز یقین نہ کر سکے کہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ہونے والی اور ان کا کلمہ پڑھنے والی امت ہے اور اگر اس

قسم کے ساتھ بھی کوئی یہ بتلائے کہ یہ تعزیہ دار لوگ "مسلمان" اور "دینِ محمد" پر ہیں تو وہ یہی کہے گا۔

ہرگزم باور نمے آید ز روئے اعتقاد
ایں ہمہ را کردن و دینِ پیمبر داشتن

قرآن پاک میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے بعض نو مسلموں کا (جن کے دلوں میں حقیقت ایمان اچھی طرح راسخ نہیں ہوئی تھی) گزر ایک بت پرست جماعت پر ہوا انھوں نے دیکھا کہ وہ لوگ اپنے بتوں کو پوج رہے ہیں اور ان پر جھکے پڑے ہیں (اور ان کے ہاتھ اس قسم کے کسی "خانہ ساز الٰہ" سے خالی تھے) تو فوراً انھوں نے حضرت موسیٰ کے حضور میں درخواست پیش کر دی

اجعل لنا إلٰهاً كما لهم آلهة — اے موسیٰ جیسے خدا ان لوگوں کے پاس ہیں ہمارے لئے بھی ایسا ہی ایک خدا بنا دیجئے۔

ٹھیک اسی جہالت اور بے راہ روی کا مظاہرہ ہمارے ان تعزیہ داروں نے عشرہ محرم کی تعزیہ داری کے ذریعہ کیا ہے بلکہ قوم موسیٰ کے ان نو مسلموں نے تو معاملے کو درخواست کی شکل میں حضرت موسیٰ کے حضور میں پیش کیا تھا، بہت کے ان تعزیہ دار مسلمانوں نے دیدہ دلیری کے ساتھ ان تمام سوانگوں کی نقل عشرہ محرم میں شروع کر دی جو برادران وطن رام لیلا میں کرتے ہیں۔ سچ فرمایا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

لتركبن سنن من كان قبلكم شبراً بشبر وذراعاً بذراع — تم ضرور اگلی گمراہ امتوں کے قدم بقدم چل کے رہو گے اور وہ سارے کرتوت کرو گے جو انھوں نے کیے۔

پھر کتنے افسوس اور رنج و قلق کا مقام ہے کہ یہ سب کچھ دین و مذہب کے نام پر اور سیدنا حضرت حسین شہید کربلا کی محبت کے دعوے کے ساتھ کیا جاتا ہے اگر تعزیہ داری کے کسی حامی میں ایمانی شعور اور اسلامی حس کا کوئی درجہ باقی ہے تو ہم اس سے صرف اتنا عرض کریں گے کہ خدا کے واسطے اپنی ان حرکتوں سے غیروں کی نظروں میں "اللہ کے دین" اور محمد رسول اللہ کی تعلیم کو رسوا نہ کرو۔ غیر مسلم چونکہ اسلام سے متعلق صحیح معلومات نہیں رکھتے اس لئے وہ تمہارے ان اعمال کو (جو تم دین و مذہب ہی کے نام سے کرتے ہو) اسلام سمجھتے ہیں اور پھر ایسے اسلام کو (جو اپنے اندر رام لیلا کا پورا سوانگ رکھتا ہو) وہ کسی طرح بھی اپنے دھرم سے بہتر نہیں سمجھ سکتے

یہ جنس تو خود ان کے یہاں موجود ہے اور تم سے زیادہ مقدار میں۔

یقین کرو! کہ تعزیہ داری اور اس کے سلسلے میں عشرۂ محرم میں جو کچھ غیر اسلامی مظاہرے تم کرتے ہو بخدا یہ سب "اسلام" پر تمہارا ظلم ہے اور سخت ظلم ——— اللہ اور رسول اس سے ناراض ہوتے ہیں اور بے حد ناراض خود سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی روح پاک کو ان حرکتوں سے اذیت ہوتی ہے اور سخت ترین اذیت ——— اگر تم کسی اور کا لحاظ نہیں کر سکتے تو کم از کم سیدنا حسینؓ ہی کا لحاظ کرو۔

اے آنکہ ز خدا نیامدت شرم و ے

از روح حسین بن علی کن شرمے

(الفرقان ذیقعدہ ۱۳۶۰ھ)

# دو گمراہیاں

## حیلہ اسقاط اور عبد النبی و عبد الرسول جیسے ناموں کا حکم

اب سے کچھ دنوں پہلے ہانسوٹ ضلع بھڑوچ (گجرات) سے دو سوال بغرض استفتاء آئے تھے ان کا جو جواب لکھا گیا تھا بغرض تعمیم فائدہ اس کو الفرقان میں شائع کیا جاتا ہے۔ "مدیر"

## سوال اوّل

ہمارے یہاں حیلہ میت نکالا جاتا ہے جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ میت کا جنازہ مکان کے باہر رکھ کر ایک من ۲۰ سیر گیہوں اور ایک قرآن شریف مکان سے لایا جاتا ہے بعد میں گاؤں کے ملاجی صاحب گاؤں کے فقیر کو بلا کر اس کو اس طرح کہتے ہیں کہ "اس میت نے بلوغت کے بعد جتنے گناہ کئے ہوں خدا کے واسطے اپنے ذمہ لیتا ہے۔؟ تو وہ فقیر ان گناہوں کو اپنے ذمہ میں لے لیتا ہے۔ بعد میں وہ گیہوں اور قرآن شریف کا ہدیہ سوا روپیہ فقیر اور ملاجی آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں اب سوال یہ ہو کہ اس قسم کا حیلہ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور کرنے والا کیسا ہے۔

## جواب

لا الٰہ الا اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا بدء الاسلام غریبا وسیعود غریبا۔ یعنی اسلام اپنے دورِ آغاز میں بھی دنیا کے لیے اجنبی غیر معروف اور نامانوس تھا اور بعد میں بھی وہ ایسا ہی اوپرا اور نامعروف ہو کر رہ جائے گا۔ اسلام کی غربت اور نامعروفی اور اس کی اجنبیت و نامانوسی اس سے زیادہ اور کیا ہوگی کہ خود اسی کے نام لیوا اسی کے نام پر اور اسی کا کام سمجھ کر ایسی ایسی خرافات کرتے ہیں جس سے کفر و کافر [illegible] ش[illegible] لئے

قرآن شریف نے اگلی امتوں کے گمراہوں کے متعلق فرمایا ہے۔ (اتخذوا دینھم لعباً ولھواً) یعنی انھوں نے اپنے دین کو کھیل کھلونا بنا رکھا ہے۔) دین خدا کے ساتھ اس سے بڑھکر اور کیا کھیل بازی اور گستاخی ہو سکتی ہے کہ اس کے قانون جزا و سزا کے ساتھ یہ تلعب اور یہ مسخرہ پن کیا جائے۔

اگر شرعی اوامر و نواہی، خدائی مطالبات اور الٰہی فرائض کی بس اتنی ہی حقیقت ہے کہ مرنے کے پیچھے سوا روپیہ کے خرید کردہ ایک نسخہ قرآن اور ایک من بارہ سیر گیہوں کی ادائیگی ان سے فارغ الذمہ کردیتی ہے تو سارا دین بلکہ وحی و پیغمبری کا سارا سلسلہ معاذ اللہ ایک کھیل تماشے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ قرآن پاک تو جابجا صاف کہتا ہے۔ لا تجزی نفس عن نفس شیئا ولا یؤخذ منھا عدل) اور لا یقبل منھا عدل) یعنی کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے بدلہ نہیں دے سکتا اور نہ کسی نفس کی طرف سے معاوضہ لیا جائے گا نیز وہ پوری وضاحت اور صراحت کیساتھ یہ بھی اعلان کرتا ہے۔

لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ (بجنم) کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہوں کا بوجھ اپنے اوپر نہیں لے سکتا۔

بس جو لوگ گناہوں کی خرید و فروخت کا یہ کاروبار کرتے ہیں اور اس عقیدے کے ساتھ کرتے ہیں کہ اس طرح مرنے والے کے گناہ اس تالیا فقیر پر لدھ جاتے ہیں اور مرنے والا بے گناہ ہو جاتا ہے وہ نہ صرف عاصی اور گنہگار ہی ہیں بلکہ قرآن پاک کی ان واضح نصوص کے منکر ہیں معاذ اللہ۔

درحقیقت یہ نظریہ کہ کوئی کسی کے گناہوں کا بوجھ اٹھا سکتا۔ کسی معاملہ یا معاہدہ کی بنا پر ایک کے گناہ دوسرا اپنے ذمہ لے سکتا ہے) بعض کافروں کا تھا جسکی قرآن پاک نے نہایت صراحت اور پورے زور کے ساتھ تردید اور تکذیب کی ہے اور بتلایا ہے کہ اسطرح جو لوگ دوسروں کے گناہ اپنے ذمے لیتے ہیں۔ وہ دوسروں کا بوجھ تو کچھ بھی ہلکا نہیں کرسکتے البتہ اپنی اس حرکت اور جرات بیباکی کی وجہ سے اپنے گناہوں میں اضافہ کر لیتے ہیں۔ سورہ عنکبوت میں ہے۔

وقال الذین کفروا للذین آمنوا اتبعوا سبیلنا ولنحمل خطایاکم وماھم بحاملین من خطایاھم من شیء انھم لکذبون (عنکبوت)

اور کافروں نے مسلمانوں سے کہا تم ہمارا کہنا مانو اور ہماری راہ چلو تمہارے سارے گناہ ہم اپنے سر لیتے ہیں حالانکہ یہ لوگ ان کے گناہوں میں سے ذرا بھی نہیں لے سکتے [illegible] ہیں

وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ ۖ وَلَيُسْأَلُنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَمَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۔ (سورۂ عنکبوت)

ہاں! اور یہ اپنے گناہوں کے ساتھ دوسروں کا بوجھ بھی اٹھائیں گے۔ اور قیامت کے دن ان سے اس افترا پردازی کی ضرور باز پرس ہوگی ——!

افسوس یہ شدید اور کافرانہ گمراہی "امتِ مسلمہ" میں بھی راہ پاگئی یہاں تک کہ ایک مسلمان کو اس بارے میں یہ استفتا کرنے کی ضرورت پیش آرہی ہے۔ کہ یہ حیلہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ —— اور اس کا کرنے والا کیسا ہے۔ حالانکہ ایک مسلمان کو اگر ضرورت ہوسکتی ہے تو یہ پوچھنے کی ہوسکتی تھی کہ اس فعل اور اس کے فاعلوں پر خدا کی کتنی لعنت ہوتی ہے۔

(سوال دوم)

"عبد النبی" اور "عبد الرسول" نام رکھنا کیسا ہے؟ بعض لوگ وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ؕ میں "مِنْ عِبَادِكُمْ" کے لفظ سے ان ناموں کے جواز کیلئے استدلال کرتے ہیں۔ اس مسئلہ پر ذرا مفصل روشنی ڈالی جائے؟

(جواب)

"اسلام" "دین التوحید ہے" اور اس کے ان خصائص میں سے جن کی وجہ سے اس کو دوسرے ادیان پر فوقیت حاصل ہے ایک اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ اس نے توحید کے استحکام کے لیے صرف شرک اور مظاہرِ شرک ہی کے استیصال پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ جو چیز اور جو کام کسی طرح بھی شرک کا سبب بن سکتے تھے یا جن امور میں شرک کا کوئی شائبہ اور واہمہ بھی ہوسکتا تھا اس نے ان پر بھی کڑی بندش عائد کردی۔ جس شخص نے قرآن و حدیث کا بصیرت کے ساتھ مطالعہ کیا ہوگا اس کے علم میں اسلام کی وہ تمام بندشیں تفصیل کے ساتھ ہوں گی جو ایسی چیزوں پر عائد کی گئی ہیں۔ جن کے کسی طرح منجر الی الشرک ہونے کا شبہ ہوسکتا تھا۔ مثلاً آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے "ماشاء اللہ و شاء محمد" کہنے سے بھی صحابہ کو منع فرمایا۔ اور حیاتِ مبارکہ میں اپنی ذاتِ مقدسہ کو اور بعد وفات اپنی قبر منور کے لیے تعظیماً سجدہ کرنا بھی حرام قرار دیا بلکہ اپنے لیے قیامِ تعظیمی سے بھی صحابہ کو منع فرمایا۔

علیٰ ھذا دفعِ امراض کے لیے کانسی پیتل کے کڑے پہننے گلے میں ایسے نقش و ٹوٹکے لٹکانے اور تانت باندھنے کا مشرکین میں جو رواج تھا، امت کو شائبہ شرک سے بچانے کے لیے ان چیزوں سے بھی آپ نے منع فرمایا۔

اسی طرح آفتاب پرستوں کی ظاہری اور صوری مشابہت نیز آفتاب پرستی کے شبہ اور شائبہ سے بھی اپنی امت کو بچانے کے لیے طلوع، غروب و زوال کے وقت نماز ادا کرنے سے بھی منع فرمایا قبروں کو پختہ بنانے، ان پر عمارتیں بنانے اور ان پر چراغاں کرنے سے امت کو روک دیا اور اس بارہ میں نہایت سخت احکام نافذ کئے، یہ سب اس لیے کہ انہی راہوں سے امت میں شرک گھس سکتا تھا یا کم از کم شرک کا شائبہ آسکتا تھا۔ ۔۔۔ ۔۔۔"

جس شخص نے اسلام کے مزاج کو کچھ بھی سمجھا ہے اور ان احکام کی روح اور علم پر کچھ بھی غور کیا ہے تو وہ ایک لمحہ کے لیے بھی اس میں شک نہیں کر سکتا کہ "عبدالنبی"، "عبدالرسول"، "عبدالمصطفےٰ" جیسے نام رکھنا اسلام کی روح کے خلاف جنگ اور اسلامی توحید کے مقتضا کے قطعاً منافی ہے اور کسی مولوی "ملا" کا "دلیلوں اور نادلیلوں" سے اس کا جواز" یا استحسان نکالنا افسوسناک اور بے راہ روی اور ان گمراہیوں سے ایک گمراہی ہے جن کے امت مسلمہ میں پھیلنے کی پیش گوئی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں فرمائی تھی۔

لتتبعن سنن من كان قبلكم شبرا بشبر وذراعا بذراع (بخاری)

تم ضرور بالضرور اگلے گمراہوں کے طور و طریقوں کی قدم بقدم پیروی کروگے"

کون نہیں جانتا کہ مشرکین عرب عبد وَد، عبدالعزّیٰ، اور عبدالشمس قسم کے نام رکھتے تھے، مشرکین ہند بھی اپنے بچوں کے نام گنگا داس، جمنا داس، لچھمن داس وغیرہ رکھتے ہیں (اور داس کے معنی قریب قریب وہی ہیں جو عبد کے ہیں) عیسائیوں میں عبدالمسیح بہت رواج یافتہ اور مقبول نام ہے پس جو لوگ عبدالنبی اور عبدالرسول" جیسے نام رکھتے ہیں وہ عملاً ان [illegible] سالکان شرک کی پیروی کرتے ہیں ۔۔۔۔ یہ مانا کہ عبد کے معنی مملوک غلام کے بھی ہیں اور کبھی اس سے محض خادم بھی مراد ہوتا ہے اور اسی لیے محض اس قسم کے نام رکھنے کی وجہ سے ہم کسی کو مشرک " بالمعنی المصطلح " اور خارج از اسلام نہیں کہتے اور نہیں کہہ سکتے۔ لیکن ایسا نام حقیقی شرک اور شائبہ شرک اور تتبع طریق مشرکین سے اس کو خالی بھی نہیں کہا جا سکتا۔ اور اس لئے اس کے عدم جواز میں شبہ نہیں کیا جا سکتا جو دین ماشاء الله وشئت، اور ماشاء الله وشاء محمد جیسی تعبیرات کو برداشت نہیں کر سکتا وہ عبدالنبی و عبدالرسول اور عبدالمصطفےٰ جیسے ناموں کو کیونکر برداشت کر سکتا ہے اور جس پیغمبر نے غلاموں اور باندیوں کو بھی عبدی و امتی کے لفظ سے خطاب کرنے سے لوگوں کو منع فرمایا حالانکہ انہیں شکل ہی سے کسی کو

معنی شرک کا وہم ہو سکتا ہے۔ اس پیغمبر کی لائی ہوئی شریعت میں اس قسم کے نام رکھنے کی کس طرح گنجائش ہو سکتی ہے جس میں امکان وہم شرک سے گذر کر "ایہام شرک" اور پھر ایک "رسم کافری" کا اتباع بھی ہو۔

ہاں تو جس شخص نے روح شریعت کو کچھ بھی پہچانا ہے اس کو اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی شخص ایسا نام رکھتا تو آپ ضرور اس کو منع فرماتے جس طرح کہ "ماشاء اللہ وشئت" اور "ماشاء اللہ وشاء محمد" سے منع فرمایا۔ بلکہ اس کے بارے میں آپ کی ممانعت اشد ہوتی۔ کیوں کہ بہ نسبت اس کلمہ کے شرکیہ معنی کا ایہام ان ناموں میں بدرجہا زیادہ ہے۔ کیوں کہ ناموں میں عبدیت کی نسبت اپنے "معبود" ہی کی طرف تمام ملتوں کے عرف میں شائع ذائع ہے اور عبد بمعنی مملوک یا بمعنی خادم کے استعمال کا رواج کسی قوم اور کسی ملت کے ناموں میں معلوم نہیں۔

یہیں سے یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ ناموں کے جواز کے لیے آیت کریمہ "وانکحوا الایامی منکم والصالحین من عبادکم" سے سند پکڑنا کیسی شدید جہالت ہے عام محاورات اور تعبیرات میں زبان عرب کے اندر غلاموں کے لیے "عبد" کا استعمال شائع ذائع ہے اور واقعہ یہ ہے کہ ایسے مواقع میں معنی شرکیہ کا وہم بھی کسی کو نہیں ہو سکتا بخلاف عبد النبی اور عبد الرسول جیسے ناموں کے کیونکہ ناموں میں عبد بمعنی غلام یا بمعنی خادم کا استعمال متعارف نہیں ہے اس لیے وہاں شرک کا ایہام ضرور ہے اور اس فرق سے انکار کوئی جاہل معاند ہی کر سکتا ہے۔

---

خیر یہ تو اصولی بحث تھی اور ایسے مسائل میں غور و بحث کا صحیح طریقہ بھی یہی ہے۔ لیکن چوں کہ اس قسم کے شرکیہ نام رکھنے کی بدعت اب سے پہلے مسلمانوں میں آچکی تھی اس لیے اگلے علمائے کرام کی تصنیفوں اور فتووں میں بھی ان ناموں کے حرام و ناجائز ہونے کی تصریح حسن اتفاق سے موجود ہے جن کو یہ گمراہ اور شرک نواز مدعیان اسلام بھی معتبر و مستند مانتے ہیں — چند تصریحات ملاحظہ ہوں۔

شیخ علی قاری حنفی "مرقاۃ شرح مشکوٰۃ" میں زیر حدیث "احب اسمائکم عند اللہ عبد اللہ وعبد الرحمن" ارقام فرماتے ہیں۔

ولا یجوز نحو عبد الحارث ولا — عبد الحارث اور ایسے ہی عبد النبی جیسے ناموں کا

عَبْدُ النبی وَلَا عبرۃ باشاعۃ بین النّاس۔ (مشکوٰۃ)

رکھنا جائز نہیں ہے اور لوگوں میں جو یہ پھیل گئی ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

اور یہی ملا علی قاری شرح فقہ اکبرؒ میں فرماتے ہیں۔

وامّا ما اشتھر من التسمیۃ بعبد النبی فظاھرہ کفر الّا ان اراد بالعبد المملوک۔

اور یہ جو عبدالنبی نام رکھنا شائع ہو گیا ہے تو اس کا ظاہر تو کفر ہے مگر یہ کہ عبد سے مملوک مراد ہو۔

واضح رہے کہ یہ استثنا حکم کفر سے ہے ورنہ عدم جواز ہر صورت ہے جیسا کہ پہلی عبارت سے ظاہر ہے۔ اور ابن حجر مکی شافعی منہاج کی شرح میں فرماتے ہیں۔

وبحرم ملک الملوک لان ذالک لیس لغیر اللہ وکذا عبد النبی وعبد الکعبۃ او الدار او علی او الحسن لایھام التشریک (شرح منہاج)

اور ملک الملوک، دلقب یا نام اختیار کرنا حرام ہے کیونکہ یہ شان سوائے خدا کے کسی کی نہیں ہے۔ اور ایسے ہی عبدالنبی اور عبدالکعبہ اور عبدالدار اور عبدعلی، عبدالحسن یہ سب نام رکھنے بھی حرام ہیں ایہام شرک کی وجہ سے۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ "حجۃ اللہ البالغہ" میں بعض خاص قسم کے مشرکین کی یہ عادت وحالت بیان کرنے کے بعد کہ وہ عبدالمسیح اور عبدالعزیٰ جیسے نام رکھتے ہیں فرماتے ہیں ——۔

وھذا مرض جمھور الیھود والنصاریٰ والمشرکین وبعض الغلاۃ من منافقی دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی یومنا ھذا ——

اور یہ عام یہود ونصاریٰ اور تمام مشرکین کی بیماری ہے اور ہمارے زمانے کے بعض غالی لوگ جن کو دین محمدی کا منافق کہنا چاہئے وہ بھی اس میں گرفتار ہیں۔

اور یہی شاہ صاحب قدس سرہ اپنے ترجمہ قرآن (فتح الرحمٰن) میں آیت فلما اٰتھما صالحًا جعلا لہ شرکاء پر فائدہ لکھتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں۔

واز ینجا دانستہ شد کہ شرک در تسمیہ نوعے است از شرک چنانکہ اہل زمان غلام فلاں وعبد فلاں نام نہند واشتباہ آں۔

اور یہاں ہی سے یہ معلوم ہو گیا کہ ناموں میں شرک شرک ہی کی ایک قسم ہے جیسا کہ ہمارے زمانے کے لوگ غلام فلاں اور عبد فلاں نام رکھتے ہیں۔

اور حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر فتح العزیز میں زیر آیت الا تجعلوا للہ انداداً، وجوہ شرک بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| — از انجملہ آنکہ ساتیکہ درنام نہادن خود را بند فلاں و عبد فلاں میگویند و ایں شرک در تسمیہ است — | اور ان ہی میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو اپنے نام رکھنے میں بندہ فلاں، عبد فلاں کہتے ہیں یہ "شرک فی التسمیہ" ہے۔ |

اور اصل یہ ہے کہ جس کے دل میں اسلام کی توحید رچ چکی ہو اور اصل توحید کا رنگ جس پر چڑھ چکا ہو وہ کسی حال میں اللہ کے سوا کسی اور کی "عبدیت" پر برائے نام بھی راضی نہیں ہو سکتا۔ وصبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ ونحن لہ عابدون ٥

جو لوگ ان امراض میں علانیہ گرفتار ہیں یا جو علم نروش اپنی منطقی تاویلوں یا تشقیقوں سے ایسی گمراہیوں کے جواز کیلئے راہیں نکال کر لوگوں کی گمراہیوں میں اپنے بدتر از جہل علم سے مدد کرتے رہتے ہیں۔ درحقیقت وہ ظالم اس امانتِ الٰہیہ کے اصل ذوق ہی سے محروم ہیں جس کا نام توحید ہے۔

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظَّالِمِيْنَ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا

وَثَبَّتَنَا اللّٰهُ عَلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْمِ

# عقیدۂ علمِ غیب

## قرآن و حدیث اور ارشاداتِ صحابہؓ کی روشنی میں

۱۳۵۲ھ میں آگرہ کے ایک صاحب نے مدیر الفرقان سے چند سوالات کئے تھے اور الفرقان کے ذریعہ ان کا جواب چاہا تھا ان میں پہلا سوال یہ تھا کہ:-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کو "علم غیب" تھا یا نہیں؟ برائے کرم مدلل قرآن و حدیث سے اس کا جواب دیجئے۔

اس سوال کا حسب ذیل جواب جمادی الاخریٰ ۱۳۵۲ھ کے الفرقان میں شائع ہوا تھا۔

## الجواب

بعون اللہ الملک الوہاب وھو الملھم للصدق والصواب

سوال میں علم غیب کا لفظ مبہم ہے، اس کے بہت سے معانی ہو سکتے ہیں اور ہر صورت میں جواب جداگانہ ہوگا جس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ اگر علم غیب سے بغیر خدا کی وحی و الہام اور بدون اس کی عطا کے غیب کا علم مراد ہے تو جواب یہ ہے کہ کسی مخلوق کو بھی ایسا علم غیب نہیں، جو ایک ذرہ کا بھی ایسا علم کسی نبی یا فرشتہ یا ولی کے لیے ثابت کرے وہ کافر اور مشرک ہے۔ یہ تمام امت کا اجماعی مسئلہ ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ خود مدعیان علم غیب کے رأس و رئیس جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب

اپنے رسالہ "الدولۃ المکیۃ" اور "خالص الاعتقاد" میں تصریح فرماتے ہیں۔

فالاول (ای العلم الذاتی) مختص بالمولیٰ سبحانہ وتعالیٰ لا یمکن لغیرہ ومن اثبت شیئاً منہ ولو ادنیٰ من ادنیٰ من ذرۃ لاحد من العالمین فقد کفر واشرک وباد وھلک۔ (الدولۃ المکیۃ ص۱)

علم ذاتی اللہ عز وجل سے خاص ہے اس کے غیر کے لیے محال ہے جو اس میں سے کوئی چیز اگرچہ ایک ذرہ سے کمتر سے کمتر غیر خدا کے لیے مانے وہ یقیناً کافر و مشرک ہے (اور برباد ہوا اور ہلاک ہو گیا) (خالص الاعتقاد صـ۲۳)

(ب) اور اگر علم غیب سے بلا استثنا تمام غیوب کا علم عطائی مراد ہے تو جواب یہ ہے کہ یہ بھی کسی مخلوق کو حاصل نہیں۔ قرآن کریم کی بہت سی آیات کریمہ اور آنحضرت صلعم کی صدہا احادیث اس پر ناطق ہیں مگر چوں کہ یہ مسئلہ بھی ہمارے اور بریلوی حضرات کے درمیان متفق علیہ ہے اس لیے ہم اس پر بھی دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ علاوہ بریں یہ کہ چوتھی صورت میں جو دلائل پیش کئے جائیں گے وہی اس کے لیے بھی کافی ہوں گے۔

(ج) اور اگر علم غیب سے مطلق غیب کا علم مراد ہے (یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کچھ غیوب کی اطلاع دی) تو یہ صحیح ہے بیشک خداوند عالم نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم غیب کی بہت سی باتوں کا علم عطا فرمایا جس پر قرآن و حدیث شاہد ہے لیکن اس کو علم غیب سے تعبیر کرنا درست نہیں۔ کیوں کہ اس میں ایک امر باطل کا ایہام ہے، خود فاضل بریلوی "الدولۃ المکیۃ" صفحہ ۱۶ پر اسی اطلاق علم غیب کی بحث میں علامہ ابن المنیر مالکی سے نقل فرماتے ہیں۔

کم من معتقد لا یطلق القول بہ خشیۃ ایھام غیرہ مما لا یجوز اعتقادہ۔

کتنی ہی چیزیں ہیں کہ عقیدہ میں داخل ہیں مگر ان کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا بخوف اس کے کہ وہ کسی دوسری ایسی چیز کی طرف موہم ہو جائیں جس کا اعتقاد جائز نہ ہو۔

البتہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو غیب پر اطلاع دی۔

علامہ سید محمود آلوسی مفتی بغداد اپنی تفسیر "روح المعانی" میں ارقام فرماتے ہیں۔

---

سلہ مولوی احمد رضا خاں صاحب خالص الاعتقاد صفحہ ۲۳ پر تحریر فرماتے ہیں "اور ہم عطائے الٰہی سے بھی بعض علم ہی ملنا مانتے ہیں نہ کہ جمیع" ۱۲ منہ۔

وَلا اری حسنا قول القائل انه علیه الصلوٰة والسلام یعلم الغیب واستحسن ان یقال بدله ان علم اطلعه الله تعالیٰ علی الغیب او علمه سبحانه ایاه او نحو ذالك۔ اور میں کسی کہنے والے کے اس قول کو اچھا نہیں سمجھتا۔ "کہ حضور علم غیب رکھتے تھے" اور اس کو اچھا سمجھتا ہوں کہ اس کے بجائے یوں کہا جائے کہ حضور صلعم کو اللہ تعالیٰ نے غیب کی اطلاع دی یا یوں کہا جائے کہ حضور صلعم کو اللہ تعالیٰ نے غیب کی باتیں بتلائیں یا اسی کے مثل۔

(۵) اور اگر علم غیب سے آجکل کے اہل بدعت کے عقیدہ کے مطابق جمیع ماکان ومایکون کا علم مراد ہوتا ہے تو وہ بھی باطل ہے جیسا کہ بہت سی آیات قرآنیہ اور صدہا احادیث نبویہ اس پر شاہد ہیں، یہ عاجز اس مسئلہ کی پوری تفصیل اپنے رسالہ "بوارق الغیب" میں کرچکا ہے اس وقت صرف پانچ آیتیں اور علیٰ ہذا پانچ ہی حدیثیں پیش کی جاتی ہیں۔

پہلی آیت | له غیب السموات والارض ابصر به واسمع ۵ صرف اسی کو ہے آسمان وزمین کے کل غیب کا علم وہ کتنا بصیر اور کس قدر سمیع ہے۔

اس آیت کا مفاد یہ ہے کہ آسمان اور زمین کے غیب کا علم کلی[1] صرف خدا کو ہے۔ چنانچہ تفسیر خازن میں اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

یعنی انه تعالیٰ لایخفیٰ علیه شئ من احوال اهلها فانه العالم وحده به صفحہ ۱۶۹ ج ۴ یعنی اللہ تعالیٰ پر آسمان وزمین کے حالات میں سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں بس وہ ہی تنہا ان کا جاننے والا ہے

نیز تفسیر مدارک التنزیل صفحہ ۹ ج ۳ اور تفسیر ابی السعود صفحہ ۵ ج ۴ اور تفسیر جلالین وغیرہ میں مختلف الفاظ میں تقریباً یہی مضمون ادا کیا گیا ہے۔

دوسری آیت | ولله غیب السموات آسمانوں اور زمین کے غیب کا علم صرف اللہ

[1] مفسرین نے علم کلی کی نفی غالباً غیب کی اضافت سے نکالی ہے کیوں کہ الف لام کی طرح اضافت بھی استغراق کی مفید ہو جاتی ہے (جیسا کہ مطول اور اس کے حواشی میں مذکور ہے) اور عقلی قرینہ تو بالکل ظاہر ہے کیوں کہ زمین وآسمان کی بعض مخفی چیزوں کی اطلاع تو دوسروں کو بھی ہے لہٰذا اس کا غیب السموات والارض کے علم کلی کا اختصاص اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست ہو سکتا ہے۔ ۱۲ منہ

والارض (ھود) ہی کو ہے۔

اس آیت میں بھی آسمان وزمین کے غیب کا علم کلی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص بتایا گیا ہے۔ تفسیر بیضاوی میں اسی آیت کے ذیل میں ہے۔

| | |
|---|---|
| (وللّٰہ غیب السمٰوات والارض) خاصۃ لایخفیٰ علیہ خافیۃ فیھما | (آسمانوں اور زمین کے غیب کا علم صرف اللہ ہی کو ہے) اسی کے ساتھ خاص ہے اور زمین وآسمان کی کوئی پوشیدہ چیز اس پر مخفی نہیں ۔ |

اسی مضمون کو علامہ علی بن محمد خازن نے تفسیر لباب التاویل کے صفحہ ۲۱۲ ج ۳ پر اور علامہ نسفی حنفی نے تفسیر مدارک التنزیل صفحہ ۱۶۱ ج ۲ پر اور خطیب شربینی نے تفسیر سراج منیر کے صفحہ ۸۰ ج ۲ اور معین بن صفی نے تفسیر جامع البیان صفحہ ۱۵۰ ج ۱ پر مختلف الفاظ میں ادا کیا ہے۔

**تنبیہ** واضح رہے کہ ان دونوں آیتوں میں غیب مطلق کا ذکر نہیں ہے کہ ماکان وما یکون کو اس کا ایک محض جزو حصہ قرار دے دیا جائے بلکہ یہاں صرف آسمان وزمین کے غیب کا ذکر ہے اور اسی کے علم کلی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص بتایا گیا ہے اور وہ یقیناً ماکان وما یکون میں داخل ہے۔ (فتاملوا)

| | |
|---|---|
| تیسری آیت ورسلاً قد قصصنٰھم علیک من قبل ورسلاً لم نقصصھم علیک (سورۃ النساء) | اور (بہت سے ایسے) رسول بھیجے ہم نے کہ ان کو ہم نے آپ سے پہلے بیان کردیا ہے اور بہت سے ایسے رسول کہ ہم نے ان کو آپ سے بیان نہیں کیا۔ |

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ خدا کے بعض رسول ایسے ہیں جن کا ذکر رسول خدا صلعم سے نہیں کیا گیا اور ظاہر ہے کہ وہ بھی ماکان وما یکون میں داخل ہیں۔

اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اسی آیت کے ذیل میں مروی ہے۔

| | |
|---|---|
| بعث اللہ نبیاً من الحبش و ھو ممن لم یقصص علیٰ محمد صلعم (اخرجہ الطبرانی فی الاوسط وابن مردویہ) | اللہ تعالیٰ نے قوم حبش میں سے ایک نبی کو مبعوث فرمایا تھا اور وہ ان میں سے ہیں جن کا بیان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے نہیں کیا گیا۔ |

اور اسی لیے کتب عقائد میں تصریح فرمائی گئی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا کوئی خاص عدد مقرر

نہ کیا جائے۔

چنانچہ عقائد اہلسنت کی درسی کتاب شرح عقائد نسفی کے صفحہ ۱۰۱ پر ہے۔

الاولیٰ ان لایقتصر علی عدد فی التسمیۃ فقد قال اللہ تعالیٰ منھم من قصصنا علیک ومنھم من لم نقصص علیک ولایومن فی ذکر العدد ان یدخل فیھم من لیس منھم... او یخرج منھم من ھو فیھم... یعنی ان خبر الواحد ..... لایفید الا الظن ولاعبرۃ بالظن فی باب الاعتقادیات خصوصًا اذا کان القول بموجبہ یفضی الی مخالفۃ ظاہر الکتاب وھو ان بعض الانبیاء لم یذکر للنبی علیہ الصلوٰۃ والسلام انتہیٰ)

(شرح عقائد نسفی مطبوعہ مجتبائی صفحہ ۱۰۱)

بہتر یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بارے میں اقتصار نہ کیا جائے کسی عدد پر نام لینے میں اسلئے کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ ان میں سے بعض کو ہم نے تم سے بیان کردیا اور بعض کو بیان نہیں کیا اور کسی عدد کے ذکر کرنے میں خوف ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام خارج ہوجائیں یا غیر نبی سلسلہ انبیاء میں داخل ہوجائے...... مطلب یہ ہے کہ خبر واحد اگر صحیح بھی ہو تو محض ظن کی مفید ہوتی ہے اور اعتقادیات میں ظن معتبر نہیں بالخصوص جبکہ اسکے مضمون کا قائل ہونا ظاہر کتاب اللہ کی مخالفت تک پہونچاتا ہو اور وہ (ظاہر قرآن مجید یہ ہے) کہ بعض انبیاء علیہم السلام کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں کیا گیا۔

چوتھی آیت | وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ (مدثر)

اور تمھارے پروردگار کے لشکروں (کی تعداد) کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

بقرینہ سیاق وسباق عام مفسرین نے "جنود" سے ملائکۃ اللہ کو مراد لیا ہے اس بنا پر آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کی تعداد کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور ظاہر ہے کہ فرشتے بھی "ماکان ومایکون" میں داخل ہیں۔

عماد المفسرین حافظ الحدیث امام ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

ای مایعلم عددھم وکثرتھم الا ھو تعالیٰ۔ صفحہ ۱۱۰/ج ۱۰

یعنی ان کے عدد اور ان کی کثرت کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اور تفسیر خازن میں اسی آیت کے ذیل میں ہے۔

المعنی ان الخزنة تسعة عشر ولهم اعوان و جنود من الملائكة لا يعلم عددهم الا الله تعالى خلقوا لتعذيب اهل النار

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ جہنم کے خازن انیس ۱۹ ہی ہیں۔ لیکن ان کے بہت سے معاونین ہیں اور فرشتوں کے بہت سے لشکر ہیں جن کی تعداد کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا وہ جہنمیوں کے عذاب کے لیے ہی پیدا کیے گئے ہیں۔

صفحہ ۱۴۸ ج ۷

اور تفسیر معالم التنزیل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے تلمیذ (شاگرد) حضرت عطاء سے بعینہ یہی مضمون منقول ہے۔

پانچویں آیت | يسئلونك عن الساعة ايان مرسها قل انما علمها عند ربي لا يجليها لوقتها الا هو ثقلت في السموات والارض لا تاتيكم الا بغتة يسئلونك كانك حفي عنها قل انما علمها عند الله ولكن اكثر الناس لا يعلمون ○

(اعراف رکوع ۲۳)

(اے ہمارے رسول) لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں قیامت کے متعلق کہ کب آئے گی فرما دیجئے کہ بس اس کا علم میرے رب ہی کو ہے نہیں ظاہر کرے گا اس کو اس کے وقت پر مگر اللہ تعالیٰ — بھاری ہے وہ آسمانوں اور زمینوں میں وہ اچانک بے خبری ہی میں آئے گی وہ آپ سے سوال کرتے ہیں گویا کہ آپ اس کو جانتے ہیں۔ کہہ دیجئے کہ اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ لیکن بہت سے لوگ اس حقیقت سے ناواقف ہیں۔

اس آیت کریمہ کے آخری کلمات کی تفسیر کرتے ہوئے سید المفسرین حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

قال ابن عباس لما سأل الناس محمدا صلى الله عليه وسلم عن الساعة سألوه سوال قوم كانهم يرون ان محمدا صلى الله عليه وسلم حفي بهم فاوحى اليه انما علمها عنده استأثر بعلمها فلم يطلع عليها ملكا ولا رسولا۔ (تفسیر ابن جریر صفحہ ۹۴ ج ۹)

جب لوگوں نے حضور سے قیامت کے متعلق سوال کیا تو ان لوگوں کا سوال ایسا کیا کہ وہ گویا حضور کو اپنا بڑا مہربان سمجھتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اس کا علم بس اللہ ہی کو ہے اس نے اپنے لیے خاص کر لیا ہے نہ کسی فرشتے کو دیا ہے نہ کسی نبی (علیہ السلام) کو

اور حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| لعمری لقد اخفاها الله من الملائکة المقربین ومن الانبیاء والمرسلین۔ | میری جان کے مالک کی قسم قیامت کو چھپایا ہے اللہ تعالیٰ نے مقرب فرشتوں اور نبیوں اور رسولوں سے۔ |
| (اخرجه عبدالرزاق وابن المنذر وابن ابی حاتم) | |

اگر صحابہ وتابعین وائمہ مفسرین کے اس قسم کے اقوال کا استیعاب کیا جائے تو سیکڑوں کی تعداد میں نقل کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن نہ اس وقت اس کی حاجت اور نہ مجھے اتنی فرصت۔ اگر خدا کی توفیق سے "بوارق الغیب" چھپ گئی تو یہ بحث پوری تفصیل کے ساتھ منظر عام پر آجائے گا۔

اس کے بعد حسب وعدہ چند حدیثیں نقل کی جاتی ہیں۔

پہلی حدیث: صحیح مسلم اور سنن اربعہ میں روایت ہے۔

| | |
|---|---|
| عن جابرؓ انه جاء عبد فبایع النبی صلی الله علیه وسلم علی الهجرة ولم یشعر انه عبد فجاء سیده یریده فقال له صلی الله علیه وسلم بعنیه فاشتراه بعبدین اسودین ثم لم یبایع احدًا حتی یسئل اعبد هو؟ | حضرت جابر سے مروی ہے کہ ایک غلام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ہجرت پر بیعت کی اور آپ کو یہ علم نہ تھا کہ وہ غلام ہے اس کے بعد اس کا آقا اس کو لینے کے لیے آیا تو حضور نے اس سے فرمایا کہ تم اس کو ہمارے ہاتھ فروخت کردو۔ چنانچہ آپ نے اس کو دو حبشی غلام دے کر خرید لیا۔ پھر اس کے بعد آپ نے کسی کو بیعت نہیں کیا یہاں تک کہ آپ دریافت فرمالیتے تھے کہ وہ غلام تو نہیں ہے۔ |
| (جمع الفوائد صفحہ ۲۴۹/۱۴) | |

اس روایت سے صرف اسی قدر معلوم نہیں ہوا کہ اس خاص معاملہ میں آنحضرت کو اس شخص کی غلامی کی اطلاع نہ تھی۔ بلکہ یہ بھی پتہ چلا کہ آنحضرت زندگی میں بھی حضور ہر اس شخص سے جو ہجرت کی بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوتا دریافت فرمایا کرتے تھے کہ وہ غلام تو نہیں ہے؟

غرض اس روایت سے حضور کی ایک مستقل اور مستمر حالت معلوم ہوئی۔

دوسری حدیث: مسلم شریف میں بالفاظ مختلفہ حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی

---

بوارق الغیب حصوں میں چھپ گئی تھی لیکن وہ مدت سے نایاب ہیں۔ ناظم الفرقان

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

(انما انا بشر و انہ یاتینی الخصم فلعل بعضکم ان یکون ابلغ من بعض فاحسب انہ صادق فاقضی لہ فمن قضیت لہ بحق مسلم فانما ھی قطعۃ من نار فلیحملھا او یذرھا۔

(جمع الفوائد صفحہ ۲۶۰ ج ۱)

بیشک میں ایک بشر ہی ہوں اور میرے پاس مقدمات کے سلسلے میں) فریق (اپنے مقدمے کی پیروی کے لیے) آتے ہیں (ایسی صورت میں ممکن ہے) کہ شاید تم میں کوئی اچھا بولنے والا (تیز طرار) ہو (جس کی لسانی کی وجہ سے) میں سمجھ لوں کہ وہ سچا ہے اور میں اسی کے حق میں فیصلہ دے دوں (حالانکہ وہ اس کا حق دار نہ تھا) پس (اس طرح نادانستگی سے) میں جس کو کسی دوسرے مسلمان کا حق دلوا دوں تو وہ اس کے لیے جائز نہیں ہو جاتا بلکہ) وہ جہنم ہی کا ٹکڑا ہے پس خواہ وہ اسے اٹھالے یا چھوڑ دے۔

اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو جمیع ما کان و مایکون کا علم ہوتا تو اس کا امکان ہی نہ تھا کہ آپ کسی جھوٹے کو اس کی لسانی اور چرب زبانی کی وجہ سے سچا سمجھ لیتے۔

تیسری حدیث | صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

(قالت) قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لاعلم اذا کنتِ عنی راضیۃ و اذا کنتِ علی غضبی فقلت من این تعرف ذالک؟

قال اما اذا کنتِ عنی راضیۃ فانک تقولین لا و رب محمد۔ و اذا کنتِ غضبی قلتِ لا و رب ابراھیم، قلت اجل واللہ یا رسول اللہ ما اھجر الا اسمک

(جمع الفوائد صفحہ ۲۲۹ ج ۱)

فرماتی ہیں کہ مجھ سے ایک دفعہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں خوب جان لیتا ہوں جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو۔ اور جب تم غصے میں ہوتی ہو (حضرت صدیقہ کہتی ہیں) میں نے عرض کیا آپ کیوں کر پہچانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو (تو قسم کھاتے وقت کہتی ہو) رب محمد کی قسم اور جب تم غصے میں ہوتی ہو تو کہتی ہو رب ابراہیم کی قسم۔ میں نے عرض کیا ہاں خدا کی قسم یا رسول اللہ میں اس وقت صرف بظاہر آپ کے نام کو چھوڑ دیتی ہوں

رضا و غضب وغیرہ کیفیات کو ان ظاہری علامات سے پہچاننا جبھی متصور ہو سکتا ہے جبکہ حضور کے لیے جمیع ما کان و ما یکون کا علم تسلیم نہ کیا جائے۔ نیز حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہ سوال "من این تعرف ذالک"، "آپ میری خوشی و ناخوشی کو کہاں سے معلوم کرتے ہیں" صاف بتلا رہا ہے کہ حضرت صدیقہ بھی حضور کو جمیع ما کان و ما یکون کا عالم نہیں سمجھتی تھیں۔

چوتھی حدیث۔ سنن ابن داؤد و جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لا یبلغنی احد من احد من اصحابی شیئًا فانی احب ان اخرج الیکم وانا سلیم الصدر۔

کوئی شخص میرے کسی صحابی کی طرف سے کوئی چیز مجھ تک نہ پہونچائے میں چاہتا ہوں کہ میں تمھارے پاس اس حال میں آؤں کہ میرا سینہ (تمھاری طرف سے) صاف ہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور کو اپنے اصحاب کے پرائیوٹ حالات کی اطلاع عام طور پر لوگوں کے ذکر کرنے سے ہوتی تھی، ورنہ اگر آپ کو جمیع ما کان و ما یکون کا علم ہوتا تو کسی کے بیان کرنے یا نہ کرنے سے کوئی فرق نہ پڑتا۔

پانچویں حدیث۔ صحاح ستہ اور دیگر کتب احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخیر مرض کی جو روایت حضرت عائشہ سے مروی ہے اس میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض زیادہ سخت ہوا

لمّا ثقل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال أصلّی الناس؟ قلنا لا، هم ینتظرونك یا رسول اللہ قال ضعوا لی ماءً فی المخضب ففعلنا فاغتسل ثم ذهب لینوء فأغمی علیه ثم افاق، فقال أصلّی الناس؟ قلنا لا، هم ینتظرونك قال ضعوا لی ماءً فی المخضب فاغتسل ثم ذهب لینوء فاغمی علیه ثم افاق فقال أصلّی الناس؟ قلنا لا، هم ینتظرونك قال ضعوا لی

تو ایک دن آپ نے دریافت فرمایا کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں یعنی کیا مسجد میں جماعت ہو گئی؟ عرض کیا گیا ابھی نہیں وہ سب حضور کے منتظر ہیں۔ ارشاد ہوا کہ میرے لیے ٹب میں پانی رکھو چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا اور پانی رکھ دیا گیا۔ حضور نے غسل فرمایا پھر آپ کھڑے ہونے لگے تو آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی کچھ دیر کے بعد افاقہ ہوا تو دریافت فرمایا۔ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی۔ عرض کیا گیا نہیں وہ حضور کے انتظار میں ہیں۔ ارشاد ہوا میرے لیے ٹب میں پانی رکھو۔

چنانچہ پانی حاضر کر دیا گیا حضرت نے غسل فرمایا اور اٹھنے لگے پھر بیہوشی طاری ہو گئی۔ کچھ دیر بعد افاقہ ہوا تو پھر دریافت فرمایا، کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی عرض کیا گیا نہیں وہ حضور کے منتظر ہیں۔ اپھر یہی ارشاد ہوا کہ میرے لیے ٹب میں پانی رکھو چنانچہ پھر حاضر کر دیا گیا۔ حضور نے غسل فرمایا اور اٹھنے لگے پھر بیہوشی طاری ہو گئی۔ کچھ دیر بعد افاقہ ہوا تو دریافت فرمایا کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ عرض کیا گیا نہیں وہ حضور کے انتظار میں ہیں، اور لوگ مسجد میں جمع ہوئے تھے اور عشاء کی نماز کے لیے حضور کا انتظار کر رہے تھے۔ بالآخر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر کو حکم بھیجا کہ لوگوں کو نماز پڑھا دو۔" (انتہیٰ)"

ماءً فی المخضب فاغتسل ثم ذهب لینوء فاغمی علیه ثم افاق فقال أصلی الناس؟ قلنا: لا، هم ینتظرونك والناس عکوف فی المسجد ینتظرون النبی صلی الله علیه وسلم لصلوة العشاء الآخرة قالت فارسل صلی الله علیه وسلم الی ابی بکر ان یصلی بالناس۔

یہ حضور کے آخری زمانے ہی کی نہیں بلکہ آخری وقت کی حدیث ہے اگر اس وقت تک بھی حضور کو جمیع ما کان وما یکون کا علم ہوتا تو نہ آپ کو بار بار یہ دریافت فرمانے کی ضرورت پیش آتی کہ کیا لوگ نماز پڑھ چکے اور نہ بار بار آپ غسل فرما کر اٹھنے کا ارادہ فرماتے کیوں کہ اس صورت میں آپ کو معلوم ہو جانا چاہیے تھا۔ کہ ارادہ پورا ہونے والا نہیں۔ الغرض بار بار حضور کا جماعت کے متعلق دریافت فرمانا اور بار بار تشریف آوری کا ارادہ فرمانا اس امر کی نہایت واضح اور روشن دلیل ہے کہ اس وقت تک بھی حضور کو جمیع ما کان وما یکون کا علم نہ تھا۔

قرآن وحدیث کی ان تصریحات کے بعد اگرچہ ایک بیان والے کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی تاہم تکمیلاً للفائدہ ہم یہ بھی بتلا دینا چاہتے ہیں کہ اہلبیت رسالت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو عالم جمیع ما کان وما یکون نہیں سمجھتے تھے حالانکہ وہ سب سے زیادہ آنحضرت کے مرتبہ کے پہچاننے والے اور دل وجان سے زیادہ حضور سے محبت

رکھنے والے تھے۔

## ازواج مطہرات کی شہادت

حدیث ۳ سے معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو جمیع ما کان وما یکون کا عالم نہیں سمجھتی تھیں اور ہم نے اسی حدیث کی تشریح کے ضمن میں اس پر تنبیہ بھی کی تھی اب اسی سلسلے میں ایک آیت اور ملاحظہ ہو۔

(۱) سورۂ تحریم میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک خاص واقعہ ذکر کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ :-

حضور نے اپنی بعض ازواج (یعنی حضرت حفصہؓ) سے ایک راز کی بات کہی (اور ان کو راز داری کی تاکید بھی کر دی۔) لیکن بتقاضائے بشریت ان سے لغزش ہوئی اور (انھوں نے اس کا حضرت عائشہؓ سے) تذکرہ کر دیا اللہ تعالیٰ نے اس کی اطلاع رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو دی حضور نے حفصہؓ سے فرمایا کہ مجھے ایسا معلوم ہوا ہے کہ تم نے اور لوگوں سے اس کا تذکرہ کر دیا تو حضرت حفصہؓ نے عرض کیا۔

مَنْ اَنْبَاَكَ هٰذَا ؟ — آپ کو کس نے یہ خبر دی۔؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ! — مجھے اس علیم وخبیر نے خبر دی ہے !

حضرت حفصہ کے اس سوال سے کہ آپ کو کس نے خبر دی " صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضور کو جمیع ما کان وما یکون نہیں سمجھتی تھیں ورنہ اس سوال کے کیا معنی۔

## جلیل القدر صحابہؓ کی شہادت

ایک بار رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی معاملہ کی وجہ سے ازواج مطہرات سے ناراض ہو کر کچھ دنوں کے لیے یکسوئی اختیار فرمائی جس کی وجہ سے لوگوں میں بعض پریشان کن افواہیں پھیل گئیں، حضرت فاروق اعظم تحقیق حالات کے ارادہ سے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے

تو دیکھا کہ حضور بالائی حجرے میں رونق افروز ہیں اور آپ کے غلام رباح دروازے پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت فاروق اعظم نے رباح کو پکار کر کہا کہ میرے لیے حضور سے اجازت مانگو میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ رباح نے اندر کو (غالباً حضور کی طرف) دیکھا اور پھر حضرت عمر پر نظر ڈالی اور خاموش ہو رہے۔ دوسری مرتبہ پھر حضرت عمر نے یہی کہا اور رباح نے پھر اسی طرح خاموش نظروں سے جواب دیا (حضرت عمر فرماتے ہیں کہ) پھر میں نے اپنی آواز کو بلند کرکے کہا "اے رباح! میرے لیے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے حاضری کی اجازت چاہو، میرا خیال ہے کہ حضور کو یہ گمان ہو گیا ہے کہ میں (اپنی لڑکی) حفصہ کی وجہ سے آیا ہوں، خدا کی قسم اگر حضور مجھکو اس کی گردن مارنے کا حکم دیں تو میں اس کی گردن مار دوں گا۔

یا رباح! استأذن لی عندک علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانی اظن ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظن انی جئت من اجل حفصۃ ... الخ

(اخرجہ عبد بن حمید و مسلم وابن مردویہ)

حضرت عمر فرماتے ہیں کہ میں نے کہا، اور میری آواز زیادہ بلند ہو گئی تو رباح نے اشارہ کیا کہ اوپر چڑھ آؤ (یعنی اجازت ہو گئی)

اس روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فقرہ "میرا خیال ہے کہ حضور کو ایسا گمان ہوا ہے کہ میں حفصہ کی وجہ سے آیا ہوں" صاف بتلا رہا ہے کہ حضرت فاروق اعظم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو جمیع ما کان و ما یکون کا عالم نہیں سمجھتے تھے۔ ورنہ اس خیال کے کیا معنی؟

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ مکہ مکرمہ گئے اور وہاں سے سید الشہداء حضرت امیر حمزہؓ کی صاحبزادی کو اپنے ہمراہ لے آئے یہاں پہنچنے کے بعد اس لڑکی کی پرورش میں نزاع ہوا حضرت علی کے بڑے بھائی حضرت جعفرؓ نے کہا کہ میں اس کی تربیت کا زیادہ مستحق ہوں اس لیے کہ وہ میرے چچا کی لڑکی ہے اور میرے گھر میں اس کی خالہ ہے اور خالہ ماں کی جگہ ہوتی ہے (حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ) میں نے کہا نہیں میں زیادہ حقدار ہوں بوجہ اس کے کہ وہ میرے چچا کی لڑکی ہے اور میرے گھر میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ہیں اور وہ زیادہ مستحق ہیں (حضرت علیؓ فرماتے ہیں) میں نے یہ بات خوب بلند آواز سے کہی تا کہ رسول خدا

فانی لارفع صوتی لیسمع رسول اللہ

صلے اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لانے سے پہلے استحقاق کی دلیل سن لیں۔

صلی اللہ علیہ وسلم حجتی قبل ان یخرج۔

اور حضرت زیدؓ نے کہا کہ مجھے اس کی تربیت کا حق سب سے زیادہ پہونچتا ہے کیوں کہ میں نے اس کے لیے اتنا طویل سفر کیا اور اس کو لے کر آیا یہ باتیں ہو چکیں تو حضور تشریف لے آئے اور آپ نے تینوں کے دلائل سن کر حضرت جعفرؓ کے حق میں فیصلہ کر دیا۔

اس روایت میں حضرت علی کے یہ الفاظ کہ "میں نے اس لیے اپنی آواز زیادہ بلند کر دی کہ حضور تشریف لانے سے پہلے میرے دلائل سن لیں" صاف بتلا رہے ہیں کہ حضرت علیؓ حضور کو عالم جمیع ما کان وما یکون نہیں سمجھتے تھے۔ اور اسی لیے ان کو آواز بلند کرنی پڑی۔

نیز حضرت علیؓ کا ایک نہایت صاف اور صریح ارشاد بحوالہ طبرانی و ابن مردویہ پہلی آیت کے ذیل میں بھی نقل کیا جا چکا ہے۔

(۴) حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی سے نکلے تو میں حضور کے پیچھے ہو لیا اور آپ کے پیچھے پیچھے چلنے لگا اور حضور کو میری خبر نہ تھی۔

فاتبعته امشی وراءہ ولا یشعر بی الی آخر

الحدیث رواہ ابن النجار۔ کنز العمال

(۵) حضرت عبد اللہ ابن عباس غزوۂ تبوک کے ذکر میں فرماتے ہیں کہ جب حضور کے کوچ کرنے کا وقت قریب آگیا تو منافقوں نے کثرت سے (ساتھ نہ جانے کی) رخصت چاہی اور خدا کی قسمیں کھا کھا کر اپنے جھوٹے عذر پیش کیے۔

پس رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ان کو رخصت دینے لگے اور آپ کو خبر نہ تھی کہ ان کے دلوں میں کیا ہے۔

فجعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یأذن لہم ولا یدری ما فی انفسہم (رواہ ابن جریر و ابن عساکر، کنز العمال)

اس روایت میں حضرت ابن عباسؓ نے تصریح فرمائی ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو ان منافقوں کے دلوں کا حال معلوم نہ تھا۔

نیز انہی حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کا ایک نہایت صاف صریح ارشاد بحوالہ ابن جریر وغیرہ

ہم پانچویں آیت کے ذیل میں ابھی نقل کر چکے ہیں۔

---

یہاں تک پانچ آیات اور پانچ احادیث اور صحابہ کرامؓ کی پانچ شہادتیں ہوئیں۔ پھر اس کے ذیل میں ائمہ تفسیر اور دیگر مصنفین کے جو اقوال ضمناً آ گئے ہیں وہ ان کے علاوہ ہیں۔

ہمارے نزدیک ایک ایمان والے کے لیے یہ ثبوت کافی سے زائد ہے کیوں کہ نہ اب ان مسائل کے فیصلہ کے لیے حضرت جبریل تشریف لائیں گے نہ خدا کی طرف سے اب کوئی نیا صحیفہ اترے گا اور نہ آسمان ہی سے اب کوئی آواز آئے گی۔ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کا واحد ذریعہ اب صرف کتاب و سنت کا اتباع ہے فبای حدیث بعدہ یومنون۔

آخر میں مکرر عرض کیا جاتا ہے کہ یہاں فتویٰ کی حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے قدر ضرورت پر اکتفا کیا گیا ہے ورنہ بعون اللہ تعالیٰ یہ عاجز اس پر قادر ہے کہ قرآن و حدیث اور ارشادات سلف سے اس قسم کے سیکڑوں بلکہ بحمد اللہ ہزاروں شواہد پیش کر سکے۔

---

خاتمہ پر ہم یہ بھی عرض کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہمارا اختلاف صرف اہل بدعت کے خانہ ساز عقیدہ علم محیط ماکان و مایکون سے ہے اور یہاں تک جو بحث کی گئی وہ صرف اسی سے متعلق تھی۔ اس کو اس پر محمول کرنا کہ معاذ اللہ ہم کو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے علم شریف کی تنقیص مقصود ہے انتہائی بے ایمانی اور اعلیٰ درجے کی شیطنت ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد کمال علمی میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہی کا درجہ ہے۔ ع۔

"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

اللہ تعالیٰ نے جو علوم و معارف آپ کو عطا فرمائے وہ بحیثیت مجموعی کسی دوسرے رسول اور مقرب فرشتوں کو بھی حاصل نہیں۔ آپ وہ ہیں جن کے متعلق خدا کی مقدس کتاب نے شہادت دی۔

وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیماہ

اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ علوم سکھائے جو آپ کو پہلے حاصل نہ تھے اور اللہ کا آپ پر بڑا فضل ہے۔

اور آپ ہی وہ ہیں جن کے متعلق کتاب الٰہی کا بیان ہے۔

فَاَوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ — خدا نے اپنے بندے کے دل میں ڈال دیا جو ڈال دیا

آپ ہی معارف الٰہیہ کے آخری معلم ہیں اور علوم ربانیہ کے آخری مبلغ باایں ہمہ آپ کے علوم کو علوم الٰہیہ سے وہی نسبت ہے جو ایک مخلوق کو خالق سے ہو سکتی ہے۔ نیز آپ کے علم کی اس غیر معمولی بلکہ بے نظیر وسعت کی وجہ سے آپ کو جمیع ماکان و مایکون کا عالم بھی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ماکان و مایکون کی بعض جزئیات کا علم نہ ہونا بالخصوص قرآن و حدیث سے ثابت ہے اس سے اختلاف کرنا محبت نہیں بلکہ بغاوت ہے جس کا انجام دنیا میں حرمان اور آخرت میں خسران ہے۔

رسول خدا (روحی و قلبی فداہ) صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لا تطرونی کما اطرت النصاریٰ عیسیٰ بن مریم انما انا عبد اللہ و رسولہ فقولوا عبد اللہ و رسولہ

تم مجھ کو حد سے نہ بڑھاؤ جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کو بڑھایا میں اللہ کا بندہ ہوں اور اس کا رسول ہوں مجھے خدا کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔

۲
ممتاز ہوائی بندوقیں
ٹکسٹول ماڈل ۳۵
ٹکسٹول ماڈل ۲۷
بغیر لائسنس
شکار کے لئے ✱ کھیتوں اور باغوں کی رکھوالی کے لئے
✱ نشانہ بازی کی تربیت کے لئے ✱ حفاظت کے لئے
✱ تحفہ اور انعام کے لئے
چند اہم خصوصیات
ٹھوس اسٹیل سے بنی ہوئی نال اور پرزے
نال میں جرمن گروونگ
طاقت ور اسپرنگ
دیکھنے میں خوبصورت
چلنے میں پائدار
قیمت نہایت مناسب
یاد رکھیں یہ EBCO (ایبکو) کا مال ہے
جس کی مانگ ۱۹۶۰ء سے بھارت کے
کونے کونے میں برابر بڑھ رہی ہے۔
تفصیل کے لئے لکھیں:-
EBCO Industries
LUCKNOW-1
PHONE: 28602

# دفن کے بعد قبر پر اذان

## اور اس طرح کی تمام بدعات کے بارے میں اصولی بحث

۱۳۵۶ھ میں ایک صاحب نے "دفن کے بعد قبر پر اذان" کے بارہ میں مدیر الفرقان سے سوال کیا تھا اور مفصل و مدلل جواب کی فرمائش کی تھی۔ اس کا جواب بہت بسط و تفصیل کے ساتھ دیا گیا تھا اس کے ابتدائی تمہیدی حصے میں "بدعت" سے متعلق جو اصولی بحث کی گئی تھی وہ اس طرح کی تمام بدعات کے لئے فیصلہ کن اور انشاء اللہ ہر صاحب ایمان اور حق کے طالب کے لئے اطمینان بخش ہے ——— ذیل میں اس جواب کا وہی ابتدائی حصہ درج کیا جارہا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — حامداً ومصلیاً ومسلماً

---

اذان قبر کے متعلق اصل حکم شرعی لکھنے سے پہلے چند تمہیدی مقدمات عرض کئے جاتے ہیں جو خاص اسی مسئلے میں نہیں بلکہ تمام بدعات کا حکم معلوم کرنے میں کارآمد ہوں گے

(۱) دین الٰہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مکمل ہو چکا اور حجۃ الوداع کے موقع پر تمام امت کو رسول اللہ کے ذریعے سے یہ مژدہ سنا دیا گیا کہ الیوم اکملت لکم دینکم (آج ہم نے تمہارا دین بالکل مکمل کر دیا)

اس اعلانِ الٰہی کا منشا یہی ہے کہ اب دین میں کسی ترمیم اور اضافے کی ضرورت نہیں رہی اور نہ قیامت تک ضرورت ہوگی۔ انسانی ہدایت کے لیے جن احکام کی ضرورت تھی وہ سب اتار دیے گئے اور نجات کا قانون ہمیشہ کے لیے مکمل کر دیا گیا۔ اور اس پر عمل کر لینا انسان کی نجات اور فلاح و بہبودی کے لیے قطعی کافی ہے اب جو شخص دین میں کسی ایسی چیز کا اضافہ کرتا ہے۔ جس کی تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نہیں دی تو در پردہ گویا وہ یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ دین نامکمل تھا اور میری اس ترمیم کا محتاج تھا۔ یا وہ اس کا مدعی ہے کہ معاذ اللہ حضور نے تبلیغ رسالت میں خیانت کی اور یہ چیز جو داخل دین تھی وہ ہم کو نہیں پہنچائی اور اب میں اس کو لوگوں کو بتاتا ہوں۔ بہرحال جو چیز پہلے سے داخل دین نہ ہو۔ وہ آج بھی دین میں سے نہیں ہو سکتی۔ اور جس چیز کا موجب قرب الٰہی ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نہیں بتلایا وہ آج بھی باعث تقرب اور ذریعہ رضائے خداوندی نہیں ہو سکتی۔ صحیحین (بخاری و مسلم) اور دیگر کتب حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منه فھو رد"

جس نے ہمارے دین میں وہ بات نکالی جو اس میں نہیں ہے۔ وہ مردود ہے۔

اور صحیح مسلم کی ایک اور روایت میں ہے۔

من عمل عملاً لیس علیه امرنا فھو رد

جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس کے متعلق میرا کوئی حکم نہ تھا وہ مردود ہے۔

اور امام دار الہجرت حضرت مالکؒ بن انس فرماتے ہیں۔

ومن ابتدع فی الاسلام بدعة یراھا حسنة فقد زعم ان محمدا صلی اللہ علیه وسلم خان الرسالة لان اللہ یقول الیوم اکملت لکم دینکم فما لم یکن یومئذ دینا فلا یکون الیوم دینا۔

(الاعتصام ص۲۸)

جس نے اسلام میں کوئی بدعت نکالی اور اس کو وہ اچھا سمجھتا ہے تو گویا اس نے گمان کیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام بری میں خیانت کی۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آج ہم نے تمہارے واسطے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ پس جو چیز اس وقت داخل دین نہ تھی آج بھی داخل نہیں ہو سکتی

(۲) جس طرح شریعت میں نئی ایجادات کا دروازہ بند ہے۔ اسی طرح کسی کو یہ بھی حق نہیں کہ شریعت کے بتلائے ہوئے ان امور خیر کے لیے جن کے واسطے شارع نے کیفیات مخصوصہ (حدود) و اوقات کی تعیین نہیں کی ہے۔ (ان کے لیے اپنی طرف سے کوئی خاص ہیئت و نوعیت یا کوئی مخصوص وقت مقرر کرسکے اور ان کے ساتھ امر شرعی کا سا معاملہ کرے علیٰ ہذا کسی کو یہ بھی حق نہیں ہے کہ شریعت نے جس عمل خیر کیلئے کوئی خاص وقت یا موقع مقرر کردیا ہے کوئی شخص اس کے علاوہ دوسرے اوقات یا دوسرے مواقع میں بھی اس کو اسی طرح جاری کرے کیونکہ وہ اس سے تعدی اور قانون شریعت سے آگے بڑھنا ہوگی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ کا گزر ذاکرین کی ایک جماعت پر ہوا جن میں ایک شخص کہتا تھا۔ خدا کی رحمت اس شخص پر جو اتنی بار سبحان اللہ کہے، خدا کی رحمت اس شخص پر جو اتنی دفعہ الحمد للہ کہے۔ چنانچہ حاضرین اس کے مطابق کہتے تھے آپ نے جب دیکھا تو ان سے مخاطب ہو کر نہایت جلال کے انداز میں فرمایا۔

| | |
|---|---|
| لقد هديتم لما لم يهتد له نبيكم وانكم لتمسكون بذنب ضلال (رواه ابن وضاح كما في الاعتصام) | اہا! تم کو وہ ہدایت مل گئی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہیں ملی تھی۔ در حقیقت تم گمراہی کی دم پکڑے ہوئے ہو۔ |

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مطلب اس سے صرف یہ تھا کہ اگرچہ تحمید و تسبیح کی بہت کچھ فضیلتیں وارد ہوئی ہیں اور وہ محبوب ترین ذکر ہے۔ لیکن اس کا یہ خاص طرز و طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بتلایا ہوا نہیں ہے — بلکہ تمہارا خود ایجاد ہے لہٰذا گمراہی ہے۔

— اور امام ابو اسحٰق شاطبی رحمۃ اللہ علیہ بدعات کے بیان میں فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| ومنها التزام الكيفيات والهيئات المعينة كالذكر بهيئة الاجتماع على صوت واحد..... ومنها التزام العبادات المعينة في اوقات معينة لم يوجد لها ذلك التعيين | اور ان ہی بدعات میں سے کیفیات مخصوصہ اور ہیئات معینہ کا التزام ہے۔ جیسے کہ ہیئت اجتماع کے ساتھ ایک آواز پر ذکر کرنا اور انہی بدعات میں سے خاص اوقات کے اندر ایسی عبادات معینہ کا التزام کرلینا |

فی الشریعۃ" (الاعتصام ص۲۰ ج ۱) یعنی جو عمل لیلۃ شریعت نے جو اوقات مقرر نہیں کئے ہیں۔

(۳) عبادات میں جس طرح کمی کرنا جرم ہے اسی طرح اپنی طرف سے زیادتی بھی جرم ہے اور اس کے لیے وہی دلائل کافی ہیں جو پہلے مقدمے کے ثبوت میں نقل کئے گئے ہیں۔ علاوہ بریں حضرت علیؓ کے اس اثر سے یہ اصول صاف طور سے مفہوم ہوتا ہے جس کو صاحب مجمع البحرین نے نقل کیا ہے۔

ان رجلا یوم العید اراد ان یصلی قبل صلوٰۃ العید فنهاه علی رضی اللہ عنہ فقال الرجل یا امیر المومنین انی اعلم ان اللہ لا یعذب علی الصلوٰۃ فقال علی وانی اعلم ان اللہ تعالیٰ لا یثیب علی فعل حتی یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او یحث علیہ فیکون صلوٰتک عبثا والعبث حرام فلعلہ تعالیٰ یعذبک بہ لمخالفتک لرسولہ صلی اللہ علیہ وسلم (حکاہ صاحب المنار فی تعلیقاتہ کما فی الجنۃ)

ایک شخص نے عید کے دن نماز عید سے قبل نفل نماز پڑھنی چاہی تو حضرت علیؓ نے اس کو منع فرمایا اس نے عرض کیا اے امیر المومنین میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے نماز پڑھنے پر سزا نہ دے گا حضرت علیؓ نے فرمایا اور میں بالیقین جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کسی فعل پر ثواب نہ دے گا جب تک کہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کیا نہ ہو یا اس کی ترغیب نہ دی ہو اور وہ کام عید سے قبل نفل نماز حضورؐ سے قولاً یا فعلاً ثابت نہیں ہے۔ پس تیری یہ نماز فعل عبث ہوگی، اور فعل عبث حرام ہے تو شاید اللہ تعالیٰ تجھ کو اپنے رسول کی مخالفت کی وجہ سے عذاب دے۔

اور سنن ابی داؤد باب فی الصف علی الجنازۃ، کی مالک ابن ہبیرہ والی حدیث کے حاشیہ میں ملا علی قاری کی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ سے منقول ہے۔

ولا یدعو للمیت بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ۔

اور نماز جنازہ کے بعد میت کے لیے دعا نہ کریں۔ کیونکہ یہ نماز جنازہ میں زیادتی کے مانند ہوگا۔

اور حضرت شیخ عبد الحق صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لمعات شرح مشکوٰۃ میں ارقام فرماتے ہیں۔

فالزیادۃ فی مثلہ نقصان فی الحقیقۃ — ان جیسی چیزوں میں زیادتی فی الحقیقت کمی

کما لا یزاد فی الاذان بعد التہلیل محمد رسول اللہ وامثال ذالک کثیرۃ۔

ہے جس طرح کہ اذان میں آخری کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے بعد محمد رسول اللہ نہیں پڑھایا جاتا اور اسکی مثالیں بکثرت ہیں۔

(۳) جب کبھی کسی گمراہ سے گمراہ فرقہ یا فرد نے بھی کوئی بد سے بدتر بدعت دین کے نام پر ایجاد کی ہے تو اس نے اس میں محاسن اور خوبیوں کا ضرور دعویٰ کیا ہے اور اس کی ترویج کے لیے خدا اور مذہب ہی کے نام پر کچھ دلائل بھی تراشے ہیں اور ضرور ایسا پیرایہ بیان اختیار کیا ہے جس سے سادہ لوحوں کو مغالطہ میں مبتلا کیا جا سکے۔ چنانچہ مشرکین نے بت پرستی جیسی قبیح ترین بدعت کو بھی جائز اور مستحسن ثابت کرنے کے لیے کہا تھا۔

ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفا

ہم اپنے دیوتاؤں کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو خدا سے قریب تر کر دیں ——

نیز انہوں نے ملت ابراہیمی میں ایک بدترین بدعت یہ ایجاد کی تھی کہ خانۂ کعبہ کا طواف مادر زاد برہنہ ہو کر کرتے تھے اور اس شرمناک فعل کی توجیہ اس طرح کرتے تھے کہ —— کپڑے پہن کر تو ہم روزمرہ گناہ کرتے ہیں پھر ان ہی کپڑوں میں خانۂ خدا کا طواف کیوں کریں، ہم تو اس حال میں طواف کریں گے جس حال میں اللہ نے ہم کو پیدا کیا تھا۔

اور قرآن عزیز میں ہے۔

واذا قیل لھم انفقوا مما رزقکم اللہ قال الذین کفروا للذین آمنوا انطعم من لو یشاء اللہ اطعمہ

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو دولت خدا نے تم کو دی ہے اس میں سے کچھ اللہ کے راستے میں بھی خرچ کرو اور فقراء و مساکین کو دو تو وہ کفار ایمان والوں سے کہتے ہیں کیا ہم ان بھوکوں کو کھلائیں جن کو خدا نے ہی کھانا نہیں دیا اگر خدا چاہتا تو ان کو کھانا دیتا ——

اب دیکھیے کہ ان بدکرداروں کو خدا کی راہ میں کچھ دینا نہ تھا۔ لیکن از راہ شیطنت اس نہ دینے پر بھی بدعت حسنہ کا لبادہ چڑھایا اور اسے بہترین اور خیر انسانی فعل کہ "رضا بالقضا" جیسے اعلیٰ وصف کے ماتحت پیش کیا، غرض یہ حال تو ہر دور

جاہلیت کے کفار و مشرکین کا تھا۔ لیکن ملت اسلامیہ کا دعویٰ کرنے والے بھی جس مبتدع کو آپ دیکھیں گے اس کا یہی حال پائیں گے وہ اپنی بدعت میں بے شمار مصالح بتلائے گا اور اس کے لیے شرعی دلائل بھی پیش کرنے کی کوشش کرے گا۔ امام ابو اسحاق شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل صحیح ارقام فرمایا ہے۔

انک لاتجد مبتدعا ممن ینسب الی الملۃ الا وھو یستشھد علی بدعتہ بدلیل شرعی (اعتصام صفحہ ۱۰۲)

تم کسی ایسے مبتدع کو نہیں پاؤ گے جو ملت سے وابستگی کا مدعی ہو مگر یہ کہ وہ اپنی بدعت پر کسی دلیل شرعی سے ضرور استشہاد کرتا ہوگا

—— اور یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ بہت سی بدعات میں مصلحت اور منفعت کا بھی کوئی نہ کوئی پہلو ہوتا ہے اور وہی لوگوں کے لیے مغالطہ کا باعث ہوا جاتا ہے اور اسی کی وجہ سے اس کو امر خیر یا بالفاظ دیگر بدعت حسنہ سمجھ لیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ ضروری نہیں کہ جس چیز میں کوئی مصلحت یا منفعت ہو وہ ہمیشہ اچھی ہی ہو یا جائز بھی ہو۔ قرآن مجید میں —— قمار اور شراب کے متعلق تصریح ہے کہ ان میں لوگوں کے لیے فی الجملہ منفعتیں بھی ہیں۔ لیکن بایں ہمہ چونکہ شریعت کی نظر میں مضرت کا پہلو غالب ہے اس لیے دونوں حرام قطعی ہیں

۵ کسی عمل کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام کے زمانے میں بالکلیہ متروک ہونا حالانکہ اس کے دواعی و اسباب جو آج موجود ہیں وہ اس وقت بھی موجود تھے —— اس کی دلیل ہے کہ وہ امر غیر مشروع ہے بالخصوص جب کہ اس کا تعلق باب عبادات سے ہے

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ فرمان اس کے ثبوت کے لیے کافی ہے جو میرے مقدمہ کے ذیل میں مجمع البحرین کے حوالہ سے نقل کیا گیا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا جو اثر دوسرے مقدمے کے ذیل مذکور ہوا وہ بھی اس کی نہایت واضح دلیل ہے۔

اور ان کی ایک روایت میں جس کو صاحب مجالس الابرار نے نقل کیا ہے اس طرح وارد ہوا ہے کہ آپ نے ان لوگوں سے جو ایک خاص ہیئت اور کیفیت کے ساتھ مسجد میں اجتماعی طور پر ذکر کرتے تھے ارشاد فرمایا۔

انا عبد اللہ بن مسعود فو اللذی — میں رسول اللہ کا مشہور خادم عبداللہ بن مسعود

لا الٰہ غیرہ لقد جئتم ببدعۃ ظلماء او لقد فضلتم علی اصحاب محمد علیہ السلام علماً

(مجالس ابرار المجلس الثامن عشر ص ۱۳۳)

ہوں خدائے وحدہٗ لاشریک کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم نے یہ نہایت تاریک بدعت کی ہے یا تم علم میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ گئے ہو کہ ایسے اعمال ایجاد کرتے ہو جن کا علم بھی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تھا)

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد صاحب مجالس الابرار فرماتے ہیں کہ۔

ھکذا یقال بکل من اتی العبادات البدنیۃ المحضۃ بصفۃ لم تکن فی زمن الصحابہ

ہر اس شخص سے ایسے ہی کہنا چاہئے جو خالص بدنی عبادات میں کوئی ایسی صفت پیدا کرے جو صحابہ کے زمانے میں نہ تھی ——

اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کل عبادۃ لم یتعبدھا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا تعبدوھا ——

ہر وہ عبادت جس کو صحابہ کرام نہیں کرتے تم بھی نہ کرو..... الخ

اور حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں

اتبعوا آثارنا ولا تبتدعوا فقد کفیتم (الاعتصام ص ۵۴)

ہمارے نقوش قدم کی پیروی کرو اور اپنی طرف سے ایجادیں نہ کرو کیونکہ تم کفایت کئے گئے ہو۔

بہر حال یہ بالکل ناقابل انکار حقیقت ہے کہ جو عبادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے ثابت نہیں وہ ناشروع اور بدعت ہے اور اس اصول سے فقہائے حنفیہ نے بھی بکثرت کام لیا ہے۔ چنانچہ صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فصل الاوقات التی یکرہ فیہا الصلوٰۃ میں ارقام فرماتے ہیں ۔

یکرہ ان یتنفل بعد طلوع الفجر باکثر من رکعتی الفجر لانہ علیہ السلام لم یزد علیہا مع حرصہ علی الصلوٰۃ ۔

صبح صادق کے بعد فجر کی دو سنتوں کے علاوہ نفل پڑھنا مکروہ ہے کیوں کہ حضور نے ان دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھیں حالانکہ آپ نماز کے بہت حریص تھے——

اور صاحب ہدایہ باب العیدین میں ہے۔

لا یتنفل فی المصلّٰی قبل العید لانہ

عیدگاہ میں قبل نماز عید کوئی نفل نہ پڑھے ۔

عليه السلام لم يفعل مع حرصه على الصلوٰة

کیوں کہ حضور نے با وجود نماز پر بے حد حریص ہونے کے کبھی نہیں پڑھے۔

اور باب صلوٰۃ الکسوف میں لکھتے ہیں۔

ليس في الكسوف خطبة لانه لم ينقل

کسوف میں خطبہ نہیں ہے کیوں کہ حضور سے منقول نہیں ہے۔

اور علامہ حلبی نے کبیری شرح منیۃ المصلی میں صلوٰۃ الرغائب اور صلوٰۃ البرٰۃ کو نامشروع ثابت کرتے ہوئے لکھا ہے۔

ومنها ان الصحابة والتابعين ومن بعدهم من الائمة المجتهدين لم ينقل عنهم هاتان الصلوٰتان فلو كانتا مشروعتين لما فاتتا عن السلف۔

اور ایک وجہ ان کے نامشروع ہونے کی یہ بھی ہے کہ صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے ائمہ مجتہدین سے یہ دونوں نمازیں منقول نہیں پس اگر یہ دونوں مشروع ہوتیں تو ان سے اسلاف امت سے فوت نہ ہوتیں۔

اور فتاویٰ عالمگیری کتاب الکراہیۃ میں ہے۔

قراءة الكافرون الى الآخر مع الجمع مكروهة لانها بدعة لم ينقل ذالك عن الصحابة والتابعين

سورہ کا فرون سے آخر تک جمع ہو کر پڑھنا مکروہ ہے کیوں کہ وہ بدعت ہے اور صحابہ اور تابعین سے منقول نہیں ہے۔

ان تمام عبارات سے یہ چیز بالکل واضح ہوتی ہے کہ جو عبادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ سے ثابت نہ ہو اور بعد میں ایجاد کی جائے وہ بدعت اور نامشروع ہے۔

ان مقدمات کے ذہن نشین کر لینے کے بعد اذان قبر بلکہ اس قسم کی تمام بدعات کا مسئلہ خود بخود حل ہو جاتا ہے کیوں کہ یہ چیز بالکل ظاہر ہے کہ وہ دین جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے سامنے پیش کیا تھا۔ جس میں میت کی تجہیز و تکفین، نماز جنازہ، طریقۂ دفن، دعا بعد الدفن، وغیرہ کی تعلیم بھی موجود ہے اس میں قبر پر اذان دینے کا حکم کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں بھی وارد نہیں ہوا۔ نیز صحابہ و تابعین اور حتیٰ کہ بعد کے ائمہ مجتہدین نے بھی کبھی اس پر عمل نہیں کیا بلکہ معاذ اللہ اس رحیم و کریم پیغمبر فداہ امی و ابی نے جو مبلغ ما انزل الیک من ربک اور کا مصداق تھا "حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم" کا مصداق تھا۔ اذان قبر کے بتلانے میں بخل کیا وہاں

اذان کے بعض فوائد سے فاضل بریلوی مولوی احمد رضا خاں صاحب نے لکھے ہیں ان سب سے پہلے اصحاب اور اہل بیت تک کو محروم رکھا اور صحابہ و تابعین کی نظر بھی یہاں تک نہ پہونچی اور کیا ائمہ مجتہدین نے بھی اس کو نہ سمجھا؟ سے

سر خدا کہ عارف و زاہد بکسے نگفت

در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

بہرحال یہ حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس اذان کا حکم نہیں دیا۔ صحابہ و تابعین نے کبھی اس پر عمل کیا نہ ائمہ مجتہدین نے اور فقہائے معتبرین نے اس کو اپنی کتابوں میں لکھا لہذا یہ ایک عبادت ہے جو بعد میں ایجاد کی گئی پس وہ بدعت ضلالت اور احداث فی الدین ہے اور اس پر عمل کرنے والے اور اس کو رواج دینے والے شریعت کے مجرم اور سنت کے باغی ہیں اور امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ نیز حضرت عبداللہ بن مسعودؓ و صاحب الاسرار حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے جو ارشادات مقدمات کے ذیل میں مذکور رہے وہ اس کے لیے شاہد عدل ہیں۔

نیز اذان ایک خاص عبادت ہے اور اس کے لیے شریعت مقدسہ نے مخصوص مواقع مقرر کیے ہیں ان سے تجاوز حدود اللہ سے تعدی اور معصیت ہے کیوں کہ ہم کو حق نہیں ہے کہ کسی خاص عبادت کے لیے ہم کوئی ایسا موقع یا وقت مقرر کردیں جو شریعت نے اس کے لیے مقرر نہیں کیا ورنہ اگر ایسی ترمیمیں جائز ہوتیں تو ائمہ مجتہدین عیدین کی نماز کے لیے اذان و اقامت کے اضافے کو بدعت نہ قرار دیتے کیوں کہ اس کے لیے تو اذان جمعہ سے بہت زیادہ اور بہت اچھے وجوہ پیش کیے جاسکتے ہیں۔ بایں ہمہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس بارے میں تمام فقہاء متفق ہیں۔ امام ابو اسحاق شاطبی غرناطی رحمۃ اللہ تعالیٰ بدعات کے بیان میں لکھتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| ومن ذالک الاذان والاقامۃ فی العیدین فقد نقل ابن عبدالبر الاتفاق الفقہاء علی ان لا اذان ولا اقامۃ فیھما۔ (الاعتصام ج ۲ ص ۱۲) | اور انہیں میں سے ہے اذان واقامت عیدین میں ابن عبدالبر مالکی نے تمام فقہاء کا اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ عیدین میں اذان ہو نہ اقامت۔ |

الغرض اذان علی القبر کو اس جگہ کے دینے میں ایک قسم کا اضافہ ہو نیز اس وجہ سے کہ وہ ایک ایسی عبادت ہے جس کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہیں دیا نہ صحابہ

کرام نے اس کو کیا نیز اس وجہ سے کہ اس میں حدود اللہ سے تعدی ہے وہ بدعت و ضلالت اور قانون شریعت سے بغاوت ہے۔

یہاں تک جو بحث کی گئی وہ صرف اصولی تھی مزید اطمینان کے لیے فقہ کی بعض متداول کتابوں سے بھی چند تصریحات نقل کی جاتی ہیں۔ علامہ ابن عابدین شامی رد المحتار میں لکھتے ہیں۔

وفی الاقتصار علی ما ذکر من الوارد اشارة الی انہ لا یسن الاذان عند ادخال المیت فی قبرہ کما ھو المعتاد الآن وقد صرح ابن حجر فی فتاواہ بانہ بدعة (شامی ص ۱۵۹ ج ۱)

اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ میت کو دفن کرتے وقت اذان (جیسا کہ آج کل عادت ہو گئی ہے) مسنون نہیں ہے۔ اور ابن حجر نے اپنے فتاویٰ میں تصریح کی ہے کہ وہ بدعت ہے۔

اور در البحار میں ہے۔

من البدع التی شاعت فی الھند الاذان علی القبر بعد الدفن

ان بدعات میں سے جو (بعض) بلاد ہند میں شائع ہو گئی ہیں۔ دفن کے بعد قبر پر اذان دینا بھی ہے۔

اور شیخ فرخ تنقیح لمحمود البلخی میں بھی اس اذان کے متعلق لکھا ہے "لیس بشیٔ" کہ وہ کوئی چیز نہیں۔ اور امام ابن ہمامؒ اپنی بے نظیر تالیف "فتح القدیر شرح ہدایہ" کتاب الجنائز میں ارقام فرماتے ہیں۔

ویکرہ عند القبر کل ما لم یعھد من السنة والمعھود منھا لیس الا زیارتھا والدعا عندھا قائما۔

اور قبر کے پاس ہر وہ چیز مکروہ ہے جو سنت سے ثابت نہ ہو اور ثابت من السنة صرف قبروں کی زیارت ہے اور ان کے پاس کھڑے ہو کر دعا کرنا ہے۔

اور بعینہ یہی عبارت بحر الرائق ص $\frac{196}{ج ۲}$ اور رد المحتار ص $\frac{166}{ج ۱}$ اور فتاویٰ ہندیہ ص $\frac{1}{ج ۱}$ پر بھی ہے اس سے بھی صراحتہً معلوم ہوتا ہے کہ اذان قبر بلکہ اس قسم کی تمام وہ رسوم جو سنت سے ثابت نہیں قبر کے پاس مکروہ ہیں۔

نوٹ: یہ مضمون الفرقان بابتہ جمادی الاولیٰ و جمادی الاخری ۱۳۶۵ھ میں شائع ہوا تھا یہاں صرف ابتدائی حصہ درج کیا گیا ہے اس کے بعد کے حصہ میں مصنف نے فاضل بریلوی مولوی احمد رضا خاں صاحب کے ان دلائل پر تفصیلی بحث کی گئی تھی جو انہوں نے قبر پر اذان کے ثبوت میں اپنے رسالہ "ایذان الاجر" میں لکھے ہیں وہ حصہ ان شاء اللہ آئندہ سال کسی اشاعت میں شائع کیا جائے گا۔

# ایک بدعت کے خلاف عدالت دیوانی بریلی کا فیصلہ

## رضاخانی تثویب ناجائز اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات و ارشادات سے قطعی خلاف

اللہ بخشے ہماری بریلی کے بڑے مولوی صاحب اور مجدد صاحب کو جن کی مجددانہ ایجادوں اور تکفیری فتووں کی بدولت بریلی کو مرکز بدعات، اور کفر گڑھ کہا جانے لگا، آپ کو دو چیزوں سے خاص طور پر شغف تھا، ایک تکفیر مسلمین اور دوسرے احداث فی الدین، پہلے شوق کا تو یہ اثر ہوا کہ آپ نے اپنے ہم مشرب ہم مسلک چند نفر کے علاوہ سب ہی مسلمانوں کو کفر کے گھاٹ اتار دیا اور دنیا میں اشتہاری ڈھنڈورا پیٹ دیا کہ دیوبندی علماء کافر، جو ان کے کفر میں شک لائے وہ بھی کافر، پھر جو اس کو کافر نہ کہے وہ بھی کافر، ندوۃ العلماء والے کافر، جو ان کو کافر نہ کہے وہ بھی کافر، پھر جو اس کو کافر کو کافر نہ سمجھے وہ بھی ایسا ہی کافر، اور تو اور مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی بھی کافر، مولوی عبدالماجد صاحب بدایونی، مولانا عبدالقدیر صاحب بدایونی بھی کافر، اور جو ان کے عقائد کفریہ (عند البریلویہ) پر مطلع ہو کر ان کو کافر نہ سمجھے وہ بھی کافر، حاصل یہ ہوا کہ جو شخص دوسرے اپنے نیات کے ساتھ ان علماء اسلام کے کفر پر بھی یقین رکھے وہ تو مسلمان ہے، باقی سب کافر، اب قارئین کرام خود ہی حساب لگالیں کہ ہندوستان میں کتنے ایسے خوش بخت ہیں جو ان تمام بزرگان دین کو کافر اور خارج از اسلام سمجھتے ہوں بس وہی تو ہمارے بڑے مولوی صاحب اور ان کی ذریت کے نزدیک مسلمان اور جنتی ہیں اور باقی سب کافر اور جہنمی (اللہ تیری پناہ)

ہمارے بڑے مولوی صاحب کا یہ پہلا اور بڑا شاہکار تھا، اور آپ کا دوسرا خاص کارنامہ جو آپ کے دوسرے شوق کا نتیجہ ہے، یہ ہے کہ آپ نے بہت سی ایسی باتیں دین میں نکالیں جن کا زمانہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد صحابہؓ و تابعینؒ و ائمہ مجتہدین میں کہیں نام و نشان بھی نہ تھا اور اپنی مجددانہ حیثیت سے ان کو دینی حیثیت دی کہ شعار دین بنا ڈالا اور مسلمانوں کو قیامت تک لڑنے جھگڑنے اور

جو تاپیر اوکرنے کے لیے بہت کافی سامان فراہم کردیا۔

آپ کی ان ہی نو ایجاد چیزوں میں سے ایک وہ تثویب (رضاخانی صلوٰۃ) بھی ہے جو بریلی کی بعض اُن مساجد میں رائج ہے جو رضاخانیوں کے زیر اثر و اقتدار ہیں۔ اس تثویب میں بظاہر تو بصیغۂ خطاب باواز بلند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام پڑھا جاتا ہے لیکن مقصد اللہ بخش و مولا بخش وغیرہ محلہ کے نمازیوں کو پکارنا ہوتا ہے گویا یوں سمجھئے کہ مولانا حامد رضا خاں صاحب کی مسجد میں موذن اذان اور جماعت کے درمیان جب تثویب (صلوٰۃ) پکارتا ہے تو اُس کی زبان پر تو یہ الفاظ ہوتے ہیں۔

الصَّلوٰةُ والسَّلامُ عَلَيكَ يا رَسُولَ الله — اے خدا کے رسول آپ پر درود و سلام ہو۔

اور اس پکارنے والے کا مقصد اس صلوٰۃ سے یہ ہوتا ہے کہ

حضرت حجۃ الاسلام (مولانا حامد رضا خاں صاحب) تشریف لے آئیے! اور صاجزادہ صاحب آپ بھی تشریف لے آئیے! اور دوسرے نمازیو! تم بھی آجاؤ۔

اب ناظرین خود ہی فیصلہ کرلیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک اس لغویت سے کس قدر خوش ہوتی ہوگی کہ زبانی پکارا تو جاتا ہے حضورؐ کو اور فی الحقیقت بلانا مقصود ہوتا ہے مولانا حامد رضا خاں صاحب اور اُن کے صاحبزادہ صاحب کو اور دوسرے اہل محلہ کو (استغفر اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ)

بہرحال اس وقت اس فعل کی شرعی اور عقلی حیثیت سے ہم کو بحث کرنا نہیں بلکہ ہمیں صرف یہ بتلانا تھا کہ ہماری بریلی کے بڑے مولوی صاحب نے جہاں (اذان علی القبر وغیرہ) اور بہت سی نئی باتیں دین میں ایجاد کیں اُن ہی میں سے ایک یہ صلوٰۃ بھی ہے جو بعض اُن مساجد میں کچھ عرصے سے رائج ہوگئی ہے جو اُن کے زیر اثر و اقتدار ہیں لیکن کچھ دنوں سے مولوی صاحب موصوف کی ذریت نے یہ پروگرام بنایا کہ دوسری مساجد میں بھی اس کو رائج کیا جائے۔ اسی سلسلہ میں اپنے بعض سادہ لوح دام افتادوں کے ذریعہ محلہ فراشی ٹولہ کی ایک مسجد میں بھی اس کو شروع کرا دیا۔ اس مسجد کے عام نمازی بحمد اللہ صحیح الخیال مسلمان اور سلف کے پکے مقلد ہیں نیز اس کے متولی ایک نیک نفس اور راسخ العقیدہ تعلیم یافتہ مسلمان حافظ عبد الجلیل

---

ع کوئی صاحب اذان پر شبہ نہ کریں کیونکہ اس میں "حیّ علی الصلوٰۃ" "حیّ علی الفلاح" کے الفاظ موجود ہیں جو دعوت الی الصلوٰۃ کے لیے صریح ہیں اور اس کے ماقبل میں تکبیر و شہادتین، تمہید و تیمن و تبرک کے لیے ہیں، اور آخر میں تکبیر و تہلیل تمہ اور خاتمہ بالخیر کے لیے، علاوہ ازیں وہ منصوص ہے اور اُس کی تعلیم وحی الٰہی سے ہوئی ہے ۱۲

صاحب ہیں۔ ان حضرات نے ان سادہ لوحوں کو بہت سمجھایا کہ بھائی ہمارا ساڑھے تیرہ سو برس پرانا اسلام ہی ہماری نجات کے لیے کافی ہے اور ہم کو اس قسم کی نئی باتوں کی ضرورت نہیں مسجد میں ہمارے اجتماع کے لیے وہ اذان کافی ہے جس کی تعلیم خدا کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔ اب کسی نئے اعلان و اعلام کے ایجاد کرنے کا ہم کو اور تم کو اختیار نہیں۔ اور ہم اپنی مساجد میں بس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کی سنتوں کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ زید و عمر کی ایجادات کو نہیں لہٰذا تم ہماری مسجد میں تثویب نہ پکارو لیکن وہ لوگ جو خاص طور سے اسی کام کے لیے مقرر کیے گئے تھے باز نہ آئے اور لڑنے بھڑنے کو آمادہ ہو گئے یہاں تک کہ ان لوگوں نے خود ہی معاملہ عدالتِ فوجداری میں پہونچایا اور مسجد کے متولی حافظ عبدالجلیل صاحب وغیرہ چند معززین اہل سنت کے خلاف استغاثہ دائر کر دیا۔ ان حضرات نے اپنی صفائی میں مولوی حامد رضا خانصاحب اور مولوی مصطفےٰ رضا خانصاحب کو بطور گواہ طلب کیا۔ مولوی صاحبان (حضرت رضوی سب کچھ کر سکتے ہیں مسلمانوں پر کفر کے فتوے دے سکتے ہیں۔ ان کو مشتکار کر بگرد اور منیٰ بھوں کی طرح لڑا بھی سکتے ہیں۔ مگر عدالت میں کلمۂ حق نہیں کہہ سکتے۔) کئی ماہ روپوش رہے اور حاضر عدالت نہ ہوئے اور جب دیکھا کہ مریدوں کا دعویٰ الٹا ہمارے گلے کا ہار بن گیا تو خود ہی دعویٰ واپس کرا لیا اور اس طرح عدالت فوجداری کی کارروائی ختم ہوئی۔

اس کے بعد معاملہ عدالت دیوانی میں پہونچا اور طویل عرصہ کی کارروائی کے بعد مولوی محمد خلیل الدین صاحب بی۔ اے ایل ایل بی اڈیشنل منصف بریلی کے اجلاس سے ۹ رمئی ۱۹۳۶ء کو اس کا فیصلہ ہوا۔ یہ فیصلہ طویل ہے اور چند تنقیحات پر حاوی ہے۔ ہم قارئین الفرقان کی اطلاع کے لیے صرف تنقیح نمبر ۳ یہاں درج کرتے ہیں جس میں فاضل منصف نے اس تثویب (رضا خانی صلوٰۃ) ..... پر نہایت قابلیت سے قابل تحسین بحث کی ہے۔

## نقل تنقیح نمبر ۳ فیصلہ مقدمہ نمبری ۴۲۸ ۱۹۳۵ء

حافظ عبدالجلیل وغیرہ مدعیان بنام امداد اللہ خاں وغیرہ مدعا علیہم

باجلاس مولوی محمد خلیل الدین صاحب بی اے ایل ایل بی اڈیشنل منصف بریلی

(تنقیح نمبر ۳) ابتداً منصف صاحب شہر بریلی نے تنقیح ہٰذا بطور ایک اتفاقی تنقیح قائم کی تھی

---

؎ ابتداً یہ مقدمہ منصف صاحب شہر بریلی کی عدالت میں گیا تھا بعد میں وہاں سے منتقل ہو کر اڈیشنل منصف صاحب کے یہاں گیا اور [illegible] نے [illegible] صادر کی۔

کیونکہ مدعا علیہم کا یہ بیان ہے کہ اس مسجد میں صلوٰۃ ہمیشہ پکاری جاتی رہی ہے۔ میں نے تنقیح کو اس طور سے ترمیم کر دیا ہے کہ اب وہ قانونی تنقیح ہو گئی ہے کیونکہ میری رائے میں اس امر کا مقدمہ پر کوئی اثر نہیں ہے کہ صلوٰۃ ہمیشہ پکاری جاتی تھی یا نہیں۔ ہر مسجد جائداد وقف ہے اور ہر مسلمان کو مسجد میں جا کر نماز پڑھنے کا حق حاصل ہے لیکن انتظام مسجد ہمیشہ متولی کے متعلق رہنا چاہیے اور ہر مسلمان کو یہ حق حاصل نہیں ہو کہ بغیر استمداد عدالت انتظام مسجد میں دخل ہو سکے اگر اس قسم کی مداخلت جائز ہو تو کسی قسم کا انتظام قائم نہیں رہ سکتا اور انتہائی بد انتظامی ناگزیر ہو جائے گی۔ اگر کوئی متولی اپنے فرائض بطریق مناسب انجام نہیں دیتا تو اس میں شک نہیں کہ ہر مسلمان کو اس کے معزول کرا دینے کا حق حاصل ہے لیکن جب تک وہ برطرف نہ ہو جائے کسی شخص کو اس کے انتظام میں مداخلت کا اختیار نہیں ہو سکتا۔

اس مقدمہ میں بطور امر واقعہ کے یہ تسلیم کر چکا ہوں کہ سالہا سال سے حافظ عبدالجلیل خاں بحیثیت متولی مسجد کا کام کرتے رہے ہیں، اہل محلہ نے ان کو مقرر کیا تھا اور ان کا تقرر بھی اس وجہ سے جائز ہو کہ اس محلہ کا رواج یہی ہے کہ اہل محلہ متولی مقرر کرتے ہیں جیسا کہ خود مدعا علیہم کے گواہ ستار بیگ کو بھی تسلیم ہے جو متولی ہونے کا مدعی ہے نظر بریں واقعات مدعا علیہم کو انتظام مسجد میں مداخلت کا موقع نہیں دیا جا سکتا، اس میں شک نہیں کہ وہ مسجد میں آ سکتے ہیں اور نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا "صلوٰۃ" نماز کا جزو ہے یا اس کا تعلق انتظام مسجد سے ہے، اول الذکر صورت میں مدعا علیہم کو بلا لحاظ اس امر کے کہ اس مسجد میں کبھی صلوٰۃ پکاری گئی یا نہیں پکاری گئی صلوٰۃ کہنے کا حق حاصل ہوگا۔ لیکن دوسری صورت میں مدعا علیہم کو صلوٰۃ پکارنے کا کوئی حق نہ ہوگا کیونکہ جب تک عبدالجلیل خاں مدعی نمبر ۱ متولی ہیں اس وقت تک مدعا علیہم کو کوئی اختیار مداخلت کا حاصل نہیں ہو سکتا۔ اب میں "صلوٰۃ" کی نوعیت تجویز کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔

صلوٰۃ کو فقہ میں تثویب کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جس کے معنی اعلام بعد اعلام کے ہیں اذان نماز کے لیے اعلان اول ہے اور یہ اعلان مقررہ الفاظ میں ...... بلند آواز کے ساتھ عام مسلمانوں کی اطلاع کے لیے کیا جاتا ہے کہ نماز تیار ہے۔ اس اعلان کے کچھ دیر کے بعد جماعت کی نماز ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ...... اذان ہوتے ہی نمازی مسجد میں جمع ہو جایا کرتے تھے لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا لوگوں کی دلچسپی دینی امور میں رفتہ رفتہ کم ہوتی گئی اور سلطان صلاح الدین بن المظفر بن ایوب کے حکم سے ۷۹۱ھ میں دوسرے اعلان موسومہ تثویب کا اجراء ہوا (ملاحظہ ہو اردو ترجمہ در مختار ص۱۸۱) مدعا علیہم نے بھی اپنے بیان تحریری میں ایسا ہی بیان کیا ہے کہ تثویب کو علمائے متاخرین نے اس قسم سے رائج کیا تھا کہ اذان

سننے کے بعد تساہل کی وجہ سے لوگ مسجد میں جمع نہیں ہوتے تھے۔ تثویب کے لیے کوئی مقررہ الفاظ نہیں ہیں بلکہ (الفاظ تثویب میں) زمانہ اور مقام اور دیگر واقعات کی بنا پر فرق ہو جاتا ہے۔ مولوی احمد رضا خاں بریلوی نے (جن کے مدعا علیہم پیرو ہیں) اپنی کتاب العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ کے ص ۴۵۵ پر تثویب کا بیان اس طرح کیا ہے کہ صلوٰۃ بمنزلہ اس کے ہے کہ گویا کسی شخص سے یہ کہا جائے کہ اذان ہو چکی ہے' یا جماعت تیار ہے' یا امام آگیا ہے۔ ان سب جملوں کے ذریعے سے افراد سے تخاطب مقصود ہوتا ہے اور اس نیت سے کہے جاتے ہیں کہ مخاطب کو جماعت کے تیار ہونے کی اور اس میں شرکت کرنے کی اطلاع ہو جائے۔ عہ

صلوٰۃ بھی ایک قسم کی اطلاع ہے جو عامۃ المسلمین کو اس امر کی بابت دیجاتی ہے کہ جماعت تیار ہے۔ مدعا علیہم بھی اس کو فرض نہیں سمجھتے۔ اور وکیل مدعا علیہم نے دوران بحث میں یہ تسلیم کیا ہے کہ صلوٰۃ صرف مستحب ہے جس کے لغوی معنی بہتر یا مستحسن کے ہوتے ہیں اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ آیا صلوٰۃ کہنا مستحسن ہے یا مستحب؟ ہر مسلمان کے عقیدۂ راسخ کے بموجب وہ امر مستحسن ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کیا ہو یا حکم دیا ہو بمقابلہ اس امر کے کہ جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا ہو نہ کہا ہو۔ مدعا علیہم مجھ کو اس امر کی تائید میں کوئی سند نہ دکھا سکے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے نماز فجر کے کسی اور نماز کے وقت صلوٰۃ کہنے یا اعلان ثانی کی اجازت دی ہو۔ اذان مقررہ الفاظ میں ادا کی جاتی ہے۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے نماز فجر کے وقت اذان کہی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم استراحت فرمارہے تھے۔ حضرت بلال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے کے دروازے تک گئے اور فرمایا الصلوٰۃ خیر من النوم یعنی نماز خواب سے بہتر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس جملے سے بہت خوش ہوئے اور اس بات کی اجازت فرمادی کہ نماز فجر کی اذان میں اس فقرہ کا اضافہ کر دیا جائے۔ دیگر اوقات نماز کی اذانوں کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تثویب کی صاف صاف ممانعت فرمائی ہے اور اس کی سند میں یہ حدیث ہے لا تثوبن فی شیئ من الصلوٰۃ الا فی الصلوٰۃ الفجر یعنی بجز نماز فجر کے اور کسی نماز کے وقت تثویب نہ کہو۔ یہ حدیث ترمذی بیان صلوٰۃ صفحہ ۳۶ سے منقول ہے اور ہر مسلمان جانتا ہے کہ ترمذی حدیث کی انتہائی مستند کتابوں میں سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کو

---

عہ مولوی احمد رضا خاں صاحب کے اس بیان سے ہمارے اس دعوے کی پوری تصدیق ہو گئی کہ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ پکارنے والے کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اللہ بخش آجاؤ مولا بخش آجاؤ جماعت تیار ہے ۱۲ منہ

بہت ضروری اور بہت اہم قصد فرمایا ہے کہ ہر مسلمان کو اذان ہوتے ہی فوراً مسجد میں پہنچ جانا چاہیے اور تثویب یا اعلانِ ثانی کی اجازت نہیں دی ہے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اگر بچے اور بوڑھے اندر ہونے کا خوف نہ ہو تو میں ان مسلمانوں کے مکانات میں آگ لگا دوں جو اذان سننے کے بعد فوراً مسجد میں نہیں آتے اس کے معنی یہی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے کوئی اجازت اعلانِ ثانی یا تثویب کی نہیں ہے۔

(۹) ۷۹۱ھ میں سلطان صلاح الدین نے ایک بدعت اگزیر کے طور پر صلوٰۃ کو جاری کیا تھا۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب خود اپنی تصنیف مذکورہ بالا کے صفحہ ۱۲ پر فرماتے ہیں کہ "ہر مقام کے اوقات پر لحاظ کرنا چاہیے اور اگر مسلمان نماز کے لیے اذان ہونے سے رجوع ہو جاتے ہیں تو اس صورت میں تثویب ہرگز نہیں پکارنا چاہیے کیونکہ اس کا یہ اثر ہوگا کہ لوگوں کی اذان کے بعد مسجد میں رجوع ہونے کی نیک عادت اُن سے چھوٹ جائے گی۔

تثویب کسی طریقے سے مذہباً ضروری نہیں ہے اور خود مدعا علیہم اس کو بدعت تسلیم کرتے ہیں، اگرچہ وہ اس کو بدعتِ حسنہ یعنی ایسی بدعت کہتے ہیں جو حسن ہو مگر بدعت ہر صورت میں بدعت ہی رہے گی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح فرمان بدعت کے متعلق کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ہے یعنی ہر بدعت ضلالت ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدعتوں کی تقسیم بدعتِ حسنہ یا بدعتِ سیئہ میں نہیں فرمائی ہے۔ ان جملہ دلائل پر غور کرنے کے بعد بہ اطمینان ہو گیا ہوں کہ اذان اور جماعت کے درمیان اعلانِ ثانی یا تثویب مذہباً جائز نہیں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایات و ارشادات کے قطعی خلاف ہے۔ مدعا علیہم کو کوئی حق نہیں ہے کہ وہ اس کو جاری کریں۔ مدعیان اور جملہ وہ مسلمان جو ان کے ہم خیال ہیں تثویب یا اذان اور جماعت کے درمیان اعلانِ ثانی کے روکنے پر یقیناً حق بجانب ہیں۔ ان کو الفاظ تثویب پر جو اس مسجد میں کہے جاتے ہیں کوئی اعتراض نہیں ہے بلکہ ان کا قول یہ ہے کہ ان الفاظ کا استعمال بے محل ہے۔

یہ امر ظاہر ہے کہ تثویب کے اضافے سے اذان کی اہمیت کم ہو جائے گی لوگ رفتہ رفتہ اعلانِ اول سنتے ہی مسجد میں آنے کے عادی نہ رہ جائیں گے اور اعلانِ ثانی کے منتظر رہا کریں گے۔ ممکن ہے کہ کچھ مدت بعد اعلانِ ثالث یا اعلانِ رابع کی بھی ضرورت پیش آئے گی۔

مدعا علیہم کے فاضل وکیل نے اپنی بحث کے آغاز میں کہا کہ ہر مسلمان کو کسی مسجد میں جا کر اپنے طریقہ مخصوص سے نماز پڑھنے کا حق حاصل ہے اور کسی شخص کو مزاحمت کا حق نہیں ہے۔ یہ بات بالکل

صحیح ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ تثویب نماز کا جزو ہو اور خود مدعا علیہم کے عقیدے کے مطابق تثویب لازمی نہیں ہے بلکہ اس کی ضرورت زمانہ کی حالت اور ہر جگہ کے واقعات پر منحصر ہے میری رائے میں تثویب کا تعلق انتظام مسجد سے ہے جو متولی یا منتظم مسجد کے اختیار کلی میں ہے۔ لہٰذا میں تجویز کرتا ہوں کہ مدعا علیہم اذان اور نماز کے درمیان تثویب کہنے کا حق نہیں رکھتے ہیں۔

تنقیح نمبر ۱ مدعا علیہم کے خلاف فیصلہ کی جاتی ہے اور بہ سلسلہ تنقیح بالا مدعا علیہم کو بذریعہ حکم امتناعی ممانعت کی جاتی ہے کہ وہ اذان اور جماعت کے درمیان صلوٰۃ کہنے سے باز رہیں۔ (نقل مطابق اصل)

محمد منظور نعمانی

باسمہ تعالیٰ حامداً و مصلیاً

علامہ ابو اسحاق شاطبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی بے نظیر کتاب الاعتصام میں بدعات کے متعلق فرماتے ہیں۔

ومنها التزام العبادات المعيّنة في أوقات معيّنة لم يوجد لها ذلك التعيين في الشريعة۔

اور انہی بدعات میں سے خاص خاص عبادات کا التزام کر لینا ہے مخصوص اوقات میں درآنحالیکہ یہ تعیین شریعت میں وارد نہیں ہوئی ہے۔

اور ظاہر ہے کہ اگر تیجہ دوسری تمام خرابیوں سے خالی بھی ہو تو اس میں یہ غیر شرعی تعیین ضرور پائی جاتی ہے۔ پس تحقیقی نقطۂ نظر سے اس کے عدم جواز کے لیے اتنا ہی کافی ہے چہ جائیکہ اس میں اور بہت سی صریح قباحتیں بھی ہوتی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں ۔

(۱) اکثر و بیشتر میت کے ترکہ ہی میں سے تیجے کے مصارف اٹھائے جاتے ہیں۔ حالانکہ وارثین میں نابالغ اور یتیم بھی ہوتے ہیں۔ اور کبھی کبھی بعض ورثہ غیر حاضر بھی ہو جاتے ہیں۔ اور اس وجہ سے ان کی اجازت شامل نہیں ہوتی اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ فعل صرف بدعت بلکہ حرام قطعی ہوگا۔

(۲) کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ میت کے پس ماندگان کے پاس تیجے کے لیے پیسے موجود نہیں ہوتے۔ اور وہ رسم و رواج سے مجبور ہو کر قرض لیتے ہیں۔ اور غضب بالائے غضب یہ کہ اگر غیر سودی قرضہ نہیں ملتا۔ (جیسا کہ آجکل کا عام حال ہے) تو سودی قرض لے کر ہی اس رسم کو پورا کرتے ہیں۔ حالانکہ احادیث صحیحہ میں سود

لینے والے کی طرح سود دینے والے پر بھی لعنت وارد ہوئی ہے۔ پس ایسی صورت میں بھی یہ تیجہ حرام قطعی ہوگا۔

(۳) جو لوگ ان تیجہ کرنیوالے عوام کے احوال و افکار سے واقفیت رکھتے ہیں ان کو یہ بھی اندازہ ہوگا کہ اس میں للہیت و اخلاص کا حصہ بہت کم ہوتا ہے اصل، محرک نام و نمود اور برادری کے رسم و رواج کی پابندی کا خیال ہوتا ہے اور یہ بجائے خود معصیت شدیدہ ہے اسی قسم کی رسوم کے متعلق، علامہ شامی رد المحتار، میں فرماتے ہیں۔

واطال ذلک فی المعراج وقال وهذه الافعال کلها للسمعة والریاء فیحترز عنها لانهم لا یریدون بها وجه الله۔

اور معراج الدرایہ میں اس پر طویل کلام کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ تمام کام نام و نمود کے لیے کئے جاتے ہیں لہذا ان سے بچنا چاہئے۔ کیوں کہ ان میں للہیت نہیں ہوتی۔

(۴) تیجے، دسویں، وغیرہ میں عموماً اعزاو اقارب کی بھی دعوت ہوتی ہے۔ بالخصوص خاندان کے قریبی رشتہ داروں کو اور تو ضروری کھانا کھلایا جاتا ہے اور یہ بنص حدیث ممنوع ہے مسند امام احمد و سنن ابن ماجہ میں بسند صحیح حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

کنا نعد الاجتماع الی اهل المیت وصنعهم الطعام من النیاحة۔

ہم لوگ عہد صحابہ رضی میں اہل میت کے یہاں جڑنے اور ان کے کھانا تیار کرنے کو نوحہ میں شمار کرتے تھے۔ (جو سخت منع ہے)

اور اصول حدیث میں مقرر ہو چکا ہے کہ کسی صحابی کا اس طرح بیان کرنا کہ صحابہ کرام عہد نبوی میں یوں کیا کرتے تھے یا یہ کہا کہتے تھے اس چیز کے حکم رسول ہونے پر دال ہے۔ اسی حدیث کے مطابق فقہائے احنفیہ نے بھی غمی کی دعوتوں کو ناجائز لکھا ہے امام ابن ہمام فتح القدیر شرح ہدایہ میں ارقام فرماتے ہیں ۔

یکره اتخاذ الضیافة من الطعام من اهل المیت لانه شرع فی السرور

اور اہل میت کا کھانے کی دعوت کرنا مکروہ ہے کیوں کہ ضیافت تو شادی

لانّ التّحدد هی بدعة مستقبحة

ونوشی کے مواقع پر مشروع ہے نہ کہ غمی میں اور وہ بہت بری بدعت ہے۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

یکرہ اتخاذ الضیافة فی ایّام المصیبة لانّها ایّام تأسف الخ

غمی کے دنوں میں دعوت کرنا مکروہ ہے کیونکہ وہ تو رنج کے دن ہیں۔۔۔۔ الخ

فتاویٰ سراجیہ میں ہے۔

لایباح اتخاذ الضیافة عند ثلاثة ایّام فی المصیبة۔

غمی میں تیسرے دن کی دعوت کرنا جائز نہیں ہے۔

فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔

لایباح اتخاذ الطعام فی الیوم الاوّل والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی القبر فی المواسم واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقرّاء للختم او لقراءة سورة الانعام والاخلاص

اور مکروہ ہے کھانا تیار کرنا پہلے دن اور تیسرے دن اور ہفتہ کے بعد اور کھانا قبر پر لے جانا خاص تقریبوں اور رسوم کے دنوں میں نیز مکروہ ہے قرأت قرآن کے لیے دعوت اور صلحاء اور قراء کو ختم کے واسطے یا سورۂ انعام یا سورہ اخلاص پڑھنے کے واسطے جوڑنا۔

جامع الرموز میں ہے۔

ویکرہ اتخاذ الضیافة فی هذه الایام وکذا اکلها کما فی خیرة الفتاویٰ۔

اور مکروہ ہے ان خاص دنوں میں ضیافت کرنا اور ایسے ہی اس کا کھانا بھی جیسا کہ خیرة الفتاویٰ میں مرقوم ہے۔

کشف الغطاء میں ہے۔

آنچہ متعارف شدہ از پختن اہل مصیبت طعام را در سوم وقسمت نمودن آں میان اہل تعزیت واقران غیر مباح ونامشروع است وتصریح کردہ بر آں در خزانہ حیہ

یہ جو رائج ہو گیا ہے اہل مصیبت کا موت کے تیسرے دن کھانا تیار کرانا اور اہل تعزیت اور اپنے میل جول والوں میں تقسیم کرنا ناجائز اور غیر مشروع ہے۔

چہ سنت دعوت نزد سرور است نہ نزد شرور۔

اور خزانہ میں اس کی تصریح کی ہے کیوں کہ دعوت کی مشروعیت خوشی میں ہو نہ کہ غمی میں

اور حضرت شیخ عبد الحق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ شرح سفر السعادۃ میں فرماتے ہیں۔

وعادت نبود کہ برائے میت در غیر وقت نماز جمع شوند و قرآن خوانند و ختمات خوانند نہ بر سر گور نہ غیر آں و ایں مجموعہ بدعت است و مکروہ نعم، تعزیت اہل میت و تسلیہ مسنون ست و مستحب است۔ اما ایں اجتماع مخصوص روز سوم و ارتکاب تکلفات دیگر و صرف اموال بے وصیت از حق یتامیٰ بدعت است و حرام۔

اور قرون اولیٰ میں عادت نہ تھی کہ میت کے ایصال ثواب کے لیے وقت نماز کے علاوہ کسی دوسرے وقت قبر پر یا کہیں اور جمع ہوتے اور قرآن پڑھتے یا کوئی ختم پڑھتے — اور یہ مجموعہ مکروہ اور بدعت ہے۔ ہاں اہل میت کی تعزیت اور ان کو تسلی دینا سنت و مستحب ہے۔ لیکن یہ تیسرے دن کا خاص اجتماع اور دوسرے تکلفات کرنا اور بلا وصیت کے یتامیٰ کے حق میں سے خرچ کرنا بدعت و حرام ہے۔

اور یہی شیخ عبد الحق دہلوی علیہ الرحمہ جامع البرکات میں فرماتے ہیں۔

و آنچہ مردم روزگار از تکلفات کنند سوم روز از فرش انداختن و خیمہ زدن و طیبہا قسمت کردن و امثال آں ہمہ بدعت شنیع و نامشروع است۔

اور ہمارے زمانے کے آدمی تیسرے دن جو تکلفات کرتے ہیں۔ یعنی فرش بچھانا اور خیمہ لگانا اور خوشبوئیں تقسیم کرنا وغیرہ وغیرہ یہ سب بدعت شنیع اور ناجائز ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مقالۃ الوصیۃ میں فرماتے ہیں

دیگر از عادات ما مردم اسراف است در ماتمہا و سوم و چہلم و شش ماہی و فاتحہ سالینہ ایں ہمہ را در عرب اول وجود نہ بود۔

ہم لوگوں کی عادتوں میں غمی کے مواقع پر اور تیجہ چالیسویں چھ ماہی اور برسی میں اسراف کرنا بھی داخل ہو گیا ہے۔ ان تمام چیزوں کا عرب اول میں کوئی وجود نہ تھا۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وصیت نامہ میں فرماتے ہیں۔

بعد مردن من رسوم دنیوی مثل دہم و بستم و ششماہی و برسی ہیچ نکنند۔

میرے مرنے کے بعد دنیوی رسوم مثلاً تیجہ، دسواں، بیسواں چھ ماہی و برسی کچھ نہ کریں۔

اور حضرت خواجہ محمد معصوم نقشبندی قدس سرہ العزیز گیارھویں مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

سوال ششم آنکہ طعام بروح میت بروز سوم و دہم و گل دادن روز سوم از کجاست۔ مخدوما طعام دادن بلہ تعالیٰ بے رسم و ریا و ثواب آں بمیت گزرانیدن بسیار خوب است و عبادت بزرگ اما تعیین وقت و اصل تعد علیہ ظاہر نمیشود و روز سوم گل دادن بمردان بدعت است۔

چھٹا سوال یہ ہے کہ تیجے اور دسویں کے دن میت کی روح کو کھانا پہونچانا اور پھول تقسیم کرنا کہاں سے ثابت ہے؟ میرے مخدوم محض اللہ کے لئے کھانا کھلانا اور بلا پابندی رسم و رواج اور بلا دکھاوے کے اس کا ثواب میت کو پہونچانا بہت اچھا ہے اور بڑے ثواب کی بات ہے۔ لیکن تعیین وقت کی کوئی قابل اعتماد دلیل نہیں ہے اور تیجے کے دن مردوں میں پھول کا تقسیم بدعت ہے۔

ان اکابر امت کی ان تمام عبارات سے صاف ظاہر ہے کہ رسم تیجہ بدعت شنیع اور غیر مشروع ہے۔

واضح رہے کہ ہمارا یہ جواب رواج یافتہ تیجے کے متعلق ہے۔ لیکن بلا رسمی و رواجی پابندیوں کے اگر محض لوجہ اللہ صدقہ وغیرہ کیا جائے اور اس کا ثواب اموات کو پہونچایا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں بلکہ فعل حسن اور اموات کے لیے فائدہ مند ہے شرح عقائد نسفی میں ہے

فی دعاء الاحیاء للاموات وصدقتہم عنہم نفع لہم

زندوں کا مردوں کے لیے دعا کرنا اور ان کی طرف سے صدقہ کرنا ان کے لیے نفع بخش ہے۔

ھذا آخر الجواب ویتوب اللہ علی من تاب والیہ المرجع والمآب ۰

# آج کے عرسوں کی قوالی
## شریعت محمدی کی روشنی میں

سنہ ۱۳۵۶ھ میں ایک سوال نامہ ملتان سے مدیر الفرقان کے پاس آیا تھا۔ اس میں پہلا سوال یہ تھا کہ۔

"قوالی مع مزامیر جو آج کے صوفیوں میں مروج ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟"
کیا ان کا یا اگلے صوفیا کا سننا جواز کی دلیل ہو سکتا ہے۔؟

اس سوال کا مندرجہ ذیل جواب جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۵۶ھ کے الفرقان میں شائع ہوا تھا۔

## الجواب

اقول وباللہ التوفیق۔ قوالی مع مزامیر جس طرح کہ آجکل کے ہوا پرست متصوفہ میں رائج ہے قطعاً حرام ہے۔ جس کی حلت کے لیے کوئی گنجائش نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ ان اللہ بعثنی رحمۃ للعالمین وامرنی ان امحق المزامیر والکنارات، (رواہ احمد) اللہ نے مجھے سارے عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور مجھے حکم فرمایا ہے کہ مزامیر اور رباب میں آگ لگا دوں۔

اور مسند احمد ہی کی ایک دوسری روایت میں جس کو صاحب مشکوٰۃ نے بھی باب الخمر میں نقل کیا ہے۔ یہ الفاظ اور وہ آئے ہیں ——"

ان اللہ بعثنی رحمۃ للعالمین وھدی للعالمین وامرنی ربی بمحق المعازف والمزامیر (الحدیث)

اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام عالم کے لیے سامان رحمت اور باعث ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور مجھکو حکم دیا ہے کہ باجوں گاجوں کو مٹا دوں ... الخ

اور سنن ابی داؤد وغیرہ میں حضرت نافع سے مروی ہے کہ ایک دفعہ میں حضرت عبداللہ

بن عمر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جا رہا تھا کہ ایک طرف سے باجے کی آواز آئی تو آپ نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور راستہ سے ہٹ گئے۔ پھر مجھ سے پوچھا کیا ابھی وہ آواز آرہی ہے۔ میں نے عرض کیا نہیں تو آپ نے انگلیاں کانوں میں سے نکال لیں اور ارشاد فرمایا کہ

کنت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسمع مثل ھذا فصنع مثل ھذا۔

میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو آپ نے ایسی ہی آواز سنی تو آپ نے ایسا ہی کیا جیسا کہ اس وقت میں نے کیا۔

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ باجے گاجے شریعت میں کس قدر سخت حرام اور اللہ اور اس کے رسول کو کتنے مبغوض ہیں۔ عقل میں نہیں آتا کہ ان نصوص صریحہ کے ہوتے ہوئے کوئی گمراہ اور عار اسلام کے ساتھ معازف و مزامیر (باجوں گاجوں) کے جواز کا قائل بھی ہو گا۔ لیکن ہونا ایسا ہی تھا صادق ومصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا

لتکونن من امتی قوم یستحلون الحریر والخمر والمعازف رواہ البخاری تعلیقاً

میری امت میں ایک دن گمراہ جماعت بھی ہو گی جو ریشم شراب اور باجوں کو حلال جانے گی۔

لیکن ان باغیان دین کو خدا کے قہر اور اس کی شدید گرفت کا منتظر رہنا چاہیے ان کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

یخسف اللہ بھم الارض ویجعل منھم القردۃ والخنازیر

خدا کا ان پر سخت عذاب ہو گا۔ ان کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا اور ان کو بندر اور سوکر بنا دیا جائے گا۔

اور ابن ابی الدنیا میں مروی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا۔

یمسخ قوم من ھذہ الامۃ فی آخر الزمان قردۃ وخنازیر قالوا یا رسول اللہ الیس یشھدون ان لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ قال بلی ویصومون ویحجون ویصلون

اخیر زمانہ اس امت میں سے ایک گروہ بندر اور سوروں کی شکل میں مسخ کر دیا جائے گا بعض صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا وہ اللہ کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کی شہادت نہ دیتے ہوں گے۔ ارشاد فرمایا

قیل منها بالهم؟ قال اتخذوا المعازف والقینات

کیوں نہیں بلکہ وہ روزے بھی رکھتے ہوں گے حج بھی کرتے ہوں گے نماز بھی پڑھتے ہوں گے۔ عرض کیا گیا پھر کیوں مسخ کیے جائیں گے۔ ارشاد فرمایا! جوں اور گانے والی عورتوں کو رکھیں گے۔

کیا ان احادیث کے ہوتے ہوئے بھی معازف اور مزامیر کی حرمت میں کوئی شبہ ہو سکتا ہے؟ ان صریح حدیثوں اور شدید وعیدوں کے بعد فقہی عبارات کے نقل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ورنہ سیکڑوں عبارات کتب فقہ سے بھی نقل کی جا سکتی ہیں۔ بلکہ اکثر فقہاء حنفیہ تو مطلق غناہی کو حرام کہتے ہیں خواہ وہ مزامیر سے بھی خالی ہو۔ تاتارخانیہ میں ہے۔

ان کان السماع غناء فہو حرام لان التغنی واستماع الغناء حرام — اگر سماع میں غنا ہو تو وہ حرام ہے۔ کیوں کہ تغنی اور اس کا سننا حرام ہے۔ (مبسوط میں ہے)

اور مبسوط میں ہے۔ الملاهی والتغنی کلها حرام — آلات لہو اور تغنی سب حرام ہیں۔

اور محیط میں ہے۔

التغنی والتصفیق بها واستماعها کلها حرام — غنا اور اس میں تالیاں بجانا اور اس کا سننا سب حرام ہے۔

اور امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات میں ہے کہ۔

حکی عن ابی نصیر الدبوسی عن القاضی ظهیر الدین الخوارزمی من سمع الغناء من المغنی وغیرہ او یری فعلا من الحرام فیحسن ذالک باعتقاد و بغیر اعتقاد یصیر مرتدا فی الحال۔ — ابو نصیر دبوسی سے منقول ہے کہ وہ قاضی ظہیر الدین خوارزمی سے ناقل ہیں کہ جو شخص گویئے وغیرہ سے گانا سنے یا کوئی فعل حرام دیکھے اور اعتقاد کے ساتھ یا بلا اعتقاد ہی اس کی تحسین کرے اسی وقت مرتد ہو جائے گا۔

الغرض فقہائے حنفیہ کے نزدیک متعارف قوالی اگر مزامیر سے خالی ہو۔ جب بھی حرام ہے اور اس کو تقرب الہٰی کا ذریعہ سمجھنا کفر اور بھی زیادہ وبال ہے اور یہ کہنا کہ عام امت کے لیے اگر چہ علم ظاہر اور شریعت میں حرام ہے۔ مگر خاص صوفیوں کے لیے علم باطن اور طریقت میں حلال ہے محض زندقہ اور ملحدانہ وسوسہ ہے۔ صوفی صافی علامہ محمد برکی رومی طریقۂ محمدیہ میں لکھتے ہیں —

ما یدعیہ بعض المتصوفۃ لی زماننا اذا انکر علیہم بعض امورہم المخالفۃ للشرع ان حرمۃ ذالک فی العلم الظاہر وانا من اصحاب العلم الباطن وانہ حلال فیہ وانکم تاخذون عن الکتاب وانا ناخذ من صاحبہ یعنی محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام فہذا کلہ الحاد وضلال اذ فیہ استہزاء بالشریعۃ المحمدیۃ فالواجب علی کل من سمع ہذا المقال الانکار علی قائلہ والجہر ببطلان مقالہ بلا شک ولا تردد ولا توقف والا فہو من جملتہم۔

ہمارے زمانے کے بعض مدعیان تصوف کا جو یہ وطیرہ ہے کہ جب ان کے خلاف شریعت کاموں پر گرفت کی جاتی ہے تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ اس کی حرمت صرف علم ظاہر میں ہے اور ہم اصحاب علم باطن میں سے ہیں ہمارے نزدیک یہ چیزیں اس میں حلال ہیں۔ اور تم ظاہر پرست لوگ تو احکام شریعت کو کتاب سے نکالتے ہو اور ہم براہ راست صاحب کتاب صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کر لیتے ہیں۔ سو یہ محض بددینی اور خالص گمراہی ہے کیوں کہ اس میں شریعت محمدی کا استخفاف ہے پس جو شخص کسی سے یہ بات سنے اس پر ضروری ہے کہ اس کا رد کرے اور بلاشک وتردد اس کے باطل ہونے کا یقین رکھے ورنہ وہ بھی ان کے زمرہ میں داخل ہوگا۔

واضح رہے کہ شریعت وطریقت کی یہ تفریق اور علم ظاہر وباطن کی یہ اصطلاح صرف بعد کے گمراہ صوفیوں کی ایجاد ہے۔ ورنہ اکابر صوفیاء کا دامن تقدس اس سے پاک ہے۔ ان حضرات نے صاف صاف تصریحیں فرمائی ہیں کہ شریعت محمدی اور کتاب وسنت کے سوا سلوک کا کوئی راستہ نہیں۔ جن خوش نصیبوں کو ان حضرات کی کتابیں دیکھنے کی توفیق ہوئی ہے ان پر یہ تصریحات مخفی نہ ہوں گی۔ اور خدا نے توفیق دی تو آئندہ کسی فرصت میں ہم وہ تصریحات ناظرین الفرقان کی خدمت میں بھی پیش کریں گے۔ رہا یہ سوال کہ بعض حضرات جن کا شمار اولیاء اللہ میں ہے ان کے متعلق مشہور ہے کہ ان کے یہاں مجلس سماع ہوتی تھی اور بعض کے متعلق یہ بھی مشہور ہے کہ وہ گانا مع مزامیر کے سنتے تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں سے اکثر حکایتیں بے اصل ہیں، بعد کے بندگان ہوا و ہوس نے اپنی نفس پرستی پر پردہ ڈالنے اور اس کو جائز ثابت کرنے کے لیے یہ افسانے گڑھے ہیں، [illegible]

کسی سے ثابت بھی ہو کہ انھوں نے بحالت ہوش وصحت حواس اس طرح کا دعویٰ کیا تھا تو یہ کہا جائے گا کہ انھوں نے گناہ کیا اور اگر وہ فی الحقیقت خدا رسیدہ تھے تو انھوں نے اس سے توبہ کی ہوگی ورنہ ان کی ولایت کا خیال بھی گمراہی ہے۔ قرآن عزیز میں تصریح ہے کہ اللہ کے ولی صرف متقی ہیں ——۔

---

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ھم یحزنون الذین آمنوا وکانوا یتقون۔

خبردار اللہ کے دوستوں کو نہ خوف ہوگا اور نہ غم اور وہ وہی لوگ ہیں جو ایمان لائے اور انھوں نے تقویٰ اختیار کیا

بہرحال اگر کسی ایسی ہستی سے جو عام طور پر بزرگ سمجھی جاتی ہو۔ کوئی گناہ دانستہ یا نادانستہ طور پر صادر ہو جائے تو وہ ہمارے لیے وجہ جواز نہیں بن سکتا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اسی سماع کے مسئلے پر کلام کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں۔

"عمل صوفیہ در حلت وحرمت سند نیست ہمیں بس نیست کہ ما ایشاں را معذور داریم وملامت نکنیم وامر ایشاں را بحق سبحانہ تعالیٰ مفوض داریم اینجا قول امام ابوحنیفہؒ یا امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ معتبر است نہ عمل ابوبکر شبلی وابوالحسن نوری ——"

امید ہے کہ یہ مختصر تحریر اس مسئلہ میں اطمینان کے لیے کافی ہوگی ——"

# مشائخ چشتیہؒ اور سماعِ مزامیر

از جناب مولانا نسیم احمد فریدی صاحب امروہی

بزرگانِ دین کے نام سے جو گمراہیاں اہلِ ہوا و ہوس نے پھیلائی ہیں ان میں سے ایک سماعِ مزامیر کا مسئلہ بھی ہے اور ہم نے بارہا حیرت کے ساتھ بعض اربابِ ہوس سے یہ سنا ہے کہ "اکابرِ طریقت" ہمیشہ سے اس کے قائل بلکہ عامل ہیں ——— پھر ان میں سے جنھیں حیا کا کچھ عنصر باقی ہے وہ علی الاطلاق تمام مشائخِ طریقت کے متعلق تو یہ نہیں کہتے اور گویا حضرات سہروردیہ، قادریہ، نقشبندیہ کے متعلق تسلیم کرتے ہیں کہ وہ حرمتِ مزامیر کے قائل تھے، ہاں مشائخِ چشتیہ قدس اللہ اسرارہم کے متعلق عام عشاقِ مزامیر کا یہی دعویٰ ہے کہ وہ اس کے مجوز بلکہ اس پر عامل بھی رہے ہیں، اور گزشتہ صدی سے یہ صُور کچھ اس قدر بلند آہنگی سے پھونکا جا رہا ہے کہ بہت سے نیک بخت لوگ بھی اس فریب میں آ گئے اور ان طبقے کے نزدیک بھی گویا یہ ایک ناقابلِ انکار اور مسلّم حقیقت بن گئی! پناہ بخدا پروپیگنڈہ میں بھی کیا طاقت ہے!

حالانکہ اگر یہ عشاقِ مزامیر مشائخِ چشتیہ کی سوانح حیات کا مطالعہ کریں تو انھیں کبھی یہ توہین آمیز جرأت نہ ہو کہ وہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی قدس اللہ اسرارہم کے مقدس دامنوں پر مزامیر کا داغ لگانے کی ناپاک اور دجل آمیز کوشش کریں۔ میں اپنے دعوے کے اثبات میں سیر الاولیاء اور رسالہ اصول السماع کے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں یہ ملحوظ رہے کہ یہ دونوں کتابیں حضرت سلطان المشائخ کے دو مریدوں کی لکھی ہوئی ہیں۔ اور ان کا معتبر ہونا ہر چشتی و نظامی کے نزدیک مسلّم ہے خصوصاً اوّل الذکر کتاب تو حالاتِ سلطان المشائخ میں اوّل نمبر

کی کتاب مانی گئی ہے۔ کیوں کہ اس کے مصنف مولانا سید محمد مبارک علوی کرمانی نے بہت سے چشم دید واقعات اور معتبر ذرائع سے سنے ہوئے ملفوظات اس کتاب میں جمع کئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ گانے بجانے کو جائز بتانے والوں اور قرآن و حدیث کے مطالب کو اپنے مقاصد کے قالب میں ڈھالنے والوں کو ان حوالوں کے سامنے اپنے ہتھیار ڈال دینے پڑے ہیں اور ان کے کئے نہیں بنتی تو یہ دوسری بات ہے کہ دانستہ طور پر قوالی مروجہ کی حمایت میں بڑے جوش کا زور صرف کر دیا اور مصالح دنیوی کے پیش نظر موسیقیت و مزامیر کو ترویج دینے کو اپنی حضرت طریقت قرار دیں ——

(۱) سیر الاولیاء مطبوعہ مطبع محب ہند دہلی کے صفحہ ۵۲۲ پر حسب ذیل عبارت ہے اس کا ترجمہ عام فہم پیش کیا جاتا ہے۔ ایک مجلس میں ایک شخص نے حضرت سلطان المشائخ (حضرت نظام الدین اولیاء دہلوی) سے عرض کیا کہ حال ہی میں حضرت کے بعض حاضر باش درویشوں نے ایک مجلس میں جہاں مزامیر تھے رقص کیا ہے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ انہوں نے اچھا نہیں کیا جو چیز خلاف شرع ہے وہ بری ہے اس کے بعد ایک شخص نے عرض کیا کہ جب یہ درویش اس جگہ سے باہر آئے ان سے لوگوں نے دریافت کیا کہ تم نے یہ کیا کیا؟ تو ان درویشوں نے جواب دیا کہ ہم اس قدر مستغرق سماع تھے کہ ہمیں یہ خبر ہی نہ ہوئی کہ یہاں مزامیر ہیں یا نہیں۔ جب حضرت نے یہ بات سنی تو ارشاد فرمایا کہ یہ جواب کوئی حیثیت نہیں رکھتا یہ بات تو ہر گناہ میں کہی جا سکتی ہے۔ [۱]

(۲) ایک اور مجلس میں حضرت سلطان المشائخ سے ایک شخص نے عرض کیا کہ اس وقت فلاں مقام پر آپ کے بعض مریدوں نے ایک مجلس منعقد کی ہے جس میں مزامیر اور محرمات موجود ہیں۔ حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا کہ میں نے منع کر دیا ہے کہ مزامیر اور محرمات سماع میں نہ ہوں ان لوگوں نے اچھا نہیں کیا۔ نیز فرمایا کہ امام نماز پڑھا رہا ہو اور اس کے مقتدیوں میں علاوہ مردوں کے عورتیں بھی ہوں۔ اگر امام کو سہو واقع ہو جائے تو مردوں میں سے کسی مرد کو سبحان اللہ کہہ کر امام کو سہو پر مطلع کرنا چاہئے لیکن اگر کوئی

---

[۱] یہ عبارت فوائد الفواد ملفوظات سلطان المشائخ میں بھی موجود ہے۔

عورت ہو یہ واقف ہو وہ کس طرح امام کو آگاہ کرے؟ وہ سبحان اللہ نہ کہے تاکہ اس کی آواز غیر محرم نہ سن پائیں تو پھر کیا کرے؟ اس کو چاہئے کہ ہاتھ کی پشت کو ہتھیلی پر مارے ہتھیلی کو ہتھیلی پر نہ مارے کہ یہ لہو سے مشابہ ہے اس درجہ لہو سے پرہیز ثابت ہو پس سماع میں مزامیر بدرجۂ اولیٰ منع ہوگا۔

تابعوں کو حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی طرف منسوب کرنے والے اور مزامیر کو مشائخ چشت کے مسلک میں واجب ضروری اور لازم بتانے والے اس بصیرت افروز تقریر کو سیر الاولیاء مطبوعہ مطبع محب ہند ص ۵۲۲ و ۵۲۳ پر انصاف کی آنکھوں سے دیکھیں ——

(۳) سیر الاولیاء ص ۴۹۱ پر ہے سلطان المشائخؒ نے فرمایا چار باتوں کا لحاظ رکھا جائے تو سماع مباح ہے۔

(۱) مُسمِع (۲) مُستمِع (۳) مسموع (۴) آلۂ سماع۔

مُسمِع یعنی سنانے والا جوان یا معمر شخص ہو بے ریش لڑکا یا عورت نہ ہو۔ مستمع (یعنی) سننے والا یادِ حق سے خالی نہ ہو۔ مسموع یعنی اشعار فحش اور بیہودہ نہ ہوں آلۂ سماع مزامیر ہے جیسے چنگ و رباب یہ آلات بھی سماع میں نہ ہوں اگر یہ باتیں سماع میں پائی جائیں تو سماع حلال ہے۔ مطلق سماع صوت موزوں سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ کیوں کر حرام ہو جائے گا۔ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ نفس سماع علی الاطلاق نہ حلال ہے نہ حرام عوارض سے اس کا حکم بدلتا رہتا ہے[۱]۔

(۴) حضرت سلطان المشائخؒ کے خلیفہ مولانا فخر الدین صاحب زرادیؒ نے عربی زبان میں ایک رسالہ اصول السماع لکھا ہے (مطبوعہ رسالوں کے علاوہ اس کا ایک قلمی نسخہ بخط احمد حسن جمالی، نظامی دہلوی کتب خانہ دیوبند میں موجود ہے) اس میں مصنف مذکور نے باوجود

---

[۱] بس چنگ و رباب ہی پر مزامیر کا انحصار نہیں بلکہ عرف میں تو لہو کے تمام آلات طرب مزامیر کہتے ہیں جیسا کہ غیاث اللغات میں مزامیر کی تحقیق کے بعد لکھا ہے "در عرف جمیع ساز مطربان راگوئند" لہذا ہارمونیم سارنگی، طبلہ ڈھولک اور قیامت تک جو آلات تراوں کے بجانے کے لیے ایجاد ہوں گے وہ مزامیر کے تحت میں داخل ہوں گے۔

مزامیر کی اباحت پر زور دینے کے اس حقیقت کا بھی اظہار کر دیا ہے کہ مشائخ چشت؁ کا دامن تہمت مزامیر سے پاک ہو۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

"واما سماع مشائخنا رضی اللہ تعالیٰ عنھم فبری عن ھذہ التھمۃ وھو مجرد صوت القوال مع الاشعار المشعرۃ من صنعۃ کمال اللہ تعالیٰ۔

یعنی ہمارے مشائخ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا سماع تہمت مزامیر سے پاک تھا ان کا سماع مجرد صوت کے ساتھ عارفانہ اشعار کا ہوتا تھا۔" اتنی صریح و معتبر عبارتوں کی موجودگی میں خدا معلوم ان مجوزین مزامیر کو خلاف شریعت امور کا انتساب بزرگوں کے ساتھ کرنے میں کیوں شرم محسوس نہیں ہوتی۔

(ہ) رقص کے متعلق صاحب رسالہ اصول السماع فرماتے ہیں۔

وھو فعل السفہاء والمتصنعین، عند غلبۃ الھواء وھو حرام بالاتفاق

یعنی رقص کرنا احمقوں اور مکاروں کا فعل ہے جبکہ غلبہ ہوائے نفسانی کے وقت سرزد ہوتا ہے اور بالاتفاق حرام ہے۔ جس کسی کو اس عبارت میں شک ہو وہ رسالہ مذکور میں رقص کی بحث دیکھے۔ اس جگہ یہ بیان کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مشائخ چشت؁ کے ملفوظات و سوانح میں جہاں کہیں وجد و رقص کا ذکر آتا ہے وہاں مروجہ رقص مراد نہیں۔ بلکہ حقیقت میں وہ ایک خاص کیفیت ہوتی تھی، جس کو ریا و تصنع سے کوئی تعلق نہ تھا۔ غلبۂ حال کی بناء پر وجد و کیف کی حالت طاری ہوتی تھی۔ جس سے بے اختیارانہ قیام و قعود کے افعال سرزد ہو جاتے ہیں۔ غالباً اسی کو وجد و رقص سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

لہٰذا وجد و رقص کو زمانۂ موجودہ کے وجد و رقص پر قیاس نہ کیا جائے ؎

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر

مزامیر کی مدد اور آلات لہو کی اعانت سے جو کیفیت پیدا کی جاتی ہے اس کو تواجد سے تعبیر کیا جائے تو بہتر ہے۔ اور یہ حقیقت اہل نظر پر پوشیدہ نہیں ہے کہ وجد و تواجد میں زمین و آسمان کا فصل ہے۔ [illegible] ضیاء نخشبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب سلک السلوک کی سلک چہارم میں فرماتے ہیں۔

وجد قلب پر بلا تکلف عارض ہوتا ہے۔ اہل معرفت کا قول ہے کہ وجد دل کا وہ راز ہے جس پر سوائے خدائے علیم کے کوئی واقف نہیں ہوتا۔ اسی سلک میں تحریر فرماتے ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بزرگ وعظ فرما رہے تھے۔ ایک شخص کو اس وعظ کو سن کر وجد آیا اور اس نے اپنا پیراہن چاک کر ڈالا۔ جب اس حالت سے افاقہ ہوا تو ان بزرگ نے فرمایا کہ وجد میں تو دل چاک کر دیا کرتے ہیں نہ کہ دامن ۔۔۔ الخ۔ سلک نجسم میں فرماتے ہیں۔

وجد وہ حال ہے جو انسان سے بلا تکلف ظاہر ہو بخلاف تواجد کے کہ اس میں تکلف ہوتا ہے۔ الغرض وجد و تواجد میں بہت بڑا فرق ہے۔"

عالم ربانی، صوفی حقانی حضرت شیخ عبد الحق صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ العزیز کتاب "المکاتیب والرسائل الی ارباب الکمال والفضائل" مطبوعہ مجتبائی دہلی کے رسالہ سادسہ صفحہ ۳۶ پر تحریر فرماتے ہیں۔ جس کا اردو ترجمہ حسب ذیل ہے۔

"اہل توحید وجودیہ میں سے شیخ محی الدین ابن عربیؒ سماع غنا کے انتہائی منکر ہیں اور فرماتے ہیں کہ نغمہ کا اثر بالذات روح حیوانی پر ہوتا ہے۔ حرکت بدن اور رقص کا ظہور روح حیوانی کے سبب ہوتا ہے۔ روح انسانی تاثیر نغمہ سے منزہ ہے۔ حضرت شیخ اکبرؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ سماع غنا اور اس کی تاثیر دین خالص میں سے نہیں ہے۔ جس کی طرف آیہ "الا للّٰہ الدین الخالص" میں اشارہ ہے۔ اس کے علاوہ بھی سماع غنا کے انکار میں حضرت شیخ اکبر نے بہت کچھ فرمایا۔[1]

حضرت شیخ دہلوی کتاب مذکور کے صفحہ ۳۷ پر فرماتے ہیں "یہ بات یقین کو پہنچ گئی ہے کہ اکابر مشائخ چشتیہ نے (فقط) سماع (نہ کہ مزامیر) سنا ہے۔ لیکن (وہ بھی) احتیاط شرائط اور آداب کے ساتھ وہ اکثر خلوت میں سماع سنتے تھے تاکہ اغیار اور نامحرموں کی شرکت سے مجلس خالی رہے۔

صفحہ ۳۸ پر تحریر فرماتے ہیں "حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کی مجلس میں نہ مزامیر ہوتا تھا نہ تالیاں بجتی تھیں۔ ان چیزوں سے حضرت اپنے

---

[1] نوٹ:۔ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کا مرتبہ قائلین وحدۃ الوجود اور صوفیائے محققین کے نزدیک جو ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ اب دیکھنا ہے کہ قوالی نامہ کے مصنف اس محقق منکر غنا کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔

متوسلین کو منع فرماتے تھے آپ فرمایا کرتے تھے کہ دائرہ شرع سے کسی شخص کو باہر نہ ہونا چاہیے۔ مسائل فقہیہ میں مذکور ہے کہ سماع میں تو اختلاف ہو بھی لیکن مزامیر کا سننا بالاتفاق حرام ہے۔ ایک مرتبہ امیر حسن دہلوی علیہ الرحمۃ نے حضرتؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ جس وقت کوئی آواز سنائی دیتی ہے تو دنیا و ما فیہا اسوقت فراموش ہو جاتی ہے۔ تمام چیزوں سے دل سرد ہو جاتا ہے اور یاد حق کے سوا دل میں کچھ باقی نہیں رہتا۔ لیکن یہ حالت نماز میں حاصل نہیں ہوتی حضرتؒ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ کوشش کرو تاکہ یہ حالت نماز میں حاصل ہو جائے۔ جب حضرت سلطان المشائخ مجلس سماع میں حاضر ہوتے تھے آپ پر گریہ و زاری ظاہر ہوتی تھی۔

اس کے بعد حضرت شیخ محقق دہلویؒ فرماتے ہیں "کہ حضرتؒ کے رقص (مروجہ) اور تواجد (وجد اختیاری) کا کوئی ثبوت نقل نظر سے نہیں گزرا۔

ص ۲۹ پر ارقام فرماتے ہیں "مریدان سلسلۂ شیخ نصیر الدین محمود میں سرود سماع مزامیر کو صد درجہ اجتناب و احتراز کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ نے فرمایا ہے کہ جو شخص مزامیر سنے گا وہ ہماری بیعت اور مریدی سے باہر ہو جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب" معلوم نہیں کہ چودھویں صدی ہجری میں بھی سلسلۂ نظامیہ محمودیہ کے اندر یہ خصوصیت باقی ہے یا نہیں؟

ص ۴۲ پر ارشاد فرماتے ہیں" حدیث لسعت حیۃ الھوی... الخ خود محدثین اور محققین مشائخ کے نزدیک موضوع اور بے اعتبار ہے حدیث جاریتین کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ دو لڑکیاں تھیں اور اوس و خزرج کے درمیان جو بعض وقائع گذرے ہیں۔ اس کو بغیر تصنع و بغیر قواعد موسیقی کے پڑھ رہی تھیں "گانے والی" ............ نہ تھیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں آیا ہے کانتا تغنیان لیستا بمغنیتین زیادہ سے زیادہ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ غنا مطلق حرام نہیں لیکن یہ اجتماعات خاص و مجلس مزامیر کیفیت مخصوص کے ساتھ کہاں سے ثابت ہو گئے؟" اس سے کچھ آگے فرماتے ہیں۔

> ان کا یہ کہنا کہ ہمارے مشائخؒ نے سماع سنا ہے، محض بہانہ اور حیلہ ہے اگر یہ لوگ مشائخ کے معتقد ہیں تو یہ کیا کہ مشائخ کے تمام طریقوں میں صرف سماع کو پسند کر لیا اور تمام باتوں کو بالائے طاق رکھ دیا یہ لوگ بدنام کنندہ نکو نامے چند کے مصداق ہیں خدا کی قسم نہ ان لوگوں کو مشائخ سے نسبت نہ مشائخ کی ان پر عنایت۔ مشائخ اہل حق

اور ارباب صدق ہیں۔ وہ اہل بطلان و کذب سے کب راضی ہوتے ہیں؟ ان (زمام علماء و صوفیاء) کی بناکار سوائے نفسانیت اور تعصب کے کچھ نہیں یہاں تک کہ اگر یہ کسی فقیہ یا متشرع انسان کو دیکھتے ہیں تو اس کی مخالفت میں اور زیادہ (معاصی کا) ارتکاب کرتے ہیں، گویا کہ جماعت فقہاء سے دشمنی رکھتے ہیں اور ان کا دین فقہا کے دین سے جدا ہے۔

(کتاب المکاتب والرسائل۔ از شیخ عبدالحق دہلوی ؒ)

آخر میں سیر الاولیاء کے باب نہم کا کچھ اقتباس بطور ترجمہ ہدیہ ناظرین کرتا ہوں یہ واضح رہے کہ یہ باب علامہ کرمانی ؒ مرید حضرت سلطان المشائخ ؒ نے اپنے زمانے کے اہل سماع کے متعلق ان کی اصلاح کی غرض سے لکھا ہے اور ناصحانہ طرز میں محض سماع کی غرض وغایت بیان فرما کر قواعد سماع کے پابند رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔

انھیں یہ کیا خبر تھی کہ کسی زمانے میں بڑے اچھے مدعیان تصوف ہارمونیم اور سارنگی کو سماع کا جزو لاینفک قرار دیں گے اور ان میں سے بعض "قوالی نامہ" لکھ کر تمام مشائخ چشتیہ کی طرف سماع مزامیر کی نسبت کر دیں گے، حتیٰ کہ قرآن حدیث میں باجوں کے جواز کو تلاش کریں گے۔ اچھا اب علامہ کرمانی کی نصیحت آموز تقریر سنیے فرماتے ہیں۔

اہل سماع کی (ایک) لغزش یہ ہے کہ دلدادات سماع کو کہ وہ دراصل مردان حق کی کسوٹی اور محبان الٰہی کا معرکہ گاہ ہے طریقۂ گمراہی بنا کر پاکوبی کرے اور اپنا شور و شغب آسمان تک پہنچائے اور اس ذریعہ سے اپنے آپ کو مشہور کرے اور نیک منبلوں کے گریۂ درد انگیز اور نعرہ شوق حق آمیز اور ان کے شور و رقص کو پریشان کرے، رقاصوں کی طرح ناچ دکھا کر دیکھنے والوں کو ہنسائے اور اس طریقے سے حاصل کردہ شہرت کو اپنی روزی اور حلوے مانڈے کا ذریعہ بنائے ؎

سماع اے برادر بگویم کہ چیست    اگر مستمع را بدانم کہ کیست
اگر برج معنی پرد طیر او    فرشتہ فرو ماند از سیر او
اگر مرد لہو است و بازی و لاغ    قوی تر شود دیوش اندر دماغ

یہ مکار شخص اپنے مشائخ کے طریقے کو چھوڑ کر خواہشات نفس کے راستے پر گامزن ہوتا ہے اور ان ناپسندیدہ حرکات سے چاہتا ہے کہ کوئی مقام حاصل کرے، خدا

کی قسم یہ اپنے مقصد میں ہرگز ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ایک بزرگ نے سچ فرمایا ہے ؎

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی کایں راہ کہ تو میروی بترکستان است

خدا کے واسطے ہمارے مشائخ کے طور و طریقہ اور اعمال و اخلاق پر جن کا سیر اولیاء میں ذکر ہو چکا ہے) نظر غائر ڈالو کہ انہوں نے ابتداء سے انتہا تک کیا کیا مجاہدات و ریاضات شاقہ برداشت کئے ہیں اور رضائے باری تعالیٰ حاصل کرنے کیلئے مشغولی باطن کے باعث اپنے آپ کو بالکل فنا کر دیا باایں ہمہ کوئی بشر ان کی ریاضتوں اور مجاہدوں پر مطلع نہ ہونے پایا۔ جبکہ ان کی جان پر آ بنتی تھی اور ریاضت کی وجہ سے ہلاکت کا اندیشہ ہوتا تھا اسوقت یہ مقدس حضرات سماع میں مشغول ہو کر بحر معرفت میں شناوری فرماتے تھے۔" (از سیر اولیاء)

بزرگان دین رحمہم اللہ تعالیٰ کی ارواح طیبہ کو مزامیر وغیرہ سے کس قدر تکلیف پہونچتی ہے اس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے کچھ ہو سکتا ہے جس کو حضرت شیخ عبد الحق صاحب محدث دہلوی "اخبار الاخیار" میں حضرت میر سید ابراہیم ابن معین عبد القادر الایرجی رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

(ترجمہ اردو) کہتے ہیں کہ انہوں نے (میر سید ابراہیمؒ نے) حضرت شیخ نظام الدین قدس سرہٗ سے عالم رؤیا میں خرقہ پایا ہے اور وہ مجلس سماع میں حاضر نہیں ہوتے تھے — سنا گیا ہے کہ شیخ رکن الدین بن شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ آج حضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہٗ العزیز کا عرس ہے اگر چاہیں تو تشریف لے چلیں — آپ نے فرمایا تم جاؤ اور ان کی قبر کی زیارت سے مشرف ہو اور ان کی روحانیت کی جانب متوجہ ہو کر (دیکھو) کہ کیا فرماتے ہیں۔ بس میں جو زیارت کے لیے گیا اور ان کی قبر کے مقابل بیٹھا اور ان کی روحانیت کی جانب متوجہ ہوا مجلس سماع گرم تھی — قوال اور صوفی جوش و خروش میں بیٹھے تھے اس اثناء میں حضرت خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ان بدبختوں نے ہمارا دماغ اڑا دیا اور ہمارے وقت میں خلل ڈال دیا — بعدہٗ میں سید ابراہیم علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ہنسے اور فرمایا کہ اب (اس حالت میں) مجھے معذور سمجھو گے یا نہیں؟ میں نے عرض کیا کہ واقعی وہی بات ہے جو آپ فرماتے ہیں، حق

وصداقت آپ ہی کی جانب ہے۔

**عرضِ آخر** مشائخ چشتیہ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کے طرزِ عمل کی روشنی میں مسئلہ سماع مزامیر کو حل کرنا تھا الحمد للہ کہ میں دیانت اور نیک نیتی کے ساتھ اس مقصد میں ایک حد تک کامیاب ہوگیا مزامیر پسند مزاجوں میں صلاحیت موجود ہے تو یہی بہت کچھ ہے ورنہ آیاتِ قرآنیہ احادیثِ نبویہ اور فقہ حنفی کے پیش کرنے سے بھی اثر نہ ہوگا۔

چوں مختل شد اعتدال مزاج ‏ ‏ ‏ نہ عزیمت اثر کند نہ علاج

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

(الفرقان بابت جمادی الاخریٰ ۱۳۵۸ھ)

# رسم و ملت

(از جناب ابوالاسرار رمزیؔ آثمی)

(۱)

ہو گئے ہیں سخت اتنے دینوی رسم و رواج — حکم و قانون الٰہی سے بھی بالاتر ہیں آج
رسم کی خاطر اتر جاتے ہیں سلطانوں کے تاج — رسم سے برباد ہوتے ہیں شہنشاہوں کے راج

---

رسم ہے کفر و بغاوت حکم قدرت کے خلاف — رسم ہے انکار حق پیغمبروں سے انحراف
رسم ہے زندہ جنازہ مذہبی احکام کا — رسم سے اٹھتا ہے خاکہ ملت اسلام کا
رسم ہے اک مستقل لعنت زمانے کے لئے — اپنا مطلب اور کام اپنا بنانے کے لئے
دین منشائے خدا ہے دین راہ مستقیم — دین میں ہے رستگاری دین میں فوز عظیم

رسم ہے ناپاک بدعت مذہب و دین عجم
دین فطرت میں ہے مضمر راز معراج امم

گر تجھے ناموس و دین مصطفیٰ کا پاس ہے — کچھ تجھے اپنی مذلت کا اگر احساس ہے
رسم کے بندے یہ طرز کافرانہ چھوڑ دے — چھوڑ دے رسم و رہ دل جسم کا نہ چھوڑ دے
زندگی تیری شکنجے میں دبائی جائے گی — سود کے خونخوار پنجے میں دبائی جائے گی
اجنبی ہاتھوں سے یہ اعضا مروڑے جائینگے — خون کے قطرات رگ رگ سے نچوڑے جائینگے

رنج میں تبدیل ہو جائے گا یہ جشن فضول
اور انگاروں پہ تڑپینگے ان ارمانوں کے پھول

(۲)

ساز و سامان ہجوم و اہتمام رنگ و بو — دعوت شیر و شکر کے [illegible] کو بہ کو
یہ ترانے شادیانے یہ مزین محفلیں — ان سے آتی ہے مجھے افلاس مستقبل کی بو

---

لگ گیا تھا منہ دخت وزن کے زیور بہر زن ... یہ کھلا راز فغاں وا ماجرائے ہائے ہو

---

رسم سے جلتا ہے عشرت خانۂ مرّاف میں ... روشنی کے دیولوں میں مرد مومن کا لہو
سود خواروں کے قدم پر مرد مومن کی جبیں ... آج یوں ارزاں ہے دینِ ہاشمی کی آبرو
اے کہ تو پیمانہ بردار رسول پاک ہے ... توڑ دے رسموں کے شیشے اور رواجوں کے سبو

---

شبنم بے مایہ کی اس ہیچ مقداری پہ بھی ... پھول کر لیتا ہے اس کے ایک قطرے سے وضو
غنچہ کا تیری طرح شرمندۂ منت نہیں ... بے خودی سے وہ تبسم آشنا و سرخرو

---

تو الجھ کر رہ گیا رسم و رواجِ دہر میں ... جائے گا کس منہ سے غافل ربّ جبار کے روبرو
وہ نشیمن کیا ہوا؟ طرزِ نشیمن کیا ہوئی ... بجلیاں جس کے لئے رہتی تھیں مصروف جستجو

آہ تیرے دل سے وہ سوز یقیں جاتا رہا
عشق ملت کا سنہرا دلنشیں جاتا رہا

---

توڑ یہ زنجیر باطل قید سے آزاد ہو
اپنی ملت کی بہشت سادہ میں آباد ہو
یہ رواج و رسم ہے شیطان کی جادوگری
اور مذہب ہے سرود و نغمۂ پیغمبری

---

دا افغانستان ذیقعدہ سنہ ۱۳۴۶ھ

# مجاہدِ توحید و سنت

# شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ

(از جناب مولانا انور صابری دیوبندی)

---

وہ قائد جلیل وہ سردار مسلمیں — لرزاں ہے جس کے نام سے پنجاب کی زمیں

جس کی نگاہ واقف رمز جہاد تھی — کی اختیار جس نے رہ تاجدار دیں

سمجھے تھے جس نے سورۂ انفال کے نکات — جس کی مثال محفل کونین میں نہیں

جس نے اکھاڑ کر شجر شرک ہند سے — توحید کا بلند کیا پرچم حسیں

یلغار بے پناہ سے جس کی خدا گواہ — درگاہ حق میں ہو گئی خم کفر کی جبیں

باطل کی موت آئی جدھر کو نکل گیا — اس دہلوی زعیم کا خیل مجاہدیں

بزم عدو میں حشر ماتم بپا ہوا — جس سمت اٹھ گئی نگہ قہر و خشمگیں

جس کے عمل کے آج بھی ملتے ہیں تذکرے — تاریخ کی بساط کہن پر کہیں کہیں

جس کو پیام زندگی جاوداں ملا
جس کو فراز قوم کا نام و نشاں ملا
آنکھوں سے اپنے پردۂ غفلت اتار کر
انور اسی پہ قلب و جگر کو نثار کر

# شہید اعظم

(از جناب مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی ایم اے، فاضل دیوبند)

حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ہندوستان کی اسلامی حکومت پر زوال و انحطاط کی جو موت طاری ہو گئی تھی اور جس نے آخر امر سات سمندر پار کی ایک اجنبی و بیگانہ حکومت کے قیام کی شکل میں ظہور کیا اُس کا صحیح احساس رکھنے والے علماء میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی ہمیں سب سے سرعنوان نظر آتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب کی تصنیفات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اسلامی حکومت کے فنا پذیر ہونے پر حد درجہ متاسف ہیں اور ساتھ ہی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ مسلمانوں کی ذہنیت میں انقلاب عظیم پیدا کرکے ان کو ایک جدید اور زبردست تبدیلی کے لئے آمادہ کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب نے جن انقلاب آفریں خیالات کی داغ بیل ڈالی تھی وہ اگرچہ خود اس کی تکمیل نہ کرسکے اور نہ اس سلسلے میں انھوں نے کوئی عملی سرگرمی ہی دکھائی لیکن یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ آپ کے نظریات و فکریات کا مکمل عملی نمونہ آپ کے پوتے حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل صاحب قدس سرہ تھے۔ حضرت شاہ صاحب نے مسلمانوں کی اصلاح و فلاح کے لئے تصنیف و تالیف اور ارشاد و ہدایت کے ذریعہ جن افکار و آراء کی اشاعت کی تھی حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے بعد ان کو عملاً کر دکھایا۔

علمائے اسلام کی عام اصطلاح کے مطابق مصلحین امت دو طرح کے ہوتے ہیں ایک ارباب عزیمت اور دوسرے ارباب رخصت یا خاص حضرت شاہ ولی اللہ کی اصطلاح کے مطابق یوں سمجھئے کہ بعض مصلحین حنفاء ہوتے ہیں اور بعض مرتفقین۔ حنفاء سے مراد یہ ہے کہ اس قسم کے حضرات اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ہر آن سر بکف اور جاں بدست ہوتے ہیں۔ سچائی کے اظہار میں اور صداقت کے برملا اعتراف میں ان کو کسی ظالم و جابر حکومت کا خوف اور دار کا ڈر، لوگوں کے طعن و تشنیع کا اندیشہ ایک لمحہ کے لئے بھی متردد اور مذبذب نہیں

کرتا۔ یہ شمشیر برہنہ ہوتے ہیں جو صدق و حق کی پاسبانی اور حفاظت اور باطل کا سر کچلنے کے
لئے ہر آن آمادۂ عمل رہتے ہیں ان کا ظاہر باطن سے زیادہ صاف اور اجلا اور ان کا باطن
آئینۂ جلی سے زیادہ شفاف ہوتا ہے۔ یہ لوگ اذعان و یقین کے پیکر اتم ہوتے ہیں شک
تردد کا ان کے پاس گذر تک نہیں ہوتا۔ بعنوان دیگر یوں سمجھیے کہ ان کی راہ کانٹوں کی
راہ ہوتی ہے۔ ان کو جن وادیوں میں چلنے کی تمنا ہوتی ہے وہ شہدائے حق کے خون سے
سراسر رنگین اور معرکۂ حق و باطل کے کارزار پیہم سے سربسر گرم ہوتی ہیں۔ یہاں ان کو
سر بکف اور کفن بردوش آنا پڑتا ہے ۔۔۔ نہیں میں نے غلطی کی شہدائے حق کو کفن کی ضرورت
ہی کیا ہے ان کے لئے ان کا زخموں سے چور چور جسم اور خون کے سرخ دھبوں سے بھرا ہوا
جامہ سب سے بہترین کفن ہوتا ہے۔ الغرض یہ ارباب صدق و شہود عزیمت و مجاہدہ کے مرتبۂ علیا
میں ہوتے ہیں ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ شوق شہادت و جانفروشی سے پر ہوتا ہے
ان کے برخلاف دوسری قسم کے وہ حضرات ہیں جن کو مرفقین کہا جاتا ہے یہ حضرات علم و عمل
صحیح نمونہ ہوتے ہیں لیکن اول گروہ کی بہ نسبت ان میں مصلحت اندیشی ، اور رفق دل
زیادہ ہوتی ہے ۔ یہ حضرات مدرسوں میں بیٹھ بیٹھ کر خانقاہوں میں مریدوں کے
قائم کر کے اور مسند وعظ پر جلوہ افروز ہو کر عقائد صحیحہ کا اظہار کرتے ہیں اور ساتھ ہی لوگوں
اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جان دے دینے پر آمادہ و مستعد بھی کرتے ہیں لیکن ان کی طبائع
افتاد کچھ ایسی ہوتی ہے کہ تشنگان جام شہادت کی طرح خود آگے بڑھ کر "شمشیر قاتل" کو
نہیں دیتے ۔ کوئی شبہ نہیں کہ ان کے اعمال درست اور صحیح ۔ ان کے مواعظ شنیدنی
لائق پذیرائی اور ان کے ملفوظات عالیہ لائق عمل ہوتے ہیں ۔ ان کے دم سے محراب و منبر
زینت ہوتی ہے ان کا وجود مدرسہ و مسجد کے لئے سرمایۂ نازش و افتخار ہوتا ہے لیکن
حضرات ارباب دار و رسن اور اصحاب قید و محن نہیں ہوتے۔

ان کا قلم مسلمانوں کی ذہنی و عملی صلاح کے لئے ہمہ اوقات مصروف عمل رہتا
لیکن ان کے ہاتھ تلوار کی گرفت سے ناآشنا ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کی اصلاح کے لئے
شبہ نہیں کہ دونوں طبقات از بس مفید اور ضروری ہیں لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ
سرگرمی و وارفتگی کے اعتبار سے دونوں ایک ہیں ؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
تمام صحابہ ہی جان فدا کرتے تھے لیکن "صدیق" کا معزز خطاب تو صرف اس کو ہی ملا

جن نے اپنا تمام اثاثہ بیت جناب رسالت پناہ کے قدموں پر لاکے رکھ دیا اور جب ان سے پوچھا گیا کہ تم نے یہ کیا کیا؟ تو فرمایا مجھ کو اللہ اور اس کا رسول ہی کافی ہیں۔

ان دونوں محترم طبقات مصلحین کے خصائص و صفات کو پیش نظر رکھ کر جب ہم حضرت مولانا اسمٰعیل صاحب شہیدؒ کے حالات زندگی اور ان کے مجاہدانہ و سرفروشانہ کارناموں پر غور کرتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شہیدؒ مرفقین میں سے نہیں بلکہ حنفاء میں سے تھے ارباب رخصت میں سے نہیں بلکہ ارباب عزیمت میں سے اور ان میں بھی مقام رفیع و ممتاز پر فائز تھے اور جب ہم ان حالات کا جائزہ لیتے ہیں، جو اس وقت مسلمانوں کی سلطنت کے زوال، ہندوؤں کے ساتھ ایک عرصہ سے ہمسایانہ تعلقات رکھنے اور ان کے ساتھ رہنے سہنے اور مسلمانوں میں صحیح علم دین و مذہب کے فقدان کے باعث پیدا ہو گئے تھے تو ہم کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ حضرت اقدس کی ذات خدا کی طرف سے بھیجی ہوئی ایک شمع ہدایت تھی جو وعظ و ارشاد کی مجلسوں میں مثل شب چراغ کی طرح جگمگاتی تھی اور پھر اگر حق و باطل میں معرکۂ کارزار گرم ہو جاتا تو یہ وہاں شمشیر بے نیام ہو کر چلتی تھی رعد کی طرح گرجتی برق کی طرح کڑکتی تھی اور اس کی چمک و گرج سے باطل کی آنکھیں خیرہ اور اس کے کان بہرے ہو جاتے تھے، پھر وہ کبھی سیلاب کی طرح امنڈتی تھی۔ طوفان کی طرح آگے بڑھتی تھی باد تند کے تیز جھونکوں کی مانند چلتی تھی اور اپنی رو میں کذب و دروغ کے خس و خاشاک کو بہائے جانا چاہتی تھی۔ حضرت مولانا نے جس بدنصیب عہد میں پرورش پائی وہ ہر اعتبار سے مسلمانوں کے لئے بدنصیبی اور تیرہ بختی کا دور تھا ..........

.............. سیاسی اعتبار سے مسلمانوں کی قدیم پر عظمت و شوکت حکومت کا خاتمہ ہو رہا تھا اور ان کا سر یرو اورنگ دوسروں کے زیر نگیں آجانے والا تھا۔ مذہبی و دینی اعتبار سے حال یہ تھا کہ بدعت و شرک کا دور دورہ تھا۔ رسوم قبیحہ کا عام چرچا تھا بڑے پیر کی گیارھویں اور چھوٹے پیر کی فاتحہ کو جزو ایمان سمجھا جاتا تھا۔ سیوم و دہم بستم و چہلم کا گھر گھر دستور تھا تعزیہ داری بڑے زور و شور سے ہوتی تھی۔ شرمیہ کو عید سے بڑھ کر منایا جاتا تھا۔ مسلمان امام حسین کے فقیر بن کر سبز کپڑے پہنتے تھے اور خدا جانے کیا کیا سوانگ بھرتے اور رچاتے تھے۔ ایک طرف تو ان کی بدعت پرستی کا عام حال یہ تھا اور دوسری جانب ہندوؤں کے ساتھ عام اختلاط کے باعث ان میں بہتیرے ہندوانہ عقائد و اعمال پیدا ہو گئے تھے عقد بیوگان ان کے نزدیک بے انتہا قابل شرم بات تھی۔ لڑکیوں کو عموماً ترکہ میراث سے محروم رکھا جاتا تھا اور شادی بیاہ کے موقعوں پر خصوصاً کثرت

سے ہندوانہ رسومات قبیحہ بجا لائی جاتی تھیں جن کا اب اگر ذکر بھی کیا جائے تو شرم وحیا کو فرط ندامت سے گردن جھکا لینی پڑتی ہے۔ حضرت مولانا اسمٰعیل صاحب نے احساس وشعور کی آنکھ کھولی تو انھوں نے دیکھا کہ وہ قوم جو دنیا میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لئے آئی تھی اور جس کو عالم کی گمراہ قوموں کے لئے سرتا سر خورشید صداقت اور سراپا پیام ہدایت بنا کر بھیجا گیا تھا نوع بہ نوع کی گمراہیوں میں مبتلا ہے اور جس قوم کو کہ انتم الاعلون کا منصب گرامی سپرد کیا گیا تھا۔ اس پر فلاکت وادبار کی موت طاری ہے اس منظر ہیبت ناک کو دیکھ کر ان کا دل بھر آیا اور انھوں نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ خدمت اسلام کے لئے وقف کردیا۔ شاہ شہید، حضرت مولانا مولوی عبد الغنی صاحب کے صاحبزادے اور حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کے پوتے تھے اور دہلی کے ایک ایسے معزز خانوادہ سے تعلق رکھتے تھے جس کا احترام بادشاہ وقت بھی کرتا تھا اس بنا پر ظاہر ہے کہ آپ کا عہد طفولیت ناز ونعمت میں بسر ہوا ہوگا لیکن حضرت شہید نے خدمت اسلام کا عہد وپیمان کرکے ہر تکلیف واذیت کو لبیک بہ طیب خاطر کہا اور راحت وآسائش کو بالائے طاق رکھ دیا ــــــ

افسوس ہو کہ میں اس مختصر مضمون میں حضرت شہید کی ان دینی خدمات اور آپ کے مجاہدانہ کارناموں کا اجمالاً بھی ذکر نہیں کرسکتا۔ بس اتنا ہی عرض کرتا ہوں کہ آپ بیک وقت ایک جلیل القدر عالم بھی تھے اور دین الٰہی کے زبردست مبلغ بھی، نہایت کامیاب واعظ بھی تھے اور اعلیٰ درجہ کے منتی بھی، مناظر بھی تھے اور مجاہد بھی، متکلم بھی تھے اور مصنف بھی، ماہر اسرار شریعت بھی تھے اور واقف رموز حقیقت بھی، ساتھ ہی ساتھ ایک کامیاب جنرل بھی تھے اور ایک بہادر سپاہی بھی پھر اسی میدان میں دوسرے وقت گھوڑے کے سائیس بھی تھے اور عام مجاہدین کے خادم بھی۔ آپ کے سوانح نگار کا بیان ہو کہ حضرت شاہ شہیدؒ اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لئے خود ہی آٹا پیستے تھے گھوڑوں کے لئے خود ہی دانہ دلتے اور ہاتھ سے گھاس کھود کر لاتے تھے۔

بیشک بیشک آپ خدا شناس تھے، خدا رسیدہ تھے ان اکابر اسلام اور ان رجال اللہ میں سے تھے جن پر اسلام کو فخر ہے اور جو مسلمانوں کے لئے مایۂ ناز صد نازش ہیں مگر آہ کتنی حسرت کا مقام ہے اور افسوس کی جگہ ہے کہ آج مسلمانان ہندوستان ہی میں ایک مخصوص جماعت ایسی بھی ہے جو اس مرد راہ خدا اور مجاہد فی سبیل اللہ سے بغض رکھتی ہو اور آپ کے علمی عملی کمالات پر غلط بیانیوں کا پردہ ڈالنا چاہتی ہے۔

فی الحقیقت یہ چیز بھی آپ کو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے وراثت میں ملی ہے جس طرح مسلمان کہلانے والوں میں ایک بدنصیب جماعت آپ کے جد اعلیٰ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو گالیاں دینا ثواب سمجھتی ہے۔ اسی طرح ایک دوسری محروم البصیرت ٹولی آپ کے نسبی و روحانی فرزند حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل (فاروقی) کو گالیاں دینے میں اپنی نجات کا اعتقاد رکھتی ہے آپ کو معلوم ہے یہ کون جماعت ہے؟ یہ وہی جماعت ہے جس کے بڑے سے بڑے رکن مرتے مرتے اپنے وارثوں اور مریدوں کو اپنی فاتحہ کے متعلق اس قسم کی وصیت کر کے جاتے ہیں کہ ہفتہ میں دو تین بار ان اشیاء میں سے کچھ بھیجدیا کرو۔

دودھ کا برف خانہ ساز اگرچہ بھینس کے دودھ کا ہو مرغ کی بریانی، مرغ پلاؤ، بکری کے شامی کباب پراٹھے اور بالائی، فیرنی اور دکی بھری دال مع ادرک و لوازم گوشت بھری کچوریاں سیب کا پانی سوڈے کی بوتل، دودھ کا برف۔[1]

ایسے عیش پرست اور شکم پرور لوگ اگر حضرت شہیدؒ کے مجاہدانہ کارناموں کو قدر کی نگاہوں سے نہ دیکھیں تو معذور ہیں کہ ان کا مسلک اور طریق کار اور ہے اور حضرت شہیدؒ اور آپ کے متوسلین کا اور۔

عیش پہلو تنعم نہ بود راہ بہ عشق
عاشق پیشہ زندان بلاکش باشد

مگر یاد رہے کہ اسلام فاتحہ کی مرغ بریانی اور فیرنی و بالائی وغیرہ کا نام نہیں ہے اور نہ حلوہ مانڈے اور گوشت بھری کچوریاں ہی کا اسلام سے کوئی تعلق ہے بلکہ اسلام الٰہی سچے جذبات کا نام ہے جو حضرت شہیدؒ کی روح میں کار فرما تھے پس اگر کوئی چاہتا ہے کہ سچا اسلام اختیار کرے اور اس صراط مستقیم پر چلے جو ابوبکر و عثمان و عمر و علی ابوحنیفہ و مالک احمد و شافعی کی پسندیدہ و اختیار کردہ تھی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جو کتاب و سنت کی قائم کردہ ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے نقش قدم پر چلے کہ وہ بھی اسی راہ پر گامزن تھے۔ لیکن جو شخص اس سنگلاخ راہ پر چلنے کی ہمت نہیں رکھتا اور اس سے کترا کر چلنا چاہتا ہے تو اس کے لیے شیطانی راہیں کھلی ہوئی ہیں۔

واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

---

[1] یہ مولوی احمد رضا خاں صاحب کی وصیت ہے جو ان کے مطبوعہ وصیت نامہ میں انہی الفاظ میں درج ہے۔

# شہید کے مرقد پر

☆

کسی شہید کے مرقد پہ ایک حاجت مند
چمن سے کچھ گل تازہ چڑھانے آیا تھا
چھڑک کے عرقِ گلاب اور لگا کے عطرِ حنا
وہ تشنگیٔ عقیدت بجھانے آیا تھا
دلِ ستم زدہ و اشکبار آنکھوں سے
فسانۂ غم ہستی سنانے آیا تھا

چلا پلٹ کے تو روحِ شہید کہنے لگی
کہ بے خبر مجھے تو کیوں ستانے آیا تھا
یہ عطر و پھول چڑھانے تھے مہ جبینوں کو
میں نازنیں ہوں جو مجھ کو سنگھانے آیا تھا

جو لانا ہی تھا تو شمشیرِ تیز دم لاتا
تو میری روح کو بزدل بنانے آیا تھا

●

## باب ــــــ (۵)

# عبرت کی باتیں

محمد منظور نعمانی

# میلاد کی ترقی کا ایک اور نمونہ

# بریلی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت

علامہ ابو عبد اللہ ابن الحاج رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانے کی ایک رائج شدہ بدعت کے متعلق اپنی مشہور کتاب مدخل میں لکھا ہے۔

| | |
|---|---|
| لا اصل لہ فی الشرع ولاجل ذلک اختلف فیہ عوائد اہل الاقالیم فلو کان من الشرع ما اختلف فیہ عوائدھم | شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں اور اسی وجہ سے مختلف ملکوں کی عادتیں اس کے متعلق جداگانہ ہیں۔ اگر وہ کوئی شرعی امر ہوتا تو اس میں یہ اختلاف نہ ہوتا۔ |

علامہ ممدوح کی یہ بات آب زر سے لکھنے کے لائق ہے۔ درحقیقت جو چیز مشروع نہ ہو بلکہ ایجاد بندہ ہو اس میں کبھی یکرنگی نہیں ہو سکتی۔ مروجہ رسمی میلاد کے طریقوں کا اختلاف بھی اسی بنیاد پر مبنی ہے۔ اس کی بہت سی صورتیں تو ناظرین کرام کو محترمی جناب مولانا حکیم عبد الشکور صاحب مرزاپوری کے مضمون "تاریخ میلاد" سے معلوم ہو چکی ہیں۔ آج ہم خاص بریلی کے ایک نئے قسم کے ترقی یافتہ میلاد کی آپ کو غائبانہ سیر کراتے ہیں جس میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیافت بھی کی جاتی ہے۔

اس میلاد کا پوسٹر اس وقت ہمارے سامنے ہے اور سنتے ہیں کہ یہ میلاد شریف ہر سال اسی طور پر ہوتا ہے۔ اس پوسٹر میں پہلے تو اس میلاد نبوی یا دعوت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ آداب لکھے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) ذاکرین (یعنی میلاد خواں حضرات) جو سچے پکے پابند عقیدۂ اہلسنت ہوں مشک وگلاب

سے کلیاں کرکے باوضو با ادب ممبر اقدس پر بیٹھیں جس کے سامنے مسند مقدس یعنی نشست گاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سجا بنا کر لگائی جائے اور در و بر و سامان دعوت اقدس شریف چنا جائے۔

(۲) سڑکیں صاف و شفاف چھڑکاؤ شدہ، نالیاں ستھری دھلی ہوئی ہونی چاہئیں۔

(۳) اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ وسلم جو ہر وقت، و ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں ادب تعظیم کی منعقد شدہ میلاد اقدس شریف میں ضرور بالضرور تشریف لاتے ہیں۔ ایسی صورت میں ذکر ولادت اقدس شریف بصیغۂ غائب پڑھنا ......... ان کی موجودگی میں سخت بے ادبی ہے ......... الخ

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے اسی جیسے آداب لکھے ہیں۔ بعد ازاں محفل ولادت یا مجلس دعوت کے انعقاد کا اعلان اس طرح کیا گیا ہے:

"دعوت مصطفوی شریف صلی اللہ علیہ وسلم"

خانقاہ مصطفائی شریف واقع قاضی ٹولہ بریلی شریف میں ۹ بجے حضور شہنشاہ انبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والثناء کی دعوت مقدس ہو حسب شر الط طبع شدہ آداب میلاد اقدس شریف پڑھا جائے گا۔ سرکار اعظم مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابۂ کرام و سنین عظام و غوث پاک و فضل رحمٰن و احمد رضا رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تشریف اقدس شریف لائیں گے اور اپنے دیدار اقدس شریف سے اہل باطن کو مستفیض فرمائیں گے۔ قیام اقدس اور سلام مقدس شریف سے ان کا استقبال شریف کیا جائے گا پھر ختم آیت شریف کے بعد سامان دعوت مبارک حضوری میں پیش کیا جائے گا۔ لہٰذا برادران اہلسنت سے التماس ہے کہ حسب قاعدہ ادب و تعظیم حاضری دیکر حسب مراتب فیوض و برکات سے مستفیض ہوں... الخ

---

ایماندار مسلمان! ڈرامے کے ان شوقینوں اور عشق رسالت کے ان مسخرے مدعیوں کی اس حرکت کو دیکھیں اور امت کی گمراہی اور ملت کی لاچاری کا ماتم کریں کاش یہ گمراہ اپنا یہ شوق کسی اور کے ساتھ پورا کرتے۔

معاذ اللہ! خدا کی پناہ! آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اور یہ تمسخر یہ کھیل!

بازی بازی باریش بابا ہم بازی

---

# ان عرسوں میں کیا ہوتا ہے؟

## آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں

یہاں ضلع بریلی میں ایک گاؤں سینتھل ہے، جہاں بڑے دھوم دھام سے ہر سال کسی بزرگ چراغ علی شاہ کا عرس ہوتا ہے، جو آٹھ دس دن تک رہتا ہے، اس نواح میں اس عرس اور میلہ ہی کی وجہ سے اس گاؤں سینتھل کی خاص شہرت ہے۔ اس سال بھی شوال کے عشرۂ اخیرہ میں یہ عرس شریف ہوا ہے، اس کے لیے جو اشتہار سجادہ نشین صاحب کی طرف سے شائع ہوا تھا وہ اس قابل ہے کہ ہر صاحب ایمان اس کو عبرت کی نگاہ سے دیکھے۔ اس اشتہار میں پہلے تو چار شعر ان صاحب عرس چراغ علی شاہ صاحب کی شان میں لکھے گئے ہیں، اس کے بعد یہ مضمون ہے۔

"والا مرتبت سرتاج صوفیہ، پاسدار رموز صورت سرمدی، مقبول بارگاہ ایزدی، فرزند نبی دلبند علی حضرت چراغ علی شاہ کا عرس شریف بتاریخ ۲۰ تا ۲۸ شوال ۱۳۶۱ھ مطابق ۳۰ اکتوبر تا ۷ نومبر ۱۹۴۲ء منعقد ہوگا۔ کدھر ہیں بادۂ وحدت کے سرمست آئیں، راہ حقیقت میں قدم بڑھائیں اور مشائخ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فیوضات سے مالا مال ہوں۔ اس سال خاص طور سے بیرونجات مثل لکھنؤ، دہلی، لکھیم پور، رامپور، ہردوئی، بدایوں، علی گڑھ، جبیرہ وغیرہ وغیرہ و قرب ضلع بریلی کی طوائفیں چودھرائن نے بلوائی ہیں۔ ناچ ۲۴ تا ۲۸ شوال ہوگا، چادریں ۲۸ شوال بوقت ۴ بجے چڑھیں گی اور ۳۰ شوال کی صبح کو میلہ ختم ہو جائے گا۔" (اشتہار عرس شریف سینتھل، مطبوعہ ہیلکھنڈ اخبار پریس بریلی)

دیکھی آپ نے ان محرومانِ ایمان و حیا کی ڈھٹائی اور بے غیرتی؟ اور معلوم ہو گیا آپ کو ان ہی عرسیوں کی زبان سے کہ کیا ہوتا ہے ان عرسوں میں، اولیاء کرام کے نام پر، بلکہ خود اللہ و رسول اور اسلام کے نام پر۔

اور آہ! کون بتلائے اور سمجھائے اُن غیر مسلموں کو جو دین و مذہب کے نام پر ہونے والی ایسی شیطانی خرافات کو اسلامی چیز سمجھتے ہیں۔ اگر آج اقتدار اسلام کا ہوتا اور حکومت اللہ و رسول کے قانون کی ہوتی تو اسلام کے پاک دامن پر داغ لگانے والے ان ہوا پرستوں اور طوائف بازوں کو عبرتناک سزائیں دی جاتیں اور پھر اس کی قلمرو میں کہیں یہ مذہبی بدمعاشی نہ ہو سکتی، لیکن جبکہ تخت اقتدار پر قبضہ ہے شیطان کا تو مکمل آزادی ہے اُس کے چیلوں کو جو چاہیں کریں اور جس طرح چاہیں اپنے کھیل کھیلیں۔ ہمارے لیے اس وقت بجز اس کے کیا ہے کہ اس صورت حال سے عبرت حاصل کریں اور اپنے دینی فرائض کو سمجھیں۔ (شائع شدہ رمضان ۱۳۶۱ھ)

# بغیر مرد عورت کے سفر کا نتیجہ اور غیر مسلم جج کا فیصلہ

۱۵ مئی سنہ ۳۹ء کے صدق میں انگریزی اخبار لیڈر کے حوالے سے ایک مقدمہ کی روداد ان لفظوں میں نقل کی گئی ہے۔

"میں مس ..... عمر ۳۶ سال، تاکتخدا لکھنؤ لیڈی کنیرڈ اسپتال میں نرس ہوں۔ بنارس سے لکھنؤ انٹر کلاس میں سفر کر رہی تھی ۹ بجے شب کو مظفرپور سے اپ ایکسپریس میں سوار ہوئی سونپور پہنچتے پہنچتے نیند آنے لگی انٹر کلاس کے زنانے ڈبے میں اکیلی تھی سونپور سے بارہ بجے شب کے قریب گاڑی چلی ہی تھی کہ میری آنکھ کھل گئی اور میں نے دیکھا کہ ایک مرد میرے ڈبے میں گھس آیا ہے اور میری برتھ کی بنچ پر بیٹھا ہوا مجھے بری نیت سے گھور رہا ہے میں نے اس کی بدنیتی کا اندازہ کر کے خطرہ کی زنجیر کھینچنا چاہا لیکن قبل اس کے کہ میں وہاں تک پہنچوں ملزم نے جست کر کے مجھے دبوچ لیا۔ میں بے بس ہو گئی۔ اور میرا چیخنا چلانا ہاتھ پیر چلانا اور لاتیں مارنا سب بیکار رہا۔ ملزم میری عصمت برباد کرنے کے بعد میرے مال کی طرف بڑھا اور میں پھر خطرے کی زنجیر کی طرف بڑھی ملزم نے مجھے پاخانے میں ڈھکیل دیا اور باہر سے دروازہ بند کر لیا۔ اور گاڑی رکتے ہی میرا مال و اسباب لے کر چمپت ہو گیا۔"

"یہ بیانِ استغاثہ ایک تعلیم یافتہ مسیحی خاتون نے ایک ملزم کے خلاف عدالت میں دیا سشن جج ایک ہندو آئی سی، ایس، نے جیوری کی رائے سے اتفاق کر کے ملزم بالکل ثابت پایا، مجرم کو دس سال قید سخت کی سزا مع ایک بھاری جرمانے کے دی۔ اور فیصلہ میں لکھا کہ:

ملزم ایک خطرناک شخص ہے جو ہر اس عورت کے لئے خطرہ کا باعث بن سکتا ہے جو بغیر مرد کو ساتھ لئے سفر کرتی ہے۔ (لیڈر ۲۷ اپریل سنہ ۳۹ء)

غور کر کے پڑھیے! عورت بھولی بھالی پردہ نشین نہیں باہر نکلنے والی دنیا کا ہر طرح کا تجربہ رکھنے والی ہے۔ ان پڑھ نہیں۔ تعلیم سے آراستہ ہے۔ ایسی کمسن نہیں۔ اچھی خاصی سن دار ہے۔ اس پر بھی وقت پڑ جانے پر نہ اپنی عصمت بچا سکی ہے نہ مال و متاع اور عدالت جو فیصلہ کرتی ہے وہ بہت صد تک اسی ذمہ داری عورت کے تنہا سفر کرنے پر عائد ہوتی ہے کیا فرق ہے غیر مسلم جج کے اس فیصلے میں اور شریعت کے (...)

# وہ ـــ اور ہم ـــ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

نازک خیال شاعروں اور ادب لطیف سے دلچسپی لینے والے جس طرح مسلمانوں میں ہیں اسی طرح ہندوؤں میں بھی ہیں۔ لیکن دونوں میں ایک عبرت آموز فرق ہے اور وہ یہ کہ ہندو شاعری کے ساتھ ہندو بھی رہا جاتا ہے۔ اور مسلمان، شاعری اور ادب لطیف کی لطافت کو نامکمل سمجھتا ہے۔ جب تک کہ اپنے مذہب کے خلاف جنگ کر کے اپنی بد بختی کا مظاہرہ نہ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندو شاعر اور اہل قلم اپنے کلام میں کبھی دھوتی اور چوٹی یا پنڈت کے تلک کا مذاق نہیں اڑاتا۔ وہ اپنے ادب لطیف کا کمال دکھلاتے وقت کبھی سورگ (بہشت) اپسرا (حور) وغیرہ کو اپنے تمسخر کا تختۂ مشق نہیں بناتا۔ مگر ہمارے شاعر، اور ہمارے ادب لطیف کے پرستار جب تک "مولوی" کی لمبی ڈاڑھی اور تراشیدہ لبوں سے نہ کھیل لیں اور پیٹ بھر کر ان کا مذاق نہ اڑا لیں۔ اور ننگے ہو کر جنت و حور (تصور) پہ پھبتیاں نہ کس لیں اور دوسروں سے بھی ان پر پھبتیے نہ لگوا لیں۔ ان کی شاعری میں جان ہی نہیں آتی، اور ان کے ادب لطیف میں لطافت ہی نہیں پیدا ہوتی ـــــ جو لوگ اپنے ان نازک خیالوں کی نظم و نثر کی (شاعری) دیکھتے رہتے ہیں۔ ان کے سامنے تو اس بد تمیزی کے مظاہرے روز مرہ آتے رہتے ہیں۔ لیکن جن کو اس کا موقع نہیں ملتا وہ ایک سا نمونہ ذیل میں ملاحظہ فرما لیں ـــــ کوئی صاحب مہدی علی خاں وہ ایک مشہور "اسلامی" ادبی رسالہ ہمایوں میں "میں نے دیکھا" کے عنوان سے اپنی ادبیت و لطافت کا مظاہرہ اس طرح فرماتے ہیں:۔

میں نے دیکھا تصور میں ـــــ لمبی لمبی ڈاڑھیوں والے مولویوں ـــــ جنت کے مرغزاروں میں ـــــ خوفزدہ حوروں کے پیچھے ـــــ خوشی سے چھلانگیں لگاتے کودتے، شور مچاتے"

(ہمایوں ۴۷/۴۹) ماخوذ از زمزم لاہور با ختصار)

"اس کے مقابلے میں ذرا "دوسروں" کا حال دیکھئے ـــــ پنجاب کے مسلم و غیر مسلم اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ انبالہ کے سکھوں نے ایک جلسہ کر کے گورنمنٹ سے مطالبہ کیا ہے کہ:۔

(باقی صفحہ ۱۰۸ پر)

**محمد منظور نعمانی**

# بریلوی ذہنیت کا تازہ شاہکار

حال ہی میں نہایت عجیب و غریب اور قریباً پانچسو صفحہ کی ایک ضخیم کتاب "بریلی شریف" ہی کے ایک پریس سے چھپ کر نکلی ہے جس کا نام ہے "تجانب اھل السنۃ عن اھل الفتنۃ" اس پر بحیثیت مصنف نام تو پڑا ہوا ہے کسی نامعروف شخص محمد طیب صدیقی داناپوری کا لیکن خارجی ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ فی الحقیقت یہ "تصنیف لطیف" ہے "بریلوی مسلک" کے مشہور نقیب مولوی حشمت علی صاحب کی، جو اپنی تکفیری اور تفریقی سرگرمیوں میں اپنے ہم مسلک مولوی صاحبان میں بھی خاص امتیاز رکھتے ہیں (اور غالباً ان کی اسی خصوصیت کی وجہ سے اس کتاب میں ان کو "مظہر اعلیٰ حضرت" بھی لکھا گیا ہے) اور اگر کسی کے طرز تحریر، لب و لہجہ اور خصوصیات کلام کی معرفت کی بنیاد پر اس بارہ میں قیاس سے کام لیا جا سکے تو پھر کوئی شبہ نہیں کہ اس کی سطر سطر شاہد ہے اس امر کی کہ یہ شہپارہ انہی نادرۂ روزگار کا تیار کیا ہوا ہے۔

بہرحال اس کا مصنف خواہ کوئی ہو یہ کتاب ہے بڑی عجیب و غریب بلکہ ایک مستقل عجائب خانہ اور دیدۂ عبرت رکھنے والوں کے لئے مرقع عبرت اور یقیناً اس کی مستحق ہے کہ اس کو "بریلوی فن کی انسائیکلوپیڈیا" اور "بریلوی ذہنیت کا شاہکار" کہا جا سکے۔

جہالت کے اس شاہکار اور لغویات کے اس پشتارہ کو پوری طرح دیکھنے کے لئے تو ہم اپنے اوقات میں گنجائش نکال نہ سکے اس لئے صرف ایک دو نشستوں میں جستہ جستہ اور وہ بھی محض سرسری نظر ہم نے اس پر ڈالی ہے، اس سرسری ورق گردانی میں [illegible] ایک تحقیق انیق [illegible] انکشاف جدید [illegible] نظر [illegible] شاید باعث [illegible] ہو۔

[illegible] ہند کی تمام مذہبی، سیاسی اور قومی جماعتوں [illegible] کیسی عجیب اور عمیق اس کتاب میں بیان کی گئی ہے [illegible]

اتنی گہری باتوں تک ہو سکتی ہے ——؟

لیجئے آپ بھی سنئے اور سر دھنئے!

—— سید احمد خاں کا کچھ ذکر کر کے صفحہ ۹۰ پر قمطراز ہیں:—

"اسی نیچر کے اذناب و متبعین و مقلدین و معتقدین و مرتدین نیاچرہ ہیں جو مسلمانوں کے دین و ایمان اور ان کے دینوی سرو سامان پر ڈاکے ڈالنے کے لئے ہمیشہ نئی نئی کمیٹیاں نئی نئی پارٹیاں گڑھتے رہتے ہیں اور کبھی بندگان زر اور بدنام کنندۂ نکو نامے چند نام کے مولویوں کو اپنے کفری مقاصد کی ترویج و اشاعت کے لئے اپنا آلۂ کار بنا لیتے ہیں، مسلم ایجوکیشنل کانفرنس و ندوۃ العلماء و خدام کعبہ و خلافت کمیٹی و جمعیۃ العلماء ہند و خدام الحرمین و اتحاد ملت و مجلس احرار و مسلم لیگ و اتحاد کانفرنس و مسلم آزاد کانفرنس و نوجوان کانفرنس و نمازی فوج و جمعیت تبلیغ الاسلام انبالہ و سیرت کمیٹی پٹی ضلع لاہور و امارت شرعیہ بہار شریف و آل پارٹیز کانفرنس وغیرہ کمیٹیاں اسی مقصد کے لئے انھیں کفرۂ نیاچرہ نے اپنی نیچریت و دہریت پھیلانے اور بھولے بھالے مسلمانوں کو دین سے آزاد اور دینوی سرو سامان سے بھی تہی دست بنانے کے لئے وقتاً فوقتاً خود اپنے ہاتھوں سے یا دوسرے بد دینوں بد مذہبوں کو اپنا شریک کار بنا کر یا بعض جاہلوں سادہ لوح بیوقوفوں یا چند دین فروش دنیا خریداروں کو اپنے دام فریب میں پھانس کر انھیں اپنا آلۂ کار بنا کر گڑھی ہیں، پھر جب ان ملعونوں نے دیکھا کہ بہت سے غربائے اہل اسلام ان کمیٹیوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتے وہ بیچارے دن بھر محنت و مزدوری کر کے رات کو اپنے گھر آ کر بیوی بچوں کا پیٹ پال کر اور نماز روزہ و میلاد شریف و گیارھویں شریف و سوم و چہلم و عرس وغیرہا اعمال اسلامیہ[1] میں نہایت خاموشی کے ساتھ مشغول ہیں اُن کو ان نیچری کانفرنسوں کی طرف مطلقاً کبھی توجہ نہیں ہوتی ان میں سے جو لوگ اپنے نفس کی شامت اور شیطان کی شرارت کے سبب کسی حکم شرعی کی کبھی خلاف ورزی بھی کرتے ہیں تو تمرد و سرکشی نہیں کرتے اپنے خلاف شرع اعمال کو گناہ سمجھتے اور اپنے آپ کو گنہگار تصور کرتے ہیں اپنی خطاؤں پر ڈھٹائی نہیں کرتے

---

[1] یہاں محرم کی تعزیہ داری اور علم داری کا ذکر بھی کیوں نہ کیا؟ آخر گیارھویں شریف و سوم و چہلم و عرس تک جب "اعمال اسلامیہ" میں سے ہیں تو تعزیہ داری نے کیا خطا کی ہے؟ م

بلکہ شرمندہ و نادم ہوتے ہیں بلکہ اعتقاد کی رو سے تو ایسے تمام لوگ عموماً اسی ساڑھے تیرہ سو برس سے زیادہ قدیم اور سچے مذہب اہل سنت کے معتقدین اسی کو حق مانتے اور اس کے سوا تمام مذہبوں کو باطل جانتے ہیں اور نیچری اور مرتدوں کو اپنی ہنگامہ آرائیوں کے لئے ایسے ہی بھولے بھالے سنی مسلمانوں، دین پاک کے نام پر جان سے قربان ہونے والوں کی ضرورت تھی تو ان بے ایمانوں نے ان عوام مسلمین کے پھانسنے کے لئے اصلاح قوم کے نام سے قومی جمعیت کو آڑ بنا کر کپڑا بننے والوں کی مومن کانفرنس جمعیۃ المومنین، جمعیۃ الانصار روئی دھنکنے والوں کی جمعیۃ المنصور، کپڑا سینے والوں کی جمعیۃ الادریسیہ، قصابوں کی جمعیۃ القریش، سبزی فروشوں کی جمعیۃ الراعین پٹھانوں کی افغان کانفرنس میمنوں کی میمن کانفرنس مسلم کھتریوں کی مسلم کھتری کانفرنس عباسیوں کی جمعیت آل عباس کنبوہوں کی آل انڈیا کنبوہ کانفرنس، پنجابیوں کی آل انڈیا پنجابی کانفرنس وغیرہ کمیٹیاں خود گڑھیں یا اپنے دام افتادوں سے گڑھوائیں تاکہ غریب و سیدھے مسلمانوں کو قومی حکمت عملی سے بعکرم قومی ترقی، قومی اصلاح و فلاح کا سبز باغ دکھا کر ان کو گمراہ کیا جا سکے۔“ صفحہ ۹۰ و ۹۱۔

آپ سمجھے! ان ساری مذہبی سیاسی اور قومی جماعتوں اور انجمنوں کا شجرۂ نسب کس غصے میں سرسید احمد خاں سے ملا کر ان کو جہنم رسید کیا جا رہا ہے اور کس جرم کی پاداش میں ان سب کو اس طرح کوسا کاٹا جا رہا ہے؟ غالباً صرف اس لئے کہ ان تحریکوں اور انجمنوں سے کچھ اور ہوا ہو یا نہ ہوا ہو یہ نتیجہ تو ان کا ضرور ہوا کہ مولوی حشمت علی صاحب جیسے بزرگواروں کا کاروبار مدہم پڑ گیا اور جو نذرانے اس گئے گزرے وقت میں بھی بیچارے کپڑا بننے یا سینے والوں یا روئی دھنکنے والوں جیسے غریب طبقے کے لوگوں سے مل جایا کرتے تھے یا میلاد شریف، گیارھویں شریف، بارھویں شریف وغیرہ ”اعمال اسلامیہ“ کے حیلے سے سال کے سال اور مہینے کے مہینے جو کچھ ہاتھ آجایا کرتا تھا یا سوم چہلم اور عرسوں کے بہانے جو دو چار وقت اچھے گزر جایا کرتے تھے ان قومی انجمنوں ”جمعیۃ المومنین۔ جمعیۃ الانصار“ ”جمعیۃ القریش اور جمعیۃ المنصور“ وغیرہ کی کوششوں نے ان دینی ”فتوحات“ کا دروازہ بھی بند کرا دیا۔

اب آپ ہی انصاف سے کہیئے کہ اگر ان سب انجمنوں، جمعیتوں اور کمیٹیوں کو وہابی

پھر ان کا فرنا کر گردن زدنی نہ قرار دیا جائے تو اور کیا کیا جائے۔؟

---

اس کتاب کی ایک عجیب و غریب خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں "وہابیوں" "دیوبندیوں" "ندویوں" وغیرہم کی طرح "مسلم لیگیوں" اور "احراریوں" کو بھی کافر مرتد بنایا گیا ہے ——— نیز مولانا حالی اور ڈاکٹر اقبال مرحوم کا کفر و ارتداد بھی بڑے زور و شور کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے۔

کاغذ کی اس ہوشربا گرانی کے زمانہ میں پانچسو صفحہ کی ضخیم کتاب کیسے مقدس اور کتنے اہم و ضروری مقصد کے لئے لکھی اور شائع کی گئی ہے؟

کیا کسی کو ولت میں بھی نظر آسکتی ہیں کسی کو یہ عاقبت اور دستر ارتیں؟

إن في ذالك لعبرة لاولي الابصار

(الفرقان محرم ۱۳۶۲ھ)

---

## بقیہ مضمون ص ۱۸۱

"ان تمام سکھوں کو سرکاری ملازمت سے علٰحدہ کر دیا جائے جو ملازم ہوتے وقت سکھ تھے مگر اب انھوں نے سکھ بال کٹوانے شروع کر دیئے ہیں۔ یعنی جو سکھ اصولوں کے پابند نہیں رہے۔ (آریہ گزٹ ۱۸ جون صفحہ ۶)

یہ واضح رہے کہ سر پر بال رکھنا سکھوں کا قومی نشان ہے۔ ان کے مذہب کا کوئی تاکیدی حکم نہیں ہے۔ پھر کیا "غیر امت" کے لیے سکھوں کے اس فیصلے میں کوئی سبق نہیں۔؟ (الفرقان جمادی الاولیٰ ۱۳۵۸ھ)

---

## بقیہ مضمون ص ۱۸۳

کے اس فرسودہ اور دقیانوسی حکم میں کہ بغیر مرد کے عورت کے لیے سفر کرنا حرام ہے۔؟ (الفرقان جمادی الاولیٰ ۱۳۵۹ھ)

## باب —— (۶)

# دعوتِ تجدید و اصلاح

# دین کا ایک مظلوم شعبہ

# تصوف و احسان

از: محمد منظور نعمانی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس "دینِ حق" کے ساتھ مبعوث ہوئے تھے اور جس کی طرف آپ دنیا کو دعوت دیتے تھے، اس کا اولین اور کامل ترین نمونہ خود آپ کی مقدس ذات تھی، اس لیے آپ کا طریقِ زندگی ہی وہ "دینِ حق" اور وہ "صراطِ مستقیم" ہے جس پر چل کر بندہ اللہ تعالیٰ کی رضا و رحمت کا مستحق بلکہ اس کا محبوب بھی بن جاتا ہے۔ اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے اعلان کرایا گیا ہے۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ط

کہہ دو اگر تم لوگ اللہ کو چاہتے ہو تو میری پیروی کرو (یعنی میرے طریقۂ زندگی کو اختیار کرو) اللہ تم کو چاہنے لگے گا۔ اور تمھارے گناہ معاف کر دے گا۔

اور سورۂ احزاب میں فرمایا گیا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيرًا ہ

تمھارے واسطے اللہ کے رسول میں اقتدا کے لیے بہترین نمونہ ہے، اللہ کے لیے جو اللہ کی اور یوم آخر کی امید رکھتے ہوں اور اللہ کو زیادہ یاد کرتے ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اس طریقۂ زندگی اور اسوۂ حسنہ کو اگر ابتدائی طور پر تقسیم کیا جائے تو اس کے مندرجہ ذیل تین شعبے کیے جا سکتے ہیں۔

(۱) شعبۂ ایمانیات

یعنی اللہ کی ذات و صفات، وحی و رسالت، ملائکہ، قیامت، حشر و نشر اور جنت و دوزخ جیسی غیر محسوس اور غیر مشہود حقیقتوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خبریں دی ہیں آپ کو خدا کا سچا رسول اور صادق نمائندہ مانتے ہوئے ان سب کی پوری تصدیق کرنا الغرض

اس شعبہ میں تمام ان غیبی حقیقتوں پر ایمان لانا داخل ہے جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود یقین رکھتے تھے اور جن کی آپ نے خبر دی تھی ـــــ یہ اسلام کا ایمانی اور اعتقادی شعبہ ہے اور ترتیب و اہمیت کے لحاظ سے اس کو اولیت حاصل ہے اور انسان کے افکار و خیالات کی تطہیر و تصحیح اس کا خاص موضوع ہے اور ہماری عقل و فکر پر دین کے اس شعبہ کی حکومت ہے۔

(۲) شعبۂ اعمال صالحہ:۔

یہاں اس سے ہماری مراد دین کا وہ تمام تر عملی حصہ ہے جو جوارح سے تعلق رکھتا ہے جس میں اسلامی عبادات (بشمول ہجرت و جہاد و امر بالمعروف و نہی عن المنکر وغیرہ) اور معاملات، معاشرت اور اخلاق و آداب غرض دین کے تمام عملی ابواب داخل ہیں۔ ان ابواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہدایات دیں اور جو عملی نمونہ پیش فرمایا اس سب کا تعلق دین کے اسی شعبہ سے ہے اور ہم اس کو دین کا پورا قالب اور مکمل عملی نظام کہہ سکتے ہیں۔ اور ہماری پوری عملی زندگی دین کے اسی شعبہ کے زیر حکومت ہے۔

(۳) شعبۂ کیفیات باطنہ و ملکات روحانیہ

جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتقادات حقہ اور اعمال صالحہ کے ابواب میں اپنی تعلیم و تلقین اور اپنے عملی نمونہ سے امت کی رہنمائی فرمائی ہے اسی طرح آپ نے باطنی و روحانی کیفیات کے متعلق بھی نہایت اہم ہدایات دی ہیں۔ اور اپنی کیفیات و احوال کا نہایت اعلیٰ معیاری و مثالی نمونہ امت کے لیے چھوڑا ہے۔

بہر حال ایمانیات اور اعمال صالحہ کی طرح آپ کی لائی ہوئی یہ باطنی و روحانی کیفیات بھی دین کا ایک مستقل اور اہم شعبہ ہیں۔ اور مشہور حدیث جبرئیل[1] میں پہلے شعبہ کو ایمان سے دوسرے کو اسلام سے اور تیسرے کو احسان سے تعبیر کیا گیا ہے اور آخر میں ان تینوں شعبوں کے مجموعہ کو دین کہا گیا ہے (فانہ جبرئیل جاء لیعلمکم دینکم (بخاری و مسلم)

---

[1] قریباً تمام کتب حدیث میں متعدد صحابہ کرام سے ایک نہایت اہم حدیث مروی ہے جو نہایت جامعیت کے ساتھ پورے دین پر حاوی ہے اور اسی لئے اس کو "ام السنہ" کہا جاتا ہے۔ جس طرح کہ سورۂ فاتحہ کو "ام الکتاب" کہا جاتا ہے عرف علماء میں یہ حدیث "حدیث جبرئیل" کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا مضمون یہ ہے کہ ـــــ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے مجمع میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی مجلس میں حضرت جبرئیل ایک اجنبی آدمی کی شکل میں تشریف لائے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس تو ان تینوں شعبوں کو یکساں طور پر جامع تھی اور قریب قریب ایسی ہی جامعیت اکابر صحابہ، بالخصوص حضرات خلفاء راشدین کو بھی حاصل تھی لیکن بعد کے قرنوں میں زیادہ تر ایسا ہوتا رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر وارثین و تابعین اگرچہ ذاتی طور پر کم و بیش ان تینوں شعبوں کے حامل اور جامع ہوتے تھے لیکن اپنی اپنی صلاحیت و استعداد اور اپنے اپنے ذوق یا ماحول کے تقاضے کے مطابق انھوں نے کسی ایک شعبہ کی خدمت سے اپنا خاص تعلق رکھا اور ٹھیک بعد کے ان قرنوں میں دین کے کاموں کا پھیلاؤ جس درجہ بڑھ گیا تھا اور جو حالات پیدا ہو گئے تھے ان میں ایسا ہونا ناگزیر بھی تھا۔ اسی صورت حال اور اسی تقسیم عمل نے خواص امت میں فقہاء، ائمہ عقائد اور صوفیا کے طبقے پیدا کئے۔

پس جس طرح ائمہ عقائد و ائمہ فقہ نے خصوصیت کے ساتھ دین کے پہلے دونوں شعبوں کی خدمت و حفاظت اور توضیح و تفصیل کی اور علیٰ ہذا جس طرح ائمہ محدثین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی حفاظت اور نقل و روایت کی خدمت کو سرانجام دیا، اور اس لیے یہ تمام حضرات اپنے اپنے دائرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت و نمائندگی کرنے والے اور امت کے بہت بڑے محسن ہیں، اسی طرح حضرات صوفیاء کرام نے دین کے تیسرے اہم شعبہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ہی باطنی و روحانی کیفیات) کی خدمت و حفاظت اور اس باب میں آنحضرت کی نمائندگی و نیابت کی ہے۔ اور اس لیے امت پر ان کا بھی بہت بڑا احسان ہے اور امت اس شعبہ میں یقیناً ان کی ممنون اور محتاج ہے۔

پس سلوک و تصوف کی غرض و غایت اور صوفیاء کرام کی مساعی کا اصل نصب العین اور خانقاہوں کا موضوع، در اصل دین کا یہی تیسرا شعبہ ہے — یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

(بقیہ صفحہ گذشتہ) صورت میں آنے کو حضور نے بھی اس وقت ان کو نہیں پہچانا اور آنحضرت سے انھوں نے پہلا سوال یہ کیا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے [illegible] پر [illegible] اور تقدیر الٰہی پر ایمان لانا۔ پھر انھوں نے سوال کیا کہ اسلام کیا ہے؟ اس کے جواب میں آپ نے [illegible] زکوٰۃ، روزہ، حج کا ذکر فرمایا۔ پھر تیسرا سوال انھوں نے کیا کہ احسان کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ احسان اس کیفیت کا نام ہے کہ [illegible] بندگی اس طرح کرو [illegible]

لائی ہوئی باطنی وروحانی کیفیات کی تحصیل اور پھر اس سلسلے میں دوسروں کی رہنمائی اور تشفی رسانی ان حضرات کا امتیازی شغل اور مخصوص دائرہ عمل ہے۔

لیکن چونکہ یہ باطنی وروحانی کیفیات صرف کتابیں یا مقالے پڑھنے سے یا صرف تقریریں اور گفتگوئیں سننے سے حاصل نہیں ہوتیں (بلکہ سچ یہ ہے کہ ان عام وراثت سے تو ان کا صحیح ادراک بھی نہیں ہوتا) اور ان کیفیات کے کسی حامل اور وارث کی صحبت وخدمت میں رہ کر مشاہدہ آثار ہی کی راہ سے ان کی کچھ معرفت ہوتی ہے اور پھر ان کے حصول کے متعلق بھی عام سنت اللہ چونکہ یہی ہے کہ ان کے حاملین کی صحبت ورفاقت اور ارشاد وتربیت ہی اس کا عام ذریعہ ہے (اور اس کے بغیر ان کا حصول اگرچہ عقلاً ناممکن نہ ہو لیکن متعذر اور عادتاً نادر ضرور ہے) اس لیے ایسے لوگ اس خاص شعبہ سے عموماً محروم اور اس کی پوری معرفت سے بھی قاصر ہی رہتے ہیں جن کو اللہ کے کسی صاحب احسان اور صاحب قلب بندہ کی صحبت ورفاقت کی توفیق نہ ملی ہو۔

---

ہمارے اس زمانے میں جہاں اور بہت سی نئی چیزیں اور نئے حالات پیدا ہوئے ہیں انہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وسائل نشر واشاعت کی وسعت اور کتابوں کی کثرت نے بہت بڑی تعداد میں ایسے لوگ پیدا کئے ہیں۔ جو "دین" کو بھی صرف کتابوں اور رسالوں کے صفحات اور اخبارات کے کالموں سے حاصل کرتے ہیں۔ (اور یہ چیز فی نفسہٖ کچھ بری نہیں بلکہ اچھی ہی ہے کہ اس طرح دینی افادہ اور استفادہ کا دائرہ بحمد اللہ بہت وسیع ہو گیا) لیکن چونکہ ان بیچاروں کو دین کے کسی ایسے بالاتر نمونہ کے دیکھنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوتا جو خصوصیت سے اس تیسرے شعبہ کا حامل ہو اور جس کو دیکھ کر یہ لوگ اپنے علم کو نارسیدہ اور اپنی دینی معرفت کو ناتمام کچھ سکیں اس لیے بسا اوقات یہ غریب اس زعم میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے اور لٹریچر کی راہ سے ہم نے جانا بوجھا ہے بس یہی مکمل دین ہے اور اس سے آگے اب کچھ بھی باقی نہیں ہے۔ اور چونکہ آج کل کا عام پسند دینی لٹریچر بھی زیادہ تر ایسے ہی اہل علم واصحاب قلم کا تیار کیا ہوا ہوتا ہے جو خود بیچارے اسی زعم کے گرفتار ہوتے ہیں۔ اس لیے اپنے ناظرین کو اس غلط فہمی سے نکالنے کے بجائے وہ ان کو اور زیادہ اس پر جما دیتا ہے اور بالآخر یہی زعم ان بیچاروں کو دین کے اس تیسرے روحانی شعبہ سے (جو دراصل روح ایمان ہے) ہمیشہ کے محروم کر دیتا ہے۔

اور اس سے زیادہ دکھ اور افسوس کی بات یہ ہے کہ اس محرومی میں ہمارے خالص دینی

مدارس کے پڑھے ہوئے بہت سے وہ فضلاء بھی اسی طبقے کے شریک حال ہیں، جو کسی وجہ سے اس شعبہ سے ناآشنا ہونے کے باوجود اسی زعم میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی باطنی و روحانی کیفیات کی طلب و تحصیل کا کوئی داعیہ ان کے دلوں میں کبھی پیدا ہی نہیں ہوتا۔

دین کے اس خالص لطیف ترین اور بلند ترین شعبہ سے ہمارے زمانے کے لوگوں کی اس بیگانگی اور بُعد کا ایک عمومی سبب یورپ سے آئی ہوئی وہ مادیت اور ظاہریت و سطحیت بھی ہے جو مسیحی کلیسا کی غیر معتدل اور مسخ شدہ روحانیت کے ردعمل نے پیدا کی تھی۔ یورپین اقتدار کے پیدا کئے ہوئے دوسرے ظاہری و باطنی ملعون اثرات کی طرح اس کی یہ ذہنیت بھی ہمارے اندر پوری طرح سرایت کر گئی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اس نے ہمارے اکثر عوام و خواص کو اتنا متاثر کر دیا کہ دین کے اس روحانی شعبہ سے فطری طور پر بھی جو مناسبت ہماری روحوں کو ہونی چاہیے تھی، وہ بھی نہیں رہی ہے بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ ہمارے اس دور کے بہت سے لکھے خاصے علم و نظر والے بھی اس سلسلے کی چیزوں پر چٹخارے لے لے کے طعن و طنز کرتے ہیں اور اسی کو اسلام کی خدمت سمجھتے ہیں۔[1]

---

[1] یہ دیکھ کر اور زیادہ تعجب اور دکھ ہوتا ہے کہ بہت سے وہ حضرات بھی اس عام رو میں بہہ رہے ہیں جو حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ اور امیر المومنین حضرت سید احمد شہید کو اپنے اپنے دور کا مجدد اعظم سمجھتے ہیں حالانکہ جس کسی نے حضرت مجدد کے مکتوبات، حضرت شاہ ولی اللہ کی تصانیف اور حضرت سید شہید کے مجموعہ ملفوظات (صراط مستقیم، مرتبہ شاہ اسمٰعیل شہید) کا مطالعہ کیا ہو، اس پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہو سکتی کہ یہ سب حضرات سلوک و تصوف کے صرف حامل ہی نہیں بلکہ اس کے علمبردار اور اصحاب سلاسل ائمہ ہیں اور اپنی تعلیم اور اپنے تعامل میں ان حضرات نے دین کے اس شعبہ کو خاص اور غیر معمولی اہمیت دی ہے۔ اور جو لوگ اس سے بے بہرہ ہوں ان کو دین کے مغز سے بے نصیب تک لکھا ہے۔ پس ایک طرف ان حضرات کو "مجدد اعظم" کہنا اور دوسری طرف ان کی سب سے بڑی اور نمایاں خصوصیت (سلوک و تصوف) پر عامیانہ انداز میں زبان طعن دراز کرنا اور جو لوگ اللہ کی بخشی ہوئی اپنی دینی بصیرت کی روشنی میں انہی حضرات کی طرح اس شعبہ کی اہمیت کو سمجھتے ہوں اور اس کی تحصیل و تکمیل میں انہی حضرات کے طریقہ کار کی پیروی پر آج بھی یقین رکھتے ہوں اور اس لیے اس چودھویں صدی میں بھی گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں صدی کے ان مجددین ہی کی رہنمائی میں بالکل انہی کے نقش قدم پر چل رہے ہوں، ان پر جاہلانہ پھبتیاں کسنا۔ دینی ذمہ داریوں کے عدم احساس کے علاوہ کس قدر عجیب بات ہے۔

دین کے اس شعبہ کی غربت اور اہل زمانہ کی اس سے بے خبری و بیگانگی کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ محترم رفیق مولانا سید ابو الحسن علی کی "سیرت سید احمد شہیدؒ" جب پہلی مرتبہ چھپی تو ایک مشہور و باخبر صاحب علم نے خود مجھ سے کہا کہ انھوں نے (مولانا علی نے) یہ ٹھیک نہیں کیا کہ سید صاحب کے تصوف کے پہلو کو بھی اس کتاب میں اتنا نمایاں کر کے دکھایا اور صراطِ مستقیم کی تفصیل کی تفصیل اس میں نقل کر دی۔ آج کل کے لوگ اس سے اچھا اثر نہیں لیں گے، بلکہ سید صاحب کی شخصیت اور کتاب کا وزن ان کی نظر سے گر جائے گا۔ تم انھیں مشورہ دینا کہ آئندہ اڈیشن میں وہ اس حصہ کو کتاب سے نکال دیں۔"

در اصل ان صاحب نے یہ جو کچھ کہا ابنائے زمانہ کی ذہنیت کے لحاظ سے صحیح کہا تھا۔ آج کل کے بیشتر پڑھے لکھوں کا حال یہی ہے کہ وہ دین کے اس شعبہ کو ایسا ہی حقیر اور بے وقعت سمجھتے ہیں۔ یقیناً "مقام محمدی" سے بیخبری اور ناآشنائی کی یہ انتہا ہے۔

دین کا یہ شعبہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی وہ روحانی کیفیات اور قلبی کمالات جو سلوک و تصوف کا اہم موضوع ہیں اور جن کی تحصیل اور نشوونما تمام خانقاہی مشاغل کی خاص غرض و غایت ہے۔ ان کا درجہ دین میں کیا ہے اور کتاب و سنت سے ان کا کیا مقام متعین ہوتا ہے۔ اور ان کے بغیر آدمی کس دولت عظمیٰ سے محروم اور ذائقہ ایمانی سے کیا بے نصیب رہتا ہے۔؟ ان سوالات کا جواب جس حد تک کہ کتابوں کے مطالعہ سے حاصل کیا جا سکتا ہے اس کے لیے قدماء میں سے شیخ ابو طالب مکیؒ کی قوت القلوب اور بعد کے اکابر عرفاء میں سے حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات اور حضرت سید احمد شہید کی صراط مستقیم کا مطالعہ بھی ہر سلیم الطبع کے لئے انشاء اللہ کافی ہو سکتا ہے۔

(الفرقان صفر ۱۳۶۶ھ)

محمد منظور نعمانی

# مسلمانوں کی دینی حالت اور ہمارے فرائض

اگر آپ نے اپنی مسلمان قوم کی دینی حالت کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے اب تک کوئی کوشش نہیں کی ہے تو کم از کم ایک دن اس مقصد کے لئے ضرور قربان کیجئے اور پنسل اور نوٹ بک ہاتھ میں لے کے صبح کو گھر سے نکل جایئے اور دروازہ دروازہ پھرنے کے بجائے صرف چند ایسے مقامات پر چلے جایئے جہاں مسلمانوں کے مختلف طبقات کے جتھے کے جتھے آپ کو مل سکیں۔ مثلاً سب سے پہلے علی الصبح گوشت کی مارکیٹ میں جایئے اور وہاں کے گوشت بیچنے والے اور گوشت خریدنے والے خالص مسلمانوں کی دینی حالت کا ایک اندازہ لگا کے نوٹ بک میں درج کر لیجئے —— پھر ترکاری بازار میں پہنچ کے سبزی فروش مسلمانوں کی حالت کا جائزہ لیجئے —— پھر کسی اور ایسے ہی بازار میں جایئے جہاں زیادہ تر آپ کے مسلمان بھائیوں ہی کی دکانیں ہوں اور وہاں کے مسلمان دکانداروں اور مسلمان گاہکوں کی عام دینی حالت کا اندازہ کیجئے —— پھر ریلوے اسٹیشن پر پہنچئے اور وہاں کے مسلمان قلیوں اور تانگے چلانے والے مسلمانوں سے باتیں کر کے ان کی دینی حالت کا اندازہ لگایئے —— پھر مسلمان دھوبیوں، گھوسیوں، بہشتیوں جیسے پسماندہ طبقوں کی بستیوں میں جایئے اور ان کی اور ان کے بال بچوں کی دینی حالت کا مطالعہ کیجئے —— پھر کچہری پر پہنچئے اور مسلمان مقدمہ بازوں، گواہی یا دلالی کا پیشہ کرنے والوں سے مل کر دیکھئے، نیز مسلمان وکیلوں، مختاروں اور عدالت کی کرسیوں پر بیٹھنے والے مسلمان حاکموں کے احوال کا مشاہدہ کیجئے! اسی طرح کسی تھانہ میں پہنچ کے مسلمان تھانیدار صاحب اور مسلمان محرروں، کانسٹبلوں کی حالت ذرا دیکھئے۔

پھر کسی اسلامیہ کالج یا اسلامیہ اسکول میں چلے جایئے اور وہاں کے مسلمان پروفیسروں ماسٹروں اور طالب علموں کی دینی حالت پر ایک نظر ڈالیے —— پھر اگر حسن اتفاق سے اسی دن آپ کے شہر میں مسلمانوں کا کوئی قومی اجتماع ہو، کوئی سیاسی کانفرنس ہو رہی ہو تو

وہاں جمع ہونے والے مسلمانوں کی قومی روایات کے نقیبوں اور اسلام کی نمائندگی کے مدعیوں پر سرسری نظر ڈالیے ——— پھر کسی مسلمان اخبار کے دفتر میں بھی چلے جائیے اور وہاں کے ادارتی وشاعت اور کلرکوں، کاتبوں اور دوسرے ملازمین کی دینداری اور دین سے آشنائی کا اندازہ کیجئے ——— پھر مسلمانوں کے کسی محلے کی مسجد میں بھی جائیے اور اندازہ لگا لیجئے کہ محلہ کی کئی ہزار کی آبادی میں سے کتنے عادی نماز کے لیے مسجد میں آتے ہیں۔؟ پھر آنے والوں میں کتنے پرانے وقتوں کے بوڑھے ہیں اور کتنے اس زمانے کے جوان، کتنے تعلیم یافتہ اور آسودہ حال سفید پوش ہیں اور کتنے غیر تعلیم یافتہ غریب اور میلے کچیلے، گردآلود؟

اور اگر آپ کی بستی میں کوئی ٹوٹا پھوٹا عربی مدرسہ ہو تو جائیے خدا اس کی بھی زیارت کیجئے! اور دیکھیے کہ اس میں آپ کے شہر کے کتنے طالب علم ہیں ——— اور پھر ان میں کوئی ایک بھی کسی معزز گھرانے یا کسی نمایاں خاندان کا ہے۔؟ نیز وہاں کے پڑھنے پڑھانے والوں سے بھی مل کے اور باتیں کر کے اس کا اندازہ لگائیے کہ ان کی اکثریت میں بھی حقیقی دینی روح کس قدر رکھی ہے اور خالص دینی ہی نقطۂ نظر سے ان کے بھی اکثر افراد کی ذہنی اور عملی حالت کتنی پست اور کس قدر مایوس کن ہے۔

پھر شہر سے نکل کر قریب کے کسی ایسے گاؤں میں بھی ہو آئیے جہاں مسلمان زیادہ تعداد میں آباد ہوں۔ اور ان کی زندگی کا مطالعہ کر کے دیہاتی مسلمانوں کے متعلق معلومات حاصل کیجئے۔

جس دن آپ اتنی سی محنت کر کے حساب لگائیں گے اس دن آپ کو معلوم ہوگا کہ موجودہ مسلمان قوم میں ایک فی صدی بھی ایسے لوگ نہیں ہیں جو دین سے آشنا اور خدا رسول کے شیدا ہوں۔ اور جن کی زندگی کو اوسط درجہ کی ہی اسلامی زندگی کہا جا سکے۔

آہ! اسلام کا اقرار کرنے والوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت رکھنے والوں کی اتنی بڑی تعداد جب کہ محض اپنی جہالت اور غفلت کی وجہ سے دین سے اس حد تک دور پڑی ہوئی ہے اور اللہ و رسول سے اس قدر بیگانہ ہو چکی ہے تو اہل دین کا اپنے ان بھائیوں کی اصلاح سے بے فکر رہ کر جینا اور چین و اطمینان کے ساتھ اپنے دوسرے مشاغل میں مشغول رہنا۔ یقیناً بڑی فرض ناشناسی ہے۔

تمام مسلمانوں کی خیرخواہی اور نصیحت اور نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں باہم تعاون کا اسلام نے

ہر مسلمان کا فریضہ قرار دیا ہے اور جب امت کے ۹۹ فی صدی کے قریب افراد جہالت و غفلت کے سمندر میں اس طرح غرق ہو رہے ہوں اور اسلام سے ان کا تعلق صرف برائے نام رہ گیا ہو تو ایسی حالت میں بھی اگر ہم "دعوت الی الخیر و تواصی بالحق" اور "تعاون علی البر والتقویٰ" کا فریضہ ادا نہ کریں اور جہالت و غفلت کی وادیوں میں بھٹکتے ہوئے اپنے ان بھائیوں کی خبر نہ لیں اور ان کو اللہ و رسول سے آشنا اور اسلام سے وابستہ کرنے کے لئے امکانی جد و جہد نہ کریں تو یقیناً ہم بڑے مجرم اور بڑے بے درد ہیں[1]۔

---

بیشک ارسطو اور ابن سینا کے جانشینوں یعنی پیشہ ور طبیبوں اور ڈاکٹروں کے لئے عرف عام میں بالکل زیبا ہے کہ جب تک مریض یا مریض کے والی وارث خود علاج کی خواہش نہ کریں اطباء اور ڈاکٹر از خود کوئی پیش قدمی نہ کریں۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کے وارثوں اور دولتِ دین کے امینوں کے لئے ہرگز جائز نہیں ہے کہ وہ جاہلوں و غافلوں کی دینی صلاح و تربیت سے بے نیاز اور بے پروا ہو کر اس خیال سے بیٹھے رہیں کہ جب کوئی طالب بن کر آئے گا اور اصلاح چاہے گا تو ہم اس کو راستہ بتا دیں گے، اگر کچھ حضرات ایسا سمجھے ہوئے ہیں تو یقیناً ان کی رائے قابل نظر ثانی ہے ـــــ حاملان دین کے لئے انبیاء علیہم السلام کا اسوۂ حسنہ ہی قابل تقلید نمونہ ہے اور کون نہیں جانتا کہ وہ حضرات از خود غافلوں اور جاہلوں کے پاس پہنچتے تھے اور جس طرح بھی بن پڑتا تھا ان کی اصلاح و ہدایت کی کوششیں کرتے تھے۔

قرآن پاک میں حضرت نوح کے اس بیان کو ذرا غور سے پڑھیے۔

| | |
|---|---|
| رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًا فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْٓ | اے میرے پروردگار! میں نے اپنی اس قوم کو رات دن تیری طرف بلایا، لیکن میرا بلانا یہ |

---

[1] بالخصوص جب کہ یہ بھی واقعہ ہے کہ مسلمانوں کی یہی بڑی تعداد اور اس کی یہ غیر اسلامی زندگی غیر مسلموں کے لئے اسلام کو سمجھنے میں سب سے بڑی رکاوٹ بنی ہوئی ہے اور "لتکونوا شهداء علی الناس" کا مقصد کلی طور پر فوت ہو رہا ہے بہر حال یہ بالکل بدیہی بات ہے کہ جب تک خود "مسلمان قوم" اسلام کا زندہ نمونہ نہیں بنے گی غیر مسلموں کے سامنے اسلام کو پیش کرنے کی ہر کوشش بے نتیجہ رہے گی۔

الا اسراراً، ثم انی کلما دعوتھم لتغفر لھم جعلوا اصابعھم فی اذانھم واستغشوا ثیابھم واصروا واستکبروا استکبارا، ثم انی دعوتھم جھارا، ثم انی اعلنت لھم واسررت لھم اسرارا ۝

(سورۂ نوح ع ۱)

اتنے ہی اور زیادہ بھاگے اور جب جب بھی میں نے انھیں دعوت دی تیری مغفرت کے لئے تو انھوں نے انگلیاں دے دیں اپنے کانوں میں اور ڈال لئے اوپر سے کپڑے اور اڑ گئے اپنی جہالت اور گمراہی پر اور دماغ چڑھائے انھوں نے غرور سے (خدا و خدا!) اس کے بعد بھی میں نے انھیں بلایا اپنی پوری آواز سے پھر میں نے ان کو علانیہ اور خفیہ ہر طرح ہی سمجھایا۔

حضرت نوح کے علاوہ اور بھی جن جن انبیا اور رسل کی تبلیغ ودعوت کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے یہ چیز ان حضرات کے احوال میں بالکل مشترک ہے کہ جاہلوں اور غافلوں کی اصلاح وہدایت کے لئے وہ خود پہنچتے تھے اور لوگوں کے آنے کے منتظر نہیں رہتے تھے —— امام غزالی اپنے وقت کے اہل دین کو، دین سے ناواقف عوام کی تعلیم وتربیت کے اسی فریضہ کی طرف متوجہ فرماتے ہوئے "احیاء العلوم" میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

ولا ینبغی ان یصبر الی ان یسئل عنہ بل ینبغی ان یتصدی لدعوۃ الناس الی نفسہ فانھم ورثۃ الانبیاء والانبیاء ما ترکوا الناس علی جھلھم بل کانوا ینادونھم فی مجامعھم ویدورون علی ابواب دورھم فی الابتداء ویطلبون واحداً واحداً فیرشدونھم فان مرضی القلوب لا یعرفون مرضھم —— (احیاء العلوم جلد ۴ باب دواء التوبہ)

اور جائز نہیں ہے کہ دین کے جاننے والے اس کے انتظار میں بیٹھے رہیں کہ کوئی آکر ان سے پوچھے تو بتلائیں۔ بلکہ ان کو چاہیئے کہ خود لوگوں کو اپنی طرف بلائیں (داعی اور طالب بنیں) کیونکہ وہ انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اور حضرات انبیاءؑ نے لوگوں کو ان کی جہالت پر نہیں چھوڑے رکھا بلکہ وہ ان کو ان کے مجمعوں میں جا جا کر دعوت دیتے تھے اور ابتداء میں انکے دروازوں پر خود جاتے تھے اور ایک ایک کو بلاتے تھے اور انھیں ہدایت کا درس دیتے تھے۔ یہ اس واسطے ضروری ہے کہ دلوں کے بیمار اپنی بیماری سے خود واقف نہیں ہوتے ہیں۔

ممکن ہے ہماری اس گزارش اور امام غزالی کے اس ارشاد پر کسی صاحب کو یہ شبہ ہو کہ انبیاء علیہم السلام کا یہ طرز عمل تو "کافروں" کے ساتھ تھا کہ اپنی دعوت لے کر ان کے پاس خود پہنچتے تھے اور ان کی اصلاح و ہدایت کے لیے اس طرح پھر پھر کر کوشش کرتے تھے اور تم مسلمانوں کی اصلاح و ہدایت کے لیے اسی طرح کام کرنے کی دعوت دیتے ہو حالانکہ انبیاء علیہم السلام ایمان لانے والوں کے پیچھے پیچھے اور ان کے گھروں پر اس طرح سے نہیں پھرا کرتے تھے۔ بلکہ مومنین خود آ کر دین کی تعلیم و تربیت ان سے حاصل کرتے تھے۔

بہرحال جن حضرات کے دل میں یہ کھٹک پیدا ہو وہ اگر مزید غور و فکر سے کام لیں تو اس حقیقت کا سمجھنا ان کے لیے مشکل نہ ہوگا کہ انبیاء علیہم السلام کا اصل کام فراموش انسانوں اور اللہ کے بھٹکے ہوئے بندوں کو اللہ تعالیٰ سے وابستہ کرنے اور اس کی بندگی کے راستہ پر لگانے کی کوشش کرنا ہوتا ہے۔ لیکن ان کے زمانہ میں یہ حالت چونکہ صرف "کافروں" کی ہوتی ہے اس لیے یہ حضرات اپنی دعوت کو لے کر انہیں میں پھرتے ہیں اور انہیں کی مجلسوں اور انہی کے مجمعوں میں جاتے ہیں۔ اور پھر اس دعوت کو قبول کر کے جو لوگ ایمان لے آتے ہیں۔ چونکہ ان کا ایمان شعوری ہوتا ہے اور وہ اس کی قدر و اہمیت کو جانتے ہیں اس لئے ایمان لاتے ہی وہ خود تعلیم و تربیت کے طلبگار اور فکرمند بن جاتے ہیں اور بجائے اس کے کہ انبیاء علیہم السلام ان کو دین کی باتیں بتانے کے لئے ان کے گھروں پر جائیں وہ خود دین کی ضروری تعلیم حاصل کرنے کے لئے بالکل اس طرح پھرنے لگتے ہیں جس طرح کوئی پیاسا پانی کی تلاش میں سرگرداں ہوتا ہے ـــــ لیکن بدقسمتی سے فی زماننا "مسلمان" کہلانے والوں کی اکثریت کی حالت غفلت و خدافراموشی کے لحاظ سے جیسی کچھ ہے وہ ہمارے آپ کے سامنے ہے۔ دین کی قدر و اہمیت کا احساس اور دین کی تعلیم و تربیت کی طلب ان کے اندر بالکل مفقود ہے اس لئے ان کو خدا سے آشنا کرنے اور کم از کم دین کی بنیادی باتوں سے ان کو واقف کر کے برائے نام اسلامی نسبت کے بجائے حقیقی دین اسلام سے ان کو وابستہ کرنے کی کوئی صورت اس کے سوا نہیں ہے کہ ابتداءً دین کی دعوت کو لے کر خود ان میں پھرا جائے اور خود ان کے پاس پہنچ پہنچ کے اسلام کی بنیادی باتیں ان کو پہنچائی جائیں اور دین کی قدر و طلب ان میں پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔

جن اہل علم و اہل دین حضرات کا یہ خیال ہے کہ ہمارا فرض اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ جو کوئی اصلاح اور تعلیم و تربیت کا طالب بن کر ہمارے پاس آئے ہم اس کی تعلیم و اصلاح کے لئے اپنی خدمات پیش کر دیں اور جو کوئی دینی مسئلہ پوچھے تو اپنے علم کے مطابق اس کو بتلا دیں ۔ سو ان حضرات کے مغالطہ کی وجہ غالباً یہ ہے کہ اصلاح اور تعلیم و تربیت کے مختلف درجات کی اہمیت اور ذمہ داری میں جو فرق ہے انھوں نے اس مسئلہ پر غور کرتے وقت اس کا لحاظ نہیں فرمایا ہے۔

ورنہ یہ حقیقت بالکل ظاہر ہے کہ جو جاہل و غافل مسلمان دین کی بنیادی باتوں سے بھی آشنا نہیں ہیں اور ان میں دین سیکھنے اور دیندار بننے کی کوئی طلب بھی نہیں ہے ، سو ان کی اتنے درجہ کی اصلاح اور اتنی تعلیم و تربیت کی کوشش جتنی کہ ان کے مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہو یقیناً اہم فرائض میں سے ہے جس سے کسی وقت بھی استغناء جائز نہیں ـــــ البتہ اس کے بعد اصلاح اور تعلیم و تربیت کے جو تکمیلی درجے ہیں مثلاً علوم دین میں کمال اور درجۂ فضیلت حاصل کرنا مثلاً حضرات صوفیہ کے طرز پر تزکیۂ نفس اور تزکیۂ اخلاق کی تکمیل کرنا سو یہ درجے بیشک ایسے ہیں کہ ہر مسلمان کے لئے ان کی تحصیل فرض عین ہے اور نہ ہر ایک کو ان کی تحصیل کی دعوت دینے اور اس کے لئے کوشش کرنے کے ہم مکلف ہیں ۔ لہٰذا اس کام کے لئے یہ طریقہ بالکل صحیح ہے کہ جو طالب بن کر آئے اس کی خدمت سے دریغ نہ کیا جاوے اور ہر ایک کو پکڑ پکڑ کے لانے کی کوشش نہ کی جائے ۔ یہ وہی کام ہے جس کا تکفل ہمارے مدرسے اور ہماری خانقاہیں کئے ہوئے ہیں اور وہاں کا طریق کار یہی ہے جو اپنے دائرہ میں بالکل صحیح ہے ـــــ لیکن ہماری اس گزارش اور ہماری دعوت کا جو موضوع ہے (جس کی طرف ان سطور کے ذریعہ اہل دین کو متوجہ کرنا مقصود ہے) وہ مدارس اور خانقاہوں میں انجام پانے والا یہ تکمیلی کام نہیں ہے بلکہ وہ برائے نام قسم کے جاہل و غافل مسلمانوں میں حقیقی ایمان اور دینی شعور پھیلانے اور خدا ترسی اور فکر عاقبت ان میں پیدا کرنے اور دین کی ضروری ضروری باتیں ان کو سکھلانے کا بنیادی کام ہے ۔

اور چونکہ فی زمانہ کوئی ایسا ہمہ گیر دینی ادارہ موجود نہیں ہے جو کما حقہ اس کام کی کفالت کر رہا ہو اور ضرورت کے مطابق اس خدمت کو انجام دے رہا ہو (بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جو افراد اور جو بعض جماعتیں اس سلسلے میں کچھ کر بھی رہی ہیں وہ عالم اسلامی کی موجودہ ضرورت کے لحاظ

سے ہزارواں حصہ بھی نہیں ہیں اس لئے حسب موقع اور حسب وسعت اس خدمت کی انجام دہی جملہ اہل دین کا فرض ہے اور ہم سب ہی کے ذمہ ہے کہ اپنے اپنے علاقہ کے دین سے غافل مسلمانوں کی خبرلیں، اور ضروری درجہ کی ان کی اصلاح اور تعلیم و تربیت کا کوئی بندوبست کریں[1] ورنہ سخت بازپرس کا خطرہ ہے۔

حدیث کے مشہور جامع دفتر "کنزالعمال" میں عوام کی دینی تعلیم و تربیت سے غفلت کرنے والوں کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نہایت عتاب آمیز خطبہ روایت کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

> ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے واسطے منبر پر کھڑے ہوئے اور غضب و جلال کے انداز میں خطبہ کرتے ہوئے فرمایا — کیا بات ہے کہ کچھ لوگ خود تو دین کا علم رکھتے ہیں لیکن ان کے اردگرد رہنے والے قبائل علم دین سے محروم ہیں سو وہ لوگ اپنے ناواقف اور بے علم پڑوسیوں میں علم دین پھیلانے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعہ ان کی اصلاح کیوں نہیں کرتے۔
>
> اور ایسے ہی جاہل ان بے علم لوگوں سے بھی کہتا ہوں جن کے پڑوس میں دین کے

---

[1] جو حضرات دین ہی کی دوسری اہم خدمات میں مشغول ہیں مثلاً تدریس و تصنیف اور تزکیہ و ارشاد وغیرہ (اللہ تعالیٰ ان کی ان خدمات کو بابرکت اور امت کے لئے زیادہ سے زیادہ نافع بنائے اور قبول فرمائے) وہ بھی اس سلسلہ میں اتنا تو کرہی سکتے ہیں کہ اپنے اہل عقیدت اور متعلقین لوگوں کو اس کام کی طرف متوجہ فرمائیں اور خود ان کے کام کی سرپرستی اور نگرانی فرمائیں یا رہنمائی اور نگرانی کا کام بھی کسی اور اہل کے سپرد کردیں — جاہل و غافل عوام میں دین کے اس بنیادی اور ابتدائی کام کے لئے کسی خاص درجہ کے علم اور لیاقت کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں اہل علم اور اصحاب فہم کی رہنمائی اور نگرانی ضروری ہے — اس کام کے کرنے کا طریقہ جو تجربہ میں بھی آچکا ہے اور وہ بھی بہت سہل اور سادہ ہے۔ ضرورت صرف اس کی ہے کہ اہل دین اس کو عمومی طور پر اپنائیں۔ بقول حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ "جتنے کروڑوں میں کام کرنے کی ضرورت ہے کم از کم اتنے لاکھ تو کام کے لئے اٹھ کھڑے ہوں" آج دین غریب ہے اور دین و ایمان والوں کو اس کی پکار ہے — من انصاری الی اللہ؟

جاننے والے موجود ہیں وہ اپنے علم والے پڑوسیوں سے دین سیکھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے (راوی کا بیان ہے کہ حضور نے ان دونوں گروہوں کو تین دفعہ اس طرح مخاطب فرمایا اور پھر ارشاد فرمایا) یا تو یہ دونوں طبقے اپنے اپنے طرز عمل کو بدلیں (یعنی دین کے جاننے والے اور سمجھنے والے اپنے نہ جاننے والے پڑوسیوں کو سکھائیں اور نہ جاننے والے لوگ اپنے علم والے پڑوسیوں سے دین کی تعلیم و تربیت حاصل کریں) ورنہ میں اس دنیا ہی میں ان کو سخت سزا دلواؤں گا۔

آگے اس حدیث میں یہ مضمون ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص اشارہ اس پر عتاب خطاب میں اشعریین کی طرف تھا، یہ لوگ عام طور سے دین کے جاننے والے اور دین کی سمجھ بوجھ رکھنے والے تھے لیکن ان کے اردگرد چشموں پر اور جنگلوں میں جو لوگ رہتے تھے وہ دین کے علم و فہم سے عاری تھے ــــــ جب ان اشعریوں کو حضرت کے اس عتاب کا علم ہوا تو انھوں نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ دوسرے لوگ اگر اپنی بدبختی سے دین کا علم حاصل نہیں کرتے ہیں تو کیا ان کی ذمہ داری بھی ہم پر ہے؟ حضرت نے ارشاد فرمایا۔ ہاں! جاننے والی ہر جماعت اپنے احول کے نہ جاننے والوں کو سکھلانے اور ان میں علم دین پھیلانے کی کوشش کرنے کی ذمہ دار ہے اور نہ جاننے والے سیکھنے اور تعلیم حاصل کرنے کے ذمہ دار ہیں اور دونوں گروہوں میں سے جو بھی اپنے فریضہ میں کوتاہی کرے گا وہ مستوجب سزا ہوگا۔

پھر ان اشعریوں نے ان بے علم قبائل کی تعلیم و تربیت کے لئے ایک سال کی مہلت مانگی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ مہلت دیدی اور آخر میں آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی:۔

لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ
ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ ○ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوهُ
لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ○ (مائدہ ع ۱۱)

---

ترجمہ: آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل پر ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کی وجہ سے اللہ کے پیغمبر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبانوں سے لعنت ہوئی، ان کا ایک بڑا جرم یہ تھا کہ ان میں جو برائیاں رواج پا رہی تھیں وہ آپس میں ان کی روک تھام کی کوشش نہیں کرتے تھے۔

امام احمد بن حنبل کے رسالہ الصلوٰۃ ومایلزمہا میں (جو علامہ حافظ ابن القیم کے رسالہ کتاب الصلوٰۃ واحکام تارکہا کے ساتھ مصر میں چھپ چکا ہے) ایک حدیث نظر سے گزری جس کا مضمون یہ تھا کہ۔

قیامت میں ایک شخص اپنے پڑوسی کے خلاف اللہ تعالیٰ کی عدالت میں دعویٰ کریگا کہ اس نے میرے ساتھ خیانت کی ـــــ وہ جواب میں کہے گا یارب وعزتک ما خنتہ فی اھل ولامال، (قسم اللہ کی میں نے نہ کبھی اس کے اہل کے بارہ میں خیانت کی اور نہ مال میں) مدعی کہے گا بیشک اس نے میرے اہل یا مال میں تو خیانت نہیں کی لیکن میں اپنی غفلت وجہالت سے گناہ کرتا تھا اور یہ شخص دیکھنے کے باوجود مجھے اس سے روکنے کی کوشش نہیں کرتا تھا[1]

ناواقف عوام کو دین کی تبلیغ تعلیم وتذکیر، تواصی بالحق اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی تاکید کے بارہ میں جو آیات اور احادیث کثیرہ عام طور سے معلوم اور مشہور ہیں[2]۔ ان کے علاوہ یہ دو حدیثیں بھی اس مدعا کی کس قدر واضح دلیلیں ہیں کہ ہر جگہ کے دینداروں اور دین کا علم رکھنے والوں کے فرائض میں سے ہے کہ کم از کم اپنے ماحول کے ان مسلمانوں کی اصلاح اور ضروری درجہ کی دینی تعلیم وتربیت کی فکر اور کوشش کریں جو دین کی بنیادی باتوں سے بھی ناواقف ہیں اور جو محض جہالت وغفلت ہی کی وجہ سے خدا فراموشانہ زندگی گزار رہے ہیں۔

---

جتنا جتنا اس مسئلہ پر غور کیا جاتا ہے حیرت ہوتی ہے کہ اس قدر اہم فریضہ سے ہم لوگ کیسے غافل ہیں ـــــ اور اپنے کو مسلمان کہنے والے اللہ کے ان ہزاروں بندوں کے متعلق ہم قیامت میں کیا جواب دے سکیں گے جو ہمارے قرب وجوار میں رہتے ہیں اور اپنی جہالت

---

[1] چونکہ اصل کتاب اس وقت پیش نظر نہیں ہے اس لئے نہ تو حدیث کا متن ہی نقل کیا جاسکا ہے اور نہ بعینہٖ لفظی ترجمہ بلکہ حافظہ میں جو مضمون تھا اپنے لفظوں میں اس کو ادا کر دیا ہے۔ انشاء اللہ کوئی معنوی فرق نہ ہوگا۔

[2] جن کا ایک اچھا خاصہ ذخیرہ مخدومنا حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہ شیخ الحدیث سہارنپور کے رسالہ۔ فضائل تبلیغ۔ میں بھی جمع ہوگیا ہے۔

اور ہماری مجرمانہ غفلت کی وجہ سے ہی اللہ سے اور اس کے دین سے قطعاً بے تعلق ہو کر جی رہے اور خدا فراموشی ہی میں عمریں گنوا گنوا کے مر رہے ہیں :

---

جس دینی دعوت اور اصلاح و تبلیغ کے جس سلسلہ کا ذکر ان صفحات میں بار بار ہوتا رہتا ہے [1]، درحقیقت وہ اسی فریضہ کی ادائیگی کی کوشش ہے اور اس کا خاص موضوع عمومی تعلیم و تربیت اور عمومی اصلاح کے ایک خاص نظام کے ذریعہ مسلمان قوم میں حقیقی ایمان اور دین کے شعور اور اس کی قدر کو عام کرنے کی کوشش کرنا ہے۔

بار بار عرض کیا جا چکا ہے اور اب پھر عرض کیا جاتا ہے کہ اس کام کے سلسلے میں آپ کو ہماری دعوت یہ نہیں ہے کہ آپ فلاں انجمن یا فلاں جماعت سے وابستہ ہو کر یہ کام کیجئے، بلکہ ہماری گزارش صرف یہ ہے کہ دین کی اس خدمت کے لئے اور اس سلسلے میں اپنا فرض ادا کرنے کے لئے کھڑے ہو جایئے اور اللہ کے جو بندے اس کام کو کر رہے ہیں ان کے طریقہ کار کو دیکھئے پھر اگر بالفرض اس طریق عمل کے کل اجزا پر آپ کا ضمیر مطمئن نہ بھی ہو تو جتنے حصہ پر یا جس طریقہ پر آپ کو اطمینان ہو اس کو شروع کر دیجئے۔

اس وقت دنیا بہت تیزی سے اپنا سفر طے کر رہی ہے۔ برسوں کی منزلیں دنوں میں طے ہو رہی ہیں اگر یہ وقت بھی ہم نے غفلت سے گزار دیا تو خطرہ ہے کہ مسلمانوں کی اصلاح اور دین کے احیاء کے جو امکانات اور جو سہولتیں ابھی باقی ہیں۔ بہت سے علاقوں میں وہ ختم نہ ہو جائیں۔ العجل العجل الساعۃ الساعۃ۔

---

[1] یہ دینی دعوت و تبلیغ کے اس کام کی طرف اشارہ ہے جو حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی طرف نسبت کیا جاتا ہے اور جس کا مرکز بستی حضرت نظام الدین اولیاء دہلی میں ہے۔ ۱۲

# حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے چند ارشادات

[ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مرض وفات کے آخری مہینوں میں ناچیز مدیر الفرقان حضرت کی خدمت میں رہا تھا۔ ان دنوں میں حضرت کے جو ارشادات قلمبند کئے تھے ان میں سے چند درج ذیل ہیں ]

(۱) فرمایا۔ اس دینی دعوت کے سلسلے میں ہر طبقہ کے مسلمانوں سے ملنا اور ان سب کو اس طرف لانے کی سعی کرنا ضروری ہے۔ میں اپنا ایک واقعہ سناتا ہوں (اس کے بعد مولانا نے ایک مشہور عالم دین کے متعلق جو اس عصر کے بڑے عالم اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز شاگردوں میں سے بھی بتایا) کہ انھوں نے ایک دفعہ برسر عام حضرت مولانا ..... نور اللہ مرقدہٗ کے متعلق بہت ہی خراب اور بالکل ہی غلط بعض باتیں کہیں جس سے میرا بہت ہی دل دکھا، اور میری حالت یہ ہوگئی کہ میں ان کی صورت نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد جب میں اس کام میں لگا ہوں تو ایک دن میرے دل میں آیا کہ ان صاحب کے متعلق میرا یہ طرز عمل ٹھیک نہیں ہے۔ آخر وہ مومن و مسلم بھی ہیں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض بھی ان کے اندر ضرور ہوں گے، قرآن مجید کے علمی انوار بھی ان کے پاس ہیں۔ جس شخص میں خیر کے اتنے پہلو ہوں اس سے اتنی دوری اختیار کرلینا خود اپنا نقصان کرنا ہے، لہٰذا خود مجھے جا کر ان کی زیارت کرنی چاہئیے۔ اور ان کے ان دینی کمالات کی وجہ سے مجھے ان کا اکرام کرنا چاہیئے اور ان کی جس بات سے میرا دل دکھا، اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ یہ باتیں ان سے کسی دوسرے شخص نے اسی طرح کہی ہوں اور ان کی غلطی صرف اتنی ہی ہو کہ انھوں نے ان کو سچ سمجھ کے اس عام موقع پر نقل کردیا ہو یا اسی طرح کی کوئی اور اجتہادی غلطی اس معاملہ میں ان سے ہوئی ہو۔ بہر حال یہ غلطی ایسی نہیں ہے جس کی وجہ سے ان کو اس طرح چھوڑ دینا میرے لیے درست ہو۔
(فرمایا) یہ باتیں میں نے اپنے نفس کو تنہائیوں میں بیٹھ بیٹھ کے سمجھائیں اور میری ان باتوں کے

جواب میں میرے نفس نے جو جو حجتیں پیش کیں، میں نے ان سب کو دلیلوں سے رد کیا اور زیارت مسلم اور اکرام مسلم" پر جن جن اجروں کی بشارتیں نصوص میں وارد ہوئی ہیں، میں نے ان کو یاد کیا اور اپنے نفس کو یاد دلایا اور بالآخر خود ان کے پاس جانے کا ارادہ کر لیا۔

پھر مجھے اس میں تردد ہوا کہ مجھے اس وقت ان کے پاس صرف شرعی زیارت ہی کی نیت سے جانا چاہیے یا اپنی دعوت پیش کرنے کا بھی قصد کرنا چاہیے (یعنی ان دونوں صورتوں میں سے کونسی اَولیٰ اور احب الی اللہ ہے)۔۔۔ بالآخر میں نے یہ طے کیا کہ "زیارت" اور "دعوت" کی مستقل مستقل نیت کر کے مجھے ان کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے۔ اس میں انشاء اللہ دونوں چیزوں کا پورا پورا ثواب ملے گا۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور یہ ملاقات پھر بہت سی برکتوں اور بہت سے فائدوں کا ذریعہ بنی۔

---

(۲) اسی سلسلۂ کلام میں فرمایا ۔۔۔ "ہمارے بعض خاص حضرات میرے اس رویہ سے ناراض ہیں کہ میں اس دینی کام کے سلسلے میں ہر طرح اور ہر وضع کے لوگوں اور مسلمانوں کے ہر گروہ کے آدمیوں سے ملتا ہوں اور ملنا چاہتا ہوں اور اپنے لوگوں سے بھی ان کے ساتھ ملنے جلنے کو کہتا ہوں، لیکن میں اپنے حضرات کی اس ناراضی کو سہنا اور ان کو معذور قرار دیتے ہوئے ان کو بھی اسی طرف لانے کی پوری سعی کرتے رہنا شکر واجب کا ایک جز سمجھتا ہوں:

چو حق بر تو پاشد تو بر خلق پاش

ان حضرات کا خیال ہے کہ یہ طرز عمل حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے طریقہ اور مذاق کے خلاف ہے لیکن میرا یہ کہنا ہے کہ جس چیز کا دین کے لیے نافع اور نہایت مفید ہونا دلائل اور تجربہ سے معلوم ہو گیا اس کو صرف اس لیے اختیار نہ کرنا کہ ہمارے شیخ نے یہ نہیں کیا، بڑی غلطی ہے شیخ شیخ ہی تو ہے خدا تو نہیں ہے۔

---

(۳) فرمایا ۔۔۔ اس دینی کام (تبلیغ دین اور اصلاح امت کی عوامی تحریک) کی طرف مجھے متوجہ کرنا اللہ تعالیٰ کی ایک خاص تائید ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مجھے کچھ ایسی خصوصیات حاصل تھیں کہ جن بعض اکابر کو میرے اس کام سے متعلق پوری معلومات نہ ہونے کی وجہ سے کبھی کچھ شکوک بھی ہوئے تو انھوں نے بھی میری وجہ سے سکوت اختیار کیا اور اپنے اختلاف

راسے کو ظاہر نہیں فرمایا۔ میری دو خصوصیات یہ ہیں: ایک تو یہ کہ میری نیاز مندی کا تعلق اپنے زمانہ کے سب ہی بزرگوں سے رہا اور الحمد للہ سب کی عنایات اور سب کا اعتماد مجھے حاصل رہا۔ دوسرے یہ کہ میرے والد ماجد ایک عالی مرتبہ اور متفق علیہ بزرگ تھے اور باہم بہت سے اختلافات رکھنے والے اہل دین کے مختلف طبقے ان پر متفق تھے۔ تیسرے یہ کہ میرا خاندان ایک خاص اثر اور عزت و وجاہت رکھنے والا خاندان تھا۔

---

(۴) فرمایا ــــ علماء حق کو میرا یہ پیغام ادب و احترام کے ساتھ پہنچا دو کہ آپ لوگوں کو میری اس تحریک کے متعلق جو حسن ظن یا کچھ توجہ ہوئی ہے تو وہ ان بجائے ان پڑھ میواتیوں کے بیان کرنے یا ان میں کچھ اصلاحی تغیر کے مشاہدہ سے ہوئی ہے جو پہلے گوبر تک پوجتے تھے اور اس لیے اگلے مشرکوں سے بھی گھٹیا تھے۔ (کیونکہ وہ تو خوبصورت مورتیوں اور چکنے پتھروں ہی کو پوجا کرتے تھے) تو ایسے گرے ہوئے لوگوں کی خبر رسانی یا مشاہدے سے کام کا صحیح اندازہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ آپ جیسے حضرات اگر براہ راست مجھ سے مل کر اس کام کو سمجھیں تو اصل قدر و قیمت معلوم ہو۔

---

(۵) ــــ ہماری اس تحریک کا ایک خاص مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے سارے جذبات پر دین کے جذبہ کو غالب کر کے اور اسی راستہ سے مقصد کی وحدت پیدا کر کے اور اکرام مسلم کے اصول کو رواج دے کے پوری قوم کو اس حدیث کا مصداق بنایا جائے المسلمون کجسد واحد

---

(۶) فرمایا ــــ ہمارے اس کام میں اخلاص اور صدق دلی کے ساتھ اجتماعیت اور شوریٰ بینھم کی (یعنی مل جل کر اور باہمی مشورے سے کام کرنے کی) بڑی ضرورت ہے اور اس کے بغیر کام خطرہ ہے۔

---

(۷) بعض خدام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ــــ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضرت ابو عبیدہ اور حضرت معاذ سے فرماتے تھے کہ میں تمہاری نگرانی سے مستغنی نہیں ہوں، میں بھی آپ لوگوں سے یہی کہتا ہوں کہ میرے احوال پر نظر رکھئے اور جب آپ دیکھنے کی جو اس پہ تو کہئے۔

(۸) فرمایا — حضرت فاروق اعظمؓ کے عاملوں کے پاس سے جب کوئی قاصد آتے تو آپ اُن سے عاملوں کی خیریت پوچھتے اور ان کے حالات دریافت کرتے لیکن اس کا مطلب دینی خیریت اور دینی حال پوچھنا ہوتا تھا نہ کہ آج کل کی مروجہ مزاج پرسی۔ چنانچہ ایک عامل کے پاس سے آنے والے قاصد سے جب آپ نے عامل کی خیریت پوچھی تو اس نے کہا وہاں خیریت کہاں ہے، میں نے تو ان کے دسترخوان پر دو دو سالن جمع دیکھے۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرز زندگی پر صحابہ کرامؓ کو چھوڑ گئے تھے بس اس پر قائم رہنا ہی ان حضرات کے نزدیک خیریت کا معیار تھا۔

---

(۹) فرمایا — اللہ سے اس کا فضل اور رزق وغیرہ مانگنا تو فرض ہے اور اپنی عبادت و خدمت وغیرہ کا دنیا ہی میں معاوضہ چاہنا ناجائز ہے۔

---

(۱۰) فرمایا — کسی مسلمان کو اس کی بے راہ روی کی وجہ سے قطعی طور سے کافر کہنا اور خلود فی النار والی تکفیر کرنا ہمارا کام ہے۔ ہاں "کفرٌ دُونَ کفر" کا اصول صحیح ہے تمام معاصی کفر ہی کے فروع اور اس کی اولاد ہیں اور اسی طرح تمام معروفات ایمان کی آل اولاد ہیں، پس ہماری یہ تحریک درحقیقت تجدید ایمان اور تکمیل ایمان کی تحریک ہے۔

---

(۱۱) فرمایا — اِتَّخَذُوا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا: دینی کاموں کو بے مقصد یا اطاعت امر الٰہی و رضاء خداوندی اور ثواب اخروی کے سوا اور مقاصد کے لیے کرنا بھی دین کو لہو و لعب بنانا ہے۔

---

(۱۲) فرمایا — ظُنُّوا الْمُؤْمِنِيْنَ خَيْرًا اور "ان حسن الظن من العبادة" کا حکم اس حالت میں ہے جب کسی سے کوئی معاملہ کرنا نہ ہو، تو اس وقت صرف حسن ظن ہی سے کام لینا چاہیئے۔ اور جب معاملہ کرنا ہو تو اس وقت کے لئے "الحزم سوء الظن" کا حکم ہے، مواقع اور مواقع کا فرق نہ سمجھنے سے نصوص میں بڑی غلط فہمیاں ہو جاتی ہیں۔

---

(۱۳) فرمایا ہمارے سب کام کرنے والوں کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ تبلیغ کے لیے باہر جانے کے زمانہ میں بالخصوص علم اور ذکر کی طرف بہت زیادہ توجہ کریں، علم اور ذکر میں ترقی کے بغیر دینی ترقی ممکن نہیں، نیز علم اور ذکر کی تحصیل و تکمیل اس راہ کے اپنے بڑوں سے وابستگی رکھتے ہوئے اور ان کے زیر ہدایت اور ان کی نگرانی میں ہو۔ انبیاء علیہم السلام کا علم و ذکر اللہ تعالیٰ کے زیر ہدایت اور اس کے حکم کے ماتحت ہوتا تھا اور حضرات صحابہ کرام کا علم و ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے ماتحت اور آپ کی نگرانی میں ہوتا تھا پھر ہر زمانہ کے لوگوں کے لیے اس قرن کے اہل علم اور اہل ذکر گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء ہیں۔ لہٰذا علم و ذکر میں اپنے بڑوں کی نگرانی سے استغنا نہیں۔

یہ بھی ضروری ہے کہ خاص کر باہر نکلنے کے زمانہ میں صرف اپنے خاص مشاغل ہی میں اشتغال رہے اور دوسرے تمام مشاغل بالکل یکسو رکھے جائیں اور وہ خاص مشاغل یہ ہیں تبلیغی گشت، علم و ذکر، دین کے لیے گھر چھوڑ کر نکلنے والے اپنے ساتھیوں کی خصوصاً اور عام خلق اللہ کی عموماً خدمت کی مشق، تصحیح نیت اور اخلاص و احتساب کا اہتمام اور اہتمام نفس کے ساتھ بار بار اس اخلاص و احتساب کی تجدید، یعنی اس کام کے لیے نکلتے وقت بھی یہ تصور کرنا اور دوران سفر میں بھی بار بار اس تصور کو تازہ کرتے رہنا کہ ہمارا یہ نکلنا صرف اللہ کے لیے اور ان نعمائے آخرت کی طمع میں ہے جن کا وعدہ دین کی نصرت و خدمت پر اور اس راہ کی تکلیفیں اٹھانے پر فرمایا گیا ہے یعنی بار بار اس دھیان کو دل میں جمایا جائے کہ اگر میرا یہ نکلنا خالصاً مخلصاً ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول فرما لیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے وہ نعمتیں ضرور ملیں گی جن کا وعدہ اس کام پر قرآن پاک اور احادیث میں فرمایا گیا ہے اور وہ یہ یہ ہوں گی۔ بہر حال ان الٰہی وعدوں پر یقین اور ان کی امید کے دھیان کو بار بار تازہ کیا جائے اور اپنے سارے عمل کو اسی یقین اور اسی دھیان سے باندھا جائے، بس اسی کا نام "ایمان و احتساب" ہے اور یہی ہمارے اعمال کی روح ہے۔

---

(۱۴) فرمایا ـــــ ہائے اللہ کے وعدوں پر یقین نہیں رہا، اللہ کے وعدوں پر یقین اور اعتماد پیدا کرو اور پھر اس یقین و اعتماد ہی کی بنیاد پر کام کرنے کی مشق کرو۔ اور اللہ کے وعدوں کے معنی بھی خود نہ گھڑو۔ تمہارا علم اور تجربہ بہت محدود ہے، اس کے وعدوں کا مطلب اس کی شان کے

مطابق سمجھو اور اس سے یہ نہ مانگو کہ اپنی شان اور اپنی قدرت کے شایان ان وعدوں کو پورا فرما' اخروی نعمتوں کی معنویت اور اصل حقیقت کا تم اس دنیا میں کیا اندازہ کر سکتے ہو اور کیونکر وہ اندازہ صحیح ہو سکتا ہے۔ جب کہ حدیث قدسی میں ان نعمتوں کی صفت ہی یہ بیان کی گئی ہے۔

لاعین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر (یعنی جنت میں ایسی نعمتیں ہیں جو نہ تو کسی آنکھ نے دیکھی ہیں اور نہ کسی کان نے ان کا حال سنا ہے اور نہ کبھی کسی انسان کے دل میں کبھی ان کا خیال آیا ہے)

افسوس! ہم نے اس کی موعود نعمتوں کو اپنے علم و فہم اور اس دنیا کے اپنے مشاہدہ اور تجربہ کے مطابق سمجھ کر اور اس کی امید باندھ کے بڑا گھاٹا کر لیا" لقد حجرتم واسعاً " اس کی عطا اور اس کی داد و دہش تو اس کے شایان شان ہو گی۔

---

(۱۵) فرمایا ـــــ تم نے "ماخلقت الجن والانس الا لیعبدون" کے مقتضا سے جس قدر انحراف کیا' اسی قدر "خلقنا لکم ما فی السمٰوٰت والارض" کا ظہور کم ہو گیا جس نسبت سے تمہاری عبدیت میں کمی آئی اسی نسبت سے زمین و آسمان کی کائنات سے تمہارا تمتع و نفع حاصل کرنا کم ہو گیا۔ کائنات کو تمہارا خادم اسی لیے بنایا گیا تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کا کام کرو اور اس کی اطاعت و بندگی اور اس کی مرضیات کے فروغ میں لگے رہو۔ جب تم نے اپنا یہ فریضہ چھوڑ دیا تو زمین و آسمان بھی تم سے پھر گئے۔"

---

ٹیلی گرام
BATRANS
بمبئی
آندھرا
ٹرانسپورٹ
کمپنی
ٹرانسپورٹ کنٹریکٹرس
ٹیلی فون نمبر
320169
322027
۱۱۳- بھنڈاری اسٹریٹ - بمبئی نمبر ۳

# کیا ابھی وقت نہیں آیا

## کہ مسلمان اپنے طریق کار پر از سرِ نو غور کریں

ہندوستان کی سیاست جس رُخ پر نہایت تیز رفتاری سے جا رہی ہے اور اس سے جو نئے نئے حالات پیدا ہو رہے ہیں اور اس ملک کے بالخصوص مسلم اقلیت والے صوبوں میں مسلمانوں کا مسئلہ جس قدر نازک اور ان کا مستقبل جس قدر بھیانک ہوتا جا رہا ہے اس سے ہر باخبر اور صاحب فہم و فکر مسلمان کسی نہ کسی درجہ میں پریشان ہے اور مسلمانوں کے قومی مسائل سے تعلق و دلچسپی رکھنے والی مختلف جماعتیں اپنی اپنی صوابدید کے مطابق ان مشکلات کو حل کرنے اور ان پر قابو پانے کے لئے مصروف جد و جہد بھی ہیں۔

——— لیکن خیالات و نظریات کے بڑے بڑے اختلافات کے باوجود ان سب کے طرز فکر اور طریق کار میں ایک عجیب وحدت اور یکسانیت بھی ہے اور وہ یہ کہ سب کے سب معاملہ پر صرف مادی پہلو ہی سے غور کرتے ہیں اور اس لئے جو کوششیں بھی اس سلسلہ میں ہماری مشہور اور قابل ذکر قومی جماعتوں کی طرف سے ہو رہی ہیں وہ سب مادی تدبیروں ہی کی مختلف صورتیں ہیں اور بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ اگر بالفرض اس ملک کی کسی دوسری قوم کو (جو خدا سے بالکل ناآشنا اور ایمان کی دولت سے محروم ہو بلکہ جو دشمن دین و ایمان ہو) ایسے حالات پیش آجائیں جو اس وقت ہم مسلمانوں کو درپیش ہیں تو یقیناً وہ قوم بھی وہی سب کچھ کرے گی جو ہماری قومی اور سیاسی جماعتیں عام طور سے اس وقت کر رہی ہیں اور اس کی پالیسی بالکل وہی ہوگی جو آج ہماری ہے۔ الغرض یہ بات خواہ کتنی ہی رنج و افسوس کے قابل ہو اور ہمارے قومی کارکنوں کو خواہ کتنی ہی کڑوی لگے مگر یہ ایک غیر مشتبہ حقیقت اور ناقابل انکار واقعہ ہے کہ ہماری قومی اور سیاسی پالیسی کا رشتہ انبیاء علیہم السلام کی رہنمائی سے گویا کٹ چکا ہے اور کم از کم زندگی کے اس نہایت اہم شعبہ میں ہم دنیا کی خدا فراموش اور مادہ پرست قوموں کے پورے پورے پیرو ہو گئے ہیں، انہی کی طرح سوچتے ہیں اور انہی کے نقش قدم پر چلتے ہیں ———

اگر صاف گوئی سے آپ کے دل پر چوٹ لگے یا اس حقیقت میں آپ کو کوئی شک و شبہ ہو تو براہ کرم تھوڑی دیر کے لئے دل و دماغ کو اصولی کے اثرات اور جذبات سے صاف کر کے ہمارے ساتھ جو ذیل کی گزارشات پر غور کیجئے

ساری دنیا کی خدا ناآشنا قوموں اور نبوت کی روشنی سے محروم تمام طبقوں کا طریقہ یہ ہو کہ ان پر جو حالات آتے ہیں اور دنیا میں جو انقلابات برپا ہوتے رہتے ہیں وہ ان کا کوئی خاص تعلق اللہ کے ارادہ اور مشیت سے نہیں سمجھتے اور اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے جو خاص قوانین کارفرما ہیں (مثلاً قانون تکوین، قانون ابتلاء، قانون مکافات وغیرہ وغیرہ) وہ چونکہ ان کو بالکل نہیں جانتے، اور اس عالم کے تمام چھوٹے بڑے واقعات کو وہ سلسلۂ اسباب ظاہری کا نتیجہ سمجھتے ہیں اس لئے صرف ظاہری تدبیروں اور مادی کوششوں ہی سے ان کا مقابلہ کرتے ہیں ـــــ مثلاً ان میں سے کسی قوم پر کوئی دوسری طاقت اگر حملہ کردے اور اس کو شکست دے کے اس کے ملک پر قبضہ کرلے تو اس کے زعماء اور مفکرین اس سانحہ پر صرف اس طرح سے غور کریں گے کہ ہمارے دشمن کی فوجیں تعداد میں ہم سے زیادہ اور زیادہ منظم اور زیادہ تربیت یافتہ تھیں، ان کے پاس سامان جنگ ہم سے زیادہ اور ہم سے بہتر تھا، بحری، بری اور ہوائی ذرائع رسل و رسائل میں ان کو برتری اور فوقیت حاصل تھی۔ میدان جنگ جغرافیائی حیثیت سے دشمن کے لئے سازگار اور ہمارے لئے ناسازگار تھا وغیرہ وغیرہ۔

الغرض دنیا کی تمام خدا ناشناس قومیں اپنی مغلوبیت اور شکست کے اسباب موجودہ پر صرف اس طرح سے غور کرتی ہیں اور اس لئے اُن کی جد و جہد صرف ظاہری تدبیروں، اسباب و وسائل کی تیاریوں اور مادی کوششوں ہی میں منحصر رہتی ہو ـــــ اور کون باخبر اور حقیقت شناس اس سے انکار کرسکتا ہو کہ اس وقت ہم مسلمانوں کی قومی پالیسی بھی اصولاً بالکل یہی ہو یہی ہمارے قائدین کا طرز فکر ہو اور یہی طریق عمل ہو اور ظاہر ہو کہ انبیاء علیہم السلام کا بتلایا ہوا طریقہ اس سے بالکل اور بنیادی طور پر مختلف ہو۔ ان کے فکر و نظر کا اولی اور اساسی نقطہ یہ ہو کہ اس دنیا میں جو کچھ ہوتا ہو اور کسی فرد یا کسی قوم پر جو اچھے برے حالات آتے ہیں اگرچہ بظاہر وہ سلسلۂ اسباب ہی کے راستہ سے آتے ہیں لیکن درحقیقت وہ سب ایک علیم و خبیر اور حکیم و بصیر قادر مطلق ہستی کے حکم سے ہوتے ہیں لہٰذا دنیا کے ہر واقعہ کے متعلق ہمیں اسی یقین و اذعان کی بنیاد پر سوچنا اور اسی کے مطابق طریق کار اختیار کرنا چاہیے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہو اور اس کو باقی رکھنا یا ختم کردینا یا بدل دینا صرف اسی کے دست قدرت میں ہو اور وہ اگر چاہے تو ظاہری اسباب و وسائل کی ناسازگاری کے باوجود سب کچھ کرسکتا ہو وہ اسباب و وسائل کی کمی اور کمزوری کی تلافی اپنی غیبی مدد سے کرکے بہتوں کے مقابلہ میں تھوڑوں کو زور آوروں کے مقابلہ میں کمزوروں کو، اسباب و وسائل میں برتری رکھنے والوں کے مقابلہ میں بے وسیلوں اور ساز و سامان سے تہی دستوں کو اپنی خاص مدد سے کامیاب کرسکتا ہو اور اس بارہ میں اس کی خاص سنت

اور خاص قانون ہے۔

اور انبیاء علیہم السلام کی سچائی اور رہنمائی پر ایمان و یقین رکھنے والوں اور ان کے طریقہ پر کام کرنے والوں نے بارہا اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے اس خاص "قانون نصرت" کا تجربہ بھی کیا ہے — قرآن مجید میں حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کے زور آور اور سرکش مخالفوں اور فرعون و نمرود جیسے طاقتور حکمرانوں کے جو واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ "درحقیقت اسی سنت اللہ کی مثالیں ہیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی اس سنت اور نصرت کی کارفرمائی کے لئے کچھ اصول اور شرائط ہیں جن کا تعلق عقائد و خیالات، اعمال و اخلاق، سیرت و کردار غرض انسان کی پوری زندگی سے ہے اور جس کا ایک مختصر اور جامع عنوان "ایمان والی زندگی" ہے تو اگر کوئی قوم اور امت اجتماعی طور پر ان اصول پر کاربند ہو جائے اور انھیں اصولوں کے ماتحت جد و جہد کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ یہ اختصاصی معاملہ کرتا ہے کہ تعداد میں کمی اور اسباب و وسائل میں کمزوری کے باوجود اپنی غیبی مدد سے اس کو کامیاب و مظفر و منصور کر کے اس دنیا میں بھی عزت و سربلندی کا مقام عطا فرما دیتا ہے۔

لیکن پھر اس کا دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ اگر یہ قوم کسی وقت اس راہ سے منحرف ہو جائے اور اس کا طرز زندگی بدل جائے تو پھر اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی بدل جاتا ہے اول اول تو اس کو متنبہ کرنے اور چونکانے کے لئے اس پر مصیبتیں بھیجی جاتی ہیں، اور دکھوں اور تکلیفوں میں مبتلا کیا جاتا ہے لیکن اگر وہ ان انتباہی کارروائیوں سے بھی کوئی سبق نہ لے اور اپنے حال کو درست نہ کرے تو پھر اس کے لئے دنیا میں مستقل ذلت و پستی اور تباہ حالی کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے (یہودیوں کے متعلق قرآن مجید نے جو کچھ فرمایا ہے وہ اسی سنت اللہ کی مثال ہے)

بہرحال دنیا میں پیش آنے والے واقعات اور قوموں کے اچھے برے حالات بالخصوص کتاب و پیغمبر سے وابستگی رکھنے والی امتوں کے عروج و زوال کے متعلق یہ ہے انبیاء علیہم السلام کے طرز فکر اور طریق کار کا اصل اور اساسی نقطہ — بیشک وہ ترک اسباب اور ترک تدابیر کی تعلیم نہیں دیتے بلکہ حدود اللہ کے اندر تمام ممکن اسباب و تدابیر کے استعمال کا اور استطاعت کی آخری حد تک جد و جہد کا سبق دیتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد کو ان اسباب سے بالاتر اور اس کے ارادہ و مشیت کو اصل کارفرما یقین کرتے ہیں اور اسی لئے اسی کی خوشنودی اور اسی کی خاص مدد کے حاصل کرنے کو سب سے بڑی اور بنیادی تدبیر اور حصول نصرت کی کوشش سمجھتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے تبلیغی مشن اور ان کے طرز فکر و طریق کار کو اور زیادہ مفصل اور صحیح طور پر سمجھنے کے لئے قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات پر غور کیجئے۔

(۱) قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (آل عمران ع ۳)

کہو اے اللہ ملک و بادشاہت کے حقیقی مالک! تو جسے چاہے ملک دے اور جس سے چاہے ملک لے لے جسے چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلت دے تیرے ہی قبضہ میں ہر بھلائی تو بیشک ہر چیز پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے۔

(۲) اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (آل عمران ع ۱۷)

اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہ ہو سکے اور اگر وہ تمہاری مدد نہ کرے تو پھر کون ہے جو اسکے بعد تمہاری مدد کر سکے اور اللہ ہی پر اعتماد اور توکل کرنا چاہیئے ایمان والوں کو۔

(۳) مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (فاطر ع ۱)

اللہ جس رحمت کا دروازہ لوگوں کیلئے کھولے تو پھر کوئی اسکو روکنے والا نہیں اور وہ جس نعمت کو روک لے تو پھر کوئی اس کو بھیجنے والا نہیں اور وہ بڑے زور والا اور حکمت والا ہے۔

(۴) اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ (یٰسٓ ع ۵)

اس کا معاملہ تو بس یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو کرنا چاہتا ہے تو اس کو کہتا ہے کہ ہو جا، بس وہ ہو جاتی ہے پس پاک ہے وہ ذات جس کے قبضہ میں ہر چیز کی بادشاہی اور فرمانروائی ہے اور تم سب مرنے کے بعد اسی کی طرف لوٹو گے۔

(۵) وَكَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (بقرہ ع ۳۳)

اور کتنی ہی چھوٹی جماعتیں غالب آئی ہیں بڑی جماعتوں پر اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

ان آیات میں بتلایا گیا ہے کہ کسی فریق کو حکومت دے کر بالاتر کر دینا اور کسی سے حکومت چھین کے بالاتری کے مقام سے اس کو گرا دینا، کسی کو عزت اور برتری دینا اور کسی کو ذلیل اور پست کر دینا سب اللہ ہی کے حکم اور ارادہ سے ہوتا ہے اور پھر جیسا کہ سب اسی کے اختیار میں ہے اور اس کو سب کچھ کرنے کی قدرت حاصل ہے آج اس نے جس کو اونچا کیا ہے وہ کل اس کو نیچا بھی کر سکتا ہے اور جس کو آج اس نے

کچھ دیا ہو وہ اس دینے کے بعد چھین لینے اور چھین لینے کے بعد پھر عطا فرما دینے پر بھی قدرت رکھتا ہے (۲) اور اگر وہ تمہاری مدد کرنا چاہے تو پھر دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت تمہاری کامیابی کو نہیں روک سکتی — (۳) وہ اگر کسی کو اپنے انعام و رحمت سے نوازنا چاہے تو کسی کی ہستی نہیں جو اس میں حائل ہو سکے — (۴) وہ تمہارے سارے اسباب و وسائل سے بے نیاز ہے، اس کی مشیت کا ایک ادنیٰ اشارہ اور بس اس کا ارادہ ہی سب کچھ کر دے سکتا ہے سب کچھ اس کے اختیار میں ہے — (۵) بارہا اس دنیا میں ایسا ہوا ہے کہ اس کے حکم و ارادہ سے اور اس کی غیبی مدد سے بہت تھوڑے سے آدمیوں نے بہت بڑی بڑی فوجوں کو شکست دیدی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس دنیا میں اس کے ارادہ اور مشیت کی کارفرمائی اور کسی کو حکومت دینے اور کسی سے حکومت چھین لینے اور اپنی مدد سے جس کو چاہے اس کو غالب کر دینے کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کی یہ شان بیان فرمانے کے ساتھ ساتھ قرآن کریم یہ بھی صاف صاف بتلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ خاص غیبی مدد کیونکر حاصل ہوتی ہے اور اس کی خصوصی عنایات اور فضل و رحمت اور تائید و نصرت کے استحقاق کے کیا اصول اور کیا شرائط ہیں — مندرجہ ذیل آیات کو غور سے پڑھیے :-

| | |
|---|---|
| (۱) وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (آل عمران ع ۱۴) | اور اپنی کمزوری اور اسباب و وسائل کی کمی کے خیال سے ہمت نہ ہارو اور (اب تک تم پر جو گزر چکی اس کا) غم نہ کرو اور تم ہی بالاتر ہوگے اگر تم ہو ایمان والے۔[1] |
| (۲) وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ (الروم ع ۵) | اور حق ہے ہم پر مدد ایمان والوں کی۔ |

---

[1] واضح رہے کہ قرآن و سنت کی خاص اصطلاح میں "مومنین" سے مراد اللہ کے وہ [illegible] بندے ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی لاشریک الوہیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لائیں اور اس ایمان کے تقاضوں کے مطابق زندگی گزاریں — لیکن جو لوگ اپنے کو مسلمان کہیں اور اپنی زندگیوں کو اللہ و رسول کے احکام کے تابع نہ بنائیں (جیسا کہ آج کل اکثر مسلمانوں کا حال ہے) تو قرآن کی وسیع اصطلاح میں ایسوں کا نام "منافق" ہے پس موجودہ مسلمان قوم کو "مومنین" کا مصداق سمجھ کر اس جیسی آیات کے وعدہ کا مستحق سمجھنا تعلیمات قرآن سے ناواقفی ہے۔ موجودہ مسلمان قوم تو اپنی اکثریت کے اعتبار سے ان آیات قہر کی مصداق ہے جن میں دین سے بے اعتنائی برتنے والوں اور خدا و رسول کی نافرمانی کرنے والوں کو دنیا و آخرت میں ذلت و خواری کی سزا دینے کا اعلان فرمایا گیا ہے۔ اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔

(۳) اِنَّ اللّٰہَ یُدٰفِعُ عَنِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ خَوَّانٍ کَفُوْرٍ (الحج ع ۵)

یقیناً اللہ تعالیٰ دفاع کرے گا ایمان والے بندوں کی طرف سے (یعنی ان کی حمایت کرے گا دشمنوں کے مقابلہ میں) اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں اور نہ ماننے والوں کو نہیں چاہتا۔

(۴) وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ (الحج ع ۶)

اور یقیناً اللہ تعالیٰ مددگار ہوگا ان بندوں کا جو اس کے دین کی مدد کریں۔ بیشک اللہ تعالیٰ قوت اور غلبہ والا ہے۔

(۵) فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ هُوَ مَوْلٰکُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ (الحج ع ۱۰)

پس قائم کرو نماز اور ادا کرتے رہو زکوٰۃ اور مضبوطی کے ساتھ وابستہ ہو جاؤ اللہ سے وہ تمہارا کارساز ہے پس بڑا اچھا کارساز اور بڑا اچھا مددگار ہے۔

(۶) وَقَالَ اللّٰہُ اِنِّیْ مَعَکُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّکٰوۃَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا (المائدہ ع ۳)

اور اللہ نے فرمایا ہے میں تمہارے ساتھ ہوں (یعنی میرا فضل اور میری مدد تمہارے ساتھ ہے) اگر تم قائم کرتے رہو نماز اور ادا کرتے رہو زکوٰۃ اور ایمان لاؤ میرے رسولوں پر اور ان کی تعظیم و توقیر کرتے رہو اور اپنا مال و دولت اللہ کے کاموں اور دین کی ضرورتوں میں خرچ کرتے رہو۔

(۷) وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَخْشَ اللّٰہَ وَیَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (النور ع ۷)

اور جو اطاعت کریں اللہ کی اور اللہ کے رسول کی اور ڈریں اللہ سے اور بچیں اس کی نافرمانی سے تو وہی کامیاب ہوں گے۔

(پھر دو آیتوں میں اس مضمون کو اور زیادہ مؤکد فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا گیا ہے)

(۸) وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ

اللہ کا وعدہ ہے ان سے جو ایمان لاویں تم میں سے اور نیک اعمال کریں ان کو ضرور زمین میں حکومت دیگا جیسا کہ ان سے پہلوں کو حکومت بخشی تھی اور ان کے لئے ان کے اس دین اسلام کو قوت دیگا جو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے اور ان کے خوف

خَوْفُهُمْ اَمْنًا ۔ (النور ع ۷) — خطرہ کو اس اطمینان سے بدل دیگا۔

(۹) اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (النحل رکوع ۴)

جو لوگ ایمان لاویں اور تقویٰ اختیار کریں ان کے لئے (اچھی انعام والی زندگی کی) بشارت ہے دنیا میں اور آخرت میں، اللہ کی باتیں یقیناً پوری ہونے والی اور اٹل ہیں دونیا اور آخرت میں یہ انعام والی زندگی ملنا) یہ بڑی کامیابی ہے۔

(۱۰) لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِىْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۗ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ (النحل ع ۴)

اور نیکوکاروں کے لئے اس دنیا میں بھی بہتری ہے اور دار آخرت تو ان کے لئے بہت ہی اچھا ہے

(۱۱) مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً (النحل ع)

جو عمل صالح کریں مرد یا عورت اور وہ ایمان والے ہوں تو ہم اُن کو اچھی زندگی بخشیں گے۔

(۱۲) وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (بقرہ ع ۲۴)

اور اللہ سے ڈرو (اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہو) یقیناً اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔

(۱۳) اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ (النحل ع ۱۶)

اللہ تعالیٰ تقوے والوں اور نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔

(۱۴) وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۚ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَىْءٍ قَدْرًا ۝ (الطلاق ع ۱)

اور جو اللہ سے ڈریں اور اس کی نافرمانی سے بچیں اللہ ان کے واسطے نکلنے کا کوئی راہ اور دیگا ان کو اپنی نعمتیں وہاں سے جہاں سے انہیں گمان بھی نہ ہوگا اور جو اعتماد کریں اللہ پر تو اللہ ان کو کافی ہے یقیناً اللہ جس طرح چاہے اپنا کام پورا کرنے والا ہے اللہ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

(۱۵) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (بقرہ ع)

اے ایمان والو صبر و ثبات اور نماز سے قوت پکڑو یقیناً اللہ صبر و ثبات والوں کے ساتھ ہے۔

(۱۶) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۣ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (آل عمران آخری آیت)

اے ایمان والو صبر کرو اور صبر میں مقابلہ میں بڑھ جاؤ اور جمے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو (یعنی اس کے حکم کی خلاف ورزی

سے بچتے رہو تاکہ تم فلاح یاب ہو جاؤ

(۱۷) اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ (بقرہ)

بیشک وہی لوگ جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے ہجرت کی (یعنی دین کی خاطر اپنے گھر اور اپنے چین و آرام کو چھوڑا) اور اللہ کے راستہ میں جہاد کیا وہی اللہ کی خاص رحمت کی امید کریں۔

اور سورہ صف میں اللہ و رسول پر صحیح طریقہ سے ایمان لانے والوں اور راہ خدا میں جان و مال سے کوشش کرنے والوں کو جنت عطا کرنے کا وعدہ دینے کے بعد ارشاد فرمایا گیا ہے۔

(۱۸) وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ (الصف ع ۲)

اور (دار آخرت کی اس جنت کے علاوہ اور اس سے پہلے اس دنیا میں) ایک دوسری نعمت بھی تم کو عطا ہوگی جس کو تم بہت چاہتے ہو یعنی اللہ کی نصرت و مدد اور (اس کے نتیجہ میں ملنے والی) قریبی فتح اور اے رسول آپ ایمان لانے والوں کو اس کی خوش خبری سنا دیجیے۔

(۱۹) وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُطِیْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَیَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ (التوبۃ ع ۹)

اور ایمان والے اور ایمان والیاں باہم ایک دوسرے کے رفیق ہیں، ان کے اوصاف یہ ہیں حکم کرتے ہیں اچھائی کا اور روکتے ہیں برائی سے اور قائم کرتے ہیں نماز اور اطاعت کرتے ہیں اللہ و رسول کی یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ عنقریب ہی اپنی خاص رحمت فرمائے گا بیشک اللہ پاک زبردست اور حکمت والا ہے

(۲۰) وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ (المائدۃ ع ۸)

اور جو ساتھ دے گا بس اللہ کا اور اللہ کے رسول کا اور ایمان والوں کا تو بس اللہ کی جماعت ہی غالب آنے والی ہے۔

(۲۱) وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ (الصافات ع ۵)

اور بے شک ہمارا لشکر ہی غالب ہونے والا ہے

(۲۲) وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (اعراف ع ۱۲)

اور اگر بستیوں والے ایمان اور تقویٰ کی راہ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔

(۲۳) وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى۔ (هود ع ۱)

اور یہ کہ تمہیں پیغام دیتا ہوں کہ اپنے گناہ معاف کراؤ اپنے رب سے پھر رجوع ہو جاؤ اس کی طرف وہ تم کو خوش عیشی دے گا ایک مقررہ وقت تک۔

(۲۴) وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ۝ (هود ع ۵)

(اور حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم والوں سے کہا اے میری قوم اپنے پروردگار سے اپنے گناہ معاف کراؤ پھر اس کی طرف رجوع کرو وہ تم پر خوب بارش برسا دیگا (جس سے تمہاری بہت سی تکلیفیں اور بہت سی مشکلیں حل ہوں گی اور پیداوار میں زیادتی ہوگی) اور اپنی خاص مدد سے تمہاری قوت میں اضافہ کر دے گا اور دیکھو اس راہ سے نہ پھرو مجرم بن کر۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی قوم اللہ کے فضل و انعام اور اس کی خاص رحمت و نصرت اور اس کی غیبی تائید کی مستحق اس وقت ہوگی جبکہ اس میں یہ اوصاف ہوں ___ حقیقی ایمان۔ اللہ کے دین کی نصرت و خدمت۔ اقامت صلوٰۃ۔ ادائے زکوٰۃ۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ پوری پوری وابستگی۔ انبیاء علیہم السلام کی ہدایت و رہنمائی پر کامل یقین، ان کی تعظیم و توقیر اور ان کی ہدایت کے مطابق مال و دولت کو راہ خدا میں خرچ کرنے کی عادت، اللہ و رسول کی اطاعت، تقویٰ والی زندگی، حسن عمل، اللہ کا خوف و خشیت، استعانت بالصبر والصلوٰۃ۔ دین کے واسطے اپنا گھر اور اپنا چین، آرام اور اپنی مرغوبات و مالوفات کو چھوڑنا، راہ خدا میں جد و جہد کرنا اور جان و مال کی قربانی سے دریغ نہ کرنا، بھلائیوں کو پھیلانے اور برائیوں کو مٹانے کی کوشش کرنا، اللہ و رسول کا ساتھ پکڑ لینا اور بس ان کی طرف اور ان کے زیر فرمان ہو جانا، ان ہی کے سپاہی بن جانا، سابقہ گناہوں سے معافی مانگ کے آئندہ کو اللہ ہی کی طرف رجوع ہو جانا

پس جس قوم اور جس امت میں بحیثیت مجموعی یہ اوصاف موجود ہوں اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ آخرت میں جنت اور نہایت راحت و سرور والی زندگی کے علاوہ اس دنیا میں بھی اس قوم کو عزت کی اور چین و امن کی زندگی اور اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں کامیابی اور برتری عطا ہوگی ___ بہرحال اللہ تعالیٰ کی اس خاص غیبی مدد اور خصوصی عنایت و رحمت کے ظہور کے لئے وہ تعداد میں کمی اور اسباب و وسائل کی کمزوری کے باوجود کسی قوم کو غالب اور بالا تر کر دیتی ہے، اس قوم میں ان مذکورۂ بالا اوصاف کا ہونا ضروری ہے۔

اور ظاہر ہے کہ کسی قوم میں ان اوصاف کے ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ لاکھوں کی تعداد میں مگر دو چار بھی ان اوصاف کے حامل ہوں تو قوم ان اوصاف کی حامل سمجھی جائے گی بلکہ جب تک کسی قوم کی غالب

اکثریت میں اور خصوصاً اس کے نمایاں عناصر اور سربرآوردہ افراد میں اور خاص کر جدوجہد کرنے والے طبقہ میں یہ اوصاف عام نہ ہوں اس وقت تک وہ قوم ان اوصاف والی قوم نہیں سمجھی جائے گی اور اس وجہ سے یہ انعامی وعدے اس کے حق میں پورے نہ ہوں گے اور عزت و شوکت اور غلبہ و حکومت والی موعودہ زندگی اس کو حاصل نہ ہوگی ـــــ ہاں اس کے صالح افراد کو آخرت میں اپنے صلاح و تقویٰ کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا اور اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اس دنیا میں بھی ان کو انفرادی طور پر "حیوٰۃ طیبہ" اور نعمت و رحمت والی زندگی کسی شکل میں عطا فرما دے گا، چاہے دوسرے بے بصیرت اور حقیقت ناشناس لوگ اپنے حیوانی اور سراسر مادی نقطۂ نظر کی وجہ سے "ظاہری فقیری" میں ان کے شاہانہ چین و اطمینان اور روحانی و قلبی راحت و سرور کا اندازہ نہ کر سکیں۔

بہرحال فضل و انعام کے طور پر کسی قوم کو من حیث القوم عزت کا مقام اور امن و چین والی بہتر زندگی اسی وقت عطا ہوتی ہے جب کہ اس قوم کی زندگی مذکورہ بالا ایمانی خصائص کی آئینہ دار ہو۔ قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کی سنت و عادت یہی بتلائی ہے۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝

نیز قرآن مجید ہی سے اللہ تعالیٰ کی اس سنت کا دوسرا پہلو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی قوم اللہ و رسول کو ماننے اور ان کے احکام کو تسلیم کر لینے کے بعد نافرمان ہو جائے یا اپنی خواہش اور مرضی سے دین کے کچھ حصوں پر عمل کرے اور کچھ کو پس پشت ڈال دے تو پھر وہ قہر و غضب کی مستحق ہو جاتی ہے اور اس عدول حکمی اور نافرمانی کی سزا میں اللہ تعالیٰ اپنی بہت سی نعمتیں اس سے چھین لیتا ہے اور طرح طرح کی بلاؤں اور مصیبتوں کو اس پر بھیجتا ہے اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کے دشمنوں سے اسے ذلیل اور پامال کراتا ہے۔ مندرجہ ذیل آیتوں پر غور کیجئے!

(۱) سورہ بقرہ کے دسویں رکوع میں بنی اسرائیل کے ایک گروہ کا یہ حال بیان فرمانے کے بعد کہ ہم نے ان کو یہ احکام دیئے تھے اور انھوں نے ان احکام کو قبول کر لیا اور مان لیا تھا لیکن اس کے بعد اپنی ذاتی خواہش سے انھوں نے فلاں ایک حکم کی تو تعمیل کی مگر اس کے علاوہ دوسرے تمام احکام کے خلاف عمل کیا ـــــ بہرحال اُن کی یہ روداد عمل بیان کرنے کے بعد قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔

(۱) فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

پس جو لوگ تم میں سے ایسا کریں ان کی سزا اس کے سوا کیا ہو کہ ذلت و رسوائی ہو اس دنیوی زندگی میں اور قیامت کے دن دھکیلے جائیں گے نہایت سخت عذاب میں اور اللہ غافل نہیں ہے

(بقرہ ع ۱۰)

تجارت کرتے ہیں اور گروا ... سے۔

(۲) فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (النور ع ۹)

پس جو لوگ خلاف چلتے ہیں اس کے حکم سے انہیں ڈرنا چاہیے کہ آجائے ان پر کوئی بڑی مصیبت یا پہونچے انہیں سخت دکھ والا عذاب [1]

(۳) ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ (انفال ع ۶)

یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نہیں ہے بدلنے والا کسی نعمت کا جو بخشی ہو اس نے کسی قوم کو جب تک کہ نہ بدلیں وہ اپنے ذاتی اعمال۔

(۴) وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ أَعْمٰى (طٰہٰ ع ۷)

اور جو لوگ روگردانی کریں اور بے رخی برتیں میری نصیحت سے تو ان کے واسطے (اس دنیا میں) زندگی ہے تنگی اور بے چینی اور بے اطمینانی کی اور قیامت کے دن اٹھائیں گے ہم ان کو اندھا۔

(۵) وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيٰتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنْتَقِمُونَ (سجدہ ع ۲)

اور کون زیادہ ظالم اور جفا کار ہے اس شخص سے جس کو نصیحت اور یاد دہانی کی گئی اس کے رب کی آیات سے مگر اس نے پھر بھی بے رخی برتی ہم مجرموں سے ضرور انتقام لینے والے ہیں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے اسی دستور اور اس کی اسی سنت کا ذکر کیا گیا ہے کہ جب کوئی قوم اللہ کے بھیجے ہوئے دین حق کو مان لے، اس کے پیغمبروں کے لائے ہوئے احکام تسلیم کر لے اور اس کے بعد عملاً اس کے خلاف چلے (جو موجودہ مسلمانوں کا عام حال ہے) تو مرنے کے بعد عالم آخرت کے سخت عذاب کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس دنیا میں بھی اس کو یہ سزا دی جاتی ہے کہ اس کے دشمنوں سے اس کو ذلیل اور پامال کرایا جاتا ہے اور طرح طرح کی مصیبتیں اور قسم قسم کے فتنے اس پر بھیجے جاتے ہیں اور اس کو جو نعمتیں پہلے ملی ہوتی ہیں [illegible]

---

[1] اس کے بعد متصل یہ آیت ہے أَلَا إِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ وَيَوْمَ يُرْجَعُونَ إِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ اس کے خط کشیدہ ٹکڑے سے صاف ظاہر ہے کہ اوپر والی آیت میں جس "فتنہ" اور "عذاب الیم" کا ذکر ہے اس سے مراد دنیوی عذاب اور دنیا میں آنے والے مصائب ہیں ۱۲

طرزِ زندگی کے بجائے غیر ایمانی طریقۂ زندگی اختیار کر لینے کے جرم میں) وہ نعمتیں اس سے چھین لی جاتی ہیں ـــــ اللہ کی ہدایت و نصیحت سے روگردانی اور اس کی ناقدری کی پاداش میں زندگی کی راہیں اس پر تنگ کر دی جاتی ہیں اور پھر بے چینی اور بے اطمینانی کے حالات اس پر مسلط کر دیئے جاتے ہیں ـــــ اور جب کسی قوم کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ اللہ کی باتوں اور اللہ کے احکام کو بار بار یاد دلانے کے باوجود وہ ان سے اثر نہیں لیتی بلکہ بے رخی ہی برتتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی انتقامی شان کا ظہور ہوتا ہے اور پھر اس مجرم قوم کو اس کی خدا فراموشی کا مزہ چکھایا جاتا ہے۔

نیز قرآن مجید ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ عذاب ابتداءً اس لئے ہوتا ہے اور یہ مصائب اس واسطے بھیجے جاتے ہیں کہ غافل اور بدمست قوم ہوش میں آئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع و انابت اور توبہ و استغفار کر کے اللہ کو راضی کرنے والی زندگی اختیار کرے۔ سورہ سجدہ کی جو آیت (اوپر نمبر (۵) پر) نقل کی گئی ہے اس سے پہلی ہی آیت میں ہے۔

وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (السجدہ ع ۲)

اور ہم آخرت کے بڑے عذاب کے علاوہ اور اس سے پہلے ضرور ان کو چکھائیں گے اس سے کم درجہ کا عذاب (اس دنیا ہی میں) شاید کہ وہ باز آجائیں

نیز سورۂ روم کی ایک آیت میں بھی خدا فراموشی اور بدکرداری کی سزا میں آنے والی بلاؤں کا یہی مقصد بیان فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے :-

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِى النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِىْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝

پھیل گیا فساد خشکی اور تری میں آدمیوں کی بداعمالیوں سے تاکہ چکھائے انھیں ان کی بعض بداعمالیوں کی سزا شاید وہ باز آجائیں۔

پھر قرآن مجید ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان عتابی کارروائیوں کے ظہور سے بھی قوم میں رجوع و انابت نہ پیدا ہو، اور وہ شیطانی اعمال اور غیر ایمانی طور طریقوں کو چھوڑ کر ایمان و اطاعت والی زندگی اختیار نہ کرے تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایسی بدنصیب قوم کو بالآخر ہلاک و برباد کر دیا جاتا ہے اور صفحۂ ہستی کو اس کے وجود سے پاک کر دیا جاتا ہے۔ سورہ انعام میں ایسی ہی غافل و بدمست پہلے والی بعض قوموں اور بلائیں اور مصیبتیں آنے پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہ ہونے والی امتوں کی بربادی و تباہی کی داستان اس طرح بیان فرمائی گئی ہے۔

فَلَوْلَا اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا

پس جب آئی ان پر ہماری طرف سے سختی تو وہ کیوں

وَلٰكِن قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ ۝ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

(الانعام ع ۵)

نہ گڑگڑائے (اور کیوں انھوں نے رجوع و انابت کی راہ اختیار نہ کی) ولیکن سخت ہو گئے ان کے دل اور شیطان نے ان کی بداعمالیوں کو ان کی نظروں میں اچھا کر کے دکھلایا۔ پھر جب وہ (اپنی بدمستی اور طغیانی میں) بھول گئے ان نصیحتوں کو جو انہیں کی گئی تھیں تو ایک دفعہ کھول دیئے ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے یہاں تک کہ جب وہ خوب اترائے ان چیزوں پر جو انھیں دی گئی تھیں (اور ان کی غفلت و بدمستی حد کو پہنچ گئی) تو ہم نے دفعۃً انھیں اپنی سخت گرفت میں لے لیا تو وہ بالکل حیرت زدہ درماندہ ہو کے رہ گئے پھر اس عذاب سے اس ظالم قوم کی جڑ کٹ گئی اور وہ نیست و نابود کر دی گئی اور حمد ہو اللہ رب العالمین کے لئے۔

الغرض قوموں کے عروج و زوال، ان کی خوشحالی و بدحالی اور ان کی بقاء و فنا کے متعلق یہ ہے انبیاء علیہم السلام کا لایا ہوا خاص فلسفہ اور قرآن مجید کا بتلایا ہوا خاص راز کہ جب کوئی قوم ایمان و اطاعت والی زندگی اختیار کر لیتی ہے جو اللہ کو محبوب ہے تو وہ قوم اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت و عنایت کی مستحق ہو جاتی ہے اور پھر حق تعالیٰ اس دنیا میں بھی اس کی خاص نصرت فرماتے ہیں جس کی وجہ سے اس کو عزت و وقار والی زندگی حاصل ہوتی ہے اور اس کے دشمن و بدخواہ اس کے مقابلہ میں زیر ہوتے ہیں ——— لیکن پھر یہی امت اگر خدا فراموش ہو جائے اور نافرمانی کی زندگی اختیار کرے تو پھر اللہ تعالیٰ کا رویہ بھی اس کے ساتھ بدل جاتا ہے، اس کو طرح طرح کی مصیبتوں اور پریشانیوں میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ دشمنوں کے مقابلہ میں اس کی کوئی مدد نہیں کی جاتی، وہ ذلیل ہوتی ہے اور ٹھوکریں کھاتی ہے ——— پھر اگر ان آفتوں اور ذلتوں سے بھی وہ سبق نہ لے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع و انابت نہ کرے اور خدا فراموشی اور بدمستی ہی کی راہ پر چلتی رہے تو پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ بالکل تباہ و برباد کر دی جاتی ہے اور اس کی جڑ تک کاٹ دی جاتی ہے۔

---

افسوس کہ انبیاء علیہم السلام کی ہدایات سے ہماری دوری اور قرآنی تعلیمات سے ہماری بیگانگی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ نہایت عجیب اور بالکل غیر قومی واقعات اور جیسے بڑے مصائب و ابتلاآت

کے وقت بھی ہم کو انبیاء علیہم السلام کا یہ سبق یاد نہیں آتا اور اپنے قومی مسائل پر کبھی ہم اس روشنی میں غور نہیں کرتے ـــــ اس وقت بھی جب کہ یہ سطریں سپرد قلم کی جا رہی ہیں ہماری قوم کے سامنے نہایت اہم اور دور رس مسائل ہیں جن سے عہدہ برآ ہونا مشکل نظر آ رہا ہے اور بڑے سخت خطرات کے سرخ و سیاہ بادل سر پر منڈلاتے نظر آ رہے ہیں (اور بعض صوبوں میں یہ خطرات خونی واقعات بن کر بھی ظاہر ہو چکے ہیں۔ اور ہماری قوم کے تمام طبقے ان حالات سے متاثر اور سخت متفکر بھی ہیں لیکن اللہ سے دوری اور دل و دماغ کی گمراہی کا یہ عالم ہے کہ خالص مادہ پرست اور خدا ناآشنا قوموں کی طرح وہ تدبیریں تو سب کی جا رہی ہیں جو ہمارے مادہ پرست دماغوں میں آ رہی ہیں اور جو عصر حاضر کی ملحد قوموں سے ہم نے سیکھی ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام نے ایسے حالات کے لئے جو کچھ بتلایا تھا ہماری قومی مجلسوں میں کبھی بھولے سے بھی اس کا تذکرہ نہیں آتا گویا کہ ایسے اہم معاملات کے متعلق اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب نے ہم کو کچھ بتلایا ہی نہیں ہے یا (معاذ اللہ) ہماری دانائی اور سیاسی مہارت اتنی ترقی کر چکی ہے کہ اس دائرہ میں ہمیں ان سے رہنمائی حاصل کرنے کی حاجت ہی نہیں رہی۔

موجودہ مسلمان قوم میں اگر کچھ لوگ گمراہی کے اس درجہ تک پہنچ چکے ہوں تو ان سے تو شکایت کچھ کرنا نہیں ہے لیکن ہزار غفلتوں کے باوجود ہماری قوم کا سواد اعظم یقیناً اتنا گمراہ اور اللہ و رسول سے اس قدر دور نہیں ہوا ہے۔ اسی نیک گمانی کی بنیاد پر اس سے عرض کرتا ہے کہ اپنے قومی معاملات و مسائل میں آخر ہم کب تک اللہ و رسول کی ہدایت سے غافل و بے پروا رہیں گے اور قرآن مجید کی روشنی میں سمجھنے سے ہم کب تک گریز کرتے رہیں گے؟ اور کیا بظاہر حالات اس کا کوئی بھی امکان ہے کہ اپنے موجودہ مادہ پرستانہ رویہ سے کبھی ہم ان مشکلات پر قابو پا سکیں گے اور اپنے مسائل کو اپنی منشا کے مطابق طے کرا لینے میں کامیاب ہو جائیں گے؟ ـــ کیا آپ اس بدیہی حقیقت سے بھی ناواقف ہیں کہ صرف ظاہری اسباب و تدابیر اور مادی کوششوں کے ذریعہ کامیابی حاصل کرنے کا امکان جب ہی ہوتا ہے کہ مادی اسباب و وسائل میں بالاتری یا کم از کم برابری حاصل ہو اور ظاہر ہے کہ مسلمانان ہند (بالخصوص اقلیت والے صوبوں کے مسلمان) کو یہ پوزیشن حاصل نہیں ہے وہ تعداد میں بھی بہت کم ہیں اور دولت و صنعت اور تنظیم و تعلیم وغیرہ کے لحاظ سے بھی نہایت پسماندہ ہیں اس لئے اگر صرف ظاہری تدابیر اور مادی کوششوں ہی پر انحصار رہا (جو آج تک ہماری قومی پالیسی ہے) تو ظاہر ہے کہ انجام دائمی ذلت و ناکامی کے سوا کچھ بھی نہ ہوگا پس ہماری موجودہ مشکلات کا بھی کوئی حل اس کے سوا نہیں ہے کہ ہم دین کو مقصد حیات اور نجات آخرت کو اصل

مطمح نظر بنا کے قرآن مجید اور اسوۂ نبوی کی رہنمائی میں اپنی قومی پالیسی از سرِ نو مرتب کریں۔

اس سلسلہ میں سب سے اہم اور اولین فریضہ ہمارا یہ ہوگا کہ موجودہ مسلمان قوم میں وسیع پیمانہ پر دین و ایمان والی زندگی اور وہ اوصاف پیدا کرنے کی کوشش کریں جن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص عنایت و رحمت اور غیبی تائید و نصرت کا وعدہ ہے ـــــ اس کے بعد نہ صرف یہ کہ اللہ کی مدد سے موجودہ مصائب و ابتلاآت اور مستقبل کے خطرات ہی سے نجات پا سکیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کی سنت اور اس کے کھلے کھلے وعدوں پر ایمان رکھتے ہوئے ہمیں یقین کرنا چاہیئے کہ پھر ہم ہی بالاتر کردیئے جائیں گے اور تاریخ کا ورق ایک دم الٹے گا اور اس کی تکمیل کے لئے اس عالم اسباب میں جن اسباب و وسائل کی ضرورت ہوگی اللہ تعالیٰ دیکھتے ہی دیکھتے اپنی خاص قدرت سے ان سب کو ہمارے لئے مہیا فرما دیگا جیسا کہ اپنے ایمان والے بندوں کے ساتھ اس دنیا میں بارہا وہ یہ معاملہ کر چکا ہے۔

ہماری اس گزارش سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہونا چاہیئے کہ ہمارے نزدیک دین کا اصل مقصد اس قسم کی دنیوی مشکلات و مصائب سے نجات حاصل کرنا اور اس حیاتِ دنیا میں عزت و وقار والی زندگی تک پہنچنا ہے اور ہم انہیں مقاصد کے حصول کے واسطے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع و انابت اور دین کی طرف رجعت کا مشورہ مسلمانوں کو دے رہے ہیں۔ حاشا وکلّا!

ہمارا ایمان ہے کہ دین کا اصل موضوع اور اولین مقصد اپنے خالق و مالک کی رضا جوئی اور مرنے کے بعد عالم آخرت میں نجات و فلاح حاصل کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع و انابت اور اس کی عبادت و اطاعت اور قوم میں اصلاحی کوشش اور دینی زندگی پیدا کرنے کی جد و جہد یہ سارے کام خالصاً لوجہ اللہ اور صرف اس لئے اور اسی نیت سے ہونے چاہئیں کہ مرنے کے بعد والی اس ابدی زندگی میں جو کبھی ختم نہ ہوگی اللہ کے عذاب سے ہم بچ سکیں اور اس کی رضا اور مغفرت و رحمت کے مستحق ہو سکیں ـــــ بہرحال دینی زندگی اور دینی دعوت کا اصل موضوع و مقصد یہی ہے اور یہی ہونا بھی چاہیئے اور بلاشبہ انبیاء علیہم السلام نے نجاتِ اُخروی ہی کے مسئلہ کو انسانیت کا سب سے اہم مسئلہ قرار دیا ہے اور اسی کو ان بزرگواروں نے دینی دعوت کی بنیاد بنایا ہے لیکن اسی کے ساتھ انھوں نے یہ بھی بتلایا ہے کہ جو قوم اللہ کی رضا جوئی اور نجاتِ اُخروی کی فکر میں یہ دینی زندگی اختیار کرے گی تو اللہ تعالیٰ اس کو بخشش اور انعام کے طور پر آخرت کے طفیل میں اس دنیا میں بھی "حیاتِ طیبہ" یعنی عزت اور چین والی زندگی عطا فرمائیں گے اور پردۂ غیب سے اس کی مشکلات حل فرماتے رہیں گے اور اس کے دشمنوں اور بدخواہوں کے مقابلہ میں اس کی نصرت و حمایت ہوتی رہے گی۔

پس ہم اپنی قوم کو اس کی موجودہ مشکلات و مصائب سے نجات حاصل کرنے اور حیات طیبہ اور عزت و وقار کے مقام تک پہنچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع و انابت اور دین کی طرف بازگشت کی جو دعوت دے رہے ہیں اس کی حیثیت صرف یہی ہے اور ہم واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ دینی زندگی اور دینی دعوت میں دینی ہونے کی شان اسی وقت ہے جب کہ اس سے اصل غرض اللہ کی رضا جوئی اور نجات و فلاح اخروی ہو، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت و نصرت کا وعدہ بھی اسی شرط کے ساتھ مشروط ہے ورنہ اگر کوئی قوم اور کوئی جماعت دنیوی فلاح و ترقی اور اس حیات دنیا ہی میں عزت و برتری حاصل کرنے کے لئے اسلامی طور طریقوں کو اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں ایسے لوگ سخت مجرم ہیں جو دنیا ہی کو اصل مطمح نظر بنائیں یا آخرت کے مقابلہ میں اس کی زیادہ فکر کریں

كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ ۝ (القیامة ع ۱) — بس تم لوگ دنیا کو چاہتے ہو اور آخرت کو چھوڑے ہوئے ہو۔

بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ (الاعلیٰ) — بلکہ تم دنیوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو حالانکہ آخرت اس سے بدرجہا بہتر اور زیادہ باقی رہنے والی ہے۔

پس ہماری دینی دعوت کا پہلا مطالبہ اپنی مسلمان قوم سے یہ ہے کہ دنیا کی خدا نا آشنا، عقبیٰ فراموش اور دنیا پرست قوموں کی طرح صرف اس دنیا میں عزت و چین کی زندگی اور علو و بالاتری کا مقام حاصل کرنے کو جس طرح اس نے اپنا اصل مطمح نظر بنا لیا ہے اور تمام ترقومی و سیاسی مساعی کا نصب العین قرار دے لیا ہے اور صرف دنیوی مفادات پر دوسروں سے لڑنے جھگڑنے کی جو پالیسی اس نے اختیار کر رکھی ہے وہ اس کی شان ایمان و اسلام کے قطعاً منافی ہے لہٰذا جلد سے جلد وہ اس سے دست بردار ہو جائے اور خالص دنیا پرستی کے اس محاذ سے ہٹ کر انبیاء علیہم السلام کی دعوت و تعلیم کے مطابق رضائے الٰہی اور فلاح اخروی کو اپنا اصل مقصود و نصب العین بنائے اور اس کے حصول کے لئے اللہ کی عبدیت اور ایمانی اطاعت والی زندگی اختیار کرے اور اسی زندگی کی داعی اور پیامبر بن کر کل انسانیت کی ہمدردی و خیر خواہی کے صادق جذبہ کے ساتھ وہ اقوام عالم کے سامنے آئے اور پھر دیکھے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کیسی مدد کرتا ہے۔ (الفرقان جمادی الاولیٰ ۱۳۶۶ھ)

عطریات کی دنیا میں سب سے بہتر اور ممتاز
دو انمول تحفے!
عطر کوثر ®
MAJMUA
KAUSAR PERFUMERS
KAUSAR
PERFUME
عطر مجموعہ
جو فرحت بخش اور دیرپا خوشبو کے لئے مشہور ہیں
بھینی بھینی اور میٹھی خوشبو والے
ہر قسم کے خالص دیسی عطریات اور پھولوں
کی طرح مہکتے ہوئے ولایتی سینٹ
ملنے کا واحد مرکز
(ہول سیل اور ریٹیل)
کوثر پرفیومرس
جامع مسجد کے نیچے بمبئی ۳

# مستند تفاسیر و علوم قرآنی

# داعی الی اللہ کی علالت اور وفات

## مکتوب بنام مولانا عبدالماجد دریابادی

(از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

چار پانچ روز ہوئے دہلی سے آیا ہوں، مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات میرے زمانۂ قیام میں ہوئی ۲۰، ۲۲ روز ان کی خدمت میں رہنے کی سعادت حاصل ہوئی، آنکھوں نے ان دنوں میں جو کچھ دیکھا یعنی ثبات، استقامت تعلق باللہ اور کام کے انہماک و استغراق کے جو مناظر نظر کے سامنے آئے ان کی نظیریں میرے محدود علم میں بزرگانِ سلف کے سوانح و حالات میں بھی وفور و کثرت کے ساتھ نہیں ملیں گی، اس آٹھ مہینے کی علالت میں جس میں ضعف اس حد کو پہنچ گیا تھا کہ چارپائی پر حرکت کرنا دشوار تھی، لبوں پر کان رکھ کر اکثر آواز سننی پڑتی تھی، شاید دو چار وقت کی نمازیں وہ بھی شدت غفلت کی حالت میں جماعت کے بغیر پڑھی ہوں گی۔ آخر مئی یا جون کے اوائل تک تو پانچوں وقت یہ دیکھنے میں آتا تھا کہ مولانا خود چارپائی سے اتر نہیں سکتے تھے، نہ خود کھڑے ہو سکتے تھے، دو آدمی پکڑ کر صف میں کھڑا کر دیتے تھے۔ اٹھنے بیٹھنے کی طاقت نہیں تھی، مگر جہاں امام نے اللہ اکبر کہا پھر خدا جانے کہاں کی طاقت آجاتی کہ بغیر کسی سہارے کے خود رکوع، سجود و قیام کرتے اور پوری نماز امام کی اقتدا میں ادا کرتے۔ جہاں امام نے سلام پھیرا پھر وہ طاقت خدا جانے کہاں چلی جاتی کہ خود کھڑے نہیں ہو سکتے تھے، آدمی پکڑ کر چارپائی تک لاتے۔ سنتیں دوسرے شخص کی امداد اور سہارے سے ادا کرتے لیکن وتر (جو واجب ہے) پھر بغیر کسی امداد و سہارے کے از خود ادا کرتے سینکڑوں آدمی پانچوں وقت یہ عجیب و غریب منظر دیکھتے۔ جب کھڑے ہونے سے بالکل معذوری ہو گئی اور اطباء و علماء نے متفقہ طور پر کھڑے ہونے سے منع کر دیا تو کچھ عرصہ تک بیٹھ کر نماز پڑھتے رہے، آخر دنوں میں تقریباً ایک مہینے اطباء اور علماء نے بیٹھ کر نماز پڑھنے سے بھی روک دیا تو لیٹے لیٹے جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے۔ لیٹے ہی لیٹے بڑے اہتمام سے وضو کرتے، ایک ایک سنت اور مستحب کا التزام کرتے۔ اس عرصہ میں مجھے نہیں معلوم کہ کسی چھوٹی سے چھوٹی سنت کو ترک فرمایا ہو، تندرستی میں بھی میں نے بہت کم لوگوں کو سنن و مستحبات کا اتنا اہتمام کرتے ہوئے دیکھا ہے جتنا مولانا کو اس شدید علالت اور اس انتہائی ضعف میں کرتے ہوئے پایا۔ وفات کے

دو چار روز پہلے مولانا ظفر احمد صاحب اور دوسرے علماء کے فتوے پر تبسم فرمایا، مگر وہ بھی اس نیت کے ساتھ کہ یہ اللہ کی نعمت اور بخشی ہوئی ایک رخصت ہے جس کو قبول کرنا چاہیے۔ اسمیں بھی وہی اہتمام تھا جو وضو میں۔

کام کے انہماک و شغف کا یہ حال تھا کہ اس طویل زمانہ علالت کا ایک لمحہ بھی اپنی طرف سے ضائع نہیں کیا۔ دن رات میں ۴۔۴، ۵۔۵ مرتبہ طلب فرماتے اور شدید تکلیف کی حالت میں، بخار کی شدت میں اور آخر میں نمونیہ کی حالت میں کہ آواز اور زبان میں رعشہ پیدا ہو گیا تھا ایک ایک لفظ ۳۔۴ مرتبہ بدقت ادا ہوتا، لوگوں کے نام برابر پیغام دیتے رہے، ضروری باتیں فرماتے رہے اور بستر مرگ پر پڑے ہوئے آخر وقت تک پورے کام کی جو بہت دور تک پھیلا ہوا تھا نگرانی فرماتے رہے، جزئیات تک کے متعلق ہدایات دیتے رہے، زائرین و معتقدین کا مجمع روز افزوں تھا، ایک ایک وقت میں ۳۰۔۴۰۰ آدمی وہیں پڑے رہتے، وہیں کھانا کھلاتے، سب کے مناسب حال ضروری پیغام دیتے، ایک لمحہ کے لیے گوارا نہ تھا کہ لوگ معطل بیٹھیں یا محض مزاج پرسی کر کے چلے جائیں، انکو ذکر و علم و تبلیغ میں مشغول رہنے کی تاکید فرماتے، اور خود لیٹے لیٹے اس کی نگرانی کرتے، اس کے روادار نہ تھے کہ کوئی مخلص محض جسمانی آرام پہونچانیوالی اعانت کرنے اور ذاتی خدمت پر اکتفا کرے، کسی ایسے شخص سے جسمانی خدمت لینے سے صاف انکار فرما دیتے اور سخت تکدر کا اظہار فرماتے جو دین کی خدمت اور عملی کام میں مشغول نہیں، اس کو اپنے سامنے سے ہٹا دیتے کہ "مجھے تکلیف ہوتی ہے۔" پھر جب وہ اس کا عہد کرتا کہ دین کی خدمت میں عملی حصہ لے گا (اور مولانا کے طرز تعبیر کے مطابق) انبیاء علیہ السلام کے اس طریق ذکر و علم اور نصرت دین کے لیے (جو عام طور پر تبلیغ کے لفظ سے مشہور ہو گیا ہے) اپنے مشاغل سے وقت نکالے گا تو باغ باغ ہو جاتے، اس کو سینہ سے لگا لیتے، اس کے ہاتھ چومتے، دعائیں دیتے۔ اگر کبھی تیماردار دن نے مولانا کے ضعف اور بخار کی شدت کی رعایت کی تو سخت خفگی کا اظہار فرمایا، اور فرمایا کہ تم نے مجھ دین پر کیوں مقدم کیا، میرے ضعف و تعب کا کیوں لحاظ کیا۔

اس ظاہری انہماک و مشغولیت کے ساتھ اللہ کے ساتھ مشغولی برابر بڑھتی جا رہی تھی، روحانی کیفیات اور قلبی قوت بڑی ترقی پر تھی، اور اسمیں اس قدر تیزی اور قوت تھی کہ اس کا تحمل اور رفقاء کا ساتھ چلنا مشکل ہو گیا تھا۔ آخر وقت جتنا قریب آتا جاتا تھا "یدخلون فی دین اللہ افواجا" کی کیفیت بڑھتی جا رہی تھی، علماء، مشائخ اور امت کے ہر طبقہ کے لوگ کشاں کشاں چلے آ رہے تھے، وفود کی کثرت، مخلصین کے ہجوم اور تبلیغی جماعتوں اور قافلوں کی آمد کی وجہ سے کہیں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی، دہلی کی زمین تو گویا ایک حرکت اور مسلسل جنبش میں تھی، سینکڑوں اللہ کے بندے جو اپنی کوٹھیوں میں مسہریوں پر آرام کرتے ہیں بے تکلف فرش زمین پر سر کے نیچے کپڑا رکھ کر رات گزار دیتے اور

دیکھنے والا ہرگز اندازہ نہ کرسکتا کہ ان میں کتنے لکھ پتی تاجر اور کیسے کیسے آسودہ و ناز پروردہ اشخاص ہیں۔ پہلے پہر یہ مسجد اور اقامت خانہ ذکر و تلاوتِ قرآن سے گونجنے لگتا۔ دن کو حدیث اور دینی کتابوں کے مذاکرات اور درس کے حلقے ہوتے۔ شام کو تبلیغی گشت اور رات کو ذکر و نوافل۔ یہ مناظر عمر بھر کہیں دیکھنے میں نہیں آئے۔

"یدخلون فی دین اللہ افواجا" کی کیفیت جس قدر بڑھتی جاتی "فسبح بحمد ربک واستغفرہ" کا ظہور بھی اسی قدر نمایاں ہوتا چلا جاتا تھا۔ دیارِ حبیب کا اشتیاق بہت بڑھ گیا تھا اور حضرت عمرؓ کی یہ دعا ورد زبان تھی اللّٰھم ارزقنی الشہادۃ فی سبیلک واجعل موتی فی بلد رسولک۔ جمعرات کو برابر دریافت فرماتے رہتے۔ جمعرات کی رات کو فرمایا "کیا کل جمعرات ہے؟" لوگوں نے کہا جی ہاں! فرمایا میرے کپڑے اور بستر اچھی طرح دیکھ لو کوئی نجاست تو نہیں ہے۔ لوگوں نے دیکھ کر اطمینان دلایا۔ فرمایا میرا جی چاہتا ہے آج زمین پر اتر کر نماز پڑھوں۔ تیمارداروں نے منع کیا۔ سنت کے مطابق سرمہ لگایا۔ یہ دعا خاص طور پر پڑھتے رہے اللّٰھم انّ مغفرتک اوسع من ذنوبی ورحمتک ارجی عندی من عملی۔ رات کو اللہ اکبر کی آواز بار بار آتی رہی۔ پچھلے پہر صاحبزادہ مولانا محمد یوسف صاحب کو یاد فرمایا اور کہا "یوسف مل لو ہم تو چلے" حاضرین سے فرمایا "دوستو مل لو، ہم تو چل دیے۔" فجر کی اذان سنی۔ پھر پورے ہوش و حواس کے ساتھ قبلہ کی طرف کروٹ بدل کر لیٹ گئے، اور جان جانِ آفریں کے سپرد کی۔ اِنا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

مصحف بکف و پا بہ رہ و دیدہ بدوست
بہر پیک اجل خندہ زناں بیروں رفت

جنازہ میں بے حد ہجوم تھا، لوگوں کا اندازہ ۲۰۔۲۵ ہزار کے مجمع کا ہے۔ شہر میں عام طور پر مسلمانوں کی دوکانیں بند ہوگئیں، لوگ دفن میں شرکت کے لیے رسیاں ڈال ڈال کر مسجد میں داخل ہوئے۔ ٹوپیوں میں مٹی بھر بھر کر لوگ چھتوں اور دیواروں پر چڑھے ہوئے تھے کہ مٹی ڈال سکیں۔ مسجد کے صحن کے باہر جنوبی و مشرقی گوشے میں اپنے والد اور برادر معظم کے پہلو میں دفن ہوئے۔ یہ ۱۳ جولائی کا واقعہ ہے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت و تحریک کیا تھی اور کس چیز کے درد میں شمع کی طرح ساری عمر پگھلتے رہے؟ اس کا تفصیلی جواب ذرا طویل فرصت کا محتاج ہے

کچھ کہہ سنائیں گے جو طبیعت سنبھل گئی

چند مہینے پیشتر "الفرقان" میں خاکسار راقم کا ایک مبسوط مضمون "مسلمانوں کی عمومی تعلیم و تربیت" کے عنوان سے شائع ہوا ہے جو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی نظر مبارک سے گذر چکا ہے اور اس کی خود اصلاح و تصحیح فرمائی تھی نیز تازہ الفرقان میں محب محترم مولانا محمد منظور صاحب نعمانی

کے قلم سے ایک توضیحی مقالہ بعنوان "نصرت دین کی ایک کوشش" شائع ہوا ہے۔ ان دونوں مضامین سے اس تحریک کے پیغام کو سمجھنے میں انشاء اللہ بڑی مدد ملے گی۔ باقی مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مفصل حالات زندگی بھی زیر تحریر ہیں۔ انشاء اللہ عنقریب شائع ہوں گے۔

البتہ بڑے درد کے ساتھ اس کا شکوہ کر کے اپنے غمزدہ دل کا بوجھ ہلکا کرنا ہے کہ مولانا کی تحریک و دعوت پر اس علمی سنجیدگی کے ساتھ غور اور اس کا مطالعہ نہیں کیا گیا جس کی وہ مستحق تھی۔ لوگوں نے عام طور پر ایک سطحی نظر سے دیکھ کر اور زیادہ کیا تو اسے سُن کر ہی اس کے متعلق سرسری رائے قائم کی۔ کسی نے اس کو میوات کی ایک مقامی تحریک سمجھا، کسی نے اس کو دینی حلقہ کی دینی اصلاح و تبلیغ تصور کیا۔ غرض جیسا کہ جناب نے سیرت احمد شہید کے پیش لفظ میں مولانا روم کا شعر لکھا ہے۔

ہر کسے از ظن خود شد یار من　　　　وز درون من نہ جست اسرار من

اس عریضہ کو جو اندازہ سے زیادہ طویل ہو گیا اقبال مرحوم کی اس رباعی پر ختم کرتا ہوں جو جانے والے کے حسب حال ہے

چو رخت خویش بر بستیم ازیں دیر　　　　ہمہ گفتند با ما آشنا بود
ولیکن کس ندانست ایں مسافر　　　　چہ گفت و با کہ گفت و از کجا بود

(الفرقان رجب و شعبان ۱۳۶۳ھ)

---

# اپنے محترم خریداروں سے

الفرقان کے اکثر خریدار حضرات دفتر سے رابطہ قائم کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ دینا بھول جاتے ہیں جس سے ضروری اندراجات اور تعمیل میں بیحد دشواری ہوتی ہے۔ براہ کرم خط و کتابت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا نمبر خریداری (جو پتہ کی چٹ پر لکھا رہتا ہے) ضرور لکھ دیا کیجئے تاکہ طرفین زحمت سے محفوظ رہیں۔

جواب طلب امور کے لیے جوابی کارڈ یا ۱۵ پیسے کے ڈاک ٹکٹ ضرور ارسال کیجئے بصورت دیگر تعمیل ممکن نہ ہو گی۔

# بقیہ "ایک حادثہ"

کیفیت بہت کرب واذیت کی تھی۔ بائیں ٹانگ پر اوپر سے نیچے تک پٹی بندھی ہوئی اور ایک طرف سامنے پاؤں میں، دوسری طرف کروٹ کو، ران میں کئی کئی سیر وزن لٹکا ہوا، ایک تخت پر لیٹے ہوئے تھے۔ زندگی پر شکر کے ساتھ، اس کیفیت پر بے اختیار دل بھی بھر آیا۔ مگر موقع ضبط کا تھا، کسی بھی طرح اپنے اوپر قابو رکھا۔

چند ہی منٹ میں اطلاع پاکر دارالعلوم کے دوسرے نائب مہتمم مولانا نصیر احمد خاں صاحب اور پھر جناب مولانا معراج الحق صاحب بھی تشریف لے آئے۔ معلوم ہوا کہ صرف کولھے میں چوٹ ہے۔ اور گو صدمہ اتنا سخت پہنچا کہ بیہوشی ہوگئی تھی مگر بحمداللہ کولھے کی اصل ہڈی میں کوئی ٹوٹ پھوٹ نہیں ہوئی، وہ صرف ذرا اوپر کو چڑھ گئی ہے اور اس کے ٹکراؤ سے اوپر کی ایک آدھ پتلی ہڈی میں کچھ اثر ہوا ہے۔ ایکسرے اور اس کی رپورٹ بھی موجود تھی۔ بار بار خدا کا شکر کیا۔

مظفر نگر کے ڈاکٹر ایس یو خان نے ٹانگ کی بندش کی تھی، اور اللہ جزائے خیر دے ایسے خلوص وعقیدت سے کہ دیوبند آکر بھی کوئی فیس کسی طرح قبول نہیں کی۔ اُن کی اجازت سے لکھنؤ لے چلنے کا فیصلہ کیا۔ دیوبند سے سہارنپور تک جیپ میں چارپائی پہ لٹاکر اور سہارنپور سے لکھنؤ تک دہرہ ایکسپریس کی فرسٹ کلاس برتھ پہ لٹائے ہوئے ۲۸ رکی صبح کو ہم لوگ خدا کے کرم سے بخیریت لکھنؤ پہنچے۔

مجھ سے چھوٹے بھائی حفیظ الرحمٰن نے اپنے محب خاص اور ہم سب کے کرم فرما ڈاکٹر غلام الثقلین صاحب ڈپٹی چیف میڈیکل آفیسر لکھنؤ کی اعانت سے یہاں کے بلرام پور اسپتال میں داخلہ کا انتظام پہلے سے کر رکھا تھا۔ موصوف اسٹیشن پر بھی دوسرے محبین ومخلصین کیساتھ موجود تھے، اللہ بڑی ترقیاں انھیں عطا فرمائے۔ اسپتال کی ایمبولینس میں اسٹیشن ہی سے سیدھے اسپتال پہنچے۔ ڈاکٹروں نے آن کی آن میں ایمبولینس کار ہی پر آکے والد ماجد کو دیکھا اور اسپیشل وارڈ کے کمرہ ۱۵ میں پہنچا دیئے گئے۔ ڈاکٹر جی، ایم گرگ صاحب معالج خاص ہوئے، اور الحمدللہ آج ۱۰ رجون کو، جبکہ یہ سطریں لکھی جارہی ہیں، بیٹھ کر نماز پڑھنے کے قابل ہو چکے ہیں۔ ٹانگ کی پٹی اور وزن وغیرہ جو مظفر نگر کی تجویز کے مطابق برقرار رہا تھا، جمعہ ۷ رجون کو ایکسرے کے بعد یکسر ہٹا دیا گیا۔ اب صرف ٹانگ کی ورزش کرائی جارہی ہے، اور بحمداللہ بہتری کے تمام آثار روز افزوں نمایاں ہیں۔ خدا نے چاہا تو ایک ہفتہ کے اندر اسپتال سے گھر آنے کی اجازت مل جائے گی۔

ناظرین سے بصد منت التجا ہے کہ ایسی کامل صحت کیلئے دعا فرمائیں۔ کہ کوئی اثر چوٹ کا باقی نہ رہ جائے۔ وَاللہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر

---

یہ کالم آج ۲۰ جون کو چھپنے جارہی ہے اس وقت تک قیام اسپتال ہی میں ہے ۱۹ جون سے تھوڑا تھوڑا چلنا بھی شروع ہو گیا ہے ۲-۳ دن میں مکان آجانے کی امید کی جاتی ہے۔ ع

جب کبھی کسی عمارت یا مکان کے انہدام
کا مسئلہ درپیش ہو!

تو

ہمیں یاد فرمایئے
آپ کی خدمت کیلئے ہمہ وقت حاضر

بلڈنگ ڈیمالیشن کنٹریکٹرس
۶- کلب روڈ
بمبئی ۸

# علم حدیث اور فقہ پر اہم اور مستند کتابیں

**صحیح بخاری** ۷۲۷۵ احادیث نبوی کا بیش بہا خزانہ دو جلدوں میں با ترجمہ مع ضروری فوائد جو گذشتہ پچاس سال سے اہل علم میں مقبول اور مستند ہے۔
ترجمہ اردو مع عربی متن مکمل سٹ ۶۰/-
مکمل اردو ترجمہ قیمت کامل سٹ ۵۰/-

**تفہیم البخاری** سات ہزار احادیث کا مستند اور سلیس ترجمہ۔ اطمینان بخش ترجمانی اور عام فہم تشریح کے ساتھ مطالب حدیث و معارف نبوی کا شاندار گلدستہ قیمت مکمل ۱۰۰/-

**ایضاح البخاری** احادیث کی سب سے مستند کتاب (بخاری شریف) کی اردو شرح۔ افادات حضرت مولانا فخر الدین صاحب (شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند) ۱۳ حصے طبع ہو چکے ہیں۔ قیمت فی حصہ ۲/۲۵

**صحیح مسلم مکمل** امام مسلم کی جمع کردہ بارہ ہزار احادیث نبوی کا قابل قدر بیش بہا مجموعہ۔ اصل عربی مع مقابل اردو ترجمہ از حضرت مولانا وحید الزماں صاحب چھ جلدوں میں کامل۔ قیمت مکمل سٹ ۷۰/-

**شمائل ترمذی و خصائل نبوی اردو** شمائل ترمذی کی عارفانہ و فاضلانہ شرح جس میں احادیث کی روشنی میں حضور کی سیرت و صورت، عادات، خصلتیں، معمولات و لباس وغیرہ کی تفصیل ہے۔
قیمت ۶/-

**مظاہر حق** (اردو مع متن عربی) حدیث کی مشہور و مقبول ترین کتاب مشکوٰۃ شریف کی اردو زبان میں شرح۔ پانچ جلدوں میں مکمل۔ قیمت مجلد کامل ۷۵/-

**ترجمان السنہ مکمل** (تالیف، مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی) اردو زبان میں ضروری تشریح و مباحث کے ساتھ ارشادات نبوی کا جامع اور مستند ذخیرہ ہے۔ حدیث کے مستند لٹریچر میں یہ کتاب بلاشبہ عدیم النظیر ہے۔
قیمت جلد اول ۶/- جلد دوم ۱۲/- جلد سوم ۱۲/- جلد چہارم ۱۶/-

**زاد سفر** "ریاض الصالحین کا" اردو ترجمہ از امۃ اللہ تسنیم یہ کتاب بہترین مصلح و مرشد کا کام کرتی ہے۔ عنوان کے نیچے پہلے قرآن مجید کی آیات مع ترجمہ پھر احادیث ہیں۔ (نیا اڈیشن)
قیمت جلد اول ۶/- دوم ۶/۵۰

**فتاویٰ دار العلوم دیوبند** افادات حضرت مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی قدس سرہ، دار العلوم دیوبند سے پوچھے گئے ہزارہا مختلف سوالات اور ان کے جوابات کا یہ بے نظیر مجموعہ جو اب تک بطون اوراق میں محبوس تھا مولانا ظفیر الدین صاحب نے ۹ جلدوں میں مرتب کیا ہے قیمت کامل سٹ ۱۰۴/-

**فتاویٰ رشیدیہ** حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کی شخصیت علمی حلقہ میں کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے آپ کو تمام علوم اسلامیہ میں منصب امامت حاصل تھا مگر خصوصیت آپ کو فقہ و حدیث میں تھی فقہی مسائل کے بارے میں آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ قیمت ۱۰/-

ملنے کا پتہ کتب خانہ الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ

# اکابر و مشائخ کے سوانح و تذکرے

**تاریخ دعوت و عزیمت** (از مولانا سید ابو الحسن علی ندوی) عالم اسلام کی اصلاحی و تجدیدی کوششوں کا تاریخی جائزہ، نامور مصلحین امت ممتاز اصحاب دعوت و عزیمت کا مفصل تعارف، ان کے علمی و عملی کارناموں کی روداد اور ان کے اثرات و نتائج کا تذکرہ تین حصوں میں۔ مکمل ۲۹/-

**تذکرۃ الرشید** قطب العالم مولانا حافظ رشید احمد گنگوہی کی سوانح حیات حضرت مولانا عاشق الٰہی کے قلم سے اس کتاب کے مطالعہ سے ایمان میں جدید تازگی محسوس ہوتی ہے۔ دو حصوں میں یکجا قیمت ۱۵/-

**تذکرہ شاہ علم اللہ** حضرت سید احمد شہید کے جد اعلیٰ اور عہد عالمگیری کے ممتاز شیخ اور عارف باللہ حضرت سید شاہ علم اللہ کا تذکرہ اور ان کے ممتاز خلفاء اور نامور فرزندوں کے حالات زندگی قیمت مجلد ۷/-

**تذکرۃ المشائخ** یہ کتاب کئی بیش بہا رسالوں کا مجموعہ ہے ہر رسالہ میں کسی کامل بزرگ ولی اللہ کی دنیوی، روحانی اور عملی زندگی کا دلنواز مرقع ہے۔ جس کے مطالعہ سے اولیاء اللہ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔ قیمت مجلد ۲/-

**حیاۃ عبد الحی** یعنی مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کے والد ماجد حضرت مولانا حکیم سید عبد الحی (سابق ناظم ندوۃ العلماء) کی سوانح حیات جس میں ممدوح کے علمی کمالات، دینی خدمات اور ان کی عربی اردو تصنیفات پر مفصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ قیمت ۱۱/-

**حیات شبلی** علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیات اور علمی کارنامے مرتبہ مولانا سید سلیمان ندوی قیمت ۲۱/-

**حیات سلیمان** علامہ سید سلیمان ندوی کے سوانح حیات اور ان کے علمی کارنامے قیمت ۲۱/-

**سوانح قاسمی** حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کی مکمل و مفصل سوانح حیات، آپ کے علمی اخلاقی اور فاضلانہ کارناموں کو مولانا مناظر احسن گیلانی کے قلم نے اور بھی حسن عطا کر دیا۔ تعارف شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نے پیش کیا ہے۔ تین حصوں میں مکمل قیمت ۱۲/-

**اشاعت اسلام** از مولانا حبیب الرحمن عثمانی۔ اسلام کی اشاعت و پذیرائی کے حقیقی اسباب کیا تھے؟ کیا واقعی اسلام تلوار سے پھیلا ہے؟ ہر سوال کا مدلل جواب۔ اس موضوع پر یہ کتاب حرف آخر کا درجہ رکھتی ہے۔ قیمت مجلد ۹/-

**بزم صوفیہ** یعنی عہد تیموری سے پہلے صوفیاء کرام حضرت خواجہ معین الدین چشتی خواجہ نظام الدین اولیاء خواجہ گیسو دراز اور بہت سے صوفیاء کرام کے مستند حالات زندگی اور تعلیمات، بکثرت اضافوں کے ساتھ دوسرا ایڈیشن قیمت ۱۸/-

**تاریخ دیوبند** گذشتہ ایک صدی میں مسلمانوں کا سب سے بڑا دینی کارنامہ اسلامی علوم و فنون کی عظیم درسگاہ دار العلوم دیوبند کی علمی، تاریخی، دینی و دنیاوی اور اکابر علماء کرام کے حالات قیمت ۸/-

**تاریخ مشائخ چشت** جس میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مدظلہ نے نبی اکرم سے اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب گنگوہی تک کے اپنے سلسلۂ مشائخ کے وسیع حالات ان کی زندگی کے اہم کارنامے اور گرانمایہ لطائف ان کے تعلق باللہ نیز صوفیاء کی ذات پر بھروسہ اور اعتماد کے دلچسپ واقعات تحریر فرمائے ہیں۔ قیمت مجلد گرد پوش ۹/-

**ملنے کا پتہ: کتب خانہ الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ**

Regd. No. LW/NP-62

Monthly **AL FURQAN** Kutchery Road, Lucknow U. P.

VOL. 42 NO. 3, 4, 5 SPECIAL NUMBER APRIL, MAY, JUNE. 74



*Cover Printed at*—Shining Press, Naya Gaon, Lucknow-1

مدیر

سالانہ چندہ
ہندوستان سے ۔۔۔۔۔۔ -/۱۰
بنگلہ دیش سے ۔۔۔۔۔۔ -/۱۱
ششماہی
ہندوستان سے ۔۔۔۔۔۔ -/۶
بنگلہ دیش سے ۔۔۔۔۔۔ -/۷

سالانہ چندہ
غیر ممالک سے
ایک پونڈ
(۱) ہندوستانی بیس روپے
ہوائی ڈاک کے لیے مزید
محصول ڈاک کا اضافہ ہوگا

جلد ۴۲ | بابت ماہ جولائی و اگست ۱۹۷۴ء مطابق جمادی الثانی و رجب ۱۳۹۴ھ | شمارہ ۶-۷



اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے، براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۔۔۔ تک آجانی چاہئے ورنہ اگلا شمارہ بصیغہ وی پی ارسال ہوگا۔

نمبر خریداری:- براہ کرم خط و کتابت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا نمبر خریداری ضرور لکھئے جو پتہ کی چٹ پر لکھا رہتا ہے۔

تاریخ اشاعت:- الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر ۱۵ تاریخ تک کسی صاحب کو نہ ملے تو فوراً مطلع کریں۔ انکی اطلاع ۔۔۔ تاریخ تک آجانی چاہئے اس کے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

دفتر الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ

(مولوی) محمد عتیق الرحمن سنبھلی پرنٹر پبلشر ایڈیٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# نگاہِ اولیں

از ــــــــــ عتیق الرحمٰن سنبھلی

## ڈاکٹر محمد عبدالجلیل فریدی

گزشتہ ماہ ڈاکٹر محمد عبدالجلیل فریدی صاحب کے انتقال سے ایک بڑی قیمتی شخصیت ہمارے درمیان سے اُٹھ گئی (خدا مغفرت کرے اور جنت الفردوس میں جگہ دے) حاذق اور نامور معالج، نہایت اچھے مسلمان، اعلیٰ انسان، بااخلاق، بامروت، سیرچشم، باغ و بہار اور صاحب عزم و کردار۔

ایک معالج کی حیثیت سے جتنا نام کمایا اتنی ہی نیک نامی اور انسان دوستی کی شہرت بھی اس میدان میں حاصل کی۔ شفا دینے والا اللہ ہی ہے مگر جس پر ہاتھ رکھ دیا عام طور سے شفا ہی پا گیا۔ مسیح الملک انھیں کہا جاتا تو بجا تھا۔ اس حذاقت اور دستِ شفا کے باوجود کماتے اتنا نہیں تھے جتنی للٰہ خدمت کرتے تھے۔ ایک محدود وقت میں فیس والے مریضوں کو دیکھتے اور اس سے زیادہ وقت بے فیس مریضوں کو دیتے۔ اُن کے پایہ کا کوئی دوسرا ڈاکٹر لکھنؤ میں اس طور طریق کا نہیں تھا اور نہ ہے۔ یہ چیز خود بھی محبوبیت عطا کرنے والی تھی مگر اس پر مزید اُن کی خوش روئی و زیبائی، کھِلا ہنستا ہوا چہرہ، باغ و بہار طبیعت اور دلنواز انداز اس محبوبیت کو اور چار چاند لگا دینے والے تھے۔

طبی خدمت کے علاوہ داد و دہش کا بھی ان کی زندگی میں ایک اہم باب تھا۔ اور جس طرح طبی خدمت روزانہ کا معمول تھی، بالکل اسی طرح حاجتمندوں کی مالی خدمت کو بھی معمول بنا رکھا تھا۔ مطب کے لیے نکلتے تو ایک خاص رقم اس مد میں ساتھ لے کر نکلتے اور دروازے ہی سے شروع کر کے واپسی تک ختم کر دیتے۔

دینی رُخ سے پکے پابندِ فرائض، مغرب کا وقت مطب میں آتا تھا، وہاں باقاعدہ جماعت سے ادا کرتے۔ حج کے فریضے سے بھی سبکدوش نہیں ہوئے تھے بلکہ عمرہ کے لیے بھی سرزمین پاک پر حاضری کی سعادت پائی۔ لباس میں ہمیشہ مشرقی مسلمان نظر آئے، مغربی لباس میں دیکھا تو زیادہ سے زیادہ بس اتنا کہ سردی کے موسم میں گرم پتلون، شیروانی اس پر بھی برقرار رہتی۔

لکھنوی اخلاق و اطوار کے ساتھ غیور و خوددار بھی اتنے ہی تھے۔ وہ اب میں کسی کی کبھی نہیں آئے
اور اس میدان میں بہت ہی اعلیٰ و دلکش نقوش قائم کیے۔ دل کے جتنے نازک مریض تھے اُتنے ہی اس کے
برعکس مضبوط بھی، ارادہ بھی جو باندھ لیتے اُسے پورا کرنے میں عمل کا کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھتے تھے ــــ ان
اوصاف کے جوہر اُن کی سیاسی زندگی میں کھلے۔ بلکہ سرگرم سیاست میں اُن کو لانے والی چیز بھی
ـــــ خود اُن کے بیان کے مطابق ـــــ ان اوصاف میں سے اُن کی پہلی صفت، غیرت اور
خودداری تھی۔ غالباً ۱۹۵۲ء کی بات بتلاتے تھے کہ یوپی کی کانگریس وزارت کے وزیر اور "مرد
آہن" شری سی۔ بی۔ گپتا نے انھیں ایک غلط اطلاع پر کسی سے ٹیلیفون کرایا کہ اُن کے حریف
امیدوار شری ترلوکی سنگھ کا ساتھ نہ دیں۔ یہ انداز ڈاکٹر صاحب کی غیور طبیعت کو چرکا لگا گیا۔ ٹیلیفون کرنے
والے شناسا آدمی کے یہ کہنے پر کہ "میں گپتا جی کے یہاں سے بول رہا ہوں" خود کہتے تھے کہ بس میں
نے اتنا کہہ کر کہ "اچھا! میں تو یہ سمجھا کہ تم اللہ میاں کے یہاں سے بول رہے ہو۔" ٹیلیفون بند کر دیا
اور بغیر کسی پہلے سے دلچسپی کے شری ترلوکی سنگھ کے لیے کنویسنگ کو نکل پڑے۔ یہ اُن کی سیاست
کا نقطہ آغاز ہے اور اسی آغاز والے انداز کو نبھاتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوگئے۔

۱۹۵۳ء سے ۱۹۶۲ء تک شری ترلوکی سنگھ وغیرہ کی بنائی ہوئی پارٹی (پرجا سوشلسٹ
پارٹی) میں رہے۔ یہ پارٹی تحلیل ہونے لگی تو بے پارٹی ہو گئے۔ اور پھر ۱۹۶۴ء میں مجلس مشاورت بننے
لگی تو اس میں پوری دلچسپی لے کر شروع ہی سے شامل ہوئے۔ یہیں سے اُن کی سیاسی زندگی کا وہ
دور شروع ہوتا ہے جس میں اُن کے عزم و ارادے کی پختگی اور بیماری کے باوجود دل کی مضبوطی
کے جوہر پورے طور پر کھلے اور ذہنی حیثیت سے اُن کی بعض سیاسی صلاحیتیں نمایاں ہوئیں۔ یہاں
سے وہ آناً فاناً ایک مسلم لیڈر کی سطح پر آ گئے۔ ۱۹۶۷ء کے الیکشن کے بعد سے مرکزی کانگریس
اور مرکزی حکومت تک کے لیے ممکن نہ رہا کہ انھیں نظر انداز کرے۔ بلکہ صحیح الفاظ میں، مسلمانوں
کے اندر اُن کی طاقت کا ہوا کانگریس اور غیر کانگریس سبھی پر بیٹھ گیا۔ ایک جن سنگھ کو چھوڑ کر
سبھی طرف سے اُن کو ساتھ لینے کی کوشش ہوتی۔ اور وہ جدھر مناسب سمجھتے اُدھر جھک جانے
کے بعد تن من دھن سے اپنا رول ادا کرنے پر لگ جاتے۔ اُن کا آخری سیاسی معرکہ ۱۹۷۴ء
کا یوپی کا الیکشن تھا۔ اس میں انھوں نے کانگریس کے خلاف ایک اتحادی محاذ میں شریک ہو کر

اپنی بیمار توانائی کے آخری قطرے بھی نچوڑ دیے۔

دل کے ساتھ پھیپھڑوں کے بھی مریض تھے، یعنی جس مرض کے مسیحا تھے اُسی میں خود گرفتار۔ سنہ ۷۲ء میں تکلیفیں بڑھ جانے پر طبی معائنہ اور علاج کے لیے ماسکو اور لندن گئے اور اس مایوس کن تشخیص کے ساتھ واپس آئے کہ ان کی زندگی ڈیڑھ دو سال سے زیادہ نہیں ہے، بے اختیار اُن کے جیالے پن کی بلائیں لینے کو جی چاہتا ہے کہ اس ڈاکٹری اندازے کو سن کر اور مان کر انھوں نے بستر کا رُخ نہیں کیا بلکہ جو کام انھوں نے چھیڑ رکھا تھا اُسے پورا کرنے کے لیے میدان عمل کی طرف لپکے اور اسی میں جیل خانہ آباد کرنے کی بھی نوبت آئی وہ بھی مئی جون (سنہ ۷۲ء) کی گرمی میں۔ پھر اس سال یوپی کے الیکشن کا میدان گرم ہوا، تو مرض کی ایسی شدت کے عالم میں کہ دوسرا کوئی آنکھ اٹھا کر بھی دیکھنے کی ہمت نہ کرتا، انھوں نے ایک ہمت مردانہ کے ساتھ اپنے آپ کو اس میں جھونک دیا۔ اور بس پھر اس معرکے سے جو نکلے تو زندگی کے چراغ کو کچھ سانس اور لینے کی ہی مہلت تھی۔ الیکشن کے دوروں میں وقت ناوقت سفر کی جو مشقت اٹھانا پڑتی ہے، جو گرد اور دھول دیہاتوں کی پھانکنا پڑتی ہے، جو مسلسل تقریریں اور گفتگوئیں کرنا پڑتی ہیں دل اور پھیپھڑے کے نازک مریضوں کے لیے زہر قاتل۔ یہ زہر اپنا کام کر گیا اور ڈاکٹر صاحب کو بظاہر اس طرح لیٹ جانا پڑا کہ اب اٹھ نہ سکیں گے۔ مگر آفریں کہ انھوں نے پھر ایک سنبھالا سا لیکر مطب آنا شروع کر دیا —— لیکن یہ بجھتے چراغ کی بس آخری سانسیں ہی تھیں۔ ۱۶ یا ۱۷ مئی کو ایک آندھی آئی جس سے مطب آتے یا جاتے میں ڈاکٹر صاحب کو سامنا پڑ گیا اور اس کی غبار کے اثرات نے ۱۹ مئی سے آگے ان اکھڑی اکھڑی سانسوں کو بھی جاری رہنے کی مہلت نہ دی —— بے نام اللہ کا! ہم سب اللہ ہی کی مخلوق، اسی کے زیر حکم اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے کو ہیں (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۰)

ڈاکٹر صاحب نے جو عزت و عظمت پائی اس کے وہ مستحق تھے۔ مگر افسوس کہ جو جگہ انھوں نے اپنے استحقاق سے حاصل کر لی تھی اُس پر آخر تک برقرار نہ رہ سکے۔ سیاست اُتار چڑھاؤ کی دنیا ہے اس لیے یہاں ایسے واقعات میں پھر بھی کوئی خاص اہمیت نہیں، اہم اور یاد رکھنے کی بات ڈاکٹر صاحب کے سلسلے میں یہ ہے کہ انھوں نے آن اور کردار کے معاملے میں بھی ایک قابل تقلید مثال اگلوں کے اُٹھ جانے کے بعد مسلم لیڈروں کے لیے قائم کی اور تن داغ داغ ہو جانے کے...

باوجود دم آخر تک سرگرم عمل رہنے کا تو وہ نقش قائم کیا جس میں اپنی مثال وہ دور دور تک آپ ہی ہیں۔ علمی اور ذہنی طور پر بھی وہ موجودہ مسلم لیڈروں میں منفرد نظر آتے تھے۔ سیاسیات میں باقاعدہ اور تازہ بتازہ مطالعہ کا ذوق رکھتے اور اس سے اخذ و استفادہ کی ایسی صلاحیت کہ تحریر و تقریر میں اپنے موقف پر ان کا استدلال عموماً مؤثر اور باوزن ہوتا تھا۔ ہمارے نزدیک مسلسل جد و جہد کے علاوہ یہی ان کی وہ خصوصی حیثیت تھی جس کے سبب سے مسلمانوں کے معاملے میں اُن کی وکالت ملک کے سیاسی ذہن پر اثر انداز ہونے میں جتنی کامیاب ہوئی کسی دوسرے لیڈر کو یہ کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔

ہمیں ڈاکٹر صاحب کی سیاست کے بعض پہلوؤں سے اتفاق نہ تھا۔ لیکن ہم انھیں مذکورہ اوصاف کی بنا پر اپنی (یعنی ملت کی) ایک جنس گراں مایہ سمجھتے تھے۔ اور اسی لیے اختلاف کے اظہار میں وہ تلخ نوائی بھی کبھی کبھی پیدا ہو جاتی تھی جو اپنی ایسی قیمتی شئی کو ضائع ہوتے سمجھنے کے درد سے پیدا ہو جاتی ہے۔ ہمیں اُن کا راستہ بار آور ہوتا نظر نہیں آتا تھا جبکہ اُن کی قائدانہ صلاحیتوں کے اعتبار سے امید ہوتی تھی کہ وہ ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک بار آور راستے پر ڈال سکتے ہیں یہی درد تھا جس کے آخری بار (گزشتہ سال) اظہار نے مرحوم کے اظہار ناراضگی کی وہ صورت رونما کر دی جس پر ہمیں ہمیشہ ملال رہے گا کہ کاش یہ آخری اظہار درد ہم سے نہ ہوا ہوتا۔ وہ تلخ نوائی برداشت کرنے کے حال میں نہ تھے اور ہم اپنے درد سے اس صورت حال کو ملحوظ رکھنے کے حال میں نہیں۔ خدا بال بال مغفرت کرے، اُن کے بلند اوصاف ہمیشہ یاد رکھنے اور سبق لیتے رہنے کے قابل ہیں۔

## ورلڈ اسلامک مشن

پچھلے دنوں انگلستان میں "ورلڈ اسلامک مشن" نام کے ایک ادارے کے قیام اور اس کی ابتدائی سرگرمیوں کی خبروں کا ایک تیز سلسلہ ہمارے یہاں کے اردو اخبارات میں شروع ہوا اور کوئی مہینے بھر کے قریب جاری رہا۔ خبروں کے ........ اس سلسلے میں اس ادارے کا مقصد اور مشن غیر مسلم دنیا میں اسلام کا تعارف اور اس کی تبلیغ بتایا گیا تھا، مگر اس کے روح رواں کی حیثیت سے جن صاحب کا نام ان خبروں میں آ رہا تھا اُن کا کوئی جوڑ ہمیں اس کام کے ساتھ نظر نہیں آتا تھا ——— یہ نام تھا "مولانا ارشد القادری" ——— جن کی دو کتابیں قریب ہی میں ہماری نظر سے گزری تھیں

ایک "زلزلہ" اور دوسری "تبلیغی جماعت" ان دونوں کتابوں سے معلوم ہوا تھا کہ موصوف اُس بریلوی مکتب خیال کے ایک پرجوش نقیب ہیں جسے اسلام کی خدمت اور اس کے حلقہ بگوشوں کی تعداد میں اضافہ کرنے سے تو کبھی دلچسپی نہیں رہی البتہ بڑی گہری دلچسپی اور لگن اس بات کے لیے رہی ہے کہ جو کچھ تعداد اُس کے حلقہ بگوشوں کی اور اس نسبت پر فخر کرنے والوں کی دنیا میں ہے اسے بھی تکفیر کی تلوار گھما گھما کے کم سے کم کیا جائے۔ چنانچہ ان مولانا ارشد صاحب نے یہ کتابیں ہی نہیں لکھی ہیں جن میں سیدھی سیدھی تکفیر مشکل ہی سے ملے گی، بلکہ وہ باقاعدہ بریلوی جماعت کے مناظر ہیں اور ان مناظروں کا موضوع سوائے دیوبندی جماعت وغیرہ کو کافر ٹھہرانے کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

یہ مولانا ارشد القادری تو ہمارے یہاں کے ہیں، ان کے ساتھ جو کچھ دوسرے نام پاکستانی "علماء ومشائخ" کے اس مشن کے سلسلے میں آرہے تھے وہ بھی مسلمانوں کو باہم لڑانے ہی میں نہیں بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی کسی معقول خدمت کے سلسلے کو چلنے نہ دینے میں بھی بڑا نام رکھتے ہیں (مولانا احمد شاہ نورانی اور مولانا عارف اللہ (میرٹھی ثم راولپنڈی)۔ یہ دونوں اسی سلسلے کے شہرت یافتہ بزرگ ہیں مولانا عارف اللہ کا نام تو پاکستان سے باہر کے لوگ کم جانتے ہوں گے لیکن مولانا نورانی صاحب پاکستان کی سیاست میں آنے اور پچھلے الیکشن میں وہاں کی قومی اسمبلی کے لیے منتخب ہو کر اپنی پارٹی کا لیڈر بن جانے کی وجہ سے ایک حد تک معروف ہو گئے ہیں۔ یہ مشہور مبلغ اسلام مولانا عبدالعلیم میرٹھی مرحوم کے صاحبزادے ہیں۔ مولانا عبدالعلیم صاحب اگرچہ بریلوی جماعت ہی سے تعلق رکھتے اور غالباً اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے خلیفہ بھی تھے پھر بھی بریلوی مسلک ہی کو اصل اور کل اسلام نہیں سمجھتے تھے بلکہ دوسر مسلکوں کے لیے اس حد تک توسع اُن کے اندر تھا کہ حرم شریف میں ہمیشہ نجدی اماموں کے پیچھے نماز پڑھتے اور سنا گیا ہے کہ بعض وقت نجدیوں اور غیر مقلدوں کے معمولات نماز پر بھی عمل کر لیتے تھے اس وسعت مزاج کے ساتھ واقعی معنی میں ...... صاحب علم تھے، مگر اُن کے صاحبزادے صاحب کو یہ چیزیں اُن سے نہیں ملیں۔

مشرقی افریقہ (ممباسہ) کی ایک بڑی معزز اور باثر شخصیت نے جن کے فطری جوہر نے تبلیغی کام میں اُن کی مخلصانہ شرکت کے طفیل ایک مثالی اور قابل رشک مومن کے درجہ پر انھیں پہنچا دیا تھا (اللہ عزیز رحمت کرے حال ہی میں اُن کی وفات ہوئی ہے) حضرت مدیر الفرقان

مدظلہم کو کسی تذکرہ میں بتایا کہ مولانا نورانی صاحب ایک دورے میں ممباسہ آئے اور اپنے والد مرحوم کا مرید ہونے کی بنا پر مجھ سے بھی ملے اور فرمایا کہ معلوم ہوا ہے تمہارا تعلق تبلیغی جماعت سے ہو گیا ہے۔ یہ تو وہابی لوگ ہیں انھیں چھوڑ دو! اور اس کے جواب میں اُن کے یہ کہنے کے باوجود کہ میں نے ان لوگوں میں ایسی کوئی بات نہیں پائی بلکہ جو کچھ دین اور دینی رنگ آپ میری زندگی میں دیکھ رہے ہیں یہ انھیں تبلیغ والے لوگوں کا طفیل ہے" مولانا صاحب نہایت ناراض ہو کر چلے گئے۔

اسی طرح گزشتہ سال مولانا نورانی صاحب ماریشس گئے تو وہاں سے آنے والے بعض حضرات سے معلوم ہوا کہ وہاں بریلوی دیوبندی اور سنی وہابی جھگڑے ان کی مجلسی گفتگوؤں اور تقریروں کا موضوع تھے جو بریلوی حضرات کا اوڑھنا بچھونا ہیں۔

الغرض اس طرح کے لوگ اور اسلام کی واقعی تبلیغ و اشاعت کے لیے کمر بستہ ہوں! ایک اچنبھے میں ڈالنے والی بات تھی۔ ان کے یہاں تو اسلام کی ساری خدمت اور اس کی تمام تبلیغ و اشاعت یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب اور حاکم کائنات نہ ماننے والوں کو کافر بتاؤ خاص طور پر شاہ محمد اسمٰعیل شہید کافر، حضرت سید احمد شہید کافر، مولانا رشید احمد گنگوہی کافر، مولانا محمد قاسم نانوتوی کافر، مولانا محمود حسن دیوبندی کافر، مولانا اشرف علی تھانوی کافر، مولانا خلیل احمد انبیٹھوی کافر اور اُن کے تمام متبعین کافر۔ علیٰ ہٰذا مولانا سید محمد علی مونگیری اور مولانا شبلی نعمانی (بانیان ندوۃ العلماء) کافر اور اُن کے تمام متبعین کافر، شیخ عبدالوہاب نجدی اور اُن کے متبعین کافر ــــ جو انھیں کافر نہ مانے اسے بھی کافر ٹھہراؤ ــــ توحید اور خوف خدا کی باتیں کسی وعظ و تقریر میں نہ کرو، بس انبیاء و اولیاء (علیہم الصلوٰۃ والرضوان) کے مبالغہ آمیز فضائل اور حد سے گزری ہوئی عظمتیں لوگوں کے دلوں میں بٹھاؤ۔ نماز روزہ اور زکوٰۃ کا سبق یاد دلانے کی بھی مطلق ضرورت نہیں۔ تیجہ، دسواں، میلاد، فاتحہ، عرس وغیرہ، بس یہ سبق رٹاؤ اور اسی پر اُن کی نجات اور رفع درجات کا دارومدار بتاؤ! ــــ ایسے لوگ انگریزوں کو اسلام کا پیغام سنانے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے ــــ العظمۃ للہ ــــ اُنچہ می بینم بہ بیداریست یارب یا بخواب!

ہم نے لندن میں مقیم بعض دوستوں کو لکھا کہ ذرا اس معاملے سے واقف تو کرائیے کیا یہ لوگ واقعی دین حق کی نصرت و اشاعت کرنے کھڑے ہوئے ہیں۔ کیا واقعی انھوں نے

"تکفیر وہابیہ" وغیرہ کی دلچسپیاں ہندوستان و پاکستان ہی میں چھوڑ دی ہیں اور ایک بالکل نیا اور مبارک نامہ اعمال ایک نئی سرزمین میں جاکر کھولنا چاہتے ہیں؟ اگر واقعی ایسا ہے تو ہم بھی خدا کا شکر ادا کریں اور ان کی نئی زندگی کے حق میں کلمۂ خیر لکھیں۔

جواب میں روزنامہ "جنگ" لندن کے دو تراشے ہمیں موصول ہوئے ہیں جن میں وہاں کے چند ہندوستانی اور پاکستانی مسلمانوں کے اسی موضوع پر مراسلے ہیں۔

ایک مراسلہ نگار محمد شریف صاحب لکھتے ہیں:۔

آج کل آپ کے اخبار میں ورلڈ اسلامک مشن کے متعلق تمام مسلمان اپنی رائے کا اظہار کر رہے ہیں۔ یہ بڑی اچھی بات ہے کہ قوم کو اب اچھے اور برے کا احساس ہو گیا ہے۔ میرا اپنا خیال ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو منظم کرنے کے لیے جماعتیں بنائیں جس سے امت میں اتفاق پیدا ہو تاکہ یہ امت اپنا فریضہ انجام دے سکے۔ مگر مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اکثر جماعتیں اپنا ایک گروہی مفاد لے کر اٹھتی ہے۔ مسلمانوں میں نااتفاقی پیدا کر کے اپنا مقصد حاصل کرتی ہیں مجھے معلوم نہیں کہ ورلڈ اسلامک مشن کا مقصد کیا ہے لیکن میں نے لیوٹن میں ایک جلسہ میں شرکت کی جس سے مجھے گمان ہوا کہ لوگوں کا یہ اندیشہ بالکل درست ہے کہ ورلڈ اسلامک مشن فرقہ بندی کی تبلیغ کر کے مسلمانوں میں انتشار پھیلا رہا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ مسلمانوں کو فرقوں میں تقسیم کر کے ان میں نااتفاقی پیدا کرنا اسلام کی کون سی تبلیغ ہے؟ میری ورلڈ اسلامک مشن کے رہنماؤں سے گزارش ہے کہ خدارا مسلمانوں میں اتفاق پیدا کرنے کے لیے کوئی منصوبہ بنائیں۔ نہیں تو کم از کم انتشار پھیلانے سے تو پرہیز کریں؟

محمد شریف

۵۳۔ ڈمبدن روڈ، لیوٹن

**(۲) نامعلوم پر اسرار ادارہ ورلڈ اسلامک مشن**

نامعلوم اور پر اسرار ادارہ ورلڈ اسلامک مشن کے بارے میں واقعی یہ شکایت مجھے بھی ہے کہ ورلڈ اسلامک مشن کے بانی مولوی ارشد القادری جو حال ہی میں انڈیا سے آئے ہیں ہمیشہ اپنی تقریر میں دیوبندی بریلوی اختلاف کو بیان کرتے ہیں جس سے پڑھا لکھا طبقہ سخت بیزار ہے عوام الناس میں چہ میگوئیاں ہو رہی ہے

توالیوں کی گونج اور درود کے ترانوں کو ہی اسلام سمجھتے ہیں مگر ہم سوچنے پر مجبور ہیں کہ یہ مولوی صاحبان اور پیر صاحبان ہمیں اسلام کے بنیادی عقائد اور بنیادی احکام حلال وحرام نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ کے بارے میں کیوں نہیں بتلاتے اور فروعی اختلافات کو ہوا کیوں دیتے ہیں۔ میں بڑے دکھ سے یہ مراسلہ لکھ رہا ہوں۔

شکیل احمد

نمازی مسجد بیاڈ یتھ فیلڈ سکوائر بریڈ فورڈ

**ورلڈ اسلامک مشن وضاحت کرے** | چونکہ میں بریڈ فورڈ میں رہتا ہوں، اس لیے "ورلڈ اسلامک مشن کیا ہے" کا جواب عرض خدمت ہے۔ اس ادارے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ جو مسلمان ہیں وہ دین حق کے ساتھ اپنا تعلق مضبوط کریں اور غیروں کو اسلام کی طرف مدعو کیا جائے۔ اس مشن کے اصل محرک پیر معروف حسین ہیں۔ پیر معروف شاہ کا ماضی ہمارے سامنے ہے۔ وہ دین حق سے بے پناہ محبت رکھتے ہیں۔ ان کی محبت ان کی عملی سرگرمیوں سے ظاہر ہے لیکن ورلڈ اسلامک مشن میں مندرجہ ذیل دو باتوں نے اس ادارے کو مشکوک بنا دیا ہے۔

۱۔ اس کا سربراہ ایک ہندی مولانا کو مقرر کرنا۔ ان مولانا سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں۔ سوال یہ ہے کہ پاکستان اور آزاد کشمیر کے کتنے علماء کرام یہاں موجود ہیں۔ ان میں کوئی بھی ایسا نہیں جو یہ ذمہ داری سنبھال سکے؟ یہ ہندی مولانا اگر ہندوستان کے مسلمانوں کے نمائندہ کی حیثیت سے ورلڈ اسلامک مشن میں شامل ہوں تو کسی کو اعتراض نہ ہوگا۔ پھر یہ مولانا اکثر فرقہ بندی کو ہوا دیتے ہیں۔

۲۔ ورلڈ اسلامک مشن ۲۱ر اپریل کو ایک اجلاس بلا رہی ہے جو تنظیمی اجلاس ہوگا، اس میں قومی اسمبلی کے ممبر اور حزب اختلاف کے لیڈر مولانا احمد شاہ نورانی اور راولپنڈی کے مولانا... عارف اللہ کو مدعو کیا گیا ہے۔ جہاں تک احمد شاہ نورانی کا تعلق ہے ان کی سیاسی و مذہبی زندگی ہمارے سامنے ہے۔ نہایت ہی قابل احترام شخصیت ہیں؎ اور دوسری شخصیت مولانا

---

؎ ہماری معلومات مولانا نورانی کے بارے میں قطعی مختلف ہیں اور ان کے لیے ہمارے پاس مخصوص شہادتیں ہیں جن میں سے دو اوپر پیش کی گئیں (الفرقان)

عارف اختر کی ہے جن کے متعلق اندیشہ ہے کہ اگر ان کے خیالات اور جذبات کو شامل کیا گیا تو وہ ورلڈ اسلامک مشن کو اصل مقصد سے ہٹا دیں گے۔ پھر ورلڈ اسلامک مشن کا کام مسلمانوں میں فرقہ وارانہ جنگ چھیڑنا اور فتور مچانے کے سوا کچھ نہ رہ جائے گا۔ عارف اختر کی انتہا پسندی کا یہ عالم ہے کہ انھوں نے خانۂ کعبہ میں جماعت کے ساتھ نماز ادا نہیں کی۔ یہ پہلے بھی انگلینڈ کا دورہ کر چکے ہیں۔ اس دوران وہ یہی سبق پڑھاتے رہے کہ جب حج کے لیے جاؤ تو خانۂ کعبہ میں جماعت کے ساتھ نماز ادا نہ کرنا۔ عـه لہٰذا اس سلسلہ میں ورلڈ اسلامک مشن وضاحت کرے۔ ورنہ مسلمانوں کو اس سے بائیکاٹ کرنا ہوگا۔

ایم محبوب، بریڈفورڈ

**ورلڈ اسلامک مشن کے ساتھ کون لوگ ہیں؟**

سنا ہے کہ پاکستانی و کشمیری حلقوں کو مزید خراب و رسوا کرنے کے لیے ایک مذہبی جماعت بن رہی ہے ورلڈ اسلامک مشن جس کی قیادت انڈیا سے آئے ایک مولوی صاحب کر رہے ہیں، یہ جہاں جاتے ہیں بریلوی دیوبندی اختلاف چھیڑتے ہیں۔ میں انھیں ملنے گیا تو مجھے ایک کتاب دی "زلزلہ" جو انھوں نے مسلمانوں کی ایک جماعت کے خلاف لکھی ہے۔ انڈیا میں انھوں نے کسی ہندو یا سکھ کو تو مسلمان بنایا نہیں البتہ مسلمانوں کو کافر بنانے میں مہارت ضرور رکھتے ہیں ان سے معلوم ہوا کہ پاکستان کے ایک سیاسی مولانا شاہ احمد نورانی عرف نورانی میاں انگلینڈ آ رہے ہیں جو ۱۰ اپریل بریڈفورڈ اسلامک مشن کے جلسہ سے خطاب کریں گے۔ اب سیلیے اصغر خاں گئے تو نورانی میاں آ گئے۔ یہ وہی بزرگ ہیں جنھوں نے پاکستان میں منعقد کی گئی عالم اسلام کے سربراہوں کی کانفرنس کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کے لیے ڈھونگ رچایا گیا ہے۔ تیسرے صاحب جو اس مشن کے برطانیہ کے روح رواں ہیں وہ ایک پیر صاحب ہیں جو بریڈفورڈ میں قیام رکھتے ہیں جو حج کے موقع پر کعبہ اور مدینہ کے امام کے پیچھے اس لیے نماز نہیں پڑھتے کہ وہ امام "وہابی" ہوتے ہیں۔ جب یہ پیر صاحب وہاں سولہ لاکھ حجاج کے ساتھ مل کر نماز نہیں پڑھتے تو یورپ میں کون سا ورلڈ اسلامک مشن قائم کرنا چاہتے ہیں؟

ڈاکٹر عابد علی سجاد، مانچسٹر ۱۴

(یہ مراسلے جنگ لندن کی یکم اور ۱۰ اپریل ۱۹۸۴ء کی اشاعتوں کے ہیں)

---

عـه یہ بات پیر معروف شاہ صاحب کے بارے میں بھی اگلے مراسلے میں کہی گئی ہے (الفرقان)

ان مراسلوں کو پڑھ کر بڑے دکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ افسوس ان حضرات کے اندر تبدیلی کا جو ایک موہوم سا امکان "ورلڈ اسلامک مشن" کی خبریں پڑھ پڑھ کر ذہن میں آیا تھا وہ غلط ثابت ہو گیا۔ یوں بھی کام کی بسم اللہ کرتے ہی سات سمندر پار (ہندوستان اور شاید پاکستان میں بھی) اس کی خبروں کا غلغلہ بلند کرنا اور ایک تانتا باندھ دینا کوئی اچھی علامت نہیں تھی۔ اتنی دور دراز کے لوگ ان زوردار خبروں پر سوائے تحسین و آفرین کہنے، چندوں اور عطیوں کی پیش کش کرنے کے اور کیا کر سکتے ہیں؟ لیکن جب ابھی کچھ کیا دھرا ہی نہ ہو صرف انتظام ہو رہا ہو تو یہ واہ واہ کرنے یا چندوں کی زمین ہموار کرنے پر لگ جانا کون سی خوش نیتی کی علامت ہو سکتی ہے؟

ان مراسلوں میں سے بعض سے ایک بات اور بھی ظاہر ہوتی ہے اور وہ یہ کہ "ورلڈ اسلامک مشن" شاید پاکستانی ملکی سیاست کا ایک کھیل ہے اور مولانا احمد شاہ نورانی کی اس میں شرکت اسی تقریب سے ہے۔ مراسلات اور تراشوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مشن کی سرگرمیوں کا اصل میدان وہ پاکستانی اور آزاد کشمیری لوگ ہیں جو انگلستان میں بس گئے ہیں۔ یہ عنصر پاکستان اور آزاد کشمیر کے ووٹروں کو بھی کافی متاثر کرتا ہے اور اس کے ذریعہ پاکستان کی اندرونی سیاست کے سلسلے میں عوامی رائے پر بھی اثر ڈالا جا سکتا ہے۔ غالباً مشن کے اس اصل چہرے کو چھپانے ہی کے لیے ایک ہندوستانی مولانا (مولانا ارشد القادری) کو اس کے کرتا دھرتا کی جگہ دی گئی ہے۔ لیکن مولانا تیز آدمی ہیں، انھوں نے ہندوستان میں اس کا بہت ماہرانہ ڈھنگ سے پروپیگنڈہ کرکے اپنا ایک عالمی مقام ہندوستان میں بھی بنانے کی کوشش کی ہے جہاں ان کی اصل جڑ بنیاد ہے۔

بہر حال افسوس دین کی تبلیغ و اشاعت کا نام بھی کیسے کیسے مقاصد کے لیے استعمال ہونے لگا۔ ان لوگوں کو خود تو یہ کام کرنا نہیں ہے، جو کرتے ہیں ان کی راہ میں یہی "سنی وہابی" کے قصے کھڑے کرکے مشکلات پیدا کی جا رہی ہیں۔ ارشد القادری صاحب کی کتاب "تبلیغی جماعت" اس سلسلے کا شاہکار ہے۔ پتہ نہیں کب ان لوگوں کو خدا کا خوف آئے گا؟ اور کب یہ اس دین پر رحم کھائیں گے جس کے نام ہی پر ان کے کاشانوں کی روشنی ہے۔

## ایک نیا "تحفۃ الموحدین"

الفرقان کے عربی داں قارئین کو یہ جان کر یقیناً مسرت ہو گی کہ حضرت شہید شاہ اسماعیل

علیہ الرحمۃ کی مشہور تصنیف "تقویۃ الایمان" ہمارے مخدوم و محترم مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کے قلم سے عربی میں آگئی ہے۔ ہندوستان و پاکستان سے باہر کی اسلامی دنیا اس "تحفۃ الموحدین" سے اب تک واقف نہ تھی۔ عربی میں اس کا ایک ترجمہ ہوا تھا مگر بعض وجوہ سے متعارف نہیں۔ مولانا علی میاں مدظلہٗ عربی کے ایک کہنہ مشق ادیب اور اسلامی دنیا میں کسی دوسرے عربی مصنف سے کم معروف نہیں اور پھر ایک عالم دین اور داعی کی حیثیت سے بھی ان کا مقام مسلّم ہے۔ ان وجوہ سے امید ہے کہ اس عربی ترجمہ کی بدولت یہ کتاب اسلامی دنیا کے بہت بڑے حصے کی نگاہ میں آسکے گی۔

اس عربی ترجمہ کی حلاوت اور شگفتگی کا یہ عالم ہے کہ بالکل ایک نئی کتاب کا سا ذوق اس کے پڑھنے میں میسر ہوا اور ختم کیے بغیر اسے چھوڑا نہ جا سکا۔ مولانا نے ترجمہ کے علاوہ تعلیق اور تحشیہ کی خدمت بھی انجام دیکر کتاب کی افادیت اور اس کے پایۂ استناد میں بھی اضافہ کیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اس عربی اڈیشن کی بدولت کتاب کو نئی زندگی اور بادۂ کہنہ کو تجدید حاصل ہوگی۔ عربی مدارس کے منتہی طلباء و فضلاء کو اس کی خاص طور پر قدر کرکے توحید و شرک کے مضامین میں بصیرت حاصل کرنا چاہیے۔

شیخ الحدیث (حضرت مولانا زکریا صاحب دامت برکاتہم) کے ایماء پر یہ ترجمہ ہوا ہے اور آپ ہی کے مکتبہ یحیوی سہارنپور نے اسے ٹائپ سے طبع کراکے شائع کیا ہے۔ نام "رسالۃ التوحید" ہے۔ ۲۲×۱۸/۱۲۸ کے ۱۶۰ صفحات پر ہے ——— (کتب خانہ الفرقان سے بھی طلب کی جا سکتی ہے)

## والد ماجد کی صحت

الحمد للہ اب معمول کے مطابق کیفیت بحال ہونے میں تھوڑی ہی سی کسر باقی ہے۔

ہسپتال میں اس بات کا اطمینان ہو جانے کے بعد کہ ہڈی اصل جگہ پر آ گئی ہے ۲۱ جون کو گھر تشریف لے آئے تھے۔ اب علاج صرف یہ تھا کہ ٹانگ کی ورزش کرائی جائے، جو ڈاکٹر ہسپتال میں یہ ورزش کرا رہے تھے، انھیں گھر پر آنے کی تکلیف دی گئی اور اسی دن سے وہ روزانہ آرہے ہیں۔ اور ان کے اس علاج سے بفضل خدا غیر معمولی فائدہ کا تجربہ ہوا۔ یوماً فیوماً چلنے کی طاقت بحال ہونے لگی۔ الحمد للہ نماز اطمینان سے کھڑے ہو کر ادا فرما لیتے ہیں۔ دن میں ایک دو بار گھر کے آنگن میں پندرہ بیس منٹ مسلسل چل پھر لیتے ہیں، معمولی نقل و حرکت میں اب کچھ زیادہ تکلف نہیں رہا۔ کبھی ضرورت ہوتی ہے تو اپنے لکھنے پڑھنے

کے کمرے میں جو آٹھ دس سیڑھیوں پر ہے کسی خاص دقت کے بغیر اب جانے لگے ہیں. اب جو کچھ کسر باقی ہے وہ بظاہر اس وجہ سے ہے کہ چوٹ کی جگہ پر پٹھوں میں کچھ تناؤ اور سختی باقی ہے. ڈاکٹر صاحب نے اب چند دن سے خاص اسی شکایت کے دور ہونے کی ورزش کرائی ہے۔

اس رب کریم کا شکر نہیں ادا کیا جا سکتا جس نے اتنی جلد صحت کی یہ صورت پیدا فرمائی۔

اللّٰھم لک الحمد ولک الشکر لا نحصی ثناءً علیک انت کما اثنیت علی نفسک!

الفرقان کا یہ شمارہ جیسا کہ اعلان کر دیا گیا تھا صلوٰۃ اللہ نمبر (اشاعت خاص) کا ضمیمہ ہے یعنی اُس نمبر کے لیے انتخاب کردہ جو مضامین عدم گنجائش کی بنا پر اشاعت سے رہ گئے تھے وہ اس میں دیے گئے ہیں ان کے علاوہ نگاہ اوّلیں اور آخر کا مضمون "بریلوی فتنہ" نئے مضامین ہیں. عالم اسلام کی بعض اہم شخصیتوں کی وفات پر محترم مولانا علی میاں مدظلہ نے کچھ تحریر فرمایا ہے وہ بھی الفرقان ہی میں پہلی بار شائع ہو رہا ہے —— یہ اشاعت جولائی اگست کی مشترک ہے. آئندہ شمارہ ستمبر ۱۹۷۲ء کا ہوگا۔

# قربِ الٰہی اور دینی و روحانی ترقی کی شاہراہ

محمد منظور نعمانی

اہل ایمان کے لیے تقرب الی اللہ اور دینی و روحانی ترقی کے لیے دو طریقے اور دو راستے ہیں جو ہمیشہ سے کھلے ہیں اور بندگانِ خدا ہر زمانے میں کم و بیش ان ہی پر چل کر منزلِ مقصود تک پہنچتے رہے ہیں۔

ایک طریقہ تو یہ ہے کہ آدمی اپنی ہی اصلاح و ترقی اور اپنے ہی نفس کے تزکیہ و تجلیہ میں زیادہ سے زیادہ ساعی رہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ فرائض اور واجبات کی ادائیگی اور معصیات اور مکروہات سے اپنے نفس کی حفاظت کا بیش از بیش اہتمام کرتے ہوئے جس قدر بھی ممکن ہو نفلی عبادات و قربات، روزہ نماز اور ذکر و فکر وغیرہ میں زیادہ سے زیادہ مشغول رہے —— بعض ائمہ محققین کی اصطلاح کے مطابق اس طریقہ کو "قرب بالنوافل" کہا جا سکتا ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ فرائض و واجبات کی ادائیگی اور معصیات و مکروہات سے پرہیزگاری کا اہتمام کرتے ہوئے اور اوقات میں گنجائش کے مطابق نفلی عبادات و قربات و ذکر و فکر میں بھی خاص اشتغال رکھتے ہوئے اپنا زیادہ وقت اخلاصِ نیت کے ساتھ رضائے الٰہی اور اجرِ اخروی کو مطمح نظر بنا کر) دوسرے بندگانِ خدا کی اصلاح و ہدایت، تعلیم و تربیت اور تبلیغ و نصیحت جیسے کاموں میں اور اعلاءِ کلمۃ الحق و احیاءِ شریعت کی کوششوں میں صرف کیا جائے —— اس طریقے کو "قرب بالسعی للغیر" سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اور اگرچہ اسلام کے قرونِ اولیٰ میں سالکینِ راہِ رضا اور طالبینِ قربِ مولیٰ کے لیے یہی عام شاہراہ تھی۔ لیکن بعد کے زمانوں میں کچھ خاص اسباب کی وجہ سے اس راہ پر چلنے والوں کی کثرت نہیں رہی بلکہ معاملہ معکوس ہو گیا یعنی اہلِ سلوک کے مختلف حلقوں میں زیادہ تر پہلے ہی طریقے کو اختیار کر لیا گیا، اور اس سے

بھی بڑا اور افسوناک ذہنی تغیر یہ ہوا کہ بہت سے خانقاہی دائروں میں سلوک الی اللہ اور
تقرب خداوندی کو صرف اسی پہلے طریقے (قرب بالنوافل) ہی میں منحصر بھی سمجھا جانے لگا
اور ان لوگوں کے خیال میں روحانی و دینی کمال صرف قرب بالنوافل ہی کا نام رہ گیا
مختلف زمانوں میں مصلحین و مجددین نے اس غلط خیالی کو محسوس کرکے اس کی اصلاح کی کوشش بھی کی لیکن پھر
بھی بہت سے عام و خاص حلقوں میں یہ غلط فہمی اب تک چلی آرہی ہے۔[1] جس کا افسوسناک اور نہایت مضرت
رساں نتیجہ یہ ہے کہ امت کی عمومی تعلیم و تربیت، اصلاح و دعوت،
اور اقامت دین و احیاء شریعت کا وہ اہم بنیادی کام جو دینی نظام کے لیے گویا ریڑھ کی
ہڈی ہے اور دین کی سرسبزی و شادابی جس پر موقوف ہے اور بلاشبہ جس کا اجر اور درجہ بھی
اللہ کے نزدیک صرف نفلی عبادات و قربات و ذکر و فکر میں مشغول رہنے سے بہت زیادہ ہے
آج ان عام و خاص حلقوں میں وہ ایک عمومی قسم کا اور معمولی درجے کا کام سمجھا جاتا ہے۔
اور دینی و روحانی ترقی کے طالب اور قرب خداوندی کے جویا اپنے اس سفر میں اور اس
مقصد کے لیے اس راہ سے چلنے اور اپنے اوقات اور اپنی ہمتوں کو اس رخ پر لگانے کا
ارادہ بھی نہیں کرتے، جس کی وجہ سے یہ میدان اصحاب ہمت و عزیمت سے خالی اور یہ
بازار سرد پڑا ہوا ہے۔ حالانکہ "شہسواروں" کی تگ و تاز کے لیے اصل جولانگاہ
اور شاہبازوں کی پرواز کے لیے اصل فضا یہی تھی ———۔
یہ کیوں ہے ——؟ اور یہ عام و خاص حلقے اس غلط فہمی اور غلط علمی میں کیوں مبتلا ہوئے
اور کیوں اب تک مبتلا ہیں ————؟ اگرچہ یہ سوال اور اس کا جواب آج کے
ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ تاہم اصل مدعا ہی کو سلجھانے کی خاطر اس بارے میں بھی
اتنا عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جہاں تک عوام الناس کی غلط فہمی کا تعلق ہے
سو اس کی بڑی وجہ تو یہ ہے کہ پہلے طریقہ قرب بالنوافل میں چونکہ سالک عوام کی دنیا سے
الگ تھلگ رہ کر ہمہ تن عبادت اور ذکر و فکر میں مشغول رہتا ہے۔ اور مشاغل دنیوی میں
پھنسے ہوئے عوام اس طرز زندگی کو بجا مشکل اور انتہائی درجہ کا غیر معمولی کام سمجھتے ہیں۔

---

[1] گزشتہ صدیوں میں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اور ان کے بعد انہی کے نقش قدم پر چلنے
والے امیر المومنین سید احمد شہیدؒ اور ان کے خاص رفقاء نے اس غلطی کی اصلاح کی طرف خاص اور مستقل
توجہ فرمائی جیسا کہ مکتوبات اور صراط مستقیم کے مطالعہ سے ظاہر ہے ۱۲۔ منہ۔

اور اس طرح کی مشکل اور غیر معمولی باتوں ہی سے متاثر ہوتا اور ان کی خاص اہمیت و وقعت سمجھتا ہے، کہ عام انسانوں کا مزاج ہے اس لیے یہ بیچارے اسی طریق کو قرب آلٰہی اور خدا رسی کا خاص الخاص راستہ سمجھتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس طریق پر چلنے والوں سے خوارق و کشوف وغیرہ کا ظہور بھی نسبتاً زیادہ ہوتا ہے[1]۔ اس لیے بھی خیال عام اسی طریق کو خدا رسی کا خاص راستہ اور اسی طرز زندگی کو سب سے بڑا دینی و روحانی کمال سمجھتا ہے —"

رہے اس خیال کے خواص، یعنی خود اہل سلوک کے وہ حلقے جو اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور سلوک الی اللہ کو اسی طریق میں منحصر سمجھتے ہیں۔ سو اس کی بہت سی وجوہ ہیں جن میں سے ایک عمومی اور اس جگہ قابل ذکر وجہ یہ بھی ہے کہ اس طریق (قرب بالنوافل) میں یکسوئی کے ساتھ کثرت، ذکر و فکر سے سالک کے باطن میں ایک گونہ لطافت و نورانیت اور ملاء اعلیٰ سے ایک طرح کی خاص مناسبت و موانست پیدا ہوجانے کی وجہ سے وہ اپنے اندر کچھ آثار و انوار محسوس کرنے لگتا ہے۔ اور بسا اوقات خاص "احوال و کیفیات" اور "مشاہدات و تجلیات" کا دروازہ اس پر کھل جاتا ہے — اور دوسرے طریقہ (قرب بالفرائض) میں چونکہ عوام کے ساتھ ہی اختلاط رہتا ہے اور احوال و اوقات میں بھی تشتت و انتشار ہوتا رہتا ہے اس لیے ان احوال و کیفیات کا ورود اس میں اس طرح سے عموماً نہیں ہوتا ہے یا بہت کم ہوتا ہے بہرحال پہلے ہی طریقے کے ساتھ بہت سے اہل سلوک کی خصوصی دلچسپی کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے۔ "حالانکہ یہ "احوال و کیفیات" اور "مشاہدات و تجلیات" اس فن کے اکابر

---

[1] قرب بالنوافل کے اس طریق میں چونکہ سالک کو عالم ملکوت سے زیادہ مناسبت ہوجاتی ہے نیز یکسوئی کے ساتھ حق جل جلالہ ہی کی طرف متوجہ رہنے کی وجہ سے اس کی ہمت اور روحانیت بھی بہت زیادہ قوی ہوجاتی ہے اسلیے خوارق و کشوف جیسی چیزوں کا ظہور ان حضرات سے زیادہ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ زمانہ ما بعد کے بہت سے اولیاء اللہ سے قریب بہ تواتر اتنے خوارق منقول ہیں کہ کسی بڑے سے بڑے صحابی حتیٰ کہ حضرات خلفاء اربعہؓ سے بھی منقول نہیں حالانکہ عند اللہ ان اولیاء اللہ کا درجہ ان حضرات صحابہ کے عوام کے برابر بھی نہیں اس مضمون کی پوری تفصیل اور تحقیق مکتوبات امام ربانی میں دیکھی جا سکتی ہے —

ائمہ کے نزدیک کوئی خاص مقصدی اہمیت نہیں رکھتے بلکہ ان کا درجہ صرف یہ ہے کہ ان کے نزدیک صرف یہ ہے کہ ان کے ذریعے مبتدیان راہ سلوک کی ہمت افزائی کی جاتی ہے تاکہ شوق وطلب ان پر ترقی پذیر رہے اور سعی وجہد کا قدم آگے بڑھتا رہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے مشہور خلیفہ ملا یار محمد بدخشی کو ایک مکتوب میں انہی مشاہدات وتجلیات کے متعلق لکھتے ہیں۔

"شیخ اجل امام ربانی حضرت خواجہ یوسف ہمدانی فرمودہ اند تلک خیالات تربی بہا اطفال الطریقۃ" (مکتوب ۲۱۱/۱ ج)

شیخ اجل امام ربانی حضرت خواجہ یوسف ہمدانی نے فرمایا ہے کہ یہ خیالی چیزیں ہوتی ہیں جن کے ذریعہ مکتب طریقت کے بچوں کی تربیت کی جاتی ہے۔

اور ایک دوسرے مکتوب میں جو ملا حاجی محمد لاہوری کے نام ہے ارقام فرماتے ہیں۔

احوال ومواجید وعلوم ومعارف کہ صوفیہ را در اثنائے راہ دست میدہند نہ از مقاصد اند بل اوہام وخیالات تربی بہا اطفال الطریقۃ[1] (مکتوب ۳۶)

جو احوال ومواجید اور علوم ومعارف صوفیہ پر اثنائے سلوک میں وارد ہوتے ہیں وہ مقاصد میں سے نہیں ہیں بلکہ یہ اوہام وخیالات کے قبیل کی چیزیں ہیں۔ جن کے ذریعہ مکتب طریقت کے بچوں کو تربیت دی جاتی ہے۔

بہرحال یہ انوار وتجلیات اور یہ احوال وکیفیات جنکا ورود "قرب بالنوافل" کے راستے سے چلنے والے بہت سے سالکوں پر ہوتا ہے۔ اگرچہ وسیلہ تربیت اور ذریعہ ترقی ہونے کی حیثیت سے قابل شکر انعامات الٰہیہ ہیں تاہم نہ یہ خود مقصود ومطلوب ہیں

---

[1] حضرت مجدد رحؒ کی ان عبارات کا مطلب یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ یہ "احوال وکیفیات" اور مشاہدات وتجلیات شیطانی قسم کے وساوس واوہام ہیں بلکہ واقعہ یہ ہے جیسا کہ خود حضرت ہی نے اسی مکتوب میں آگے چل کر وضاحت فرمائی ہے، کہ یہ بھی ایک درجہ میں انعامات الٰہیہ ہیں اور سالک کو ان سے بہت کچھ فائدہ بھی ہوتا ہے بشرطیکہ ان سے ہمت افزائی ہی کا کام لیا جائے اور سالک انہی کو مقصود ومنتہا سمجھ کر ان میں پھنس کر نہ رہ جائے ۔۔۔ ۱۲ ۔

اور نہ ایسی دولت ہیں جن کے لیے قرب بالفرائض کا راستہ چھوڑ کے "قرب بالنوافل"
ہی کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رح ایک مکتوب میں خاص اپنے متعلق
ارقام فرماتے ہیں ۔

این فقیر از نقد وقت خود مے نویسد
که مدتہا از علوم و معارف و از
احوال و مقامات در رنگ ابر
نیساں ریختند و کارے که باید کرد
بعنایت اللہ سبحانہ کردند۔ و الحال
آرزوے نہ ماندہ است الا آں
که احیائے سنتے از سنن مصطفویہ
علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات
نمودہ آید و احوال و مواجید مرار
باب ذوق را مسلم باشد۔
(مکتوب ۳۴ ج ۱)

یہ فقیر خود اپنی حالت لکھتا ہے کہ مدتوں
علوم و معارف اور احوال و مقامات
ابر نیساں کی طرح برسے اور ان کا
جو نتیجہ نکلنا چاہیے تھا اللہ تعالیٰ کی
عنایت سے وہ پورا ہوا اور اب
اس کے سوا کوئی ارمان اور آرزو
نہیں رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی سنتوں میں سے کسی
سنت کا احیاء کیا جائے اور اس کو
رواج دیا جائے اور احوال و مواجید
ارباب ذوق کو مبارک ہوں ——

## قرب بالفرائض کی ترجیح و فضیلت کے وجوہ

"قرب بالفرائض" کے طریقہ اور اس سلسلے کے مشاغل (مثلاً خدا فراموش انسانوں میں تبلیغ و دعوت، جاہلوں ناواقفوں کی تعلیم و تربیت اور اقامت دین و احیاء شریعت کے لیے جدوجہد وغیرہ) کو "قرب بالنوافل" کے طریقے کے مقابلے میں ترجیح و فضیلت کی یہ وجہ تو بالکل ظاہر ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام کے خاص مشاغل و وظائف ہیں اور وہ حضرات (علیہم الصلوٰۃ والسلام) خاص انہی کاموں کے لیے مبعوث ہوتے ہیں بس اپنی قوتوں اور اپنی ہمتوں کو ان ہی کے طریقے پر اخلاص و احتساب کے ساتھ ان کاموں میں لگانا اور اسی میں جدوجہد کو اپنا خاص وظیفہ حیات بنا

لیکن ان مقدس و برگزیدہ ہستیوں کی خاص نیابت بلکہ ایک طرح سے ان کی رفاقت اور ان کے مقصد، ان کی فکر اور ان کے درد میں شرکت ہے، اور ایک غیر نبی کے لیے اس سے بڑی کوئی سعادت نہیں ہو سکتی۔

علاوہ ازیں اس طریقہ کا فیض متعدی ہے کہ اس راہ کا چلنے والا اپنی اصلاح و تکمیل کے ساتھ ساتھ سیکڑوں ہزاروں بندگان خدا کی اصلاح و ہدایت کا بھی ذریعہ بنتا ہے اور اس واسطے صحیح حدیث —

| | |
|---|---|
| من دل علی خیر فلہ مثل اجر فاعلہ۔ (مسلم) | جو شخص کسی آدمی کو کسی نیکی کی طرف رہنمائی کرے تو اس شخص کو اس نیکی کے کرنے والے ہی کے برابر اجر و ثواب ملے گا۔ |

کے مطابق سیکڑوں ہزاروں انسانوں کے بے حساب و بے شمار اعمال خیر کے بھی اجر کا مستحق ہوتا ہے۔

نیز یہاں یہ نکتہ بھی خاص طور سے ملحوظ رکھنے کے قابل ہے کہ "قرب بالنوافل" کے طریق میں زیادہ سے زیادہ محنت و مجاہدہ کرنے والے اپنے گنے چنے فرائض کے علاوہ صرف اپنی نفلی عبادات و قربات ہی کا سرمایہ جمع کر سکتے ہیں۔ لیکن قرب بالفرائض کی راہ پر چلنے والے چونکہ سیکڑوں انسانوں کو ان کے بنیادی فرائض کی تبلیغ و تلقین کرتے اور تعلیم دیتے ہیں اس لیے ان کے حساب میں اپنے ذاتی فرائض و نوافل کے علاوہ ان سیکڑوں آدمیوں کے فرائض اور نوافل کا بھی اجر لکھا جاتا ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ حقیقت یہ ہے کہ فرائض کا اجر نوافل سے بہت زیادہ ہے اور نفس ایمان اور اسلام کا درجہ تو یقیناً فرائض و نوافل سب سے زیادہ ہے پس اللہ کا جو بندہ قرب بالفرائض کی راہ اختیار کر کے خدا اور رسول سے بے گانہ اور حقیقت و ایمان سے نا آشنا قسم کے جاہلوں اور غافلوں میں تبلیغ کر کے اور ان کو تعلیم و تربیت دے کے دین سے آشنا کرتا ہے اس میں کیا شبہ کہ اس کے نامہ اعمال میں ان لوگوں کے نفس ایمان و اسلام کا اجر بھی لکھا جاتا ہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جو اس اجر بے حساب کا حساب بھی لگا سکے۔

نیز قرب بالنوافل کے طریق میں صرف اپنی زندگی تک ترقی کا سلسلہ جاری

رہتا ہے جہاں موت نے روح کو جسم سے الگ کیا اور سلسلۂ عمل ختم ہوا ترقی بھی ختم ہو جاتی ہے۔ مگر "قرب بالفرائض" کی راہ میں جب تک اس کے دینی و علمی فیض کا سلسلہ جاری رہے خواہ وہ واسطہ در واسطہ کی شکل میں قیامت تک ہی جاری رہے برابر اعمال نامہ میں اندراج ہوتا رہتا ہے اور اس کی وجہ سے درجات میں بھی ترقی ہوتی رہتی ہے۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ میں اس کی تصریح وارد ہوئی ہے۔

اور قطع نظر ان تفصیلات سے سب سے اہم بات وہی ہے جو پہلے عرض کی گئی کہ "قرب بالفرائض" کا یہ راستہ انبیاء علیہم السّلام اور ان کے خواص اصحاب و حواریین کا راستہ ہے، اور اس کے مشاغل (تعلم و تعلیم، دعوت و تبلیغ، اصلاح و ارشاد، اور اقامت دین و احیاء شریعت کی کوشش وغیرہ) ان حضرات کے خاص مشاغل ہیں۔ پس اس طریق کو اختیار کرنے والے اور ان کاموں کو سنبھالنے والے بلاشبہ تمام حضرات انبیاء علیہم السّلام کے اور خصوصاً حضرت خاتم الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دینی خلفاء ہیں، اگرچہ سیاسی نظام اور سیاسی طاقت والی خلافت ظاہرہ ان کے پاس نہیں ہے لیکن اصل امانت دینوی کی حفاظت اور تبلیغ و دعوت اور ماننے والوں کی تعلیم و تربیت اور اصلاح و ارشاد کا کام بھی بلاشبہ ایک طرح کی "خلافت نبوّت" ہی ہے[1]۔ بلکہ یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ مقصدی اہمیت اس کو زیادہ حاصل ہے اور بہ وجہ احسن اور وسیع پیمانہ پر انہی مقاصد کی تکمیل کے لئے "خلافت ظاہرہ" مقصود ہوتی ہے۔

[؟] نیز یہ بھی حقیقت ہے کہ یہی غیر سیاسی خلافت حضرت شاہ ولی اللہ کی اصطلاح کے مطابق "خلافتِ باطنہ" اگر ایک مرکز اور نظام کے ساتھ ہو تو "خلافتِ ظاہرہ" تک بھی پہونچا دیتی ہے، "استخلاف فی الارض" اور "تمکین دینی" کا انعام انہی فرائض اور انہی خدمات کی انجام دہی پر مرتب ہوتا ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ اور یہی اس کی سُنّت ازلیہ ہے، بلکہ یہ دعویٰ بھی کیا جا سکتا ہے کہ "خلافتِ نبوت" کے قیام کا

---

[1] حضرت شاہ ولی اللہ نے "فیوض الحرمین" میں اس پر مستقل بحث فرمائی ہے اور اس کا نام انھوں نے "خلافت باطنہ" رکھا ہے

صحیح راستہ صرف یہی ہے۔ اور اس طریقہ اور اس ترتیب کو چھوڑ کر دوسرے طریقوں پر جد و جہد کرنے سے اگرچہ "اپنی حکومت" قائم کی جا سکتی ہے لیکن خلافتِ نبوت قائم نہیں ہو سکتی ـــ والتفصیل لا یسعہ المقام

خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا ورنہ عرض کرنا یہی تھا کہ "قرب بالفرائض" کی شان بہت اعلیٰ و ارفع ہے اور اس کے مشاغل تبلیغ و دعوت، تعلیم و تربیت، اصلاح و ارشاد اور اقامتِ دین و احیاء شریعت کے لئے جد و جہد وغیرہ کا درجہ اور اجر نفلی عبادات و قربات اور ذکر و فکر ہی میں مشغول و منہمک رہنے سے یقیناً بہت زیادہ ہے۔ خصوصاً اس دور میں تو اس طریقہ اور ان مشاغل کی اہمیت اس لئے اور بھی زیادہ ہو گئی ہے کہ زمانہ ہی عوامی تحریکات اور عمومی و جمہوری دعوتوں کا ہے، اور مختلف مادی اور لادینی تحریکیں بے حد تیزی کے ساتھ بڑھتی ہوئی عوام کو اپنی طرف جذب کرتی جا رہی ہیں ایسے وقت میں بھی اگر دین کی دعوت، دینی تعلیم و تربیت، اور اصلاح و ارشاد کی جد و جہد و تبلیغ پیمانہ پر ادر عوامی تحریک کے رنگ میں نہیں کی گئی اور اللہ کے وفادار اور اس کی رضا کے طلبگار بندے خدمتِ دین کے اس عوامی میدان میں نہ اترے تو دین کی امانت کا بس اللہ ہی حافظ ہے۔

امام ابو اسحٰق اسفرائینی کا پرجوش اور ولولہ انگیز پیغام رہ رہ کے یاد آتا ہے، ان کے زمانے میں جب عام مسلمانوں کا دین و ایمان بعض گمراہانہ فتنوں کی وجہ سے خطرہ میں پڑ گیا تھا تو آپ اپنے عہد کے بعض ان اکابر و مشائخ کے پاس پہونچے جو دنیا و مافیہا سے یکسو ہو کر پہاڑوں کے غاروں میں عبادت و مجاہدہ میں مصروف تھے اور کہا (اور اللہ اکبر کیسے درد سے کہا)

| | |
|---|---|
| اکلۃ الحشیش انتم ھھنا وامۃ | جنگل کی سوکھی گھاس پر گزارہ کرنے والو! تم یہاں |
| محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی الفتن | ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت |
| | گمراہیوں میں مبتلا ہو رہی ہے۔ |

الغرض یہ کام یعنی مسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت اور جاہلوں ناواقفوں کی دینی تعلیم و تربیت اور غافلوں ناآشناؤں کو تبلیغ و دعوت کا کام اگرچہ ہر وقت اور ہر حال میں بہت بڑا اور بہت اہم کام ہے اور جیسا کہ تفصیل سے اوپر عرض کیا گیا عند اللہ اس کا درجہ بہت اعلیٰ و ارفع ہے اور اعقیوں کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی کمال اور ترقی کا کوئی مقام نہیں ہے۔ بقول حضرت مجدد رحمہ

ہیچ کمالے برتبۂ دعوت و تبلیغ نرسد
فان احب عباد اللہ الی اللہ من
حبب اللہ الی عبادہ و حبب عباد اللہ
الی اللہ وھو الداعی و المبلغ "
مکتوبات امام ربانی مکتوب ۴۴ ج ۲

کوئی کمال دعوت و تبلیغ کے مرتبہ کو نہیں پہونچتا
کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں میں سب سے زیادہ
محبوب وہ ہے جو اللہ کو اس کے بندوں کا محبوب
بنادے اور بندوں کو اللہ کا محبوب بنادے"
اور وہ داعی اور مبلغ ہوتا ہے۔

لیکن بالخصوص ایسے زمانے میں کہ چاروں طرف سے مادیت اور لادینیت کے بادل امنڈ رہے ہوں اور دین سے غفلت و جہالت اور خدا فراموشی کی گھٹائیں نہایت تیزی سے دنیا پر چھائی چلی جا رہی ہوں، سو ایسے وقت میں تو ان کاموں کی قدر و قیمت اللہ کے یہاں بے حساب بڑھ جاتی ہے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ ہی نے کیسی اچھی تمثیل میں فرمایا ہے۔

مثلاً سپاہیان در وقت غلبۂ دشمناں و
استیلاء مخالفاں اگر اندک ترددی کنند آں قدر
نمایاں میشود و اعتباری گردد کہ در وقت
امن اضعاف آں در حیز اعتبار نمی آید
مکتوب ۴۴

مثلاً جو سپاہی دشمن کے غلبہ اور مخالفین کے چڑھ آنے
کے نازک وقت میں تھوڑی سی بھی وفادارانہ
جد و جہد کرتے ہیں وہ ایسا امتیاز اور اعتبار حاصل
کر لیتے ہیں کہ عام امن و سکون کے وقت اگر اس سے
کئی گنی جانفشانی بھی کریں تو اتنا اعتبار و اعتماد
پیدا نہیں ہوتا۔

الحاصل ہر زمانہ میں اور خاص کر ہمارے اس دور میں دینی و روحانی ترقی اور قرب الٰہی و رضاء خداوندی کا سب سے بڑا ذریعہ اور شاہراہ "قرب بالفرائض" ہی کا طریقہ ہے اور اس کے مشاغل مثلاً دعوت و تبلیغ، اصلاح و تعلیم اور اقامت دین و احیاء شریعت کے لئے جد و جہد کا درجہ اور اجر یکسوئی کے ساتھ نفلی عبادات و قربات اور ذکر و مراقبہ ہی میں منہمک و مشغول رہنے سے بہت زیادہ ہے ـــــ لیکن "قرب بالفرائض" کے ان مشاغل کی یہ امتیازی حیثیت اور "قرب بالنوافل" کے مقابلہ میں ان کی یہ عظمت اور فوقیت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ ان کاموں میں اشتغال اخلاص و احتساب اور خشیت و انابت کی صفت کے ساتھ ہو۔ اگر یہ نہیں ہے تو پھر ساری دوڑ دھوپ اور جد و جہد ایک بے روح عامیانہ تحریک یا ایک پیشہ اور حرفہ کے سوا کچھ نہیں ہے

(اعاذنا اللہ من ذالک) اور ان اوصاف (اخلاص و احتساب) کے حاصل ہونے کا عام آزمودہ اور عادتی ذریعہ ان صفات والوں کی صحبت و رفاقت اور تنہائیوں کے اوقات میں ذکر و فکر کی کثرت ہے ان دونوں چیزوں کے اہتمام کے بغیر اخلاص و احسان جیسی کیفیات کا پیدا کرنا اگرچہ عقلاً ناممکن نہیں لیکن عادتاً دشوار اور اہل تجربہ کی شہادت کے مطابق شاذ ضرور ہے۔

## ضروری استدراک :-

اُوپر کی سطروں سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ "تقرب بالنوافل" کے طریقہ کو ہم غلط یا غیر شرعی اور غیر مرضی سمجھتے ہیں، ہرگز نہیں! حاشا ہزار بار حاشا!! ہماری گزارش کا مدعا تو صرف یہ ہے کہ "قرب بالفرائض" کا راستہ قابل ترجیح اور افضل ہے اور خصوصاً ہمارے اس زمانہ کے حالات اور دینی ضروریات کا تقاضہ یہ ہے کہ اللہ کے بندے اس طریق کو اختیار کریں اور اپنی ہمتوں کو اسی رخ پر لگائیں۔

نیز ہمیں اس سے بھی انکار نہیں کہ ہمارے زمانہ کے عمومی فساد کی وجہ سے اکثر طبیعتوں کی حالت ایسی ہو گئی ہے کہ کچھ مدت یکسوئی کے ساتھ ذکر و فکر کے بغیر ان پر اخلاص و احسان کا رنگ بھی نہیں چڑھتا، سو ایسے حضرات کے لئے کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ تیاری کے طور پر کچھ دنوں اسی طریق پر چلیں لیکن مطمع نظر دین کی خدمت و نصرت ہی کے مشاغل کو بنائیں، اللہ کی بخشی ہوئی قوتوں اور صلاحیتوں کا اس سے بہتر مصرف کوئی نہیں ہے۔

آخر میں یہ عرض کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عوامی دعوت و تبلیغ اور عوامی تعلیم و تربیت کا یہ کام جس کی طرف اس مضمون میں ہم نے خصوصیت کے ساتھ دعوت دی ہے۔ اس سے ہماری مراد خاص متعارف وعظ گوئی نہیں ہے جس کے لئے علم دین کی ایک خاص مقدار ضروری ہے بلکہ حقیقتِ دین سے نا آشنا طبقوں میں دین کا صحیح شعور پیدا کرنا اور کم از کم دین کی بنیادی باتوں کی ان کو تعلیم و تلقین کرنا اور اسی درجہ کی ان کی عملی اصلاح کی کوشش کرنا اس سلسلہ کا ابتدائی کام ہے جس میں ہر مسلمان اپنی صلاحیت کے مطابق کچھ نہ کچھ حصہ لے سکتا ہے اور اسی کے ساتھ خود بھی تعلیم و تربیت حاصل کر سکتا ہے ۔ اس کا طریقہ اور پروگرام اس کے کرنے والوں سے معلوم ہوگا اور اس سے پہلے بعض مقالات میں کچھ لکھا بھی جا چکا ہے۔ اب ہم اس مضمون کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک

حدیث پر ختم کرتے ہیں۔

عن الحسن مرسلاً قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن رجلین کانا فی بنی اسرائیل احدھما کان عالماً یصلی المکتوبۃ ثم یجلس فیعلم الناس الخیر والاٰخر یصوم النہار ویقوم اللیل ایہما افضل؟ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فضل ھذا العالم الذی یصلی المکتوبۃ ثم یجلس فیعلم الناس الخیر علی العابد الذی یصوم النہار ویقوم اللیل کفضلی علی ادناکم

رواہ الدارمی (مشکوٰۃ)

حضرت حسن بصریؒ سے مرسلاً مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے بنی اسرائیل کے دو شخصوں کی بابت سوال کیا کہ جن میں سے ایک دین کا جاننے والا تھا اس کا طریقہ یہ تھا کہ فرض نماز پڑھتا اور پھر بیٹھ کر لوگوں کو اچھی باتیں بتاتا اور سکھاتا اور دوسرا ہمیشہ دن کو روزے رکھتا اور رات بھر نوافل پڑھتا تھا (حضورؐ سے دریافت کیا گیا) کہ ان دونوں میں سے کون افضل ہو؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ شخص جو فرائض ادا کرتا ہے اور پھر بیٹھ کر لوگوں کو اچھی باتیں بتلاتا اور سکھاتا تھا۔ اس قائم اللیل صائم النہار عابد کے مقابلے میں ایسی فضیلت رکھتا ہے، جیسی کہ تم میں سے کسی ادنیٰ آدمی پر مجھے فضیلت حاصل ہے۔

ملحوظ رہے کہ حضورؐ کے جواب میں جو تمثیل ہے سو یہ مقدار فضیلت میں تمثیل نہیں ہے بلکہ فضیلت کی نوعیت میں تمثیل ہے۔ فلا یغرنکم باللہ الغرور (الفرقان ذی قعدہ ۱۳۶۵ھ)

# روشن خیالی یا حماقت؟

(عہد حاضر کا ایک مشہور مغالطہ ہے جو روشن خیالی کے احمق مدعیوں کی زبانی آپ نے بھی بارہا سنا ہوگا کہ "زمانہ بدل گیا' اب دنیا بہت آگے بڑھ گئی. ہزاروں برس پہلے کے مذہبی ڈھکوسلوں پر اب کون یقین کر سکتا ہے." اس عام اور رود مغالطہ پر چند سطریں حضرت مولانا گیلانی مدظلہ نے اپنے ایک خط میں لکھی تھیں جو "صدق" میں چھپ بھی چکا ہے' اُن کی افادیت کا تقاضا ہے کہ "الفرقان" کے صفحات میں بھی اس کو محفوظ کر دیا جائے. ملاحظہ فرمائیے.

تسلیم ہے کہ دنیا ترقی کر رہی ہے' مٹی کے دیا کی جگہ برقی لیمپ' رتھ اور بیل گاڑی کی جگہ ریل' ہوائی جہاز اور موٹر چل رہے ہیں' ٹیلیفون ایجاد ہوا' تار برقی ایجاد ہوئی' لاسلکی کا تماشہ دیکھا' ریڈیو کا رواج ہوا' یہ ہوا' وہ ہوا' ہم اسے انسانی ضروریات کی ترقی نہیں بلکہ انسان ہی کی ترقی مان لیتے ہیں' لیکن ان ترقیوں کی وجہ سے مذہب کے کسی مسئلہ میں تبدیلی کی ضرورت کیوں محسوس ہوتی ہے یہ سمجھ میں نہ آیا ——— میں ایسے لوگوں سے اکثر کہا کرتا ہوں کہ ہاں اب تو فرشتہ کا وجود ناممکن ہے اس لیے کہ سائیکل چلتی ہے' عذاب قبر کو کیسے مانا جائے جبکہ ریل چلنے لگی' جنت کا کوئی اب کیسے یقین کرے جب گراموفون بجنے لگا. الی غیر ذالک ——— جب شروع شروع لوگوں کے سامنے اس قسم کے جملے دہراتا ہوں تو لوگ میرا منھ تکنے لگتے ہیں' آخر آپ کہہ کیا رہے ہیں؟ گراموفون کا اثر جنت کے وجود پر کیا پڑ سکتا ہے ———؟ تب میں جواب میں کہتا ہوں کہ ان ایجادات و اختراعات کے متعلق اس زمانہ میں جو چاہیے کہ بنیاد مذہب کی انھوں نے ہلا دی ہے' وہ یہی چیزیں تو ہیں اور مذہب اُن چیزوں کا نام ہے جن کا میں نے ذکر کیا تو شرم سے گردنیں جھک جاتی ہیں' پوچھتا ہوں کہ بڑی سے بڑی ایجاد'

بڑے بڑے انکشافات کا ذکر کرو اور بتاؤ کہ مذہب کے بڑے نہیں کسی چھوٹے سے چھوٹے مسئلہ پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے؟ بلکہ مذہب کے صحیح حقائق کو جانے دیجئے جھوٹے مذاہب کے اوہام و خرافات پر بھی تو ان اختراعات و ایجادات کا اثر مرتب نہیں ہوتا، اسی لیے تو دیکھا جاتا ہے کہ موٹروں پر بھی بیٹھ کر لوگ باطمینان تبخانہ جاتے ہیں، صنم خانوں میں ہارمونیم اور گراموفون بج رہے ہیں، مندروں کو بجلی کے قمقموں سے سجایا جا رہا ہے۔

واقعہ تو یہی ہے، لیکن دنیا کو یہی باور کرایا گیا اور اچھے اچھوں کو مغالطہ لگ گیا۔"

(الفرقان ذیقعدہ و ذی الحجہ ۱۳۶۲ھ)

---

محمد منظور نعمانی

# توحید الٰہی سے کھلی بغاوت

## امام جعفر صادق کے کونڈے

قرآن کریم اور صاحب قرآن علیہ التحیۃ والتسلیم کی کھلی تعلیم ہے کہ حاجت روا اور مشکل کشا صرف خداوند تعالیٰ ہے، نصرت و اعانت کے خزانے صرف اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں، وہی مصیبت کو راحت اور غم کو مسرت سے بدل سکتا ہے، وہی نامرادوں کو بامراد اور بربادوں کو آباد کرتا ہے، اس کے کارخانۂ قدرت میں کوئی شریک و دخیل نہیں، لہٰذا اسی سے اپنی حاجت طلب کرو اور اسی سے مدد چاہو۔ ارشاد قرآنی ہے:

قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ فَأَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝

(ان مشرکوں سے) کہیے (بتلاؤ) کون ہے جس کے قبضۂ قدرت میں ہر چیز کی حکومت ہے، اور وہ بچا لیتا ہے اور اس (کی گرفت) سے کسی کو بچایا نہیں جا سکتا اگر تم جانتے ہو؟ وہ کہیں گے کہ یہ سب کچھ اللہ ہی کے اختیار میں ہے، کہہ دو کہ پھر تم کیونکر دیوانے بن جاتے ہو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

مَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝

خداوند عزیز و حکیم کے سوا کوئی مددگار نہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

| | |
|---|---|
| اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ۔ | کون ہے جو (دکھ درد سے) بیتاب ہونے والے کی سنتا ہے؟ جبکہ وہ اسکو پکارے اور اس کی تکلیف دور کرتا ہے (تو کیا خدا کے سوا کوئی اور ذات ہے؟ ہرگز نہیں) |

اسی بنا پر ارشاد فرمایا گیا:

| | |
|---|---|
| اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ | مجھے پکارو میں تمہاری سنوں گا (مجھ سے مانگو میں تم کو دوں گا) |

اور اسی لیے اُن گمراہوں کے متعلق جو خدا کے سوا دوسروں سے اپنی حاجتیں طلب کرتے اور مرادیں مانگتے ہیں صاف صاف اعلان کر دیا گیا۔

| | |
|---|---|
| وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗٓ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَھُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ | اور اُس شخص سے زیادہ کون گمراہ ہے جو خدا کے سوا ایسوں کو پکارتا ہے جو قیامت کے سویرے تک بھی اس کو جواب نہیں دے سکتے۔ اور جواب تو درکنار وہ بیچارے ان کی اس دُعا تک سے بیخبر ہیں۔ |

بہر حال قرآنِ کریم نے پکار پکار کر صدہا جگہ یہ تعلیم دی ہے کہ نصرت و اعانت کے خزانے صرف خدائے قدوس کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ لہٰذا صرف اسی سے اپنی حاجتیں طلب کرو اور محض اسی سے اپنی مرادیں مانگو۔

پھر ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حاجت طلبی کے صحیح اور کامیاب طریقے بھی تعلیم فرما دیے ہیں، چنانچہ جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں ہے کہ:

"جس شخص کو کوئی حاجت درپیش ہو وہ پہلے اچھی طرح وضو کرے پھر دو رکعت نماز نفل پورے خشوع اور خضوع سے پڑھے، اس کے بعد خدا کی حمد و ثنا کرے پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھے اس کے بعد اس طرح دعا کرے۔

| | |
|---|---|
| لا الٰہ الا اللہ الحلیم الکریم، سبحان اللہ رب العرش العظیم والحمد للہ رب العٰلمین اسألک موجبات رحمتک وعزائم مغفرتک والغنیمۃ من کل برّ والسلامۃ من کل اثم لا تدع لی ذنبا الا غفرتہ ولا ھما الا فرجتہ ولا حاجۃ ھی لک رضیً الا قضیتہا یا ارحم الراحمین ؀ | اللہ حلیم و کریم کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ (تمام عیب اور نقصان کی باتوں سے) پاک ہے وہ جو عرش عظیم کا (مالک) پروردگار ہے، ساری تعریفیں اسی خدا کے لیے ہیں جو تمام کائنات کا پروردگار ہے، اے اللہ میں تجھ سے ان پاکیزہ اعمال کا سوال کرتا ہوں جو تیری رحمت کا سبب بنیں اور میرے لیے تیری مغفرت لازم کر دیں، میں تجھ سے طلب کرتا ہوں فائدہ ہر اچھے کام کا اور سلامتی ہر گناہ سے (یعنی توفیق دے کہ میں ہر اچھا کام کروں اور ہر گناہ سے بچوں) اے اللہ میرے سب گناہ بخش دے اور میرے سب غم دور کر دے، اور اے ارحم الراحمین (سب مہربانوں سے زیادہ مہربان) میری تمام حاجتیں جو تجھے پسند ہوں پوری کر دے۔ |

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، کہ اس دعا کے پڑھنے کے بعد بارگاہ رب العزت میں اپنی حاجت پیش کرے انشاء اللہ پوری ہوگی۔

اور اسی جامع ترمذی میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی پریشانی لاحق ہوتی تھی تو آپ بکثرت یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

| | |
|---|---|
| یاحیّ یا قیوم برحمتک استغیث | اے ہمیشہ زندہ رہنے والے اور سب کے کارساز بس تیری رحمت سے فریاد ہے۔ |

بہرحال حاجت طلبی کے متعلق رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی اور عملی ہر قسم کی تعلیم موجود ہے مگر امت کی بدنصیبی قابل صد ہزار ماتم ہے کہ وہ ان تمام آسمانی طریقوں سے منحرف

ہوکر دوسرے شیطانی راستوں میں بھٹک رہی ہے، کوئی حاجتی بن کر سید سالار مسعود غازی علیہ الرحمہ کے مزار پر بہرائچ جاتا ہے، کوئی حضرت خواجہ علاء الدین صابر کلیری یا خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہما کے مزارات پر چادریں چڑھانے کی منت مانتا ہے، کوئی اسی رجب کے مہینے میں امام جعفر صادقؒ کے نام کے کونڈے کرتا ہے اور اس کو اپنی حاجت براری کا ذریعہ سمجھتا ہے، لیکن ہائے افسوس بہت کم ایسے خدا کے سعادت مند بندے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقوں سے اپنی حاجتیں طلب کرتے ہیں۔

بنی اسرائیل کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام برسہا برس کی تعلیم و تبلیغ کے بعد جس قوم کو توحید کے راستے پر لائے تھے وہ سامری کے ایک معمولی سے شعبدے کو دیکھ کر بچھڑے کے سامنے جھک گئی اور توحید کا سبق بھلا بیٹھی، جس کی وجہ سے وہ تیرہ بخت قوم خدا اور اس کے رسول کے عتاب کا مورد بنی، لیکن خدا محفوظ رکھے آج آخری نبی کی آخری امت میں بھی کچھ ایسا ہی نقشہ نظر آتا ہے، قرآن پکار پکار کے کہہ رہا ہے:

ادعونی استجب لکم — مجھے پکارو میں تمہاری سنوں گا۔

ہر روز رات کو آسمان سے آواز آتی ہے:

اِلَیَّ عِبَادِی اِلَیَّ عِبَادِی — میرے بندو میری طرف دوڑو میرے بندو میری طرف آؤ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث تیرہ سو برس سے حاجت طلبی کے صحیح طریقے بتلا رہی ہیں، علمائے امت توحید، توحید، اللہ اللہ کی چیخ پکار مچا رہے ہیں، مگر گمراہ قوم ایک نہیں سنتی۔ لیکن اس تصویر کا ذرا دوسرا رخ دیکھو، کسی مسخرے نے "داستان عجیب" کے نام سے "کونڈوں" کی دو ورقی کتاب تصنیف کر کے شائع کر دی جس میں لکھا ہے کہ امام جعفر صادقؒ نے فرمایا ہے کہ:

جو شخص رجب کی بائیس تاریخ کو ہمارے کونڈے بھرے تو اس کی مراد پوری ہوگی، اور پوری نہ ہو تو قیامت کے دن میرا دامن پکڑے۔

بس یہ ایک آواز تھی جس کی طرف گمراہ قوم منہ کے بل دوڑ پڑی، وہ تاریخ قریب ہے، تم دیکھو گے کہ گھر گھر کونڈوں کے چرچے ہیں، شکر میدہ اور گھی سے خستہ پوریاں تیار ہو رہی ہیں، اور

شکم پرست ملاّنے بھر بھر کوتھے کھا رہے ہیں اور کوئی نہیں پوچھتا کہ اس روایت کی سند کیا ہے،
حدیث یا تاریخ کی کون سی کتاب میں ہے، امام جعفر صادق نے یہ کس سے فرمایا تھا؟

اللہ اللہ آج یہ اندھی بیحالی اس قوم کی ہے جس نے دنیا کو اصول روایت و درایت کا درس
دیا تھا، اور دوسری قومیں آج تک اس کے اس خصوصی اعجاز کا لوہا مان رہی ہیں۔ خود تو کوء
یہ کیمیا کا نسخہ (یعنی کونڈوں کا عمل) اب سے پہلے کسی عالم، کسی محدث، کسی فقیہ، کسی صوفی کو
معلوم نہ ہوا معلوم ہوا تو اب، چودھویں صدی میں داستانِ عجیب کے اس مسخرے مصنف کو![5]

سرِّ خدا کہ عارف و زاہد کسے نگفت    در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

اگر خدا نے کسی کو بصیرت دی ہو تو وہ اس داستان عجیب کو دیکھ کر خود ہی سمجھ سکتا ہے کہ کسی شکم
پرست ملاّنے کی گڑھنت ہے جو اس کے بہلنے یہاں جاہل مسلمانوں کا خون چوسنا چاہتا ہے، ورنہ
امام جعفر صادقؒ کو خستہ پوریوں اور کونڈوں سے کیا علاقہ؟ یہ کام تو چودھویں صدی کے مسخروں کے
ہیں کہ وہ اپنی فاتحہ کے لیے پوری کچوری، پراٹھے اور شامی کباب، مرغ پلاؤ اور مرغ کی بریانی
وغیرہ وغیرہ عمدہ عمدہ کھانوں کی فرمائش کرتے ہیں۔ امام جعفر صادقؒ جس گھرانے کے لعل
ہیں اس کا حال تو یہ تھا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں،

| | |
|---|---|
| واللہ ما شبع آل محمد صلی | اللہ کی قسم حضرت کے اہلبیت کو کبھی |
| اللہ علیہ وسلم من خبز الشعیر | دو دن متواتر جو کی روٹی سے بھی پیٹ |
| مذ یومین متتابعین۔ | بھرنا نصیب نہ ہوا |

بہر حال بصیرت رکھنے والے تو اس عجیب و غریب داستان کو سنتے ہی کہہ دیں گے کہ "واللہ
انہ من عمل الشیطان انہ عمل غیر صالح"۔ لیکن اس موقع پر ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ایک ایمان افروز
حدیث جو کنز العمال میں خاندان نبوت کے بعض ارکان سے مروی ہے نقل کر دیں تاکہ دنیا کو معلوم
ہو جائے کہ ائمہ اہلبیت توحید میں کس درجہ سرشار اور شرک و بدعت سے کیسے بیزار تھے۔

قال بعض ولد الحسن بن علیؓ    حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے

---

[5] خدا کی قسم یہ شیطانی دھندا ہے یقیناً ٹھیک نہیں۔

انی وجدت فی کتب
اٰبائی یقول اللہ جل جلالہ
وعجدی وارتفاعی فی اعلی
مکانی لا قطعن امل کل مومل
غیری بالایاس ولاکسونہ
ثوب المذلۃ عند الناس
ولانحینہ من قربی ولابعدنہ
من فضلی ایومل فی الشدائد
غیری وانا الحی، ویرجی
غیری وبیدی مفاتیح الابواب
وھی مغلقۃ وبابی مفتوح
لمن دعانی الم یعلموا
ان من قرعتہ نائبۃ
من مخلوق لم یملک کشفھا
غیری فمالی اراہ یاملہ
معرضا عنی، ومالی اراہ
لاھیا عنی، اعطیتہ بجودی
وکرمی مالم یسئلنی ویسأل
غیری ابدء بالعطیۃ
قبل المسئلۃ ثم أُسأل
فلا اجود؟ البخیل انا؟
فیبخلنی عبدی اولیس
الجود والکرم لی اولیس الفضل

بعض صاحبزادوں سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا
کہ میں نے اپنے آبائے کرام (علی النبی وعلیہم السلام)
کی کتابوں میں دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ
میری عزت اور میری انتہائی رفعت کی قسم میں
ہر اس شخص کی امیدوں کو مایوسی سے بدل کر
منقطع کردوں گا جو میرے سوا دوسروں سے
امیدیں باندھتا ہے اور لوگوں کی نظروں میں
اس کو ذلیل کردوں گا اور اپنی نزدیکی سے اس کو
دور کردوں گا اور اپنے فضل و کرم سے اس کو
بعید کردوں گا۔ کیا وہ مصائب میں میرے سوا
دوسروں سے امیدیں لگاتا ہے حالانکہ میں
زندہ موجود ہوں —— اور میرے سوا دوسروں
سے توقعات رکھتا ہے حالانکہ تمام دروازوں کی
کنجیاں میرے ہاتھ میں ہیں اور سب دروازے
بند ہیں اور صرف میرا دروازہ ہر اس شخص کے
لیے کھلا ہوا ہے جو مجھ کو پکارے —— کیا
انھیں معلوم نہیں کہ جس مخلوق پر کوئی مصیبت
آئے تو میرے سوا کوئی اس کو ٹالنے کی طاقت
نہیں رکھتا —— پھر کیا بات ہے کہ میں اس
(بیوقوف بندے) کو دیکھتا ہوں کہ وہ مجھ
کو چھوڑ کر دوسروں سے امیدیں کرتا ہے
—— اور کیا معاملہ ہے کہ میں اس کو دیکھتا
ہوں کہ وہ مجھ سے غافل ہے اور دوسروں

والرحمة والخير في الدنيا بيدي فمن يقطعها دوني أفلا يخشى المؤملون ان يؤملوا غيري؟ فلو ان اهل سماواتي واهل ارضي أمّلوا جميعاً ثمّ اعطيت واحداً منهم مثل امل الجميع ما انتقص من ملكي مثل عضو بعوضة وكيف ينتقص ملك ما انا قيمه فيا بؤساً لمن عصاني ولم يراقبني ــــ فقلت يا ابن رسول الله امل عليّ هذا الحديث فلا سألت احداً بعد هذا الحاجة۔

(کنز العمال صفحہ ۳۲۲ / ۲۴)

کی طرف جھکا ہوا ہے ــــ میں نے اس کو محض اپنے فضل و کرم سے وہ چیزیں دیں جن کا اس نے سوال بھی نہیں کیا تھا تو پھر جب کچھ سے سوال کیا جائے گا تو کیا میں نہ دوں گا؟ کیا میں بخیل ہوں تو میرا بندہ مجھ کو بخیل سمجھتا ہے؟ کیا جود و کرم میری عادت نہیں؟ کیا فضل و رحمت اور دنیا و آخرت کی ہر قسم کی بھلائی میرے ہاتھ میں نہیں ہے؟ پھر کون ہے جو اس کو منقطع کر سکتا ہے؟ کیا اُمیدیں کرنے والے میرے علاوہ دوسروں سے اُمیدیں کرتے ہوئے ڈرتے نہیں؟ (یاد رکھو) اگر سب میرے آسمان والے اور سب میری زمین والے مجھ سے امیدیں لگائیں پھر میں ان میں سے ہر ایک کو سب کی مجموعی امیدوں کی برابر دے ڈالوں تو میرے ملک میں سے ایک مچھر کے کسی عضو کی برابر بھی کمی نہ ہو اور بھلا ملک کیسے گھٹ سکتا ہے جس کا قائم رکھنے والا میں ہوں پس برا [illegible] ہو اس کو میری نافرمانی کرے [illegible] لحاظ نہیں کرتا (راوی حدیث [illegible]) کہ میں نے عرض کیا کہ [illegible] یہ حدیث لکھا دیجئے پھر میں نے اس کے بعد حضرت کے سوا کسی سے اپنی حاجت طلب

نہیں کی۔

اہل بیت کرام اور اولیائے عظام سے محبت کا دعویٰ کرنے والو! امام جعفر صادقؒ اور جلال الدین بخاری کے نام پر کونڈے بھرنے والو! پیروں شہیدوں کی منتیں ماننے والو! قبروں اور چلّوں سے مرادیں مانگنے والو! کیا تمہارے سینوں میں ایمان کی کوئی چنگاری ہے کیا تم اہلبیت کی اس ایمان افروز شیطان سوز حدیث سے کوئی سبق حاصل کرسکتے ہو؟ اللہ ہدایت کی توفیق دے۔

(الفرقان ۱۰ رجب ۱۳۵۳ھ)

---

# رسول اللہ صلعم کے حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ

از محمد منظور نعمانی

مخلص مکرم جناب حاجی جعفر بن عبد الکریم صاحب بمبئی نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر جگہ "حاضر ناظر" ہونے کے متعلق استفسار کیا تھا اور لکھا تھا کہ یہاں بہت سے لوگ میرے ایک دوست کے صرف اس لیے بہت زیادہ مخالف ہو گئے ہیں کہ ان کو اس عقیدہ سے انکار ہے اور ان کی ایذا رسانی کے در پے ہیں۔ لہٰذا اس مسئلہ کے متعلق کچھ لکھ دیا جائے۔ اسی وقت فوری طور پر جو مختصر جواب لکھا گیا تھا وہ اب نظر ثانی اور معمولی ترمیم کے بعد بغرض تعمیم فائدہ شائع کیا جا رہا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ بالکل بے اصل بلکہ نصوص صریحہ شرعیہ کے خلاف اور مشرکانہ عقیدہ ہے۔ "علیٰ کل شیئ شہید" اور "بکل شیئ محیط" صرف حق تعالیٰ کی صفت ہے۔ اس گمراہانہ عقیدہ کو اسلامی تعلیمات سے اسی قدر بُعد ہے جس قدر بت پرستی اور عقیدۂ تثلیث کو اسلام اور عقیدۂ توحید سے، اگر اس عقیدہ کے خلاف نصوص ناطق نہ ہوتے جب بھی اصول اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہ تھی، لیکن صورت حال یہ ہے کہ کتاب و سنت میں بے حساب اس کے خلاف دلائل موجود ہیں جن کا احصاء اور استیعاب بھی نہیں کیا جا سکتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لحاظ سے اس عالم کے تین حصے ہیں، ایک وہ دور ہے جبکہ آپ کی روح پاک کی تخلیق ہو چکی تھی لیکن آپ اس عالم آب و گل میں تشریف نہیں لائے

تھے۔ اس دور میں بھی آپ کی روح پاک کو بہت سے روحانی کمالات حاصل تھے' اور حسب تصریح علماء کرام و اشارات نصوص آپ کی روح مبارک اس وقت بھی وصف نبوت کے ساتھ موصوف تھی۔ مشہور حدیث ہے۔

"کنت نبیاً و آدم بین الروح والجسد" (میں اس وقت نبی تھا جبکہ آدمؑ روح اور جسم کے درمیان تھے) دوسرا دور آپ کا وہ ہے جب آپ اس عالم میں تشریف لے آئے اس دور کا آغاز ولادت طیبہ سے' اور اختتام وفات شریف پر ہوتا ہے

تیسرا دور عالم برزخ کا ہے اس کا آغاز وفات شریف سے ہوا ہے اور اب قیامت تک یہی دور ہے' قرآن و حدیث میں ان تینوں زمانوں کے متعلق تصریحات ملتی ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہیں' دور اوّل کے متعلق (جس کو عالم روحی یا عالم نوری کہنا چاہیے) قرآن پاک میں اس کی جابجا تصریحات موجود ہیں۔ سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے۔

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُوْنَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُوْنَ۝

اس کا مطلب یہ ہے کہ "جس وقت بیت المقدس کے مجاورین حضرت مریم کی کفالت کے معاملہ میں جھگڑا کر رہے تھے اور قرعہ اندازی ہو رہی تھی تو اے رسولؐ تم اس وقت اُن کے پاس موجود نہ تھے کہ تم کو ان باتوں کا علم ہوتا بلکہ اب ہم تم کو بذریعہ وحی یہ سب کچھ بتلا رہے ہیں' اور سورۂ ھود میں ارشاد ہے

تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا

(یعنی ہمارے پیغمبر نوح کا یہ واقعہ منجملہ اخبار غیب کے ہے جس کو ہم وحی کے ذریعے سے آپکو پہونچاتے ہیں پہلے سے نہ آپ اس کو جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم جانتی تھی۔

اور سورۂ یوسف میں ہے:۔

"ذٰلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ" ——— یعنی یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے ہم ہی آپکو وحی کے ذریعہ سے یہ قصہ بتلاتے ہیں اور آپ ان برادران یوسف کے پاس اس وقت موجود نہ تھے جبکہ انھوں نے (یوسف کو کنوئیں میں ڈالنے کا) کا پختہ فیصلہ کیا تھا اور جبکہ وہ خفیہ

تدبیروں میں لگے ہوئے تھے

اور سورۂ قصص میں ارشاد ہے:

" وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ " ۔۔۔۔ یعنی اے رسول جس وقت ہم نے موسیٰ کی طرف یہ حکم بھیجا تھا اس وقت تم اس مغربی جانب میں نہ تھے اور یقیناً تم وہاں حاضر نہ تھے۔

پھر اسی سورۃ میں آگے ارشاد ہے

" وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا وَلَٰكِن رَّحْمَةً مِّن رَّبِّكَ الآیۃ "
اس کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ جب ہم نے موسیٰ کو پکارا تھا تو اے رسولؐ! اس وقت تم طور کے پاس موجود نہ تھے اور اب یہ جو کچھ حالات تم کو اس وقت کے معلوم ہو رہے ہیں سو یہ تم پر خدا کی رحمت ہے کہ وہ تم کو وحی کے ذریعے ایسی ایسی عجیب و غریب خبریں بتلا رہا ہے۔ ان تمام آیات سے آفتاب نیمروز کی طرح روشن ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس عالم روح میں بھی ہر جگہ حاضر ناظر نہ تھے

نیز زمانہ نبوت کے متعلق بھی قرآن و حدیث میں اس کی صاف صاف تصریحات ملتی ہیں بطور نمونہ مشتے از خروارے چند آیات و احادیث پیش کی جاتی ہیں بعض منافقین کے بارہ میں سورہ بقرہ میں ارشاد ہے " وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللَّهَ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ . مطلب یہ ہے کہ لوگوں میں بعض وہ منافق بھی ہیں جن کی بات اے رسولؐ آپ کو اچھی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ وہ بہت چکنی چپڑی باتیں کرتے اور بہت زیادہ اظہار محبت کرتے ہیں اور اس پر خدا کی قسمیں کھاتے ہیں اور فی الحقیقت وہ دشمن اسلام و مسلمین اور نہایت جھگڑالو ہیں۔

(خلاصہ از معالم التنزیل)

نیز منافقین ہی کی ایک جماعت کے متعلق سورۂ منافقون میں ارشاد ہے۔

وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ وَإِن يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۔ یعنی وہ ایسے ہیں کہ جب آپ ان کو دیکھیں تو قد و قامت آپ کو خوش نما معلوم ہوں گے ، اور اگر وہ کچھ کہیں

تو آپ اس کو صحیح سمجھ لیں۔ (کذا فی المعالم والخازن)

اور مدینہ کے بعض گھرے منافقوں کے متعلق سورۂ توبہ میں ارشاد ہے۔ ومن اھل المدینة مردوا علی النفاق لا تعلمھم نحن نعلمھم، یعنی بعض اہل مدینہ میں سے منافقت میں بہت مشاق ہیں اے رسول آپ ان کو نہیں جانتے ہم خوب جانتے ہیں۔

ان آیتوں سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانے کے بعض منافقین کو نہیں جانتے تھے اور ان کی خفیہ ریشہ دوانیوں کی آپ کو خبر نہیں ہوتی تھی، حالانکہ اگر آپ ہر جگہ حاضر وناظر ہوتے تو کوئی بات آپ کے لیے راز نہ رہتی اور آپ پر سب کچھ ظاہر ہوتا، مزید توضیح کے لیے اس سلسلہ میں ایک واقعہ کا ذکر کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جس کا اجمالی ذکر تو قرآن مجید میں بھی ہے لیکن پوری تفصیل صحیح بخاری شریف اور دوسری کتب حدیث میں موجود ہے واقعہ یہ ہے کہ ایک غزوہ میں عبد اللہ بن ابی منافق نے کسی موقع پر یہ کہا۔

لا تنفقوا علی من عند رسول اللہ — جو لوگ رسول اللہ کے پاس رہنے والے ہیں ان پر کچھ خرچ مت کرو نیز اسی مجلس میں اس نے یہ بھی کہا۔

لئن رجعنا الی المدینة لیخرجن الاعز منھا الاذل۔ — اگر ہم مدینہ پہنچے تو ہم میں سے جو زیادہ عزت والا ہوگا وہ ذلیلوں کو نکال دے گا یعنی اب ہم مدینہ پہنچکر مہاجرین کو وہاں سے نکال باہر کریں گے۔

اس کی یہ بکواس حضرت زید ابن ارقم صحابی نے سنی اور بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئی۔ آپ نے عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کو بلایا اور دریافت فرمایا کہ یہ کیا ماجرا ہے، وہ صاف مکر گئے اور جھوٹی قسمیں کھالیں کہ ہم نے ہرگز ایسا نہیں کہا آنحضرت نے اس کی تصدیق فرمادی اور حضرت زید ابن ارقم کو جھوٹا قرار دیا[1] جس سے حضرت زید کو بھی صدمہ ہوا یہاں تک کہ انھوں نے اس رنج میں گھر سے باہر نکلنا چھوڑ دیا تا آنکہ سورۂ منافقون کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں اور ان میں حضور کو بتلایا گیا کہ عبد اللہ ابن ابی وغیرہ جھوٹے

---

[1] اس موقع پر حضرت زید ابن ارقم کے الفاظ صحیح بخاری شریف میں یہ ہیں "فصدقھم وکذبنی"

ہیں، فی الحقیقت انھوں نے یہ کلمات شنیعہ کہے تھے چنانچہ حضورؐ نے پھر حضرت زیدؓ کو طلب فرمایا اور ان کو خوشخبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے بیان کی تصدیق نازل فرما دی (صحیح بخاری کتاب التفسیر ملخصاً) ـــ یہ واقعہ بھی صاف بتا رہا ہے کہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا حضورؐ کی شان نہیں تھی ورنہ اس معاملہ میں آپ پہلے زید ابن ارقم کی تکذیب اور منافقین کی تصدیق نہ فرماتے۔

احادیث میں ایسے واقعات جن سے اس مسئلہ پر ایسی ہی صاف روشنی پڑتی ہے بکثرت موجود ہیں اور اگر ان کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم دفتر تیار ہو سکتا ہے اس لیے ایک ہی مخصوص حدیث یہاں اور پیش کی جاتی ہے۔

جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ لا یبلغنی احد عن احد من اصحابی شیئا فانی احب ان اخرج الیکم وانا سلیم الصدر۔ کوئی شخص میرے پاس کسی صحابی کی طرف سے کوئی چیز نہ پہونچائے میں چاہتا ہوں کہ میں تمھارے پاس اس حال میں آؤں کہ میرا دل سب کی طرف سے صاف ہو۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضورؐ کو اپنے صحابہ کے پرائیوٹ حالات کی اطلاع عام طور پر لوگوں کے ذکر کرنے سے ہوتی تھی اور اگر آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے تو کسی کے بیان کرنے یا نہ کرنے سے کوئی اثر نہ پڑتا۔

الغرض آیات و احادیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حیات طیبہ میں بھی یہ بات حاصل نہ تھی کہ آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہوں۔

اسی طرح زمانہ بعد وفات کے متعلق بھی نصوص شرعیہ اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں صحیحین (بخاری و مسلم) میں متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے کہ حضورؐ فرماتے ہیں کہ حشر کے دن میں حوض کوثر پر ہوں گا اور ایک جماعت کو ملائکہ جہنم کی طرف لے چلیں گے، میں کہوں گا کہ یہ تو میرے اُمتی ہیں مجھ کو جواب دیا جائے گا کہ

انک لا تدری ما احدثوا بعدک۔ — تم کو معلوم نہیں کہ انھوں نے تمھارے بعد میں کیا کیا نئے نئے پیدا کیے تھے۔

حضورؐ فرماتے ہیں جب مجھے یہ معلوم ہوگا تو میں وہی کہوں گا جو خدا کے نیک بندے

عیسیٰ بن مریم نے کہا تھا۔ کنت علیہم شہیداً ما دمت فیہم فلما توفیتنی، کنت انت الرقیب علیہم وانت علیٰ کل شیئ شہید۔ (میں ان سے خبردار تھا جب تک انمیں رہا۔ پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان کا نگراں حال تھا اور تو ہی ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔)

اس متفق علیہ حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ اس عالم سے رحلت فرمانے کے بعد حضورؐ کو امت کا پورا حال اور امتیوں کے تفصیلی احوال کی خبر نہیں حالانکہ اگر آپ اس دور میں بھی ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے تو قیامت میں یہ نہ فرماتے کہ "کنت علیہم شہیداً ما دمت فیہم"

اور بیہقی شعب الایمان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیاً ابلغتہ، جو میری قبر کے پاس درود پڑھے گا میں اس کو خود سنوں گا اور جو دور سے درود پڑھے گا وہ فرشتوں کے ذریعہ مجھ تک پہونچایا جائے گا، علامہ ابن حجر مکی جوہر منظم میں لکھتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| ومن اعظم فوائد الزیارۃ ان زائرہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی وسلم عند قبرہ سمعہ سماعاً حقیقیاً من غیر واسطۃ وناھیک بذالک بخلاف من یصلی او یسلم من بعید فان ذالک لا یبلغہ ولا یسمعہ الا بواسطۃ والدلیل علی ذالک احادیث کثیرۃ ذکرتھا فی کتاب السابق ذکرہ منھا ما جاء بسند جید و ان قیل انہ غریب من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی من | زیارت قبر اقدس کے بڑے فائدوں میں سے ایک یہ ہو کہ زائر جب آپ پر صلوٰۃ وسلام قبر شریف کے پاس جاکر پڑھتا ہو تو آپ خود سنتے اور اسکا جواب دیتے ہیں یہ نعمت کیا کم ہے بخلاف اس شخص کے جو دور سے صلوٰۃ وسلام پڑھے کیونکہ وہ آپ کو نہیں پہونچتا نہ آپ اس کو سنتے ہیں مگر بواسطہ فرشتہ کے اس کی دلیل میں بہت سی احادیث ہیں جن کو میں نے کتاب سابق الذکر (یعنی درمنضود) میں بیان کیا ہے، از اں جملہ ایک حدیث وہ ہے جو کھری سند کے ساتھ منقول ہے اگرچہ اس کو غریب کہا گیا ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہو میں خود اس کو سنتا ہوں اور جو شخص دور سے |

| | |
|---|---|
| بعید اعلمتہ | پڑھتا ہے اس کی اطلاع مجھے دیجاتی ہے۔ |

اور علامہ علی قاری مکی اپنی کتاب الدرۃ المضیئہ فی الزیارۃ المصطفویہ میں فرماتے ہیں

| | |
|---|---|
| ومن اعظم فوائد الزیارۃ | زیارت قبر اقدس کے بڑے فائدوں میں سے |
| ان الزائر اذا صلی وسلم علیہ | ایک یہ ہے کہ زائر جب آپ کی قبر کے پاس |
| عند قبرہ سمعہ سماعاً حقیقیاً | صلوٰۃ و سلام پڑھتا ہے تو آپ خود سنتے اور |
| ویرد علیہ من غیر واسطۃ بخلاف | جواب عطا فرماتے ہیں بخلاف اس شخص کے |
| من یصلی اویسلم علیہ من | جو دور سے صلوٰۃ و سلام پڑھے وہ آپکو نہیں |
| بعید فان ذالك لایبلغہ الا | پہونچتا مگر بذریعہ فرشتے کے بوجہ اس کے |
| بواسطۃ لماجاء عنہ بسند | کہ عمدہ سند سے منقول ہے جو شخص میری قبر |
| جید من صلی علی عند قبری | کے پاس درود پڑھتا ہے میں اس کو سنتا |
| سمعتہ ومن صلی علی من | ہوں اور جو شخص دور سے پڑھتا ہے اس کی |
| بعید اعلمتہ۔ | اطلاع مجھے دیجاتی ہے۔ |

بہرحال اس چیز پر بہت سی آیات اور احادیث شاہد ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہیں بلکہ علماء کرام نے اس عقیدہ کے موجب کفر ہونے کی بھی تصریح فرمائی ہے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد بزرگوار سلطان العارفین حضرت قاضی حمید الدین ناگوری توشیح میں فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| ومنھم الذین یدعون الانبیاء | اور بعض لوگ وہ ہیں جو اپنی حاجتوں اور |
| والاولیاء عند الحوائج والمصائب | مصیبتوں کے وقت انبیاء و اولیاء کو پکارتے |
| باعتقاد ان ارواحھم حاضرۃ | ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان کی ارواح |
| تسمع النداء وتعلم الحوائج و | حاضر ہیں ہماری پکار سنتی ہیں اور ہماری |
| ذالك شرك قبیح وجھل صریح | حاجتوں سے خبردار ہیں اور یہ نہایت |
| قال اللہ تعالیٰ ومن اضل | قبیح شرک اور کھلی جہالت ہے۔ حق تعالیٰ |
| ممن یدعوا من دون اللہ | فرماتا ہے ان سے زیادہ گمراہ کون ہے جو اللہ |

کے سوا دوسروں کو اپنی حاجت روائی کے لیے

پکارتے ہیں۔

اور حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر فتح العزیز ص ۵۵ پر شرکانہ عقائد کے ذیل میں ارقام فرماتے ہیں: "وانبیاء و مرسلین علیہم السلام را لوازم الوہیت از علم غیب و شنیدن فریاد ہر کس در ہر جا و قدرت بر جمیع مقدورات ثابت کنند" اور ملا حسین خباز رحمۃ اللہ علیہ مفتاح القلوب میں فرماتے ہیں ـــ "و ہٰذہ کلمات کفر است ندا کردن اموات غائبان را بگمان آنکہ حاضر اند مثل یا رسول اللہ او یا عبد القادر او مانند آں" اور فقہ حنفی کی مشہور کتاب فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔

من قال ان ارواح المشائخ حاضرۃ تعلم یکفر۔ جو شخص کہے کہ مشائخ کی ارواح حاضر ہیں سب کچھ جانتی ہیں تو وہ کافر ہے، اس عبارت میں اگرچہ مشائخ کا لفظ ہے لیکن اہل سمجھ سکتے ہیں کہ اس بارے میں انبیاء و اولیاء میں کوئی فرق نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو شخص یہ عقیدہ رکھے اس کا بھی یہی حکم ہے۔ کما لا یخفی علی اولی الباب۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔

(شعبان ۱۳۵۹ھ)

---

# طعام میت (غمی کی دعوت)

## اور

## رسوم مروجہ بعد الموت تیجہ دسویں وغیرہ کے متعلق فاضل بریلوی مولوی احمد رضا خاں صاحب کا

# ایک قابل دید فتویٰ

مولوی صاحب موصوف کے فتاویٰ کے چند مجموعے شائع ہو چکے ہیں ان میں سے ایک "احکام شریعت" ہے جو تین حصوں میں چھپ کر شائع ہوا ہے اس کے تیسرے حصے میں ذیل کا فتویٰ ہماری نظر سے گذرا جس کو ہم بجنسہ ذیل میں درج کرتے ہیں۔ اس میں چند چیزیں ان کے مریدین اور معتقدین کے لیے قابل غور ہیں :-

(۱) رسوم موت تیجہ وغیرہ کے سلسلے میں جو کھانے عام طور پر کھلائے جاتے ہیں۔ اور دعوتیں ہوتی ہیں۔ وہ اگر دیگر قباحتوں سے خالی بھی ہوں تب بھی اس فتوے کے رو سے بدعت اور ناجائز ہیں۔

(۲) اگر ترکہ کے مشترک مال سے ہوں اور وارثوں میں کچھ نابالغ بھی ہیں یا فرداً فرداً ہر وارث کی اجازت نہ ہو یا اسی قسم کا کوئی اور محذور ہو جیسا کہ عموماً ہوتا ہے تو قطعاً حرام ہیں۔

(۳) ان چیزوں سے عموماً ناموری اور دکھاوا مقصود ہوتا ہے۔

(۴) فاضل حلبی اور ملا علی قاری کی بعض عبارات سے طعام میت کا جو جواز معلوم ہوتا ہے جن کو ہمارے زمانہ کے اہل بدعت اور خود فاضل بریلوی کے معتقدین بھی اپنی سب سے بڑی سند سمجھتے ہیں اور علماء اہلسنت کے مقابلے میں بڑے زور کے ساتھ پیش کیا

کیا کرتے ہیں —— اس سلسلے میں ان کی عبارت کے یہ آخری کلمات ان کے مریدین کیلئے خاص طور پر قابل ملاحظہ ہیں۔

| | |
|---|---|
| ولو رای الفاضلان الحلبی والقاری ما علیه بلادنا لا طلقا القول جازمین بالتحریم ولا شك ان فی ترخیصه فتح باب الشیطان وخیمه وایقاع المسلمین لاسیما اخفا ذات الید فی حرج عظیم و ضیق الید | اگر فاضل حلبی اور علی قاری ہمارے شہروں کے رسم و رواج کو دیکھتے تو قطع و یقین کے ساتھ حرام کہتے اور اس حقیقت میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس کی رخصت یعنی اجازت دینے میں شیطان مردود کیلیے دروازہ کھول دینا ہے اور مسلمان۔ بالخصوص ناداروں اور تنگدستوں کو سخت مصیبت میں ڈال دینا ہے۔" |

کیا فاضل بریلوی کے اس فتوے کے ابدان کے حلقہ بگوشوں کو ان رسوم کے متعلق کسی بحث مباحثہ کی ضرورت ہے۔؟

(دہر)

**مسئلہ ۶:-** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر بلاد ھند میں یہ رسم ہے کہ میت کے روز وفات سے اس کے اعزہ و اقارب و احباب کی عورات اس کے یہاں جمع ہوتی ہیں۔ اس اہتمام کے ساتھ جو شادی میں کیا جاتا ہے پھر کچھ دوسرے دن اکثر تیسرے دن واپس آتی ہیں۔ بعض چالیسویں تک بیٹھتی ہیں۔ اس مدت اقامت میں عورات کے کھانے پینے پان چھالیا کا اہتمام اہل میت کرتے ہیں۔ جس کے باعث ایک صرف کثیر کے زیر بار ہوتے ہیں۔ اگر اس وقت ان کا ہاتھ خالی ہو تو قرض لیتے ہیں۔ یوں نہ ملے تو سودی نکلواتے ہیں۔ اگر نہ کریں تو مطعون و بدنام ہوتے ہیں۔ یہ شرعاً جائز ہے یا کیا۔ بینوا توجروا۔

## الجواب

سبحان اللہ اے مسلمان یہ پوچھتا ہے جائز ہے یا کیا یوں پوچھ کہ یہ ناپاک رسم کتنے قبیح اور شدید گناہوں سخت و شنیع خرابیوں پر مشتمل ہے۔

**اولاً** یہ دعوت خود ناجائز و بدعت شنیعہ و قبیحہ ہے امام احمد اپنے مسند اور ابن ماجہ سنن میں بسند صحیح حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں۔ "کنا نعد الاجتماع الی اهل المیت وصنعهم

الطعام من النیاحۃ — ہم گروہ صحابہ اہل میت کے یہاں جمع ہونے اور ان کے کھانا تیار کرانے کو مردے کی نیاحت سے شمار کرتے تھے جس کی حرمت پر متواتر حدیثیں ناطق ہیں۔

امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں۔

یکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اہل المیت لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور وھی بدعۃ مستقبحۃ۔ اہل میت کی طرف سے کھانے کی ضیافت تیار کرنی منع ہے کہ شرع نے ضیافت خوشی میں رکھی ہے نہ کہ غمی میں اور یہ بدعت شنیعہ ہے۔

اسی[۲] طرح علامہ شرنبلالی نے مراقی الفلاح میں فرمایا:

ولفظہ یکرہ الضیافۃ من اہل المیت لانہا شرعت فی السرور لا فی الشرور وھی بدعۃ مستقبحۃ

فتاویٰ[۳] خلاصہ و فتاویٰ[۴] سراجیہ و فتاویٰ[۵] ظہیریہ و فتاویٰ[۶] تاتارخانیہ اور ظہیریہ سے خزانۃ[۷] المفتین کتاب الکراھیۃ اور تاتارخانیہ سے فتاویٰ ہندیہ میں بالفاظ متقاربہ ہے۔

واللفظ للسراجیۃ لایباح اتخاذ الضیافۃ عند ثلاثۃ ایام فی المصیبۃ اھ زاد فی الخلاصۃ لان الضیافۃ تتخذ عند السرور۔

غمی میں یہ تیسرے دن کی دعوت جائز نہیں کہ دعوت تو خوشی میں ہوتی ہے فتاویٰ امام قاضی خاں[۹] کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے۔

یکرہ اتخاذ الضیافۃ فی ایام المصیبۃ لانہا ایام تاسف فلا یلیق بہا ما یکون للسرور۔

غمی میں ضیافت ممنوع ہے کہ یہ افسوس کے دن ہیں تو جو خوشی میں ہوتا ہے ان کے لائق نہیں — تبیین[۱۰] الحقائق امام زیلعی میں ہے لا باس بالجلوس للمصیبۃ الی ثلث من غیر ارتکاب محظور من فرش البسط والاطعمۃ من اہل المیت

مصیبت کے لئے تین دن بیٹھنے میں کوئی مضائقہ نہیں جب کہ کسی امر ممنوع کا ارتکاب نہ کیا جائے جیسے تکلف فرش بچھانے اور میت والوں کی طرف سے کھانے

امام[۱۱] بزازی وجیز میں فرماتے ہیں۔

یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع

یعنی میت کے پہلے دن یا تیسرے دن یا ہفتہ کے بعد جو کھانے تیار کرائے جاتے ہیں سب

کروہ و ممنوع ہیں ۔ علامہ شامی[۱۲] ردالمحتار میں فرماتے ہیں ۔

اطال ذالک فی المعراج وقال ھذہ الافعال کلھا للسمعۃ والریاء فیحترز عنھا ۔ یعنی معراج الدرایہ شرح ہدایہ نے اس مسئلے میں بہت کلام طویل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ سب ناموری اور دکھاوے کے کام ہیں ۔ ان سے احتراز کیا جائے ۔

جامع الرموز آخر الکراہتہ میں ہے ۔[۱۲]

یکرہ الجلوس للمصیبۃ ثلثۃ ایام او اقل فی المسجد ویکرہ اتخاذ الضیافۃ فی ھذہ الایام وکذا اکلھا کما فی خیرۃ الفتاوی ۔

یعنی تین دن یا کم تعزیت لینے کے لیے مسجد میں بیٹھنا منع ہے ۔ اور ان دنوں میں ضیافت بھی ممنوع اور اس کا کھانا بھی منع جیسا کہ خیرۃ الفتاوی میں تصریح کی ۔ فتاوی[۱۲] انقروی اور واقعات المفتین میں ہے ۔ یکرہ اتخاذ الضیافۃ ثلاثۃ ایام واکلھا لانھا مشروعۃ للسرور ۔ تین دن ضیافت اور اس کا کھانا مکروہ ہے کہ دعوت تو خوشی میں مشروع ہوتی ہے ۔

کشف الغطاء میں ہے ۔

ضیافت نمودن اہل میت اہل تعزیت را وپختن طعام برائے آنہا مکروہ است باتفاق روایات چہ ایشاں را بسبب اشتغال بمصیبت استعداد وتہیہ آں دشوار است ۔

اسی میں ہے ۔

پس آنچہ متعارف شدہ از پختن اہل مصیبت طعام را در سوم و قسمت نمودن آں میان اہل تعزیت واقران غیر مباح نا مشروع است وتصریح کردہ بداں در خزانہ چہ شرعیت ضیافت نزد سرور است نہ نزد شرور وھو المشہور عند الجمہور ۔

ثانیاً غالباً ورثہ میں کوئی یتیم یا اور بچہ نابالغ ہوتا ہے یا بعض ورثا موجود نہیں ہوتے نہ ان سے اس کا اذن لیا جاتا ہے ۔ جب تو یہ امر سخت حرام شدید پر متضمن ہوتا ہے ۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے ۔

ان الذین یاکلون اموال الیتمی ظلماً انما یاکلون

فی بطونهم نارا و سیصلون سعیرا ○

بیشک جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ پیٹ میں انگارے بھرتے ہیں ۔ اور قریب ہے کہ جہنم کے گہراؤ میں جائیں گے ۔ مال غیر میں بے اذن غیر تصرف خود ناجائز ہے

قال الله تعالیٰ لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل

خصوصاً نابالغ کا مال ضائع کرنا جس کا اختیار نہ خود اسے نہ اس کے باپ نہ اس کے وصی کو ہو ۔

لان الولایۃ للنظر لا للضرر

علی الخصوص اگر ان میں کوئی یتیم ہوا تو آفت سخت تر ہے والعیاذ باللہ رب العلمین ۔

ہاں اگر محتاجوں کو دینے کے لیے کھانا پکوائیں تو حرج نہیں ۔ بلکہ خوب ہے بشرطیکہ یہ کوئی عاقل بالغ اپنے مال خاص سے کرے یا ترکہ سے کریں تو سب وارث موجود بالغ وراضی ہوں ۔ خانیہ و بزازیہ و تاتارخانیہ و ہندیہ میں ہے ۔

واللفظ لہا تیت ان اتخذ طعاما للفقراء کان حسنا اذا کانت الورثۃ بالغین فان کان فی الورثۃ صغیر لم یتخذوا ذالک من الترکۃ ۔

نیز فتاوی قاضی خان میں ہے ۔

ان اتخذ ولی المیت طعاما للفقراء کان حسنا الا ان یکون فی الورثۃ صغیر فلا یتخذ من الترکۃ ۔

ثالثاً ۔ یہ عورتیں کہ جو جمع ہوتی ہیں ۔ افعال منکرہ کرتی ہیں مثلاً چلا کر رونا پیٹنا بناوٹ سے منہ ڈھانکنا الی غیر ذالک اور یہ سب نیاحت ہے اور نیاحت حرام ہے ایسے مجمع کے لیے میت کے عزیزوں دوستوں کو بھی جائز نہیں کہ کھانا بھیجیں کہ گناہ کی امداد ہوگی قال اللہ تعالیٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان نہ کہ اہل میت کا اہتمام طعام کرنا کہ سرے سے ناجائز ہے تو اس مجمع ناجائز کے لیے ناجائز تر ہوگا ۔ کشف الغطاء میں ہے ۔ ساختن طعام در روز ثانی و ثالث برائے اہل میت اگر نوحہ گران جمع باشند مکروہ است ۔ زیرا کہ اعانت ایشاں است بر گناہ ۔

**رابعاً:** اکثر لوگوں کو اس رسم شنیع کے باعث اپنی طاقت سے زیادہ تکلیف کرنی پڑتی ہے یہاں تک کہ میت والے بیچارے اپنے غم کو بھول کر اس آفت میں مبتلا ہوتے ہیں کہ اس میلے کے لئے کھانا پان چھالیا کہاں سے لائیں اور بارہا ضرورت قرض لینے کی پڑتی ہے۔ ایسا تکلف شرع کو کسی امر مباح کے لیے بھی زنہار پسند نہیں۔ نہ کہ ایک رسم ممنوع کے لیے۔ پھر اس کے باعث جو دقتیں پڑتی ہیں۔ خود ظاہر ہیں۔ پھر اگر قرض سودی ملا تو حرام خالص ہو گیا۔ اور معاذ اللہ لعنت الٰہی سے پورا حصہ ملا کہ بے ضرورت شرعیہ سود دینا بھی سود لینے کے مثل باعث لعنت جیسا کہ صحیح حدیث میں فرمایا غرض اس رسم کی شناعت و ممانعت میں شک نہیں۔ اللہ عزوجل مسلمانوں کو توفیق بخشے کہ قطعاً ایسی رسوم شنیعہ جن سے ان کے دین و دنیا کا ضرر ہے ترک کر دیں اور طعن بیہودہ کا لحاظ نہ کریں واللہ الہادی —

**تنبیہ:** اگرچہ صرف ایک دن یعنی پہلے ہی روز عزیزوں ہمسایوں کو مسنون ہے کہ اہل میت کے لیے اتنا کھانا پکوا کر بھیجیں جسے وہ دو وقت کھا سکیں اور باصرار انہیں کھلائیں۔ مگر یہ کھانا صرف اہل میت ہی کے قابل ہونا سنت ہے اس میلے کے لیے بھیجنے کا ہرگز حکم نہیں۔ اور ان کے لیے بھی فقط روز اول کا حکم ہے آگے نہیں کشف الغطاء میں ہے —

مستحب ست خویشاں و ہمسایہائے میت راکہ اطعام کنند طعام را
برائے اہل میت ایں سیر کند ایشاں را یک شبانہ روز و الحاح کنند.
تا بخورند و در خوردن غیر اہل میت ایں طعام را مشہور آنست
کہ مکروہ است۔ ھ۔ ملخصاً۔

عالمگیری میں ہے۔ حمل الطعام الی صاحب المصیبۃ والاکل معھم فی الیوم الاول جائز لشغلھم بالجھاز وبعدہ یکرہ کذا فی التتارخانیہ۔

## تنبیہ

قد ارینالک تظافر النقول وانما الواجب اتباع المنقول وان لم نظھر وجھہ المعقول ۱۲ صح منہ العلماء المحول

فکیف اذا کان ھو المنقول ولا عبرۃ بالبحث مع نص ثبت فکیف مع المنصوص وقد توافرت فیہا نظر فیہ العلامۃ الفاضل ابراھیم الحلبی حیث اورد المسألۃ فی اواخر الغنیۃ عن فتح القدیر وعن البزازیۃ ثم قال ولا یخلو عن نظر لانہ لا دلیل علی الکراھۃ الا حدیث جریر بن عبد اللہ المتقدم وانما یدل علی الکراھۃ ذلک عند الموت فقط علی انہ قد عارضہ مارواہ الامام احمد بسند صحیح وابوداؤد رأی والبیہقی فی دلائل النبوۃ کلھم عن عاصم بن کلیب عن ابیہ عن رجل من الانصار قال خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی جنازۃ فذکر الحدیث قال فلما رجع استقبلہ داعی امرأتہ فجاء وجیئ بالطعام فوضع یدہ ووضع القوم فاکلوا ورسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم یلوک لقمۃ فی فیہ الحدیث قال فھذا یدل علی اباحۃ صنع اھل المیت الطعام والدعوۃ الیہ مختصرا وقد تکفل بالجواب عنہ العلامۃ الشامی فی رد المحتار فقال فیہ نظر فانہ واقعۃ حال لا عموم لہا مع احتمال سبب خاص بخلاف ما فی حدیث جریر علی انہ بحث فی المنقول فی مذھبنا ومذھب غیرنا کالشافعیۃ والحنابلۃ استدلالا بحدیث المذکور علی الکراھۃ الخ اقول ولم یتعرض لاعتراضہ الاول لکونہ اظھر سقوطاً فاولا نحن مقلدون لا نتقلدون فیہا بالثابالدلیل وعدم وجداننا لا یدل علی العدم وثانیا ماذکرہ اجمیاً من انہ انما شرع فی السرور لا فی الشرور کان فی الدلیل وثالثا لا ادری من این اخذ رحمہ اللہ تعالی تخصیص افادۃ الکراھۃ فی الحدیث بساعۃ الموت الیس صنعھم الطعام فی الیوم الثانی والثالث ومثلہ صنعاً من اھل المیت لاجل المجتمعین فی الماتم ام انما تحرم النیاحۃ عند الموت فقط لا بعدہ فان اراد ان المحرم فی العدم کان ھو الاجتماع والصنع عندہ لا بعدہ طولب بثبوتہ وعلی تسلیمہ فتحقیقنا المناط کما افاد فتذھب خصوصیۃ الوقت ملغاۃ ھذا ورأیتنی کتبت علی ھامش رد المحتار علی قولہ واقعۃ حال مانصہ لان وقائع الاعیان تطال الاحتمالات مثلاً یمکن ان تکون الدعوۃ کانت موعودۃ بھذا الیوم من قبل واتفق فیہ الموت

فان قلت هل من دليل عليه قلت هل من دليل على نفيه وانما الدليل على المدعي عليكم لا علينا فهذا اهو النظر الرابع فى كلامه علا ان ضيافة الموت ضيافة تتخذ لاجل الموت وضيافة الصحابة رضى الله تعالى عنهم للنبى صلى الله عليه وسلم لم تكن موقوفة على موت زيد ولا حياته فلو ان النبى صلى الله تعالى عليه وسلم جاءها فى غير موت بإضافته ومن معه من خدمه صلى الله عليه وسلم كما وقع منهم مرارا فلم يكن فيه احداث شئ من اجل الموت بحيث لو لم يقع الموت لم يكن بخلاف ما نحن فيه فانه انما يكون لاجله بحيث لو لم يكن لم يكن فهذا - الخامس علا ان الحاظر والمبيح اذا تعارضا بالمعارضة يقدم الحاظر - هذا السادس هذا ما عندى والعلم بالحق عند ربى وبالجملة فليس لنا البحث فى المنقول فى المذهب ......... وهو النظر

السابع المذكور آخرا فى كلام الشامى والله تعالى الموفق اهـ - ما كتبت عليه قديما

واما المولى الفاضل على القارى عليه رحمة البارى فحاول تاويل نصوص المذهب لما منه تخالف الحديث فقال فى المرقاة شرح المشكوة باب المعجزات قبيل الكرامات تحت قول الحديث فاكلوا هذا الحديث بظاهره يرد على ما قرره اصحاب مذهبنا من انه يكره اتخاذ الطعام فى اليوم الاول او الثالث او بعد الاسبوع كما فى البزازية ثم اورد نصوص الخلاصة والزيلعى والفتح قال والكل عللوه بانه شرع فى السرور لا فى الشرور وذكر قول المحقق حيث اطلق انها بدعة مستقبحة واستدلاله بحديث جرير رضى الله عنه قال فينبغى ان يقيد كلامهم بنوع خاص من اجتماع يوجب استحياء اهل بيت الميت فيطعمونهم كرها او يحمل على كون بعض الورثة صغيرا او غائبا او لم يعرف رضاه او لم يكن الطعام من عند احد معين من مال نفسه لا من مال الميت قبل قسمته ونحو ذلك وعليه يحمل قول قاضى خان يكره اتخاذ الضيافة فى ايام المصيبة لانها ايام تاسف فلا يليق بها ما يكون للسرور اهـ

**اقول اولا** قد نبا ناك ان الحديث لا يرد عليهم بوجه **وثانيا** لا ساغ للتقييد فى كلامهم بعد ما نقل عنهم التصريح بالعلة بانه

انما شرع فی السرور لا فی الشرور وان الامام فقیہ النفس قال انها ایام تاسف فلا یلیق بها ما یکون للسرور فان الالجاء الی الاطعام کرها او التصرف فی مال بغیر اذن مالکہ او احد ملاکہ لا سیما الصغیر مما لا یجوز قط فی السرور ولا فی الشرور فبعد ان تفع الفرق وهم مصرحون به من آخرهم فیکون تحویلاً لا تاویلاً وثالثاً ما ذکرنا یا من التقیید بالصغیر وهاب الخ الیہ دابد وکیف یحمل علیہ کلام الخانیة من انہ قال متصلا بما مروان اتخذ طعاماً للفقراء کان حسنا اذا کانوا بالغین فان کان بالورثة صغیر لم یتخذ وا ذلک من الترکہ اھ ومثلہ کلام البزازیہ والتاتارخانیة والهندیة وغیرها فانہ ظاهر فی انهم یفرقون بین الضیافة واتخاذ طعام للفقراء فیحکمون علی الاول بالکراهة وعلی الثانی بالحسن ویقیدونه بما اذا کانوا بالغین وقد صرحوا بمفهوم القید بمنعه من الترکہ اذا کانوا قاصرین فلو کانت الکراهة فی الاول ایضاً مقصورة علی ذلک لارتفع الفرق ولما قالوا وهذا لکان من المستبعد تظافرهم علی التعبیر بالکراهة فان الاتخاذ والحال هذه من اشنع المحرمات القطعیة کما لا یخفی وخامساً لئن سلمنا ما افاده فی التاویل الاول لکان الحکم فی مسائلنا هذه هو المنع مطلقاً فالذین یجتمعون عند اهل البیت ویکون فی بیته یومین او اکثر او الانسان یستحی ان یقوم احد بیتہ ما انها فیضطر الی طعامه رضی او سخط وقد علم کما ذکر فی السوال انهم ان لم یفعلوا لیصیروا اعرضة لمطاعن الناس فلیس الاطعام المعهود الا علی وجه المردود وهذا ما قال فی سراج الدرایة انها کلها للسمعة والریاء کما قد منا فهذا تخصیص یودی الی التعمیم ولو رأی الفاضلان الحلبی والقاری ما علیہ بلادنا لاطلقا القول جازمین بالتحریم ولا شک ان فی ترخیصه فتح باب لشیطان رجیم وایقاع المسلمین سیما اخفار ذات الید فی حرج عظیم وضیق الیم فنسأل اللہ الثبات علی الصراط المستقیم والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالی علی سیدنا محمد وآلہ اجمعین ؕ

---

## مندرجہ صدر عربی عبارت کا خلاصہ

(مولانا) احمد رضا خاں صاحب کی عادت ہے کہ جب وہ کوئی ایسا مسئلہ لکھنے پر مجبور ہوتے ہیں جو ان کے عوام متبعین کے رجحانات کے خلاف ہو تو ایسی زبان میں لکھتے ہیں کہ عوام اس کو سمجھ ہی نہ سکیں اور اکثر و بیشتر تو عربی میں لکھتے ہیں۔ چنانچہ اس مسئلے میں بھی انہوں نے ایسا ہی کیا ہے جتنا حصہ اردو زبان میں لکھا وہ بھی عام فہم نہیں ہے اور آخر میں جو ایک اچھی مفید بحث کی جس سے خود اہل بدعت کے بہت سے مشکوک کی بیخ کنی ہو جاتی ہے۔ تو وہ تمام تر عربی زبان میں کی ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس کا خلاصہ اردو زبان میں بھی پیش کر دیں ۔۔۔۔ (مدیر الفرقان)

---

ناظرین کو یاد ہوگا ابھی فتوے کے شروع میں مسند امام احمد اور سنن ابن ماجہ کے حوالے سے حضرت جریر بن عبد اللہ کی یہ حدیث نقل ہوئی ہے کہ :-

کنا نعد الاجتماع الی اھل المیت وصنعھم الطعام من النیاحۃ -

یعنی ہم گروہ صحابہ اہل میت کے یہاں جمع ہونے اور ان کے کھانا تیار کرنے کو نیاحت سے شمار کرتے ہیں۔ جس کی حرمت پر متواتر حدیثیں ناطق ہیں۔

اسی حدیث سے فقہائے نے طعام میت کا عدم جواز نکالا ہے۔ لیکن فاضل ابراہیم حلبی نے "غنیۃ المستملی" میں اس سے اپنا اختلاف ظاہر کیا ہے اور عام فقہائے احناف کے اس استدلال پر بھی بچند وجوہ اعتراض کیا ہے۔ پہلی بات تو انہوں نے یہ کہی ہے کہ جریر بن عبد اللہ کی مذکورہ الصدر حدیث سے صرف موت کے وقت ہی دعوت کے مکروہ و ممنوع ہونا معلوم ہوتا ہے (نہ کہ دوسرے تیسرے دن بھی) دوسری بات یہ کہ امام احمد وابو داؤد کی ایک اور حدیث جو ایک انصاری صحابی سے مروی ہے اس کے معارض ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ "

ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ وسلم کے ساتھ ایک جنازے میں گئے۔ جب حضور واپس ہوئے تو اس میت کی بیوی کی طرف سے ایک شخص نے دعوت کے پیغام کے ساتھ آپکا

استقبال کیا۔ پس حضور تشریف لائے اور اپنے رفقاء کے ساتھ کھانا تناول فرمایا۔ (ملخصاً)

فاضل حلبی نے اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے کہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میت کے گھر والوں کا کھانا تیار کرانا اور دعوت کرنا جائز ہے۔

علامہ شامی نے حلبی کی اس بحث کا جواب یہ دیا ہے کہ "اس حدیث میں ایک خاص واقعہ کا ذکر ہے جس سے عام حکم نہیں نکالا جا سکتا — (کیونکہ سبب خاص کا احتمال یہاں موجود ہے) علاوہ ازیں حلبی کی یہ بحث ایک ایسے مسئلے میں ہے جو مذہب حنفی و مذاہب دیگر مثلاً مذہب شافعی و حنبلی میں صراحتاً منقول ہے۔ (اور ایسے مسئلے میں بحث کے وہ حق دار نہیں کیونکہ ان کی حیثیت نہ مجتہد مطلق کی ہے نہ مجتہد فی المذہب کی)

مولوی احمد رضا خاں صاحب علامہ شامی کے اس جواب کی تائید میں لکھتے ہیں کہ حلبی کی پیش کردہ حدیث کے متعلق انہوں نے جو یہ فرمایا کہ "یہ ایک خاص واقعہ ہے جس سے عام حکم نہیں نکالا جا سکتا۔ تو یہ اس لیے کہ اس قسم کی واقعات میں بہت سے احتمالات ہوتے ہیں مثلاً اسی واقعہ میں ایک احتمال یہ ہو کہ حضور کی یہ دعوت پہلے کی جا چکی تھی اور اتفاق سے اسی دن موت واقع ہو گئی۔ تو اب یہ غمی کی دعوت نہ ہوئی جو ممنوع ہے۔ پس غمی کی دعوت تو وہی ہوتی ہے جو موت کی وجہ سے کی جائے اور صحابہ کرام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیافت کرتے تھے تو وہ کسی کی موت و حیات پر موقوف ہی نہیں ہوتی تھی بلکہ اکثر یہ ہوتا تھا کہ حضور اقدس جس وقت جس کے یہاں تشریف لے گئے اس نے اسی وقت ضیافت کا شرف حاصل کرنا غنیمت سمجھا۔ اور حاصل کیا۔

علاوہ ازیں ایک عام اصول شریعت کا یہ بھی ہے کہ جب دلیلوں میں تعارض ہو جائے اس طرح کہ ایک دلیل منع کو چاہتی ہے اور ایک اجازت و اباحت کو تو دلیل منع کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ پس اگر جریر بن عبداللہ کی متقدم الذکر حدیث اور انصاری صحابی کی متاخر الذکر حدیث کو باہم متعارض بھی مانا جائے تو بھی حدیث جریر ہی کا لحاظ مقدم ہو گا اور اس کی رو سے "طعام میت" کو ناجائز ہی کہا جائے گا —"

---

فاضل حلبی نے ایک بات یہ بھی کہی تھی کہ — حدیث جریرؓ سے صرف موت کے وقت ہی کی دعوت کی ممانعت نکل سکتی ہے ... الخ

علامہ شامیؒ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی۔ اور اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا ـــــ مولوی احمد رضا خاں صاحب لکھتے ہیں کہ چوں کہ اس کا غلط ہونا بہت ہی ظاہر تھا اس لیے اس کے جواب کی ضرورت علامہ شامیؒ نے نہیں سمجھی۔ پھر خانصاحب موصوف نے خود اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اول تو حدیث میں اس پر کوئی دلالت نہیں کہ خاص موت کے وقت کے کھانے ہی کو صحابہ کرام نیاحت میں سمجھتے بلکہ ظاہر یہی ہے کہ موت کی وجہ سے اور اس کے سلسلے میں جو بھی کھانے کی دعوت ہوتی اس کو ایسا ہی سمجھا جاتا تھا اور اگر بالفرض یہ ثابت ہو جائے کہ اس زمانے میں یہ دعوت خاص موت ہی کے وقت ہوتی تھی تو بھی "تحقیق مناط" کے اصول پر وہی حکم نکلے گا ـــــ علاوہ ازیں جب فقہائے مذہب نے مسلہ کی تصریح کر دی ہمارا کام صرف ماننا ہے۔ چاہے دلیل ہم کو ملے یا نہ ملے ـــــ کیوں کہ ہماری حیثیت مقلد کی ہے نہ کہ ناقد کی ـــــ ۔ اور پھر فقہائے کرام نے تو اس حدیث کے علاوہ ایک اور دلیل یہ بھی لکھی ہے کہ۔

" دعوت خوشی کے مواقع پر مشروع ہے نہ کہ غمی کی واردات میں ـــــ اور یہ دلیل تمام ان دعوتوں کو حاوی ہے جو غمی کے سلسلے میں کی جاتی ہیں ـــــ خواہ وہ خاص موت کے وقت ہوں اور خواہ اس کے بعد کسی دوسرے وقت۔

فاضل حلبی کی بحث کا پورا جواب دینے کے بعد مولوی احمد رضا خاں صاحب علامہ قاریؒ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ـــــ ان کو بھی اس مسلے میں کچھ لغزش ہوئی ہے اور وہ یہ کہ فقہ حنفی کا یہ مسلہ کہ موت کے سلسلے کی دعوت مکروہ اور ممنوع ہے۔ ان انصاری صحابی کی متقدم الصدر حدیث کے خلاف ہے اور اس لیے انہوں نے فقہاء کی عبارات میں کچھ تاویلیں فرمائی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے یہ خیال ظاہر فرمایا ہے کہ ممانعت کا یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ اس دعوت کی وجہ سے اہل بیت پر گرانی ہوتی ہو۔ اور وہ بادل ناخواستہ صرف شرماحضوری سے کھلاتے ہوں ـــــ یا یہ کہ دعوت ترکے کے مشترک اور غیر منقسم مال میں سے ہو اور وارثوں میں کچھ نابالغ ہوں یا بعض وارث غیر حاضر ہوں اور ان کی اجازت حاصل نہ کی گئی ہو ـــــ بہر حال علامہ علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فقہاء کی ان تصریحات کے یہ محمل بیان کئے ہیں اور اس کا مبنیٰ یہی ہے کہ انہوں نے اس مسلہ کو انصاری صحابی کی اس حدیث کے خلاف سمجھا ہے ـــــ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے

اس پر پچند وجوہ کلام کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔
(۱) اولاً تو مسئلہ " اس حیثیت سے خلاف ہی نہیں جیسا کہ "حلبی" کی بحث کے جواب کے ضمن میں ابھی گذرا۔
(۲) دوسرے یہ کہ علامہ علی قاریؒ نے جن قیود سے اس مسئلے کو مقید کرنا چاہا ہے ان قیود کی اس میں گنجائش ہی نہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ ان حضرات نے ممانعت کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ:۔
دعوت خوشی میں مشروع ہے نہ کہ غمی میں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کی مراد وہ نہیں ہے جو علامہ قاریؒ نے بیان فرمائی کیوں کہ انہوں نے جو محمل بیان کیا ہے وہ تو نہ خوشی میں جائز ہے نہ غمی میں بالخصوص نابالغ لے بچے کے مال میں سے تو کسی قسم کی کوئی دعوت خوشی کی ہو یا غمی کی جائز نہیں ہو سکتی۔ بہر حال خود ان فقہاء نے مسلے کی جو علت بیان کی ہے وہ صاف بتلا رہی ہے کہ ملا علی قاریؒ کی وہ تاویل صحیح نہیں۔
(۳) تیسرے یہ کہ بعض فقہاء کی عبارات میں یہ بھی تصریح ہے کہ اگر فقراء کے لیے (اپنی ایام غم میں) کھانا تیار کیا تو ممنوع نہیں بلکہ اچھا ہے ـــــ حالانکہ اگر فقہاء کی مراد وہ صورتیں ہوتیں جو علامہ علی قاریؒ نے بیان فرمائیں تو اس استدراک کا کوئی محل نہ تھا ـــــ "
(۴) چوتھے یہ کہ اگر ان کی مراد وہی ہوتی جو علامہ علی قاریؒ نے بیان فرمائی تو پھر بجائے کراہت کے فقہاء کرام حرمت قطعی کا حکم لگاتے۔
(۵) اس سب سے قطع نظر اگر بغرض مدار مسئلہ کا وہی ہو جو علامہ علی قادریؒ نے پہلی تاویل میں بیان فرمایا جب بھی مسئلہ کا حکم یہی رہے گا۔ کیوں کہ اس وقت کی دعوت صرف رسم و رواج کی پابندی کی وجہ سے بادل ناخواستہ ہی ہوگی نہ حسبتہ اللہ (ملخصاً)
اس ساری بحث سے فارغ ہونے کے بعد مولوی احمد رضا خاں صاحب فرماتے ہیں کہ :ـــ
اگر فاضل حلبی اور علی قادریؒ ہمارے دیار کا رسم و رواج دیکھتے تو غمی کی ان دعوتوں پر حرمت قطعی کا حکم لگا دیتے ـ اور اس میں تو کوئی شبہ ہی نہیں کہ اس کی اجازت دینے میں شیطان مردود کے لیے ایک دروازہ کھول دیا ہے اور مسلمانوں، بالخصوص غریب اور

نادان مسلمانوں کو سخت مصیبت میں ڈال دیتا ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ ہم کو صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھے والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین ○

فاضل بریلوی کے بعض متبعین علماء اہل سنت کے سامنے تیجہ، دسویں وغیرہ کی بحث میں "حدیث جریر" کے جواب میں فاضل حلبی اور علامہ علی قاری کی عبارات پیش کیا کرتے ہیں ان سے گذارش ہے کہ وہ ذرا اپنے "امام اکمل" اور اعلیٰ حضرت کے ان ارشادات کو بھی ملاحظہ فرمالیں ــــ

ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

(الفرقان رجب ۱۳۵۶ھ)

# بریلوی فتنہ کا نیا روپ

## (ارشد القادری صاحب کی کتاب "زلزلہ" کے تنقیدی جائزہ کا ایک باب)

از۔ عتیق الرحمٰن سنبھلی

[ عزیزی مولانا محمد عارف سنبھلی (مصنف "بریلوی فتنہ کا نیا روپ") نے "زلزلہ" کی ایک بحث کا جائزہ اور جواب سپرد قلم کرنے سے پہلے اکابر دیوبند کی سیاسی تاریخ سے متعلق کچھ باتیں مجھ سے دریافت کیں۔ اس موقع پر مجھے ان کی تصنیف دیکھنے کا بھی موقع ملا اور "زلزلہ" کی زیارت کا بھی۔ میں نے عزیز موصوف سے کہا کہ میاں آپ نے تو بڑے گہرے علمی انداز میں جواب دیا ہے۔ لیکن یہ خاص حصہ جو لکھنے سے باقی ہے آپ کے خاص علمی انداز کا طالب نہیں ہے۔ اسلئے یہ مجھے دے دیجئے تو' حالانکہ مجھے کبھی ان مباحث سے دلچسپی نہیں رہی (اور نہ کبھی اس بارے میں ایک لفظ لکھا ہے) اس کے جواب اور جائزہ میں میں بھی ذرا سی شرکت کرنا چاہتا ہوں۔ عزیز موصوف بڑی خوشی سے اس پر راضی ہوئے اور یہ چند صفحات تیار ہو گئے، جو کتاب کی اشاعت میں تاخیر کے پیش نظر ناظرین کا انتظار ایک درجہ میں ذخ کرنے کے لئے کتب خانہ الفرقان کی فرمائش پر یہاں پیش کئے جا رہے ہیں' اور اپنے نام سے ہی اس لئے پیش کئے جا رہے ہیں کہ صاحب کتاب کو اس پر اصرار تھا۔ ع ]

### لگے ہاتھوں

مولانا ارشد القادری نے جماعت دیوبند کے مذہبی اصولوں کی "دورخی" ثابت کرتے کرتے "لگے ہاتھوں" (یہ خود ارشد صاحب کے الفاظ ہیں) اُن کی سیاسی تصویر بھی بگاڑنے اور دشمنان اسلام سے ان کے جانبازانہ جہاد و پیکار اور مسلسل خوگر آرائی کی وہ تاریخ بھی مسخ زمانے کی کوشش کی ہے جو کم از کم برصغیر ہند و پاک میں تو آفتاب سے

زیادہ روشن ہے" اور بیرونی دُنیا کے اہل علم و خبر میں بھی ایک محترم اور مسلّم حقیقت کا درجہ رکھتی ہو۔

پتا پتا، بوٹا بوٹا، حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گُل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہو

مولانا صاحب خوش ہیں کہ انھوں نے بقول خود — "لگے ہاتھوں" — دیوبندیوں کو ایک اور کاری زخم لگا دیا اور وہ تلملا کر رہ گئے ہوں گے کہ دیکھ کھاؤں کدھر کی چوٹ بچاؤں کدھر کی چوٹ۔ مگر ہمیں بھی کچھ کم خوشی نہیں ہے کہ انھوں نے یہ "لگے ہاتھوں" والا وار کر کے لوگوں کو یہ بات متوالی حد سے زیادہ آسان کر دی کہ موصوف اس کتاب (زلزلہ) کی تصنیف کے وقت بدترین ابلہ فریبی اور ہرناکردنی کر کے رہنے کی قسم کھا کے بیٹھے تھے۔ انھوں نے قسم کھالی تھی کہ حق و صداقت کا جتنا خون وہ اس کتاب کے صفحات میں کر سکتے ہیں اس میں کسر نہ چھوڑیں گے۔ ہر دجل، ہر فریب، ہر قطع و بُرید اور ہر وہ غلط بیانی کام میں لائیں گے جس سے، اُن کے عوام فریب مذہبی کاروبار میں روڑا بننے اور حقیقت دین و ایمان بتانے والی، جماعت دیوبند پر جتنی خاک بھولے عوام کی نظر میں اُڑ سکتی ہو، اُڑ جائے۔ بلا سے پڑھے لکھوں میں ہنسی ہی اُڑا کرے۔

مولانا صاحب اس "لگے ہاتھوں" والے وار میں حضرت نانوتوی نور اللہ مرقدہٗ کے ایک خادم (دیوانجی) کا ایک مکاشفہ سوانح قاسمی کے حوالے سے درج فرمانے کے بعد لکھتے ہیں:

"مجھے اس مقام پر اس کے سوا اور کچھ نہیں کہنا ہے کہ جو لوگ اپنا عیب چھپانے کے لئے دوسروں پر انگریز وطا کی کاسہ لیسی اور ساز باز کا الزام عائد کرتے ہیں وہ گریبان میں منھ ڈال کر ذرا اپنے گھر کا یہ کشف نامہ ملاحظہ فرمالیں۔" (ص۹۳)

پھر ارشاد ہوتا ہے:۔

"اور بات کشف ہی تک محدود نہیں، تاریخی دستاویزات بھی اس امر واقعہ کی تائید میں ہیں کہ انگریزوں کے ساتھ نیازمندانہ تعلقات اور رازدارانہ ساز باز دارالعلوم دیوبند اور منتظمین و کارکنین کا ایسا کارنامہ ہے جسے انھوں نے فخر کے ساتھ بیان کیا ہے۔"

(ص۹۳)

اور پھر "نمونے کے طور پر" چند "تاریخی حوالے" بھی سپرد قلم کر دیئے ہیں۔

**پہلا تاریخی حوالہ** ان تاریخی حوالوں میں ایک تو دارالعلوم دیوبند کے معائنہ کے لئے آنے والے ایک انگریز کی تحریر معائنہ کا اقتباس ہے، جسے سب سے پہلے نمبر پر درج کر مولوی صاحب نے ع "مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری" کا مصرعہ بڑے ذائقے کے ساتھ چُست فرمایا ہے کیونکہ اس اقتباس میں ایک جملہ اُن کو نظر پڑا کہ

"یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار ممد و معاون سرکار ہے"۔ (صہ۹۴)

مولوی صاحب کو اطمینان ہے کہ اُن کے حلقے میں کوئی ایسا پڑھا لکھا اور اپنے ذہن سے سوچنے والا آدمی نہیں پایا جاتا جو یوں سوچے کہ یہ انگریز مدرسہ دیکھنے اور اہل مدرسہ سے ملنے آیا تھا نہ کہ لڑنے، یہ کوئی انسپکٹر آف اسکولز بھی نہیں تھا جس کے حلقۂ کار میں دیوبند کا مدرسہ آتا ہو۔ اور مدرسہ کو اچھا یا بُرا جو جی میں آئے لکھ جائے ــــ ایسے معائنہ کرنے والے اپنے نقطۂ نظر سے تعریف کی لازمی ضرورت ہو تو "تالیف و تقریب کی" ہی بات لکھا کرتے ہیں، چاہے اندر سے کچھ بھی خیال ہو، اس لئے یہ گواہی "لاکھ پہ بھاری" تو کیا ہوتی، سرے سے گواہی کہلانے کی بھی نہیں ہے! بلکہ غور کیا جائے تو اس سے بالکل اُلٹی گواہی نکل رہی ہے۔ کیونکہ اس انگریز کو یہ فقرہ لکھنے کی (جسے علامہ ارشد القادری صاحب نے سر پہ رکھ کے رقص فرمایا ہے) ضرورت ہی کیا پیش آئی تھی، اگر یہ مدرسہ واقعۃً موافق سرکار ہوتا؟ یا کم از کم یہ بات مسلّم سی نہ ہوتی کہ انگریز سرکار اسے اپنے خلاف سمجھتی ہے؟ ایک مدرسہ جو حکومت وقت کا ممد و معاون ہو اس کے معائنے میں "لیفٹیننٹ گورنر کا ایک خفیہ معتمد انگریز" بطور تعریف یہ لکھے گا کہ یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں ہے؟ اتنا بڑا احمق تو انگریز گورنر کا معتمد خاص نہیں ہو سکتا۔ یہ تو کسی معاون و وفادار ادارے کی تحسین و تعریف کی کوئی پسندیدہ صورت نہیں ہے، بلکہ اس کے لئے ایک شکایت پیدا کرنے کی صورت ہے کہ اُسے خلاف سرکار سمجھے جانے کا بھی کوئی امکان مانا گیا جو نمائندۂ سرکار ایسے خیال کو دفع کرنے اور ہمیں مطمئن کرنے کی ضرورت سمجھ رہا ہے کہ سرکار ہمارے ادارے کو اپنے خلاف نہیں سمجھتی۔ اسی لئے کبھی نہیں سُنا گیا ہوگا کہ کسی سرکار نے کسی کو وفاداری کا سرٹیفکیٹ دیتے ہوئے یہ بھی لکھا ہو کہ یہ ہمارے خلاف نہیں ہے۔

الغرض مولانا قادری صاحب کو اپنے حلقے میں اس طرح سوچ سکنے والے آدمیوں کے نہ ہونے کا کامل اطمینان ہے اور دوسروں کے تاثرات سے یہ لوگ سروکار نہیں رکھتے۔ ورنہ ان کے از خود کھینچے

اور سمجھنے کی بات تھی کہ کوئی بھی آزاد ذہن کا اور سمجھ دار آدمی ان کی اس تاریخ سازی کو پڑھے گا تو بجز اس کے کچھ نہیں کہے گا کہ قبلۂ محترم! یہ گواہی انگریز حکومت سے دارالعلوم دیوبند کی وفاداری کی نہ ہوئی بلکہ الٹی اس بات کی ہوئی کہ یہ دارالعلوم حقیقت میں خلافِ سرکار تھا۔

—— لیکن الحمد للہ کہ دارالعلوم دیوبند جس ادارہ کا نام ہے اسے کسی ایسی گواہی کی ضرورت نہیں۔ اس کی پوری صد سالہ تاریخ کا ایک ایک ورق اپنے کردار کا بہترین گواہ اور ہر خارجی گواہی سے بے نیاز کر دینے والا گواہ ہے۔ ورنہ اسی واقعہ کے اندر ایک اور گواہی یہ دکھائی جا سکتی ہے کہ علامہ ارشد القادری صاحب کو اس "تاریخی دستاویز" میں یہ کہیں نہیں ملا کہ لاٹ صاحب بہادر کے اس معتمد کی پذیرائی میں وہ وفادارانہ اور نیاز مندانہ انداز بھی کہیں برتا گیا ہو جس کے متعلق وہ "تاریخی دستاویزوں" سے ایک امرِ واقعہ ثابت ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ ورنہ اصل دستاویز تو وہی ہوتی جس پر مولانا "مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری" کا مصرعہ چسپاں فرماتے! —— مگر جیسا کہ ہم نے کہا ایسی گواہیوں کی ضرورت اُسے ہے جس کا اپنا مثبت کردار کچھ کم روشن ہو۔

مولانا صاحب کو شاید معلوم نہ ہو، دارالعلوم دیوبند کو رام کرنے کے لئے گورنر صاحبان کے صرف معتمد نمائندے ہی نہیں آئے بلکہ بعض دفعہ خود گورنر صاحب نے بھی تکلیف فرمائی۔ لیکن اس پتھر میں جونک نہ اُن سے لگی نہ اِن سے لگی۔ البتہ ایسے مواقع سے یہ فائدہ ضرور اٹھایا گیا کہ دشمن اگر خود کو دھوکے میں ڈالنے کا موقع دے رہا ہے تو اُسے دھوکے میں رکھنے ہی کا رویہ اختیار کیا جائے۔

## دُوسرا "تہلکہ خیز" حوالہ

دوسرے نمبر پر "سوانح قاسمی" کے حاشیے سے موجودہ امیر دارالعلوم حضرت مولانا محمد طیب صاحب کے بیان کے دو ٹکڑے درج کئے گئے ہیں۔

۱۔ "(مدرسہ دیوبند کے کارکنوں میں اکثریت) ایسے بزرگوں کی تھی جو گورنمنٹ کے قدیم ملازم اور حال پنشنر تھے۔ جن کے بارے میں گورنمنٹ کو شک و شبہ کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی۔"

۲۔ (گورنمنٹ کی طرف سے ایک انگریز خاں کے تذکرہ میں:)

"اس وقت بھی حضرات آگے بڑھے اور اپنے سرکاری اعتماد کو سامنے رکھ کر مدرسہ کی طرف سے

صفائی پیش کی جو کارگر ثابت ہوئی۔" (ص۹۵)

ہم نے کہا تھا کہ مولانا ارشد القادری صاحب اپنی اس کتاب کے لئے قلم اٹھاتے وقت یہ قسم کھا کے بیٹھے تھے کہ حق و صداقت اور دیانت کا جتنا خون وہ ان صفحات میں کر سکتے ہیں کر کے رہیں گے، چنانچہ مولانا قاری محمد طیب صاحب کا ایک "مسکنہ خیز بیان" تصنیف کرنے کے لئے انھوں نے یہ ثواب کا کام خوب ہی ڈٹ کے کیا ہے۔

سوانح قاسمی کے مصنف مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس بحث پر کہ دارالعلوم کے روح رواں کی حیثیت سے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام شروع کے دور میں نمایاں جو نہیں ہوا، تو اس کی وجہ سیاسی مصلحت تھی یا کچھ اور؟ حضرت مولانا محمد طیب صاحب حاشیہ میں یہ رائے ظاہر کرتے ہیں کہ اور جو کچھ بھی اس کی وجہ رہی ہو وقت کی سیاسی مصلحت بھی ضرور اس کی ایک وجہ ظاہر تھی۔ یہ حاشیہ کتاب کے ص۲۴۶ سے شروع ہو کر ۲۴۷ تک گیا ہے، یعنی ایک صفحہ سے زیادہ کا ہے۔ اس کی وہ چند سطریں یہاں پڑھ لینے کی ضرورت ہے جن میں قاری صاحب کی اصل مقصدی گفتگو درج ہوئی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"اس وقت کے نازک حالات، حضرت والا کا وارنٹ، روپوشی، سرکاری دوشوں کا پیچھے پیچھے لگا رہنا، پھر حضرت والا کے ان جذبات و نظریات کا ماضی سے زیادہ مستقبل کیلئے ہونا جو اس وقت اجراء مدرسہ کی روح اور آج ایک مستقل مکتب خیال اور ملت کی تاریخ بنے ہوئے ہیں، جن کی رُو سے یہ مدرسہ تعلیمی ہونے کے ساتھ ساتھ گویا اہل اللہ کی سیاست کا ایک مرکز بھی تھا، کچھ ایسی باتیں نہ تھیں جو کلیۃً پردۂ خفا میں ہوں یا کم از کم بحیثیت مجموعی حکومت وقت کی نگاہوں سے بالکل اوجھل ہوں۔ ایسی صورت میں حضرت والا کا بحیثیت بانی یا بحیثیت کسی ذمہ دار عہدیدار کے سامنے آنا بلاشبہ مدرسہ کو خطرات و مہالک کا شکار بنا سکتا تھا اور ابتداء ہی سے حکومت وقت کی نگاہیں اس پر کڑی ہو جاتیں جس سے وہ حریت پرور مقاصد بروئے کار نہ آ سکتے تھے جن کے لئے یہ تاسیس عمل میں آئی تھی۔ ان حالات میں حضرت والا کا کسی رسمی عہدہ دار کی صورت میں سامنے نہ آنا اور سب کچھ ہونے کے باوجود کچھ بھی نہ ہونے کو نمایاں رکھنا ایک اچھی خاصی سیاسی مصلحت کی صورت ہو جاتی ہے۔" (سوانح قاسمی حاشیہ ص۲۴۶)

اس کے آگے بحث کے اس نکتہ پر کلام کرتے ہوئے کہ اگر ایسا تھا تو عام ممبران یا ممتحنین کی فہرست میں بھی حضرتؒ کا نام کیوں آیا؛ قاری صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ اتنی بات سے کسی عہدیدارانہ ذمہ داری کی صورت نہیں ظاہر ہوتی۔ علاوہ ازیں اس فہرست میں اکثریت ایسے حضرات کی تھی

"جو تارک الدنیا اور مسجد نشین بزرگ تھے جنھیں سیاست سے تو بجائے خود، عام شہری معاملات سے بھی کوئی خاص لگاؤ نہ تھا اور یا ایسے بزرگوں کی تھی جو گورنمنٹ کے قدیم ملازم اور حال پنشنر تھے جن کے بارے میں گورنمنٹ کو شک و شبہ کرنے کی گنجائش ہی نہ تھی۔" ص ۲۴۶-۲۴۷

بعد ازاں لکھتے ہیں:۔

"اس پر بھی مخالفین مدرسہ نے حضرت ہی کے تعلق کو بنیاد قرار دے کر مدرسہ کو حکومت وقت کی نگاہوں میں مشتبہ کر دینے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ..... حتیٰ کہ گورنمنٹ کو تحقیقات کرانی پڑی۔ اس وقت یہی حضرات آگے بڑھے اور اپنے سرکاری اعتماد کو سامنے رکھ کر مدرسہ کی صفائی پیش کی جو کارگر ہوئی۔ ورنہ اگر شخصی طور سے عہدیدارانہ ذمہ داریوں کے ساتھ حضرت والا آگے ہوئے ہوتے تو ظاہر ہے کہ مدرسہ کی طرف سے ان بزرگوں کی یہ صفائی اور یقین دہانی کبھی کارگر نہ ہو سکتی تھی۔" (ص ۲۴۷)

یہ ہے مولانا محمد طیب صاحب مدظلہٗ کے اس بیان کی اصل صورت جسے ایک "تہلکہ خیز دستاویز" بنانے کے لئے حضرت مولانا ارشد القادری صاحب نے اس میں سے صرف وہ فقرے لے کر اپنی کتاب میں درج کر دیئے ہیں جن پر ہم نے خط کھینچ دیا ہے۔ مگر کیا کوئی صاحب آدمیوں کی دنیا میں ایسے ہیں جو قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ کے بیان کی یہ اصل صورت دیکھنے کے بعد بھی، اس بیان کی رو سے دارالعلوم دیوبند اور اس کے اصل ذمہ داروں کو انگریزوں سے نیازمندانہ اور سازبازانہ تعلقات رکھنے کا مرتکب کہنے کی ہمت فرما سکیں۔

ہم کن الفاظ میں اپنی اس تکلیف کا اظہار کریں کہ جناب قادری صاحب نے محض گروہ بندانہ بغض و عناد میں خدا ناترسی کا یہ ریکارڈ قائم کر کے لوگوں کو یہ کہنے کا موقع دیا ہے کہ یہ عبا و قبا اور جبہ دستار والے پیشوایان ملت و مذہب بھی کس گھٹیا درجہ تک کے کرتب ہو سکتے ہیں۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند اور جماعت دیوبند کا معاملہ انگریزوں کے سلسلے میں ایسا نہیں ہے جس پر کوئی بھی

غبار اڑانے میں کامیاب ہو سکے۔ یہ چاند پر تھوکنا اور سورج پہ خاک اڑانا ہے جس کا نتیجہ ازل سے ایک ہی رہا ہے۔ ایک پوری تاریخ کو جو ہزاروں افراد کے جہاد و پیکار، قید و بند، مصائب و آلام اور جہد مسلسل کے واقعات سے بنی اور اس ملک کے چپہ چپہ پر ہی نہیں اس سے باہر بھی خون اور پسینے کی روشنائی سے لکھی گئی اور ۱۹۴۷ء تک تسلسل کے ساتھ لوگوں کی نظروں سے گزری ہے، ایسی تاریخ کو ایک ارشد القادری نہیں ہزار دس ہزار قادری بھی چاہیں تو اسے چھپا دینے یا مسخ کر دینے پر قادر نہیں ہو سکتے۔ اس سے بھی آگے سن لیجئے کہ اگر خود دیوبند والوں کی کسی کتاب میں بھی اس تاریخ کی عام شہرت کے کچھ خلاف لکھا ہوا ہے تو اس کی مدد لے کر بھی اس برحق شہرت کا تختہ الٹ دینے کی کوشش ایک دیوانگی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتی۔ ارباب جہاد و پیکار کی تاریخ میں ایسے نازک وقت بھی آتے ہیں کہ دشمن کو دھوکہ دینے کے لئے اپنے اصل کردار کو چھپانا پڑتا ہے، اور صاف گفتاری کے بجائے مصلحت کی زبان اور قلم سے کام لینے کا تلخ گھونٹ پینا ضروری ہو جاتا ہے۔ اسے ارشد القادری صاحب جیسے لوگ نہیں سمجھ سکتے جن کے کنبے قبیلے میں بھی کسی نے ان خار دار وادیوں کی سیر نہیں کی۔ لیکن اس راہ کے تمام رہروؤں کی تاریخ میں ایسے اوراق کہیں نہ کہیں ضرور ملتے ہیں۔ ایسا ہی وہ ایک وقت تھا جب ۱۸۵۷ء کے جہاد کا پانسہ انگریزوں کے حق میں پلٹ جانے کے بعد دیوبند کے بزرگوں نے دار العلوم کے نام سے ایک نئے محاذ کی بنا ڈالی تو اس کے روح رواں حضرت نانوتوی نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے آپ کو پیچھے رکھ کر ایسے لوگوں کو سامنے رکھا جن پر انگریز حکومت کو شک و شبہ کی نظر ڈالنی مشکل ہو۔[1] اسی طرح جب اسی نزاکت کے دور میں کچھ آگے چل کر بعض

---

[1] ان حضرات کے لئے جو الفاظ مولانا محمد طیب صاحب قبلہ نے لکھے ہیں اور قادری صاحب نے نقل کئے ہیں وہ صرف یہی ہیں کہ "گورنمنٹ کے قدیم ملازم اور حال پنشنر تھے جن کے بارے میں گورنمنٹ کو شک و شبہ کرنے کی گنجائش ہی نہ تھی"۔ ان الفاظ سے "انگریزوں کے ساتھ نیاز مندانہ تعلقات اور رازدارانہ سازباز" کی بو کسی ایسے ہی شخص کو آ سکتی ہے جس کے فاذنیت نے اس کے تمام حاسّوں میں نہایت بودار فساد پیدا کر دیا ہو۔ کیونکہ یہ جس وقت کی بات ہے یعنی ۱۸۵۷ء کے کچھ ہی بعد کی، جس میں فتح یاب ہو کر انگریزوں نے سارے ملک میں مسلمانوں پر وہ قیامت توڑی تھی کہ رگ رگ سے خون بہتا تھا، ہر طرف پھانسیوں کی گرم بازاری تھی۔ اندھا دھند ہنگامہ دار و گیر بپا تھا۔ گلی کوچوں میں کشتوں کے پشتے لگ

(باقی اگلے صفحہ پر)

لوگوں نے ان بزرگوں میں سے کسی کے حالات سپردِ قلم کئے تو اُس وقت بھی ان کے قائم کئے ہوئے اداروں اور نئے ڈھنگ کے تنظیمی سلسلوں' سے گورنمنٹ کی نظر ہٹائے رکھنے کے لئے مصلحت یہی تھی کہ ان کے جہاد و پیکار کے حالات اور انگریزوں کے خلاف ان کے سخت جذبات دھیمے اور ذو معنی الفاظ میں لکھے جائیں۔ اور اس بات کو ان کتابوں کا ہر پڑھنے والا بخوبی سمجھ سکتا تھا۔ اسی لئے آج تک کسی کو یہ خبط لاحق نہیں ہوا کہ ایسی عبارتوں کی بنیاد پر اصل اور حقیقی اور جیتی جاگتی تاریخ کے منھ آئے۔

## تیسری یورش

یہاں تک جو کچھ عرض کر دیا گیا، اُس کے بعد ضرورت تو نہیں رہ جاتی کہ "لگے ہاتھوں" والے وار میں مولانا صاحب نے تیغ آزمائی کے اور جتنے جوہر دکھائے ہیں ان پر بھی الگ سے کچھ کہا جائے۔ مگر مختصر مختصر کچھ کہہ جانے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں۔ لہٰذا اور سُنئے!

اسی سوانح قاسمی میں جس کے ایک حاشیہ پر اوپر کی گفتگو ہوئی، ایک واقعہ صاحب سوانح (حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) کے مقام ولایت کے تذکرہ میں اس بات کی مثال کے طور پر درج ہوا ہے

---

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) گئے تھے، اور مسلمان کے دل سے خون میں ڈوبی ہوئی آہیں مدتوں تک نکلتی رہی تھیں، ایسے میں کون بدنصیب مسلمان ہوگا جو ان ظالموں سے "رازدارانہ ساز باز اور نیازمندانہ تعلقات" رکھنے کا روادار رہے، اور پھر وہ بھی وہ لوگ جو حضرت مولانا محمد قاسمؒ جیسے مجاہدین ۱۸۵۷ء کے گرد جمع ہونے کا حوصلہ رکھتے ہوں!! یہ وقت تو ایسا تھا کہ سرسید جیسا آدمی بھی جس نے مسلمانوں کو انگریزوں سے وفاداری کی عمر بھر تلقین کی' "اسباب بغاوت ہند" لکھ کر ان مظالم کے خلاف چیخ پڑنے پر مجبور ہوا۔ اس لئے ہم تو اس زمانے میں مسلمانوں کے اندر کسی نیازمند سرکار کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن مولانا ارشد صاحب کے اوپر والوں میں ایسے لوگ اس وقت بھی پائے گئے ہوں تو ان کا اسے بعید نہ سمجھنا ٹھیک ہے۔ جناب ارشد القادری صاحب میں اگر کچھ ہوش گوش ابھی باقی رہ گیا ہو تو ہم انھیں پیر دانا شیخ سعدیؒ کی نصیحت یاد دلائیں گے کہ ہر جگہ گھوڑا دوڑانے کی نہیں ہوتی ؎ نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن ✦ کہ جاہا سپر باید انداختن — وہ کہاں اس تاریخ جہاد و پیکار کی باتوں میں اپنا حصہ اڑانے داخل ہو گئے۔ ان کے لئے مذہبی فتنہ انگیزی اور گندم نمائی جو فروشی کا میدان ہی بہت ہے۔ محبت رسولؐ کے دعوے کرکے سچے محبتوں کے خلاف لوگوں کو ورغلایا کریں۔ نذر و نیاز اور عرس و میلاد کے حق میں نکتے تراش تراش کر عوام کو دام فریب میں پھنسایا کریں۔ ان موضوعات پر کتابیں لکھیں جن پر عام پڑھے لکھے خود کوئی رائے قائم کرنے کی معلومات نہیں رکھتے۔ لیکن ان تاریخی باتوں میں قلم فرسائی تو اہل علم دین ہی میں نہیں، ان عام پڑھے لکھوں میں بھی ان کا

کہ اگرچہ آپ اپنے مرتبہ کو بے حد چھپانے کا مزاج رکھتے تھے اور خاص کر باطنی قوت کا استعمال کبھی اپنی یا اپنے اہل خانہ و اقارب کی ضرورتوں میں بھی نہیں کرتے تھے، مگر کبھی کسی بیچارہ غریب کا کام آپڑے تو پھر آپ کا حال دوسرا ہوتا تھا اور اس قوت کے استعمال میں کوئی تکلف نہ فرماتے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ دیوبند سے نانوتہ واپس تشریف لے جا رہے تھے کہ آپ کا خاص حجام راہ میں آتا ہوا ملا جو آپ ہی کے پاس جا رہا تھا۔ اس نے ضرورت عرض کی کہ "تھانہ دار نانوتہ نے ایک عورت کے بھگانے کا جرم مجھ پر لگا کر چالان کا حکم دیا ہے۔ میں بالکل بے خطا ہوں خدا کے واسطے مجھے بچا لیجئے"۔ اس کے بعد راوی کا بیان ہے کہ آپ نے نانوتہ پہونچ کر مسجد میں بیٹھتے ہی "مجھ سے فرمایا کہ منشی محمد یٰسین کو بلاؤ"۔ جو آپ کے خاص کارپرداز تھے۔ ان منشی محمد یٰسین صاحب کے آتے ہی

"عجب شان جلال سے فرمایا کہ اس غریب حجام کو تھانہ دار نے بے قصور پکڑا ہے۔ تم اس سے کہہ دو کہ یہ (حجام) ہمارا آدمی ہے اس کو چھوڑ دو، ورنہ تم بھی نہ بچو گے۔ اس کے ہاتھ میں ہتھکڑی ڈالو گے تو تمہارے ہاتھ میں بھی ہتھکڑی پڑے گی"۔

منشی محمد یٰسین صاحب تھانہ دار کے پاس پہونچے اور حضرت کا ارشاد سنایا۔ جس پر اس نے گھبرا کر کہا کہ

"اب کیا ہو سکتا ہے روزنامچہ میں اس کا نام لکھ دیا گیا ہے"۔

یہ بات حضرت کو پہونچی تو منشی محمد یٰسین صاحب کو پھر یہ حکم دے کر واپس فرمایا کہ

"جا کر کہہ دو کہ اس کا نام روزنامچہ سے نکال دو"۔

اس پر وہ غریب بہت پریشانی میں پڑ کر خود سے حضرت کی خدمت میں یہ کہنے کے لئے حاضر ہوا کہ

"حضرت نام نکالنا بڑا جرم ہے۔ اگر نام اس (حجام) کا نکالا تو میری نوکری جاتی رہے گی"۔

آپ نے فرمایا ـــــــ

"اس کا نام (روزنامچہ سے) کاٹ دو تمہاری نوکری نہیں جائیگی"۔

آگے راوی کا کہنا ہے کہ ـــــ "اس حجام کو اس نے چھوڑ دیا اور برابر تھانہ دار بنا رہا"۔

(سوانح قاسمی جلد اوّل صفحہ ۳۲۰ تا ۳۲۲)

اس واقعہ کا حوالہ دے کر قبلہ ارشد القادری صاحب فرماتے ہیں کہ ـــــ "مولوی قاسم صاحب

نانوتوی اگر انگریزی حکومت کے باغیوں میں سے تھے تو پولیس کا محکمہ اس قدر ان کے تابع فرمان کیوں تھا ؟
کیوں تھا ؟ ــــ یوں تھا کہ وہ اللہ کے تابع فرمان تھے ! اور جو اللہ کے "تابع فرمان" ہو جاتے ہیں ان کی یہی شان ہوتی ہے ! من کان للّٰہ کان اللّٰہ لہٗ (جو اللہ کا ہو جائے اللہ اس کا ہو جاتا ہے) کیا یہ مشہور حدیث بھی قادری صاحب نے نہیں پڑھی ؟ اور وہیں حاشیہ میں جہاں حضرت نانوتوی سے متعلق یہ حکایت درج ہے، مصنّف (مولانا گیلانیؒ) نے بخاری شریف کی ایک روایت کا جو ترجمہ درج کیا ہے کیا وہ بھی مولانا صاحب کے فہم سے بالاتر ہی رہا ؟ ــــ کہ

"بندہ جب اپنے خالق کا محبوب بن جاتا ہے تو ارشاد ربانی ہے کہ میں اس کی بینائی ہو جاتا ہوں جس سے دیکھتا ہے۔ اس کی شنوائی ہو جاتا ہوں جس سے سنتا ہے۔ اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے پکڑتا ہے۔ اس کے پاؤں ہو جاتا ہوں جن سے چلتا ہے"۔

(ج ۱۔ ص ۲۲۳)

ہم بتا چکے ہیں کہ یہ حکایت حضرت نانوتوی کے مقام ولایت کے تذکرہ میں درج ہوئی ہے۔ پس چاہئے تو یہ تھا کہ قادری صاحب اس بات کا ذکر کر کے یہ حکایت وہاں درج کرتے جہاں انھوں نے حضرت نانوتویؒ کی کرامتوں کی روایات درج کی ہیں اور پھر کہتے کہ دیکھئے صاحب یہ لوگ اپنے بزرگوں کے لئے تو خدائی میں دخل بھی مانتے ہیں ! ــــ لیکن قدرت کو تو یہ منظور تھا کہ قادری صاحب کی عقل خرد اور دیانت و صداقت کا پردہ ذرا اچھی ہی طرح چاک ہو۔ اس لئے انھوں نے اس حکایت کو بانی دارالعلوم کی اعلیٰ انگریز حکام سے "ساز باز" ثابت کرنے کے لئے منتخب فرمایا۔

رہ رہ کر خیال آتا ہے کہ کس درجہ کے سیدھے اور بے خبر لوگوں کا طبقہ ان علمائے کرام کے ہاتھ لگا ہے کہ اوندھی سے اوندھی بات کہتے اور لکھتے ہوئے بھی انھیں ڈر نہیں ہوتا کہ کوئی اس پر ہنس دے گا بھلا کوئی تک ہوئی کہ قصبہ کے تھانیدار نے ایک بات مان لی تو اس سے انگریزوں کے ساتھ ساز باز ثابت ہو گیا ! ٹھیک ہے کہ تم تو اپنی کم نصیبی سے ان بزرگوں کو صاحب ولایت نہیں مان سکتے۔ لیکن اس کے ماننے میں بھی کوئی دقت ہے کہ یہ تھانیدار جو اسی قصبہ کا تھانیدار تھا انھیں خدا رسیدہ بزرگ مانتا ہو ؟ یا اس علاقہ میں جو ان کی وجاہت تھی محض اس کا لحاظ کرنے ہی پر مجبور ہو ؟ ان میں سے کوئی بات ایسی ہے جو نہیں ہو سکتی ؟ جبکہ اس کے برعکس " اوپر کے حکام " (اور وہ بھی مرکزی"

حکام) سے "سازباز" والے تعلقات کا علم ایک ہندوستانی تھانیدار کو ہونے کی بات کسی تھوڑی سی عقل والے کی سمجھ میں بھی نہیں آسکتی۔ کھلے تعلقات ہوں تو ضرور ایک تھانیدار بیچارہ بھی واقف ہوسکتا ہے مگر ڈھکے چھپے اور سازباز والے تعلقات ہوں تو اس کی خبر اس بے چارہ کے فرشتوں کو بھی ہونے سے رہی۔ مگر واہ رے مولانا قادری صاحب! یہ سیدھی سیدھی باتیں پس پشت ڈال کر چلے ہیں کہ اسے "انگریزوں کے خلاف دیوبندی اکابر کے افسانۂ جہاد و بغاوت کی پوری بساط الٹ دینے والی سنسنی خیز کہانی" بنا کے چھوڑیں گے! ــــ حالاں کہ جہاں تک آپ کے مریدوں اور معتقدوں کا سوال ہے اُن کے لئے تو کسی کہانی کی بھی ضرورت نہیں، صرف آپ فرما دیجئے کہ دیوبندی جو کچھ جہاد و بغاوت کی باتیں کرتے ہیں سب افسانہ ہیں، وہ بیچارے مان لیں گے۔ لیکن جنھیں دلیل و ثبوت کی ضرورت ہے وہ آپ کی اس "سستی سنسنی خیزی" پر ہنس دیں گے کہ کیا دُور آنے والا جاپانی طمنچہ مولانا صاحب شیروں کا شکار کرنے کے لئے لائے ہیں! ایک طرف جیتی جاگتی اور (غلو پسند بریلویوں کو چھوڑ کر) مسلم و غیر مسلم سب کی مانی ہوئی حقیقت اور دوسری طرف یہ تھانیدار کی کہانی! ہائے ری کم سوادی! اور ہائے ری تج ادائی!! اگر ان مولانا صاحب کو اس معاملے میں مسٹر اوک کہا جائے تو بالکل موزوں ہوگا۔ انھی کی طرح ایک مسٹر اوک ہندوستان میں ہیں جو روز مضامین لکھتے ہیں کہ تاج محل مغل بادشاہ نے نہیں ہندوؤں نے بنوایا تھا۔ لال قلعہ بھی اس بادشاہ کا بنوایا ہوا نہیں تھا، قطب کی لاٹ بھی مسلمانوں کا کارنامہ نہیں وغیرہ ذالک من الهفوات۔

## ایک سوال جو سر چڑھ کر پکارتا ہے!

سوانح قاسمی کی جلد دوم سے ایک عبارت لے کر سوال فرمایا گیا ہے کہ

"جب حضرت خضر کی صورت میں نصرت حق انگریزی فوج کے ساتھ تھی تو ان باغیوں کے لئے کیا حکم ہے جو حضرت خضر کے مقابلے میں لڑنے آئے تھے؟ کیا اب بھی انھیں غازی اور مجاہد کہا جا سکتا ہے؟" (زلزلہ ص ۹۹)

سوانح قاسمی کی یہ عبارت ایک روایت کے ذیل میں ہے۔ روایت کے راوی ہیں نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی اور جن کے بارے میں روایت ہے وہ ہیں حضرت شاہ فضل الرحمن گنج مرادآبادی یعنی نہ یہ خاص معنی میں دیوبندی اور نہ وہ دیوبندی۔ تعلق دونوں بزرگوں کو

دیوبند کے بزرگوں سے بھی تھا اور دیوبند کے بزرگوں کو ان دونوں سے۔ بلکہ حضرت گنج مرادآبادیؒ سے تو اکثر بزرگان دیوبند کا ارادتمندانہ تعلق رہا ہے اور ان کے مزار کو بریلی والے بھی مانتے ہیں۔ جیسے حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کو۔ مگر دیوبند والوں پر وار کرنے کے جنون میں جیسے حضرت حاجی صاحب پر ہاتھ صاف کئے گئے ہیں، ویسے ہی حضرت گنج مرادآبادی بھی اس جنون کی زد سے نہیں بچ پائے۔ ان کے متعلق سوانح قاسمی کے مصنف مولانا گیلانی نے ایک روایت نواب صدر یار جنگ کے حوالے سے یہ درج کی ہے کہ:

"(۱۸۵۷ء میں) انگریزوں کے مقابلے میں جو لوگ لڑ رہے تھے ان میں حضرت شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ اچانک ایک دن مولانا کو دیکھا گیا کہ بھاگے جا رہے ہیں اور کسی چودھری کا نام لے کر جو باغیوں کی فوج کی افسری کر رہے تھے، کہتے جاتے تھے کہ لڑنے سے کیا فائدہ؟ خضر کو تو میں انگریزوں کی صف میں پا رہا ہوں"۔

دوسری ایک روایت اسی سلسلے میں انہی راوی نے مولانا گیلانی سے یہ بیان فرمائی کہ "غدر کے بعد جب گنج مرادآباد کی ویران مسجد میں حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب جا کر مقیم ہوئے تو اتفاقاً اسی راستے سے جس کے کنارے مسجد ہے انگریزی فوج گزر رہی تھی۔ مولانا مسجد سے دیکھ رہے تھے۔ اچانک مسجد کی سیڑھیوں سے اتر کر، دیکھا گیا کہ انگریزی فوج کے ایک سائیس سے..... باتیں کر کے پھر مسجد واپس آ گئے"۔ اس کے آگے راوی (نواب صدر یار جنگ) کا بیان ہے کہ:

"(میں) دریافت (کرنا) چاہتا تھا، پوچھنے پر یا خود بخود فرمانے لگے کہ سائیس جس سے میں نے گفتگو کی، یہ خضر تھے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا حال ہے؟ تو جواب میں کہا کہ حکم یہی ہوا ہے"۔

اس کے بعد مولانا گیلانی نے لکھا کہ:

"یہ روایت نواب صاحب سے سنی ہوئی ہے۔ باقی خود خضر کا مطلب کیا ہے؟ نصرت حق کی مثالی شکل تھی جو اس نام سے ظاہر ہوتی ہے۔ تفصیل کے لئے شاہ ولی اللہ وغیرہ کی کتابیں پڑھیئے۔ گویا جو کچھ دکھایا جا رہا تھا (یعنی انگریزوں کا غلبہ۔ ع) اس کے باطنی پہلو کا یہ مکاشفہ تھا"۔

(حاشیہ سوانح قاسمی۔ ج ۲۔ ص ۱۰۳)

اس پر حضرت ارشد القادری صاحب وہ معترضانہ سوال فرماتے ہیں جس کا ذکر پہلے کر دیا گیا کہ پھر ان باغیوں کے لئے کیا حکم ہے جو حضرت خضرؑ سے لڑنے آئے تھے؟ ــــ ان کا حکم! اُن کا حکم وہی ہے جو اُن حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السّلام کے لئے جناب ارشاد فرمائیں گے جو حضرت خضرؑ (باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر ان کا علم لدنّی دیکھنے ان کے پاس گئے تھے) ان کے ہر فعل پر لڑ جاتے تھے اور بالآخر اُن سے جُدائی پر مجبور ہو گئے! ــــ پتہ نہیں قرآن میں بیان کیا گیا یہ قصّہ آپ کو معلوم بھی ہے یا نہیں؟۔

یہ جواب تو ہوا مولانا صاحب کے سوال کی معقولیت اور نامعقولیت کو ناپے بغیر۔ لیکن اس نظر سے جانچنے کے بعد خود آپ سے پہلا سوال یہ ہے کہ کیا اس روایت میں حضرت شاہ فضل الرحمٰن صاحب کے علاوہ کسی اور کے لئے بھی لکھا ہوا ہے کہ اسے خضر علیہ السّلام نظر آئے۔؟ حضرت شاہ صاحب کو نظر آئے تھے وہ میدان سے ہٹ گئے۔ دوسروں کو نظر آنے کا جب کوئی ذکر نہیں تو اعتراضاً کا کیا تُک کہ وہ حضرت خضرؑ سے لڑنے آئے تھے؟۔ اس ضمن میں ایک دلچسپ بات یہ بھی محسوس ہوتی ہے کہ سوانح قاسمی میں اس روایت کے ذکر سے مولانا ارشد صاحب نے یہ سمجھ لیا کہ یہ شاہ فضل الرحمٰن صاحب بھی مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ وغیرہ کے دوش بدوش دوآبہ کے علاقے میں انگریزوں سے لڑ رہے تھے۔ چنانچہ سوال کرنا چاہتے ہیں کہ جب ان کے ایک ساتھی بزرگ نے یہ اطلاع انھیں دے دی تھی تو پھر وہ کیوں انگریزوں سے لڑتے رہے؟ بے چارے مولوی صاحب کو یہ پتہ نہیں کہ شاہ فضل الرحمٰن صاحب اُودھ میں تھے اور اودھ دوآبہ سے کافی دُور ہے ــــ خیر یہ دلچسپ بات تو اپنی جگہ، ذرا دوسرا سوال کرنے دیجئے کہ حضرت یہ آپ نے کہاں پڑھا ہے کہ اگر کسی دشمن فوج کے متعلق کسی بزرگ کا یہ مکاشفہ معلوم ہو جائے کہ حضرت خضر کی شکل یا کسی دوسری شکل میں مشیئت خداوندی اس دشمن فوج کے ساتھ ہے تو مقابلہ میں لڑنے والے مسلمانوں کو ہتھیار پھینک کر ضرور میدان سے ہٹ جانا چاہئے، ورنہ وہ بجائے غازی اور مجاہد کے گنہگار ہوں گے؟ آپ نے کہیں کچھ پڑھا بھی ہے؟ یا یوں ہی نام "محمد فاضل" ہو گیا؟ علامہ صاحب! کسی بھی بزرگ کا مکاشفہ کسی دوسرے پر حجت نہیں۔ یہ صرف پیغمبروں کا مرتبہ ہے کہ ان کا مکاشفہ بھی وحی کا ہم رُتبہ اور حجت ہے۔!

اور چلئے! سب باتیں آپ ہی کی ٹھیک، خدا آپ کے جنونِ اعتراض کو عمر دراز دے! اس کے صدقے میں ایک جگہ تو آپ نے مان ہی لیا کہ یہ دیوبند کے بزرگ انگریزوں سے لڑے تھے۔ حق اسی طرح سر چڑھ کے بولا کرتا ہے اور اس لئے اب اپنی زبان کے مطابق خود آپ کے اپنے "سر پر چڑھ کر آواز دینے والے" اس سوال کا جواب ارشاد فرمایئے کہ آپ جو ان بزرگوں کی انگریزوں سے جنگ و جہاد کو اب تک "افسانہ" ٹھہراتے آ رہے تھے وہ سب آپ کا جھوٹ اور جعل تھا یا نہیں؟

اس کے بعد ایک بات جو اوپر اشارہ میں آئی ہے عوام کے لئے ذرا کھول کر کہہ دینی چاہیے کہ مسلمانوں کا غلبہ ہو یا ان کے دشمنوں کا غلبہ سب خدا ہی کے حکم اور اُسکے اذن و مشیت سے ہوتا ہے۔ انگریزوں کا غلبہ بھی ۱۸۵۷ء میں بلا شبہ اسی اصول کے ماتحت ہوا اور اسی مشیتی اور تکوینی تائید و نصرت کو صاحبِ کشف بزرگ صورت خضر وغیرہ میں دیکھا کرتے ہیں اسکے ظاہر کر دینے کا نام کوئی دشمنانِ اسلام کی "بارگاہ میں نیاز مندی" رکھے، جیسا کہ مولانا قادری صاحب نے کیا ہے، تو یہ محض اس کی جہالت ہے، یا خدا سے بے خوف ہو کر ابلہ فریبی۔

**اُجالے میں چوری** دیوبندیوں کی شہرتِ انگریز دشمنی کے "تابوت میں آخری کیل" ٹھونک دینے کی کوشش میں ایک گرفت حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پر بھی فرمائی گئی ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ نگار نے جہادِ ۱۸۵۷ء کے بعد کے حالات میں آپ کے لئے ہر دم خطرۂ گرفتاری اور اس کے عواقب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

"مگر آپ کوہِ استقلال بنے ہوئے خدا کے حکم پر راضی تھے اور سمجھے ہوئے تھے کہ میں جب حقیقت میں سرکار کا فرمانبردار ہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بھی بیکا نہ ہوگا اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے جو چاہے کرے۔"

اس پر قادری صاحب لن ترانی فرماتے ہیں کہ ـــــــ

"کچھ سمجھا آپ نے؟ کس الزام کو جھوٹا کہہ رہے ہیں۔ یہی کہ انگریزوں کے خلاف انھوں نے علم جہاد بلند کیا تھا۔" (زلزلہ ص ۱۰۰)

جی ہاں! سمجھا ہی نہیں دیکھا ہم نے، کہ حضرت بایں جبہ و دستار کھلی روشنی میں چوری فرما رہے ہیں۔ تذکرہ نگار حضرت گنگوہی کا قول یہاں نقل کر رہا ہے کہ "آپ فرماتے تھے" بلکہ اپنا خیال ظاہر کر رہا ہے کہ "آپ سمجھے ہوئے تھے...." اور آپ یہ الفاظ نقل کرکے بھی آگے کی عبارت کو حضرت گنگوہی کا قول بتانا چاہتے ہیں![عنہ]

یہ حوالے کی عبارت تو "تذکرہ نگار" نے اس وقت کے حالات میں لکھی ہے جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ صرف خطرے میں تھے، گرفتار نہیں ہوئے تھے۔ لیکن اس کے چار ہی صفحے آگے گرفتاری کے بعد انگریز حاکم کی عدالت میں پیشی اور سوال و جواب کا حال بھی انھوں نے لکھا ہے۔ قادری صاحب نے اسے بھی اپنے شکار کی تلاش میں جھانکا تو ضرور ہوگا۔ اور اب بھی جب کا جی چاہے دیکھ لے۔ اس آخری درجے کے کڑے وقت میں بھی اگر کوئی آدمی اس ہستی کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ میں کوئی لوچ، کوئی گھماؤ پھراؤ اور حضور سرکار دکھا دے تو کم از کم ہمارا تو خط غلامی اس کی خدمت میں حاضر ہے۔! یہی تذکرہ نگار جو مذکورہ بالا عبارت جیسے صفحے کے صفحے اپنی طرف سے حضرت کی صفائی اور بے گناہی ظاہر کرنے کے لئے لکھ گئے ہیں جب آپ کی حراست کے ضمن میں آپ کا عدالتی بیان نقل کرنے کے مقام پر پہونچتے ہیں تو کیا لکھتے ہیں؟ یہ کہ ——

"جس وقت حاکم کے حکم سے عدالت میں بلائے جاتے (یعنی جیل خانہ سے) تو ظاہر ہو کر بے تکلف گفتگو کرتے اور جو وہ دریافت کرتا بے تکلف اس کا جواب دیتے تھے...... اور حقیقت حال کے موافق۔ کبھی آپ سے سوال ہوا کہ "رشید احمد تم نے مفسدوں کا ساتھ دیا اور فساد کیا؟" آپ جواب دیتے۔ "ہمارا کام فساد نہیں نہ ہم مفسدوں کے ساتھی"۔ کبھی دریافت ہوتا کہ "تم نے سرکار کے مقابلے میں ہتھیار اٹھائے؟" آپ اپنی تسبیح کی طرف اشارہ کرکے فرماتے "ہمارا ہتھیار تو یہ ہے"۔ کبھی حاکم دھمکاتا کہ "ہم تم کو پوری سزا دیں گے"۔ آپ فرماتے۔ "کیا مضائقہ ہے مگر تحقیق کرکے!".....

(تذکرۃ الرشید (قدیم ایڈیشن) ص۸۴-۸۵)

قادری صاحب! یہ تھے ان مجاہدوں کے انداز اور ان کی زبان۔ اور آپ کو تکلیف نہ ہو تو سنئے ایک صدا پھوٹ رہی ہے ؎

عنہ اور یہ بھی [illegible] ہے کہ مولانا عاشق الٰہی صاحب جس الزام کو جھوٹا بتا رہے ہیں وہ "فساد" کا الزام ہے (نہ کہ جہاد کا) جیسا کہ ان کے مخالفین کا خیال ہے

کون ہوتا ہے حریفِ مئے مردِ افگن عشق
ہے مکرّر لبِ ساقی پہ صلا میرے بعد

تو ایک بار پھر گزارش ہے کہ جس کسی کو انگریزوں سے حضرت گنگوہیؒ کی "نیاز مندی" ثابت کرنے کا شوق ہو وہ ایک لفظ آپ کی زبان سے نکلا ہوا ایسا دکھا دے اور ہم سے خطِ غلامی لکھا لے۔!

سوچنے کی بات ہے کہ ایک آدمی جو حاکموں سے دُور در دُور اس زبان اور اس لہجہ میں بات کرتا ہے وہ ان کے بیٹھ پیچھے "نیاز مندی" کی زبان بولے گا؟ رہی یہ بات کہ ان کے ایک معتقد نے ان کی صفائی میں لوچدار زبان کیوں استعمال کی؟ تو اس کا اصلی جواب تو اگر وہ زندہ ہوتے تو خود ہی دے سکتے تھے۔ البتہ ہماری نظر میں وجہ وہی ہے جس کی طرف عنوان ۲ کے ضمن میں اشارہ بھی آ گیا ہے کہ انھوں نے اس اطمینان کی بنا پر کہ ایک امرِ تاریخ پر اُن کے کچھ لکھ دینے سے پردہ تو پڑ نہیں جائے گا۔ اپنے زمانہ کی مصلحت یہی سمجھی ہوگی کہ انگریز حکومت کو مغالطے میں ڈال دینے والی زبان استعمال کریں۔ بالخصوص جبکہ حضرتؒ پر الزام ثابت بھی نہیں ہوا تھا اور صاف بری ہو گئے تھے تو اس کا پورا موقع بھی تھا۔ اس زبان کو علمی اصطلاح میں توریہ کی زبان کہتے ہیں اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایسا لفظ بولا جائے جس سے دوسرا کچھ سمجھے اور اپنی مراد کچھ ہو۔ جیسے کہ اسی عبارت میں جس کا حوالہ مولانا قادری صاحب نے دیا ہے "سرکار" کا لفظ ہے۔ جس کا مطلب خدائی سرکار بھی ہو سکتا ہے اور انگریزی سرکار یعنی حکومتِ وقت بھی۔ قادری صاحب نے اس عبارت کا وہ پہلا جملہ چھوڑ دیا ہے جسے ہم نے نقل کیا۔ یعنی

"آپ کو استقلال بنے ہوئے خدا کے حکم پر راضی تھے"

اس جملے کو پڑھنے کے بعد کوئی شخص حتمی طور پر یہ نہیں کہہ سکتا کہ آگے آنے والے لفظ سرکار سے مراد انگریزی سرکار تھی۔ بلکہ کم از کم برابر کے درجہ میں دوسرا شخص یہ کہنے میں حق بجانب ہوگا کہ لکھنے والے کی مراد اس سے "خدائی سرکار" ہے ورنہ "خدا کے حکم پر راضی" ہونے کا کیا مطلب؟ — قادری صاحب نے پہلا جملہ حذف کر دینے کی دانستہ کارروائی اسی لئے کی ہے کہ معاملہ کا یہ پہلو کسی کے سامنے نہ آئے۔ ورنہ ان کا مُغالطہ تھوڑی دیر کے لئے بھی نہ چل پائے گا۔

——— مگر قادری صاحب بد جل فریب کے پاؤں نہیں ہوتے اور بہت ہی جلدی رسوائی کا سامنا ہو جاتا ہے ——— آپ کو اپنے ہاتھ کی صفائی پر ناز ہے تو یہاں بھی نیاز مندوں کی نظر کمزور نہیں۔

## دیوان جی کا مکاشفہ

بات جہاں سے چلی تھی اس پر گفتگو ابھی باقی ہے یعنی حضرت نانوتویؒ کے ایک خادم دیوان جی کا مکاشفہ کہ "دارالعلوم دیوبند کے چاروں طرف ایک سُرخ ڈورا تنا ہوا ہے"۔ اور اس مکاشفہ کی تعبیر میں مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کا یہ بیان کہ ———

"اپنے اس کشفی مشاہدہ کی تعبیر خود یہ کیا کرتے تھے کہ نصرانیت اور تجدد و آزادی کے آثار ایسا معلوم ہوتا ہے دارالعلوم میں نمایاں ہوں گے"۔

(سوانح قاسمی ج ۲ ص ۷۳، حاشیہ)

اس پر حضرت ارشد صاحب فرماتے ہیں کہ "جو لوگ اپنا عیب چھپانے کے لئے دوسروں پر انگریزوں کی کاسہ لیسی اور سازباز کا الزام عائد کرتے ہیں وہ گریبان میں منھ ڈال کر ذرا اپنے گھر کا یہ کشف نامہ ملاحظہ فرمالیں"۔

ملاحظہ فرمالیا۔ مگر اس سے تو یہ ثابت ہوا کہ ہم لوگ اپنا کوئی عیب چھپانے کی کوشش نہیں کرتے! بلکہ کسی عیب کے پیدا ہو جانے کا بھی اندیشہ ہو تو اس کی فکر کرنے کے لئے اگر ضرورت ہوتی ہے تو عیب چینوں سے ڈرے بغیر آپس میں کھل کر اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اور اسی کا تو یہ نتیجہ ہے کہ ارشد صاحب کو یہ ایک ایسا مکاشفہ بھی ہماری ہی کتاب میں ہاتھ آیا جس پر انھوں نے اس علم میں بغلیں بجالیں کہ ان کے گروہ پر کبھی کسی نے انگریزوں سے سازباز اور کاسہ لیسی کا الزام عائد کیا ہے ——— مگر اس سے ارشد صاحب کا یہ مدعا خدا جانے کیسے پورا ہوتا ہے کہ جماعت دیوبند پر انگریزوں کی کاسہ لیسی کا الزام الٹ جائے؟ نصرانیت اور تجدد و آزادی کے آثار تو ایسے لوگوں پر بھی پوری طرح طاری ہوئے ہیں جن کی انگریزوں سے لڑائی کا انکار جب ہی کیا جا سکتا ہے جب کہ یہ احمقانہ دعویٰ کوئی کرے کہ انگریزوں سے ہندوستان میں کوئی لڑا نہیں وہ یونہی آپ سے آپ ہندوستان سے چلے گئے۔ ایک ہندوستان کیا ساری دُنیا میں انگریزی سامراج

کے خلاف آزادی کی تحریکوں میں پیش پیش اسی طبقے کے لوگ تھے جس نے انگریزی تعلیم حاصل کی اور انگریزی تہذیب کو بھی پوری طرح اپنایا۔ لہٰذا اس سے تو انگریزوں کی کاسہ لیسی اور ساز باز ثابت ہوتی نہیں، کوئی اور تدبیر فرمایئے۔!

ارشد صاحب کا مُدعا تو اس مکاشفے کو نقل کرنے سے بس اتنا ہی تھا جو افسوس ہے کہ پُورا نہ ہوا۔ لیکن الحمد للہ کہ انھوں نے بزرگانِ دیوبند کو یہ سندِ افتخار اپنے ہاتھوں سے بخش دی کہ یہ لوگ اپنی جماعت کے دینی مستقبل کے بارے میں خطرات سے بے نیاز نہ ہوتے اور واہمہ بھی ہو جائے تو متفکر ہونے اور اس سے اگلی نسلوں تک کو آگاہ کر جانے میں بھی بالکل اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نقشِ قدم پر تھے۔ آپؐ نے اپنی اُمت کو آئندہ کے دینی انحراف اور بگاڑ سے کس کس طرح خبردار کیا ہے؟ اس سے وہ عام مسلمان بھی بے خبر نہیں ہیں جو تھوڑی بہت دینی معلومات کا ذوق رکھتے ہیں۔ کیا مولانا ارشد القادری صاحب بے خبر ہیں؟ — تو پھر یہ بات مخالفانہ بغلیں بجانے کی ہے یا تحسین و آفریں کی؟ کہ بزرگانِ دیوبند تو بالاتر ان کے ایک خادم کو بھی مستقبل کا اندیشہ اپنے ادراک کے مطابق نظر آگیا تو اسے جماعت کی آگاہی کے لئے بیان کر دیا۔ اور اگلی نسل نے اسے یہودیوں کی طرح اپنے بارے میں خطرات اور بگاڑ کی آگاہیوں کو چھپانے کے بجائے، نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتے رہنے کا سامان اپنے سینے بھر کر دیا۔ اور شاید اسی دینی فکر کے طفیل میں خدا کا فضل ہے کہ آج تک تو ان آثار میں سے کوئی نمایاں ہوا نہیں۔

فالحمد للہ علیٰ ذالک!

الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ ۞

# عالمِ اسلام کو دو صدمے

از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

اس سال کے اہم حوادث و واقعات میں مفتیِ اعظم فلسطین مفتی امین الحسینی صاحب کا حادثۂ وفات ہے، جو اسی ماہ جولائی کی چار تاریخ کو بیروت میں پیش آیا، جہاں مفتی صاحب جمال عبدالناصر کے دورِ عروج کے بعد ہی سے مستقل طور پر مقیم تھے۔ ان کی وفات سے ایک عہد، ایک تاریخ اور ایک تحریک کا اختتام ہو گیا۔ ایک طویل جہاد، مسلسل جد و جہد اور ہمہ وقت فکر مندی اور درد، اور سوز و گداز کے ایک ضخیم اور زریں صحیفہ کا آخری ورق الٹ گیا، اور وہ کتاب ہمیشہ کے لئے بند ہو گئی۔

مفتی صاحب اس وقت عالم اسلام کے بزرگ ترین، معمر ترین، اور غالباً سب سے باوقار اور قابل احترام مجاہد اور رہنما تھے۔ ان کے شدید مخالفوں اور ناقدین کو بھی ان کی بے لوث خدمات اور بے داغ زندگی کا اعتراف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ذات کو بڑی جامعیت، محبوبیت عطا فرمائی تھی، جو شخص ان کو دیکھتا تھا ان کی عالی نسبی، شرافت خاندانی، عالی ہمتی، بلند نگاہی اور معصومیت نورانیت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ وضع قطع، لباس، رفتار و گفتار، تکلم و تبسم، عادات و معمولات، وقار و تمکنت اور تہذیب و شائستگی ہر اعتبار سے وہ ایک سانچہ میں ڈھلے ہوئے انسان نظر آتے تھے، جس میں تغیر و تبدل، بے اعتدالی و ناہمواری اور تناسب و توازن کی کمی کی گویا گنجائش ہی نہ تھی۔ لوگ ان کو نصف صدی سے زائد اسی صورت و ہیئت، اسی وضع قطع

اسی بات اور سب سے بڑھ کر اسی عقیدہ و مسلک اور مسئلہ فلسطین کے لئے اسی سوز و دردمندی کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ اس طویل عرصہ میں بیسیوں انقلابات آئے، حکومتیں بدلیں اور قائم ہوئیں، خیالات اور نظریات میں زمین و آسمان کا فرق ہو گیا، لیکن مفتی صاحب کے موقف و مسلک اور فلسطین و بیت المقدس کے بارے میں ان کے خیالات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ ان کو حق ہے کہ میر تقی میر کی زبان میں وہ فلسطین و بیت المقدس کو مخاطب کر کے کہیں کہ ؎

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

فلسطین کا مسئلہ عرب رہنماؤں کے لئے ایک سیاسی، قومی اور اجتماعی مسئلہ تھا، لیکن مفتی صاحب کے لئے خاندانی، ذاتی، جذباتی اور عقیدہ و مسلک کا مسئلہ تھا۔ عرب رہنماؤں کے لئے اگر فلسطین عرب سرزمین کا ایک قطعہ اور قومی وقار کا ایک مسئلہ تھا تو ان کے لئے اس کی حیثیت وہ تھی جو ماں کے لئے اکلوتے بیٹے یا دوسرے الفاظ میں سعادت مند بیٹے کے لئے شفقت کرنے والی ماں کی تھی، اس لئے اُن کی فکر، اُن کا درد، اُن کی تڑپ دوسروں سے بالکل جدا تھی۔ اس ناچیز نے ایک دو مرتبہ ان سے عرض کیا، کہ اگر دوسرے عرب قائدین و رہنما مسئلہ فلسطین کے وکیل، اور اس سے دلچسپی رکھنے والے ہیں، تو آپ کا اس مسئلہ سے پدری تعلق ہے، اور اس کو آپ نے اپنی آغوش میں پالا اور خونِ جگر سے اس کو پروان چڑھایا ہے۔ مفتی صاحب ایک ایسے معصوم تبسم کے ساتھ جس میں حیا اور تواضع دونوں کی آمیزش ہوتی، اس شنیدہ کو ناشنیدہ کر دیتے۔

مفتی صاحب کا بڑا امتیاز یہ تھا کہ ان کے لیے مسئلہ فلسطین کی اصل روح، اور اس کی قدر و قیمت بیت المقدس کی وجہ سے تھی، جو مسلمانوں کا قبلۂ اوّل، وہ تیسری مسجد جس کی طرف شدِ رحال جائز اور مستحسن ہے، معراج نبویؐ کی پہلی منزل، اور سرزمین انبیاء ہے۔ انھوں نے جب سے مسئلہ فلسطین کو اپنے ہاتھ میں لیا (اس کو اب پچاس برس سے زائد گزر چکے ہیں) اسی پہلو کو سب سے نمایاں کرتے اور تقریر و تحریر میں اس طرح دہراتے رہے کہ یہ اُن کا وظیفہ اور عقیدہ معلوم ہونے لگا۔ ؎

آہنگ میں یکتا صفت سورۂ رحمٰن

مفتی صاحب نے جب آنکھیں کھولیں اور ہوش سنبھالا تو خلافت عثمانیہ کا دَور تھا۔ انھوں نے

اپنے وطن قدس، اور خلافت کے پایۂ تخت قسطنطنیہ میں تعلیم و تربیت حاصل کی، فوجی ٹریننگ بھی لی۔ وہ ترکی زبان بے تکلف بولتے تھے، ان کا خاندان صدیوں سے فلسطین کے قدیم ترین حسینی سادات کا خاندان، اور فلسطین کے ان دو تین خاندانوں میں شمار ہوتا تھا جو قدیم زمانہ سے سربرآوردہ اور معزز چلے آرہے تھے۔ افتاء اور اسلامی اوقاف کی تولیت کا منصب ان کے خاندان میں موروثی تھا۔ انھوں نے کچھ روز علامہ سید رشید رضا کی صحبت میں رہ کر مزید تعلیم و تربیت حاصل کی۔ پہلی جنگ عمومی کے موقع پر جب انگریزی سیاست کے شاطروں کے اثر، اور اپنی کوتاہ نظری سے عربوں نے خلافت اسلامی کے خلاف شام و حجاز میں علم بغاوت بلند کیا، تو مفتی صاحب کچھ تو اپنی فراست ایمانی اور بالغ نظری کی بنا پر، کچھ خلافت عثمانیہ سے تعلیمی و تربیتی روابط کی بنا پر عربوں کی اس چھوٹی سی جماعت میں تھے، جو اس بغاوت کو خلاف اسلام فعل اور خودکشی کا مرادف سمجھتی تھی۔ اس جماعت میں انھیں کے ایک نامور معاصر، اور قریبی مقام لبنان کے خاندانی رئیس، اور اس وقت کے عظیم ادیب و انشاء پرداز امیر شکیب ارسلان اور مفتی سید امین الحسینی زیادہ نمایاں تھے۔ مفتی صاحب سے زیادہ شاید اس عہد میں یہودیوں کی سازشوں اور منصوبوں اور مغربی طاقتوں کے عزائم اور ارادوں سے کوئی واقف نہ تھا، یہ موضوع چھڑ جاتا تو ان کے دل کا ساز چھڑ جاتا، اور معلومات کا دفتر کھل جاتا۔ خلافت عثمانیہ نے جس طرح ان مقامات مقدسہ کی اپنے خون و پسینہ سے حفاظت کی، اور خاص طور پر سلطان عبدالحمید خاں نے اس کی جو آخری قیمت ادا کی، اس کو وہ بڑی تفصیل سے سناتے، اس وقت ان کا دل روتا ہوا نظر آتا۔ انھوں نے برطانوی استعمار کا مقابلہ بڑی پامردی اور استقلال سے کیا۔ وہ فلسطین کی حفاظت اور دفاع کا ایک نشان بن گئے تھے۔ دوسری جنگ کے موقع پر ان کو اپنے محبوب وطن کو خیرباد کہنا پڑا۔ پہلے ایران گئے پھر جرمنی میں پناہ لی، اور وہاں اتحادیوں کے خلاف تقریریں کرتے رہے۔ پھر جب جرمنی کا بھی سقوط ہوا، تو وہ فرانس پہونچے، برطانیہ نے ان کی حوالگی کا کئی بار مطالبہ کیا، لیکن حکومت فرانس نے ہر بار یہ جواب دیا کہ وہ اس کی پابند نہیں۔ جنگ کے خاتمہ پر وہ مشرق وسطیٰ واپس آئے اور چند سال قاہرہ میں فاروق کے عہد میں عزت و وقار کے ساتھ رہے۔ پھر جب وہاں بھی انقلاب ہوا تو ان کے لئے زمین تنگ ہو گئی۔ اب سعودی عرب کے سوا کوئی ملک ان کے رکھنے کا روادار

نہیں تھا۔ انھوں نے بیروت کو اس لئے ترجیح دی کہ وہ سرحد سے قریب ہے اور وہاں رہ کر وہ حالات و واقعات کا زیادہ قریب سے مطالعہ کر سکتے ہیں اور مسئلہ فلسطین کی خدمت کے زیادہ مواقع ہیں۔ وہ اس سن و سال میں بھی جوانوں کا سا کام کرتے تھے، انھوں نے کسی وقت بھی ہار نہیں مانی۔ رابطہ کی مجلس تاسیسی اور جامعہ اسلامیہ کی مجلس استشاری میں سالہا سال سے ان کے پاس بیٹھنے اور ان کے ساتھ کام کرنے کا شرف حاصل ہے۔ راقم سطور نے ان کو کسی وقت مضمحل، شکست اور تھکا ہارا نہیں پایا۔ وہ غالباً بیمار بھی بہت کم ہوتے تھے۔ ضعیفی، تکان یا کثرت کار کی وجہ سے کسی ضروری مجلس میں شرکت کرنے سے انھوں نے کبھی عذر نہیں کیا، باوجود اس کے کہ وہ ہمارے بزرگوں کی صف میں تھے اور مولانا محمد علی، علامہ اقبال اور مولانا سید سلیمان ندوی کے معاصر اور دوست تھے، ہمیشہ ملاقات میں پیش قدمی کرتے، بار بار اپنی شفقتوں اور نوازشوں سے محجوب فرماتے صحیح بات کو قبول کرنے اور معقول بات کی تائید میں وہ کسی سے پیچھے نہیں رہتے تھے اور ہر مجلس میں وہ سب سے نمایاں اور باوقار نظر آتے تھے، اشتعال اور غصہ تو گویا ان کو چھو کر بھی نہیں نکلا تھا، بڑی سے بڑی اور تلخ و تند تنقید سنتے اور تبسم اور شیریں گفتاری کے ساتھ اس کا جواب دیتے تھے۔

انھوں نے مسئلہ فلسطین کے سلسلہ میں بڑے صدمے برداشت کئے، بڑی ناکامیوں کا منھ دیکھا، ان کا دل زخموں سے چھلنی تھا۔ آخر میں ان کو موجودہ عرب اسرائیل تصفیہ کا بھی داغ اٹھانا پڑا۔ جو اُن کے نزدیک (جیسا کہ ان کے رسالہ "فلسطین" کے آخری شمارہ سے معلوم ہوا) مسئلہ کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دینے کے مرادف اور اسرائیل سے اونے پونے صلح کے ہم معنی ہے، اور یقین ہے کہ ظاہری طور پر اس نے ان کے مرض میں اضافہ کر دیا اور ان کی رہی سہی طاقت نے بھی جواب دے دیا۔ اُن کے اس نصف صدی کے جہاد، مسلسل ناکامیوں، حالات کی ناسازگاری، اور ان کی طبیعت کے استقلال کو دیکھا جائے تو ان کو سر پھرا ملّاح کہنا درست ہوگا، جو سیلاب کے رُخ کے خلاف ساری عمر کشتی چلاتا رہا، اور تند و غضب ناک موجوں سے لڑتا اور اپنی جان کو خطرے میں ڈالتا رہا۔ اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے کہ وہ ہمارے کاروانِ رفتہ کے آخری مسافر اور بزمِ سلف کی آخری شمع تھے ؎

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

---

عالمِ اسلام کا دوسرا اہم واقعہ مجاہدِ جلیل استاد علال فاسی کی وفات ہے، ان کی شہرت اگرچہ ایک سیاسی مبصر، ایک سیاسی پارٹی (حزب الاستقلال) کے بانی و رہنما، مراکش کی جنگ آزادی کے ایک قائد و بطل کی حیثیت سے تھی، لیکن وہ اصلاً ایک عالم دین، صاحب نظر اور کثیر المشق فاضل اور علوم اسلامیہ کے ایک کامیاب اُستاد و معلم تھے، ان کی علمی و فکری زندگی کا آغاز جامعۃ القرویین (رباط) کے ایک مدرس کی حیثیت سے ہوا، جو عالم اسلام کی قدیم ترین اور مشہور ترین درسگاہ ہے اور جہاں سے انھوں نے فراغت بھی حاصل کی تھی۔ یہ فرانسیسی حکومت کا زمانہ تھا۔ انھوں نے ایک غیور مسلمان اور ایک عالی ہمت عالم کی حیثیت سے اسی طرح فرانسیسی قبضہ کے خلاف جو اسلامی تہذیب و علوم کے ایک ایک نشان کو مٹانے اور بربریوں اور عربوں میں رقابت اور عداوت پیدا کرنے کے درپے تھی، علم جہاد بلند کیا، اور جنگ آزادی میں قائدانہ کردار ادا کرنے کے لئے آگے بڑھے، جیسے ہمارے اس برصغیر میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا سید حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، اور مولانا ابوالکلام آزاد نے اس کو اپنے وقت کا سب سے ضروری کام اور دین و علم کا تقاضہ سمجھا، علال فاسی کی زندگی میں علم و سیاست، اور مطالعہ و قیادت کا اسی طرح امتزاج و اتحاد نظر آتا ہے، جیسا ہمیں ہندوستان کے بلند نگاہ اور روشن ضمیر علماء میں نظر آیا، بالآخر مراکش آزاد ہوا۔ کچھ عرصے کے لئے وہ وزیر اوقاف بھی رہے، لیکن بہت جلد انھوں نے پھر ملک کی آزادو رہنمائی، عالم اسلام کے مسائل سے دلچسپی اور علم و دین کی خدمت کو اپنی زندگی کا شعار اور اپنی کوششوں کا مرکز بنا لیا، اور آخر وقت تک وہ حکومت کی ذمہ داریوں سے اسی طرح آزاد رہے۔

علال فاسی مرحوم اپنی نظر کی گہرائی اور مطالعہ کی وسعت و تنوع میں بڑے ممتاز نظر آتے تھے قدیم اسلامی علوم پر ان کی گہری نظر تھی۔ ہندوستان کے اکابر علماء بالخصوص حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی تحقیقات و تصنیفات سے وہ بہت زیادہ متاثر، اور خاص طور پر حجۃ اللہ البالغہ کے تو بڑے قائل و

مزاح تھے اور جب بھی کوئی موقعہ ملتا وہ اپنے اس تاثر کا اظہار کئے بغیر نہ رہتے۔ اقبال کی شاعری اور کلام سے بھی وہ واقف تھے اور اپنی تقریروں میں کبھی کبھی اس کا حوالہ دیتے۔ ممالک اسلامیہ کے اندرونی حالات اور وہاں کے حقائق و اسرار سے واقفیت میں ہمارے علم میں اُنکے پایہ کا کوئی عالم یا رہنما نہیں تھا۔ انھوں نے کثرت سے سیاسی دورے بھی کئے تھے، سیاسی کانفرنسوں میں ہمیشہ ان کو شرکت کا اتفاق ہوتا تھا۔ رابطہ میں انھوں نے اس مرتبہ مسئلہ فلسطین کی تاریخ پر تقریر کی، اور یہ کہ اسرائیل کے قیام کے کیا سیاسی عوامل اور محرکات تھے، تو ایسا معلوم ہوا کہ یہی ان کا اصل موضوع ہے اور ہر شخص نے محسوس کیا کہ اسکی معلومات میں گرانقدر اضافہ ہوا، وہ جدید فلسفوں، سیاسی نظاموں اور ملکوں کے دستوروں سے گہری واقفیت رکھتے تھے۔ اہم اور نازک جلسوں کی صدارت جس میں اختلاف کا خطرہ ہوتا، وہ خوبی اور قابلیت سے کرتے تھے، وہ کئی سال سے خرابی صحت اور معروفیت کی بنا پر رابطہ کے جلسوں کا ناغہ کر رہے تھے، لیکن گزشتہ اجلاس منعقدہ ذیقعدہ ۱۳۹۲ھ میں وہ بڑے اہتمام سے شریک ہوئے، اسکی کارروائی سے بڑی دلچسپی لی اور اس کے عمومی جلسہ میں جس میں عالم اسلام کے چیدہ ترین فضلاء اور مفکرین کو دعوت دی جاتی ہے انھوں نے نوجوانوں اور طلبار کے مسائل پر ایک بڑا پر مغز اور فکر انگیز مقالہ پڑھا۔ پھر انھوں نے حج میں شرکت کی، منیٰ و عرفات میں راقم سطور اور مولانا نعمانی کو ایک ہی عمارت و خیمہ میں ٹھہرنے کی وجہ سے دید و شنید کا خوب موقعہ ملا اور یکجائی رہی۔ اس وقت خیال بھی نہیں تھا کہ وہ اس قدر جلد رخت سفر باندھ لیں گے اور علمی و فکری قیادت کی بزم میں اپنی جگہ خالی کرکے چلے جائینگے۔

اللہ تعالیٰ ان کو جنت نصیب فرمائے اور ان کی خدمات اور جہد و جہاد کا بہترین صلہ عطا فرمائے۔

Regd. No. LW/NP-62

Monthly AL-FURQAN Kutchery Road, Lucknow U. P.

VOL. 42 NO. 6, 7 JULY, AUGUST, 1971 Phone : 25547



Cover Printed at—Shining Press, Naya Gaon, Lucknow-1

# الفرقان لکھنؤ



مدیر

محمد منظور نعمانی

| سالانہ چندہ | ماہنامہ الفرقان لکھنؤ | سالانہ چندہ |
|---|---|---|
| ہندوستان سے ...... ۱۰/- | | غیر ممالک سے |
| بنگلادیش سے ...... ۱۱/ | | ایک پونڈ |
| ضخامت ۴۸ صفحات | | (یا ہندوستانی بیس روپے) |
| قیمت | | ہوائی ڈاک کے لیے مزید |
| فی کاپی ...... ایک روپیہ | | محصول ڈاک کا اضافہ ہوگا |

جلد ۴۲ بابت ماہ ستمبر ۱۹۷۴ء مطابق شعبان ۱۳۹۴ھ شمارہ ۹




## اگر اس دائرہ میں ⭕ سرخ نشان ہے، تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔ براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں۔ یا خریداری کا ارادہ نہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۱۰ ستمبر تک آجائے ورنہ اگلا شمارہ بصیغۂ وی۔ پی ارسال ہوگا۔

**نمبر خریداری:** براہ کرم خط وکتابت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا نمبر خریداری ضرور لکھدیا کیجئے جو پتہ کی چٹ پر لکھا رہتا ہے۔

**تاریخ اشاعت:** الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر ۱۰ تاریخ تک کسی صاحب کو نہ ملے تو فوراً مطلع کریں۔ اسکی اطلاع ۲۰ تاریخ تک آجانی چاہیئے۔ اسکے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

**دفتر الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ**


(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر، اڈیٹر و پروپرائٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# نگاہِ اوّلیں

محمد منظور نعمانی

پاکستان میں قادیانیوں کو "غیر مسلم اقلیت" قرار دیے جانے کا جو مسئلہ اٹھا ہوا ہے اگرچہ وہ پاکستان کا اندرونی معاملہ ہے اور اپنی مخصوص نوعیت کے لحاظ سے مسلمانوں کا خالص دینی مذہبی علمی مسئلہ ہے جس کے بارے میں وہی لوگ صحیح سمجھ سکتے ہیں جو اسلام کی حقیقت اور اس کے حدود سے واقفیت رکھتے ہوں مگر اس کے باوجود ہمارے ملک کے انگریزی، ہندی اور اردو کے وہ اخبارات بھی جو غیر مسلم حضرات کی ادارت و سربراہی اور ان ہی کے انتظام میں چل رہے ہیں جن کی واقفیت اسلام کے بارہ میں صفر سے زیادہ نہیں ہے، اپنے کو اس مسئلہ میں اظہارِ رائے کا حقدار سمجھ کر اس بحث میں حصہ لے رہے ہیں۔
بعض ایسے اردو رسالوں میں بھی اس مسئلہ سے متعلق مضامین شائع ہوئے ہیں جو صرف طغرتی اور مقصد کے لحاظ سے خالص تجارتی اور کاروباری ہیں اور جن کا دین و مذہب سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔
افسوس ہے کہ ان پڑھے لکھے لوگوں کو اس کا بالکل احساس نہیں کہ ایک خالص دینی مسئلہ میں ضروری علم و واقفیت کے بغیر حصہ لینا کتنی بڑی بے اصولی اور کیسی غیر ذمہ دارانہ بات ہے اور اس سلسلہ میں وہ جو کچھ لکھ رہے ہیں وہ کس قدر مہمل اور غیر منطقی ہے۔
آج اسی موضوع سے متعلق چند اصولی اور بنیادی باتیں حوالۂ قلم کی جا رہی ہیں۔

---

اسلام کسی نسل اور ذات برادری کا نام نہیں ہے اور ہندو مذہب کی طرح (اگر اس کو مذہب کہا جا سکے) کچھ معاشرتی رسوم یا کسی خاص طرزِ عبادت سے وابستگی کا نام بھی اسلام نہیں ہے جس میں عقیدہ کی کوئی اہمیت نہیں۔ ہندو دنیا سے واقفیت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ ویدوں کو مقدس الہامی کتاب ماننے والے بھی ہندو ہیں، اور اس کا انکار کرنے والے بھی ہندو، مورتی پوجا کرنے والے

سناتن دھرمی بھی ہندو ہیں اور مورتی پوجا کا کھنڈن کرنے والے آریہ سماجی بھی ہندو ۔ ایشور اور خدا کو ماننے والے بھی ہندو ہیں اور اس کے قطعی منکر بھی ہندو ۔ ایک زمانہ میں ہمارے ملک کے عظیم لیڈر پنڈت جواہر لال نہرو نے خود اپنا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ہندو مذہب بھی عجیب ہے اس سے کسی طرح پیچھا نہیں چھوٹ سکتا میں خدا کو نہ مانوں جب بھی ہندو ہوں، کسی مذہب کو نہ مانوں، جب بھی ہندو ہوں[1]۔

الغرض اسلام اس طرح کا کوئی مذہب اور دھرم نہیں ہے، بلکہ مسلمان ہونے کے لیے کچھ متعین عقائد اور ہدایات کا قبول کرنا اور ان کو برحق ماننا ضروری اور لازمی ہے اس کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ پیغمبر کی اولاد ہو ۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ایسی کسی چیز کا منکر نہ ہو جس کے بارہ میں ناقابلِ شک یقینی اور قطعی طریقہ سے اور مسلسل تواتر سے ثابت اور معلوم ہو چکا ہو ۔ اور امت کے عوام تک کو معلوم ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعلیم امت کو دی تھی ۔ علماء فقہاء اور متکلمین کی خاص اصطلاح میں ایسی چیزوں کو "ضروریاتِ دین" کہا جاتا ہے۔ مثلاً یہ بات کہ اللہ ہی وحدہ لاشریک معبود ہے، اور یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں، اور قیامت و آخرت برحق ہے، اور قرآن پاک اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب ہدایت ہے، اور پانچ وقت کی نماز فرض ہے، اور کعبہ مسلمانوں کا قبلہ ہے۔ یہ سب ایسی باتیں ہیں جن کے بارے میں ہر وہ شخص جس کو اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کچھ بھی علم اور واقفیت ہے۔ یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں کی امت کو تعلیم دی تھی، اسمیں کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں ہے ۔ تو مسلمان ہونے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ایسی کسی بات کا انکار نہ کرے، کیونکہ ایسی کسی ایک بات کا انکار بھی بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت کا انکار ہے جس کے بعد اسلام سے رشتہ کٹ جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جن باتوں کی تعلیم و ہدایت ایسے یقینی اور قطعی طریقہ سے مسلسل تواتر کے ساتھ ثابت ہے جس میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں اور جن کو امت کے عوام

---

[1] بہت عرصہ گزرا پنڈت نہرو کی یہ بات غالباً ان کی خود نوشت سوانح حیات کے اردو ایڈیشن میں پڑھی تھی اس وقت یادداشت سے لکھا گیا ہے، اُن کے الفاظ جو بھی ہوں، پورا اطمینان ہے مطلب یہی تھا۔

بھی جانتے ہیں، اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نبوت کا سلسلہ آپ پر ختم کر دیا گیا۔ آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا ــــ جس قطعی اور یقینی طریقہ سے اور جس درجہ کے تواتر کے ساتھ امت کو یہ معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی وحدانیت، اپنی رسالت، قیامت و آخرت اور قرآن مجید کے کتاب الٰہی ہونے کی اور پانچ نمازوں کی فرضیت اور خانہ کعبہ کے قبلہ ہونے کی تعلیم دی تھی، ویسے ہی قطعی اور یقینی طریقہ سے اور اُسی درجہ کے تواتر کے ساتھ یہ معلوم اور ثابت ہے کہ آپ نے اپنے آخری نبی ہونے اور آپ کے بعد کسی نبی کے مبعوث نہ ہونے کی بات پوری وضاحت اور صراحت کے ساتھ بتلائی تھی اور اس طرح بتلائی تھی کہ اُس سے زیادہ وضاحت و صراحت کا کوئی امکان نہیں[1] ــــ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صدیق اکبرؓ کے زمانۂ خلافت سے لے کر ہمارے دور تک امت کا اس پر اجماع اور اتفاق رہا کہ جس طرح توحید و رسالت اور قیامت و آخرت اور قرآن کے کلام اللہ ہونے کا منکر، پنجگانہ نمازوں اور کعبہ کے قبلہ ہونے کا منکر، مسلمان نہیں ہو سکتا، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا یا اس کے دعوے اور دعوت کو قبول کر کے اُس پر ایمان لانے والا مسلمان نہیں ہو سکتا، اگر وہ پہلے مسلمان تھا تو اس کو دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد قرار دیا جائے گا، اور اس کے ساتھ مرتدوں والا معاملہ کیا جائیگا۔

ــــــ امت کی پوری تاریخ میں عملاً بھی یہی ہوتا رہا ہے سب سے پہلے صدیق اکبر اور تمام صحابہ کرام نے نبوت کے مدعی مسیلمہ کذاب اور اس کے ماننے والوں کے بارہ میں یہی فیصلہ کیا۔ حالاں کہ تاریخی روایات میں محفوظ ہے کہ وہ لوگ توحید اور رسالت محمدی کے قائل تھے اُن کے ہاں اذان ہوتی تھی اور اذان میں "اشہد ان لا الٰہ الا اللہ" اور "اشہد ان محمداً رسول اللہ" بھی کہا جاتا تھا۔

واضح رہے کہ اس مسئلہ کی بنیاد صرف یہ نہیں کہ قرآن مجید سورۂ احزاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "خاتم النبیین" فرمایا گیا ہے کہ لغوی کج بحثیوں کے ذریعہ بیچارے ناواقفوں کے دلوں میں شک شبہ پیدا کیا جائے (اگرچہ واقعہ یہ ہے کہ خَاتَم بفتح ت، خاتِم بکسر تا کے مفہوم (آخری) کو اد

---

[1] اگر کسی کو اس بارہ میں علمی اطمینان حاصل کرنے کی ضرورت ہو تو وہ کم از کم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی (مقیم کراچی) کا رسالہ "ہدیۃ المہدیین" (عربی) یا رسالہ "ختم النبوۃ" (اردو) کا مطالعہ کرے

زیادہ مبالغہ کے ساتھ ادا کرتا ہے اور سلسلہ نبوت کے ختم اور قطعی مہر بند ہو جانے اور حضور کے بعد کسی نبی کے مبعوث نہ ہونے بلکہ نہ ہو سکنے کے عقیدہ اور تصور کو اور زیادہ محکم کر دیتا ہے) تاہم جیسا کہ عرض کیا گیا مسئلہ کی بنیاد قرآن مجید کا صرف یہ کلمہ نہیں ہے بلکہ اس مسئلہ ختم نبوت اور انقطاع سلسلہ رسالت سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات جن کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے اور جو اس لفظ "خاتم النبیین" کی تشریح کرتے ہیں، اور پھر مسلسل تواتر اور امت کا اجماع اور تعامل — ان سب چیزوں کی وجہ سے مسئلہ کی نوعیت وہی ہو گئی ہے جو مثلاً عقیدۂ توحید و رسالت، قیامت و آخرت اور نماز پنجگانہ کی فرضیت کی ہے اور ایسے کسی بھی مسئلہ کا انکار اگرچہ کسی باطل تاویل کے ساتھ ہو اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ اگر ایسے عقائد و مسائل کا تاویلی انکار کر کے بھی آدمی مسلمان ہی رہے تو مطلب یہ ہو گا کہ اسلام کے بنیادی عقائد و تعلیمات اور ضروریات دین کی بھی کوئی متعین حقیقت نہیں ہے جس کا جو جی چاہے مطلب گڑھ لے۔

---

اب صرف یہ سوال رہ جاتا ہے کہ اس بارہ میں قادیانیوں کا موقف اور عقیدہ کیا ہے؟ کیا وہ ختم نبوّت کے اس عقیدہ کے منکر ہیں اور مرزا غلام احمد صاحب کو حقیقی اور شرعی معنی میں نبی مانتے ہیں یا اس لفظ اور تعبیر سے ان کا مطلب کچھ اور ہوتا ہے؟

اس کے جواب کے لیے کچھ زیادہ چھان بین اور ان کی بہت سی کتابوں کے مطالعہ کی ضرورت نہیں، مرزا غلام احمد صاحب کے بیٹے اور خلیفہ دوم اور موجودہ خلیفہ کے والد مرزا بشیر الدین محمود صاحب کی صرف ایک کتاب "حقیقۃ النبوۃ" کا مطالعہ کافی ہے۔ یہ کتاب انھوں نے لاہوری پارٹی کے خلاف اور ان کی تردید میں لکھی ہے اور اس کا خاص موضوع اور مدعا یہی ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب اسی طرح اور اسی معنی میں نبی تھے جس طرح کے اور جن معنوں میں انبیاء سابقین مثلاً حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہم السلام نبی تھے اور جس طرح ہر نبی کا منکر کافر ہوتا ہے اسی طرح مرزا غلام احمد صاحب کی نبوّت کا انکار کرنے والے اور ان کو نہ ماننے والے بھی کافر ہیں۔

انشاء اللہ آئندہ شمارہ میں اس موضوع پر کچھ مزید تفصیل سے عرض کیا جائے گا —
واللہ ولی التوفیق۔

# قافلۂ اہل دل

## تذکرۂ خلفاء حضرت شاہ غلام علی مجددی دہلوی رح

(از مولانا نسیم احمد فریدی امروہی)

یک چراغ است دریں بزم کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

مشہور درویش و محدث حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ نے ایک مرتبہ اپنے خلیفہ و مجاز حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ سے فرمایا "تم نے کوئی عشق کی دوکان بھی دیکھی ہے؟" مولانا محمد علی نے سکوت فرمایا۔ آپ نے فرمایا "ہم نے دو دوکانیں دیکھی ہیں، ایک شاہ غلام علی صاحب کی اور دوسری حضرت شاہ آفاقؒ کی (اول الذکر کی طرح) اس (دوسری) دوکان میں (بھی) عشق کا سودا بکا کرتا تھا۔[1]"

حضرت مرزا مظہر جانجاناں شہیدؒ کے بعد ان کے جانشین اور خلیفہ حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ (م ۱۲۴۰ھ) نے خانقاہ مظہریہ کو عشق و معرفت کے نغموں سے معمور رکھا۔ ایمان و یقین اور اعتماد و توکل کے جلووں سے اس کی رونق کو دوبالا کر دیا۔ اللہ اور اس کے رسول صلعم کی محبت و اطاعت کے جذبات سے قلوب سالکین کو گرما دیا اور کیفیات باطنی کی تاثیرات سے اپنے مستفیضین کو مالا مال کر دیا۔ تقریباً نصف صدی تک خانقاہ کے بام و در رشد و ہدایت کے انوار و تجلیات سے منور

---

[1] تذکرہ مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی مؤلفہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔

ہے اور ایسا انتظام فرمایا کہ اُن کے بعد بھی اس خانقاہ کی تابانی و درخشانی محدود نہیں رہی بلکہ آفاقی ہو گئی۔ ہند اور بیرونِ ہند میں اُن کے خلفاء نے دینی و روحانی مراکز قائم کیے جن کے فیوض و برکات سے ایک عالم نے تسکین قلب و روح حاصل کی۔

مولانا نصراللہ خاں خویشگی خورجوی اپنی کتاب تاریخ دکن میں لکھتے ہیں کہ:۔

"فیضانِ ایشاں از ہند تا بہ سندھ و از عجم تا بہ عرب و از بخارا تا بہ رُوم رسیدہ است۔ اقلیمے از اقالیم سبعہ نباشد کہ فیض رسانِ حضرتِ ایشاں دراں جا نہ باشد۔" [1]

(حضرت شاہ غلام علیؒ کا فیض ہند سے سندھ تک اور عجم سے عرب تک اور بخارا سے رُوم تک پہونچا ہوا ہے۔ ہفت اقلیم میں سے کوئی اقلیم ایسی نہیں کہ حضرتؒ کا فیض پہونچانے والا وہاں پر موجود نہ ہو۔)

حضرت مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ نزہتہ الخواطر جلد ۷ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"لما توفی شیخہ المذکور تولی الشیاخۃ مکانہ فحصل لہ القبول العظیم وتکاثر علیہ العلماء والمشائخ وعامۃ الناس من کل صنف وطبقۃ من العرب والعجم"

(جب حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ کے پیر و مرشد حضرت مرزا مظہر جانجاناں دہلویؒ وفات پاگئے تو ان کی جگہ آپ مسندِ مشیخت پر فائز ہوئے اور آپ کو عظیم الشان مقبولیت حاصل ہوئی۔ کثرت سے آپ کی خدمت میں عرب و عجم کے علماء و مشائخ نیز مختلف اصناف اور مختلف طبقات کے عامۃ الناس آپ کی خدمت میں آئے)

اس خانقاہ میں ایمان افروز ہدایات کے ذریعے طالبین کی روحانی و اخلاقی تربیت کا بڑا اہتمام تھا۔ حضرتؒ اوراد و اذکار کی تلقین کے علاوہ حدیث، تفسیر، فقہ اور تصوف کا درس بھی دیتے تھے۔ عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق اور معاشرت کی مکمل عملی تصویر اپنے مسترشدین کے سامنے پیش فرماتے تھے۔ آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے والوں کا تو کوئی شمار ہی نہیں ہے۔ آپ کے خلفاء

---

[1] تاریخ دکن ص۲۲

بھی کثیر تعداد میں تھے۔ آپ کے اجازت یافتہ خلفاء کا تذکرہ جواہر علویہ، مناقب احمدیہ و مقامات سعیدیہ اور ضمیمہ مقامات مظہری میں ملتا ہے [1]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کتابوں میں آپ کے خلفاء کا احصار و احاطہ نہیں ہو سکا ہے۔ یقیناً اور خلفاء بھی ہوں گے جن کا علم تذکرہ نگاروں کو نہ ہو سکا ہو گا۔ احقر نے مدت ہوئی دُرّ المعارف۔ ملفوظات حضرت شاہ غلام علیؒ مرتبہ حضرت شاہ رؤف احمد رامپوریؒ کی تلخیص الفرقان میں شائع کرائی تھی۔ اُس کے بعد اب سے ڈھائی سال پیشتر مکاتیب شاہ غلام علی کا تلخیص کے ساتھ ترجمہ کرنا شروع کیا جو الفرقان میں متعدد قسطوں میں شائع ہوا۔ اب احقر نے مناسب سمجھا کہ حضرت شاہ غلام علیؒ کے خلفاء کا تذکرہ بھی مرتب ہو جائے۔

صرف حضرت شاہ عبد الغنیؒ کا رسالہ ضمیمہ مقامات مظہری، سامنے رکھ کر یہ چند صفحات لکھے گئے ہیں۔ البتہ کسی شخصیت سے متعلق اگر کوئی بات کسی دوسری کتاب سے معلوم ہوئی ہے تو اُس کتاب کا حوالہ دیدیا گیا ہے۔ آخر میں امروہہ کے دو بزرگ قاری امام الدین نخشبیؒ اور مولانا حافظ عبد الحی کا تذکرہ امروہہ کی تاریخوں اور انوار العارفین نیز نزہتہ الخواطر جلد ہفتم سے لیا گیا ہے۔

سب سے آخر میں اخوند جان محمد ہزاروی کا ذکر دُرِّ فرید مؤلفہ مولوی فرید احمد غازی پوری سے ماخوذ ہے۔ ان تینوں شخصیتوں کا ذکر اُن تینوں مذکورہ بالا کتابوں میں نہیں ہے جن میں حضرتؒ کے خلفاء کا ذکر ہے۔ تلاش و جستجو کے بعد ہند اور بیرون ہند کے کتب خانوں کی ایسی کتابوں سے جو سلسلۂ مجددیہ کے متوسلین کے تذکروں پر مشتمل ہوں یا مختلف شہروں کی تاریخوں سے مزید خلفاء کا پتہ چل سکتا ہے۔

---

[1] مولانا ابو الحسن زید فاروقی مجددی اپنے ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"حضرت شاہ غلام علی قدس اللہ سرہ العزیز کے خلفائے گرامی قدر رحمہم اللہ و رضی عنہم کا بیان تین کتابوں میں ملا ہے (۱) جواہر علویہ از حضرت شاہ رؤف احمد قدس سرہ (۲) رسالہ ہو الغنی ضمیمہ مقامات مظہری از حضرت شاہ عبد الغنی محدث دہلوی قدس سرہ (۳) مناقب احمدیہ و مقامات سعیدیہ از حضرت شاہ محمد مظہر مہاجر مدینہ قدس سرہ۔ جواہر علویہ میں ۲۹ حضرات کا ذکر ہے۔ رسالہ ہو الغنی میں ۲۶ حضرات کا مناقب احمدیہ میں ۳۸ حضرات کا۔"

میں نظر کی انتہائی کمزوری کی بناء پر اس اہم کام کو بخوبی انجام نہ دے سکا، لیکن جتنا کام بھی ہو سکا ہے وہ بھی غنیمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے مجھے اس کام کی انجام دہی کی توفیق عطا فرمائی۔ چاہیے تو یہ تھا کہ شروع میں حضرت شاہ صاحبؒ کا بھی مفصل تذکرہ ہوتا مگر مکاتیب شاہ صاحب کے ترجمہ و تلخیص میں سب سے پہلے میں حضرت شاہ صاحب کے حالات لکھ چکا ہوں۔ یوں بھی مریدین اور خلفاء اپنے پیر و مرشد کا آئینہ ہوتے ہیں۔ خلفاء کی سیرت و عادت سے پیر و مرشد کے اخلاق و عادات کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے۔

اگر یہ تذکرۂ خلفاء، دُرّ المعارف اور مکاتیب کی تلخیص کے ساتھ کتابی شکل میں شائع ہوا تو ناظرین کو حضرت شاہ غلام علیؒ کے حالات بھی مطالعہ کرنے کا موقع مل جائے گا۔ فی الحال حضرت مولانا محمد منظور نعمانی متعنا اللہ بطول حیاتہ میری عرض داشت پر اس تذکرے کو مستقبل قریب میں الفرقان میں شائع کرنے کا قصد رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور تمام مسلمانوں کو اپنے ذکر اور اتباع رسول اکرم صلعم نیز محبت بزرگانِ دین کی دولت سے نوازے۔ آمین۔

---

## حضرت زکی القدر شاہ ابوسعید مجددی رامپوری ثم مدنیؒ

آپ کا سلسلۂ نسب حضرت مجدد الف ثانیؒ تک با ایں طور پہونچتا ہے۔ شاہ ابُوسعید بن حضرت صفی القدر بن حضرت عزیز القدر بن حضرت محمد عیسیٰ ابن حضرت سیف الدین بن حضرت خواجہ محمد معصوم بن حضرت مجدد الف ثانی رحمہم اللہ۔

آپ کی ولادت باسعادت ۲ ذی قعدہ ۱۱۹۶ھ کو مصطفےٰ آباد عرف رامپور میں ہوئی بچپن ہی سے آثارِ صلاح آپ پر ظاہر تھے ۔۔۔ دس سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر

---

ؒ آپ نے ۵ ربیع الاول ۱۲۵۳ھ میں وفات پائی۔ جواہر علویہ میں ۱۲۵۰ھ سنہ وفات تحریر ہے۔ ہدیہ احمدیہ کے حاشیہ پر ہے کہ سنا گیا ہے کہ آپ نجیب آباد میں مدفون ہیں ۔۔۔ (مقامات خیر ص۹۵۔ مؤلفہ مولانا ابوالحسن زید فاروقی مجددی۔

لیا۔ بعدہ قاری نسیم[1] رامپوری رحمۃ اللہ علیہ سے علم تجوید حاصل کیا اور بالآخر آپ ترتیل کے ساتھ قرآن خوانی کے اندر رونق دہ مجالسِ قراء ہو گئے۔ جو شخص آپ سے قرآن شریف سنتا تھا محو ہو جاتا تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو اپنی خوش خوانی پر چنداں اعتماد نہیں تھا۔ یہاں تک کہ بعض عربوں نے میرا قرآن حرم محترم میں سنا اور تحسین کی۔ اس سے پہلے تحسین عجم کا میرے نزدیک کوئی اعتبار نہ تھا۔ پھر بعد حفظِ قرآن مجید علوم عقلیہ و نقلیہ میں بہرۂ کامل حاصل کیا۔ اکثر کتبِ درسیہ مفتی شرف الدین[2] رامپوری سے اور کچھ حضرت مولانا رفیع الدین محدث ابن حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے پڑھیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے قاضی مبارک کی شرح سلم العلوم حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی سے پڑھی ہے نیز سندِ صحیح مسلم شاہ صاحب موصوف سے حاصل کی۔ اپنے مرشد یعنی حضرت شاہ غلام علی دہلوی اور اپنے ماموں حضرت مولانا سراج احمد محدث رامپوری بن محمد مرشد مجددی اور حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی سے سندِ حدیث لی۔

تحصیل علم کے دوران ہی میں ارادۂ "خدا طلبی" کا غلبہ ہوا۔ اوّلاً اپنے والد ماجد کی خدمت میں ارادت کا تعلق پیدا کیا۔ وہ اپنے آبائے کرام کے طریقے پر مستقیم تھے۔ ترک دنیا اور انقطاع ان پر غالب تھا۔ نواب نصر اللہ خاں نے ان سے آرزو کی تھی کہ عہدۂ بخشی گری قبول فرمالیں مگر انھوں نے یہ عہدہ قبول نہیں فرمایا۔ وہ اشغال و اوراد میں مصروف رہتے تھے۔ علم حدیث کا ذوق بھی رکھتے تھے۔ اہل فسق و فجور سے کنارہ کش رہتے تھے۔ آپ کے والد ماجد حضرت شاہ صفی القدر نے ۲۵ شعبان ۱۲۳۶ھ کو بروز پنجشنبہ لکھنؤ میں وفات پائی۔ تاریخ وفات "فاز برضوان المودود" ہے۔ حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی، حضرت شاہ محمد اسمٰعیل شہید دہلوی اور دیگر اکابر و اعزہ نے

---

[1] الشیخ نسیم الافغانی الرامپوری الفاضل الکبیر کان من العلماء المشہورین فی عصرہ ببلدۃ رامپور۔ آپ رامپور کے مشہور و معروف صاحب درس اور صاحب افادہ بزرگ تھے۔ بہت سوں نے آپ سے اخذ فیض کیا۔ عبد القادر رامپوری نے اپنے روزنامچے میں آپ کا ذکر کیا ہے۔ (نزہۃ الخواطر جلد [illegible])

[2] مفتی شرف الدین رامپوری رامپور کے اکابر علماء میں سے تھے۔ صاحب درس اور صاحب تصانیف تھے۔۔۔ ۵ شعبان ۱۲۶۸ھ کو وفات پائی۔ (نزہۃ الخواطر جلد [illegible])

آپ کی تجہیز و تکفین کی۔[1]

چونکہ آتشِ شوق مشتعل تھی اس لیے اپنے والد کی صحبت کے بعد ان کی زندگی ہی میں ان کی اجازت سے حضرت شاہ درگاہی[2] رامپوریؒ کے پاس پہونچے تھے۔ وہ دو واسطوں سے حضرت خواجہ محمد زبیر مجددیؒ سے ملحق ہوتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب آپ کے حال پر بہت عنایت فرماتے تھے۔ چند روز میں اجازت و خلافت عطا فرمائی۔ آپ کے اندر شورش بہت زیادہ پیدا ہوگئی اور کثیر التعداد مرید بھی جمع ہو گئے۔ اس وقت آپ کے حلقے میں بے ہوشی و وجد کا غلبہ بہت ہوتا تھا۔ چیخ پکار اور نعرے برپا ہوتے تھے چونکہ نسبتِ مجددیہ میں یہ امور قابلِ انتفا ہیں اس لیے آپ نے حضرت مرزا مظہر جانجاناںؒ کے متوسلین کے حالات سن کر ان کی طرف توجہ کی۔ آپ نے رام پور میں حضرت شاہ غلام علیؒ کو دیکھا تھا اُن کے تشریف لانے کا سبب یہ ہوا کہ صوبیداری دہلی ایک ایسے حاکم کے سپرد تھی جس سے آپ کو تکدر تھا — اس لیے رامپور تشریف لے گئے تھے۔ الغرض حضرت شاہ ابو سعیدؒ نے اپنے آپ کو دہلی پہونچایا۔ اُس وقت دہلی اربابِ علم و صلاح سے بھری ہوئی تھی۔ ہر سہ فرزندانِ شاہ ولی اللہ

---

[1] لکھنؤ میں اکبری دروازے کے قریب جواب چیک کے نام سے مشہور ہے ایک چھوٹی مسجد کے گوشے میں دفن ہوئے (مقامات [illegible])

[2] الشیخ الکبیر فیض بخش درگاهی النقشبندی الهزاروی۔

آپ ہزارہ کے رہنے والے تھے۔ ۱۱۶۲ ہجری میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ کی تاریخِ ولادت معدنِ فیضِ حق سے نکلتی ہے۔ ایامِ طفولیت ہی سے آپ پر حالت جذب طاری تھی جب سن تمیز کو پہونچے تو قرآن مجید کا کچھ حصہ پڑھا اور نماز پنجگانہ کی استغراق کا عالم رہتا تھا نماز کے وقت آپ کو ہوش آتا تھا اس کے بعد پھر مستغرق ہو جاتے تھے سیر و سیاحت کرتے کرتے جب صحرائے بدایوں میں پہنچے وہاں حضرت سلطان التارکینؒ کی درگاہ میں حضرت حافظ جمال اللہ رامپوریؒ سے بیعت ہوئے۔ رام پور میں قیام فرما کر روحانی فیض پہونچایا۔ اغنیاء سے مجتنب رہتے تھے۔ ۱۲۲۶ھ ہجری میں وصال ہوا۔

مات قطب الوریٰ عن امر اللہ (۱۲۲۶ھ) مادہ تاریخ وفات ہے۔ آپ کا مزار رامپور میں ہے۔

(نزھۃ الخواطر جلد ہفتم و ضمیمہ مقامات مظہری)

(مؤلفہ حضرت شاہ عبدالغنی فاروقی مجددی مہاجر مدنیؒ)

محدث دہلویؒ بھی اس وقت زندہ تھے نیز حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ بھی زندہ تھے۔ آپ نے ایک مکتوب حضرت قاضی صاحبؒ کو خدا طلبی کے بارے میں بھیجا۔ انھوں نے کمال تعظیم کے ساتھ جواب لکھا اور مشورہ دیا کہ آپ کے لیے حضرت شاہ غلام علیؒ سے بہتر کوئی نہیں ہے۔ پس آپ حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں پہونچے اور مقبول درگاہ ہوئے۔ اس وقت حضرت شاہ درگاہی زندہ تھے حضرت شاہ ابوسعیدؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر حضرت شاہ غلام علیؒ کے مانند مرشد نہ ہوتا تو مرشد سابق کی طرف سے بہت خوف تھا۔ لیکن حضرت شاہ صاحبؒ نے ایسی حمایت فرمائی کہ کوئی روحانی تکلیف مجھے نہیں پہونچی۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ایک مکتوب میں ارقام فرمایا ہے کہ اگر کوئی طالب اپنی ہدایت کسی دوسرے کے پاس دیکھے تو پیر اوّل کے انکار کے بغیر اس کی خدمت میں حاضر ہو جائے۔ آپ اپنے پیر اوّل کی محبت میں کمال رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک شخص نے حضرت شاہ درگاہیؒ کی غیبت آپ کی موجودگی میں حضرت شاہ غلام علیؒ کی مجلس کے اندر کی۔ اس شخص کا خیال تھا کہ آپ پیر اوّل کے منکر ہو کر حضرت شاہ غلام علیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ آپ کو اس شخص پر انتہائی غصہ آیا۔ حضرت شاہ غلام علی صاحب بھی اس شخص پر خفا ہو کر فرمانے لگے "تو میرے سلسلے کے بزرگوں کی غیبت کرتا ہے"۔ شاہ ابوسعید فرماتے تھے کہ اوّل اوّل پیر سابق کو مجھ سے کچھ کدورت رہی لیکن آخر بار جبکہ میں رامپور جا کر خدمت میں حاضر ہوا تو ان کی وہ کدورت زائل ہو گئی ــــــ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

بعض دوستوں کی استدعا پر آپ نے سلوک میں ایک رسالہ لکھا اور حضرت شاہ غلام علیؒ کی خدمت میں وہ رسالہ لے کر حاضر ہوئے۔ حضرت ایشانؒ نے اس کی بہت تعریف فرمائی جو رسالہ کے آخر میں مرقوم ہے۔ حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ کی تحریر سے واضح ہوتا ہے کہ ..... "وہ رسالہ فی الحال طریقۂ مظہریہ مجددیہ کا دستور العمل ہے[1]۔ ہر اس ملک میں جہاں اس طریقے کے

---

[1] اس رسالہ کا نام ہدایۃ الطالبین ہے تقریباً ۱۲۳۰ھ ہجری میں لکھا گیا۔ اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ میں احقر کی نظر سے گزرا ہے کتب خانہ قاضی شہر رامپور میں بھی غالباً اس کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے معلوم نہیں کہ یہ رسالہ طبع ہو کر شائع ہوا یا نہیں۔ پروفیسر غلام مصطفےٰ نقشبندی نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا ہے جو کراچی سے شائع ہوا ہے۔

فیض یاب موجود ہیں۔ وہ اپنے پاس یہ رسالہ ضرور رکھتے ہیں۔ بعض بزرگوں نے مکۂ معظمہ میں اس رسالے کا عربی میں ترجمہ کیا ہے۔ عرب میں وہ عربی کا رسالہ مروّج ہے۔ غالباً بلادِ روم میں ترکی زبان میں بھی اس کا ترجمہ ہو گیا ہے۔"

آپ کی بہت سی کرامات آپ کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ نے ضمیمۂ مقامات میں درج کی ہیں۔ ان میں سے تین کرامات ذیل میں لکھی جاتی ہیں:۔

(۱) میاں محمد اصغر صاحب نقل کرتے تھے کہ میری نماز تہجد کبھی فوت ہو جاتی تھی۔ ایک بار خدمت اقدس میں عرض کیا ارشاد فرمایا۔ ہمارے خادم سے کہو کہ تہجد کے وقت ہم کو یہ بات یاد دلائے میرے ذمّے اتنی بات ہے کہ تم کو اٹھا کر بٹھا دوں۔ آگے کو تمہارا اختیار ہے۔ کہتے تھے کہ اس کے بعد ایسا ہوتا تھا کہ گویا کوئی مجھے اٹھا کر بٹھا رہا ہے۔

(۲) آپ جب سفر حجاز میں بلدۂ سورت پہونچے وہاں ایک مسجد تھی۔ اس مسجد میں ایک مالدار شخص یوسف علی خاں نام کا آتا تھا جو خود کو زمرۂ فقراء میں داخل کیے ہوئے تھا۔ جب اس نے حضرتؒ کی خبر سنی مسجد میں آنا موقوف کر دیا۔ ایک مدت اسی حال میں گزر گئی۔ ایک بار غایت نیازمندی سے حاضر خدمت اقدس ہوا اور تولے نذر کیے حضرتؒ کو اور راقم (شاہ عبدالغنی) کو اپنے محل میں لے گیا اور اپنی زوجہ کو بیعت کرایا۔ لوگ اس بات پر تعجب کرتے تھے کہ اس شخص نے تو کمال انحراف کی بناء پر مسجد میں آنا ترک کر دیا تھا چہ جائیکہ نذر کرے اور عقیدت مندوں میں سے ہو جائے۔

(۳) شاہ عبدالغنیؒ جو سفرِ حج میں اپنے والد ماجد کے ہمراہ تھے لکھتے ہیں کہ ہم جب بلدۂ بمبئی میں پہونچے تو ایک جہاز کرایہ پر لیا۔ حضرتؒ کی صحبت مبارکہ غنیمت شمار کر کے بعض دوسرے لوگ اس جہاز میں شریک ہو گئے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اس جہاز میں بیٹھنا ٹھیک معلوم نہیں ہوتا۔ کرائے کو واپس لے لیا۔ ناخدا سے تخلّفِ وعدہ بھی کئی مرتبہ ہو گیا تھا۔ آخر کار دوسرے جہاز میں بیٹھے۔ یہ پہلا جہاز حج کے بعد پہونچا اور بعد والے جہاز نے حج کو پایا۔ پہلے جہاز کے حاجی ایک سال تک حجاز میں رکے رہے۔

---

جب حضرت شاہ غلام علیؒ کو مرضِ وفات لاحق ہوا، حضرت شاہ ابوسعید لکھنؤ میں تھے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے مکرر خطوط ان کی طلب میں بھیجے۔ مقصود یہ تھا کہ اپنی جگہ پر ان کو بٹھا ئیں الغرض حضرت پیر و مرشدؒ کے حکم سے حضرت شاہ ابو سعیدؒ نے لکھنؤ سے آکر نو سال تک بہ حیثیت جانشین ہدایت طالبین فرمائی۔ تلخی و سختی اور فقر و فاقہ کو جو طریقۂ انیقہ کا شیوۂ مرضیہ ہے بہت کچھ برداشت کیا۔

۱۲۴۹ھ میں عزم حرمین شریفین کیا۔ اہل دہلی کی آپ کو جدائی کا بہت غم ہوا اپنے صاحبزادے حضرت شاہ احمد سعیدؒ کو اپنی جگہ چھوڑ کر عازم سفر ہوئے۔ راستے میں ہر شہر کے باشندے دوڑ دوڑ کر ملاقات کے لیے آتے تھے۔ رمضان شریف میں بمبئی میں داخل ہوئے۔ تراویح میں ایک قرآن بلدۂ بمبئی میں پڑھا اور شوال میں جہاز پر سوار ہوئے۔ ابتدائے ذی الحجہ میں جدّہ پہونچے ـــــ مولانا محمد جان علیہ الرحمۃ والغفران کہ اپنے وقت میں گویا کہ شیخ الحرم تھے اور جن کا ذکر آگے آرہا ہے ـــــ برائے استقبال جدّہ آئے۔ آپ ۲ یا ۳ ذی الحجہ کو مکہ معظمہ میں داخل ہوئے حرمین کے قاضی، مفتی اور علماء و امراء نہایت تعظیم سے پیش آئے۔ شیخ عبد اللہ السراج اور شیخ عمر مفتی شافعیہ اور مفتی سید عبد اللہ میرغنی حنفی اور ان کے چچا شیخ یٰسین حنفی اور شیخ محمد عابد سندھی اور دیگر اکابر برائے ملاقات حاضر ہوئے۔

آپ کو مرض اسہال و بخار محرم کے مہینے میں مکہ معظمہ میں لاحق ہوا۔ عین مرض و بیہوشی میں اشتیاقِ مدینہ منورہ آپ پر غالب آیا۔ جوں ہی کچھ افاقہ ہوا۔ مدینہ منورہ کا عزم کیا۔ ربیع الاول کے مہینے میں وہیں موجود تھے۔ حلقے میں لوگ اس قدر جمع ہوتے تھے کہ قیام گاہ پر ہو جاتی تھی مفتیِ حرم مدینہ نے آپ کو دعوت بھیجی اور کہا کہ یہ دعوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے۔ مدینہ منورہ میں مرض کو اس قدر تخفیف ہو گئی تھی کہ قریب قریب آدھا کوس پیدل چل سکتے تھے زیارت حرمین سے فراغت کے بعد وطن کی جانب رجوع فرمایا۔ مرض روز بروز ترقی پر تھا۔ پہلی رمضان کا ایک روزہ رکھا کہ اگر ضرر نہ ہوا تو باقی تمام روزے رکھوں گا۔ اس پہلے ہی روزے میں مرض میں شدت ہو گئی۔ فدیہ کا حکم کیا اور فرمایا کہ اگرچہ مریض و مسافر پر فدیہ کا حکم نہیں ہے لیکن طبیعت چاہتی ہے کہ (تطوعاً) فدیہ ادا کیا جائے۔

۲۲ رمضان کو بلدۂ ٹونک کے اندر داخل ہوئے۔ نواب وزیر الدولہ نے بہت تعظیم و تکریم کی۔ بروز عید الفطر ... موت کا عالم شروع ہوا۔ شاہ عبد الغنیؒ ہمراہ تھے۔ ان کو اتباع سنت اور

اجتناب از اہل دنیا کی وصیت فرمائی اور فرمایا کہ اگر تم اہل دنیا کے دروازے پر جاؤ گے تو ذلیل ہو جاؤ گے ورنہ خود اہل دنیا "مثل سگان" تمہارے دروازے پر آکر پڑیں گے اور فرمایا جو کچھ ہم کو اشغال و اوراد سے پہونچا ہے اس کی تم کو بلکہ عبدالمغنی کو بھی میں نے اجازت دی۔ بعدہٗ فرمایا یہ کس نماز کا وقت ہے؟ مولوی حبیب اللہ صاحب نے عرض کیا کہ جو نماز بھی چاہیں حضرت ادا فرمالیں، فرمایا کہ میری آج تمام رات نماز میں گزری ہے۔ بعد نماز ظہر حافظ کو سورۂ بقرہ اور سورۂ یٰسین پڑھنے کا حکم دیا۔ تین مرتبہ یہ دونوں سورتیں سنیں۔ تیسری مرتبہ کے بعد فرمایا بس اب کم دیر رہ گئی ہے۔ پھر فرمایا کہ آج نواب ہماری قیام گاہ پر نہ آئیں۔ اس سے پہلے ایک دنیادار شخص پہونچا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ امراء کے آنے سے ظلمت آتی ہے۔

ظہر و عصر کے درمیان بروز عید الفطر کو انتقال فرمایا۔ نواب اور باشندگانِ ٹونک حاضر ہوئے۔ مولوی حبیب اللہ صاحب اور دیگر اہل قافلہ متکفل غسل ہوئے۔ مولوی خلیل الرحمٰن صاحب قاضی شہر نے نماز جنازہ پڑھائی۔ تابوت شریف کو دہلی منتقل کیا گیا۔ جب نعش مبارک صندوق سے نکال کر لحد میں رکھی گئی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسی وقت غسل دیا ہے۔ چالیس روز کے بعد بھی اسمیں کوئی تغیر نہیں آیا تھا۔ حضرت شاہ غلام علیؒ کی قبر مبارک کے قریب مدفون ہوئے۔ لوگوں نے وفات کی تاریخیں بہت سی کہیں۔ ایک عربی اور دوسری فارسی کی تاریخ یہاں نقل کی جاتی ہے۔

يُنَوِّرُ اللهُ مَضْجَعَهُ۔
۱۲ ۵ ۰

فارسی کی تاریخ مولوی خلیل احمد[1] نے یوں کہی ہے

| | |
|---|---|
| امام و مرشد ما شاہ بوسعید سعید | بروز عید چو شد واصل جناب خدا |
| دل شکستہ و مغموم گفت تاریخش | ستونِ محکم دین نبی فتادہ زپا |

۱۲ ھ ۵ ۰

آپ کے تین صاحبزادے تھے (۱) شاہ احمد سعید (۲) شاہ عبدالغنی اور (۳) حافظ عبدالمغنی۔

## حضرت شاہ احمد سعید مجددیؒ

آپ حضرت شاہ ابوسعید مجددیؒ کے فرزند اکبر[2] ہیں۔ آپ کی پیدائش ۱۲۱۷ھ میں

[1] مولوی حافظ خلیل احمد مضطرب مجوی (مقامات خیر ص) [2] آپ حضرت شاہ ابوسعید مجددیؒ کی زوجہ اولیٰ کے بطن سے تھے حضرت شاہ عبدالغنیؒ اور حضرت شاہ عبدالمغنیؒ زوجۂ ثانیہ کے بطن سے تھے (مقامات خیر)

رامپور میں ہوئی۔ تاریخ ولادت "مظہر یزدان" ہے۔ اپنے والد ماجد کے حسن تربیت سے پہلے کلام مجید حفظ کیا۔ بعدہٗ علوم عقلیہ و نقلیہ مولانا فضل امام صاحب خیرآبادی اور مفتی شرف الدین رامپوری وغیرہ سے پڑھے حدیث شریف حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے شاگردوں مثلاً مولانا رشید الدین خاں دہلویؒ وغیرہ سے پڑھی اور سلوک طریقۂ مجددیہ حضرت شاہ غلام علیؒ اور اپنے والد ماجد سے حاصل کر کے اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے اور لوگوں کو علم ظاہر و باطن سے فائدہ پہونچایا۔ حضرت شاہ غلام علیؒ نے حضرت شاہ احمد سعیدؒ کے متعلق اپنے ایک رسالے میں یوں لکھا ہے۔

"احمد سعید فرزند حضرت ابوسعید علم و عمل اور حفظِ قرآن اور احوالِ نسبتِ شریفہ میں اپنے والد ماجد کے مثل ہیں۔"

حضرت شاہ غلام علیؒ نے اپنے ایک مکتوب میں ارقام فرمایا ہے۔

"اللہ تعالیٰ آپ چاروں آدمیوں کو سلامت رکھے۔ ارتباط محبت قرابت سے بہتر ہے۔

(۱) حضرت ابوسعید اسعدہم اللہ سبحانہ،

(۲) احمد سعید جعلہ اللہ تعالیٰ محموداً

(۳) رؤف احمد، رأف اللہ بہ } ان دونوں بزرگوں کا تذکرہ آگے اپنی جگہ پر آئے گا۔

(۴) بشارت اللہ، جعلہ اللہ مبشراً بقبولہ }

اللہ تعالیٰ ان چاروں بزرگوں کی عمروں میں برکت عطا فرمائے اور سبب رواج طریقہ فرمائے اور اس قسم کے حضرات کو اور زیادہ کرے۔"

آپ (شاہ احمد سعید) اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد حضرت شاہ غلام علیؒ اور اپنے والد کے قائم مقام ہوئے۔ ہندوستان اور خراسان کے طالبین آپ کی طرف کثرت سے رجوع ہوئے اور اپنے اپنے حوصلے کے مطابق فوائد حاصل کیے۔ آپ کے خلفاء قندھار و غزنین کے اضلاع میں بہت شہرت رکھتے ہیں۔[1]

---

[1] آپ ۱۸۵۷ء کے پرآشوب ہنگامے میں مع اہل و عیال دہلی سے مدینہ منورہ کو ہجرت فرما گئے تھے۔ وہاں بھی آپ کے مسترشدین کی کافی تعداد تھی۔ وہیں ۲ ربیع الاول ۱۲۷۷ھ کو وفات پائی اور جنت البقیع میں نزد مزار حضرت عثمان غنیؓ مدفون ہوئے۔ (مقامات خیر) آپ کے باکرامت حالات اور باطنی فیوض و برکات اس کثرت سے ہیں کہ اس کے لیے مستقل مقالے کی ضرورت ہے۔

(۲) شاہ عبدالغنی حضرت شاہ ابوسعیدؒ کے دوسرے فرزند تھے اور (۳) حافظ عبدالمغنیؒ آپ کے فرزندِ ثالث تھے۔ انھوں نے فقہ اور حدیث میں پوری پوری مناسبت بہم پہونچائی تھی اور اخلاقِ حمیدہ کے ساتھ موصوف تھے۔ آپ کی تاریخ ولادت فضلِ الرحمٰن ہے [۲]
۱۲۳۹ھ

## حضرت مولانا محمد شریفؒ

آپ نے رامپور وغیرہ میں تحصیل علوم کی پھر حضرت شاہ ابوسعیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرتؒ نے آپ کے حال پر بہت عنایات فرمائیں اور مقاماتِ سلوک سے گزار کر خلافت عطا فرمائی اور رخصت کیا۔ پنجاب اور کشمیر کے علاقے میں آپ نے کافی شہرت پائی۔ لوگوں نے آپ سے بہت فوائد حاصل کیے۔

ہوشیارپور میں وفات پائی اور سرہند شریف میں حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے روضے کے قریب دفن کیے گئے۔ [۳]

## مُلّا خدابردی ترکستانیؒ

حضرت شاہ غلام علیؒ کی حیات میں حضرت شاہ ابوسعیدؒ سے لکھنؤ میں سلوک طے کیا اور رخصت ہوئے۔ مردمانِ بلغار وغیرہ نے آپ سے فائدے اٹھائے۔

---

[۱] آپ کے حالات زندگی اگر اختصار کیا تو بھی لکھے جائیں تو ایک مبسوط مقالہ چاہتے ہیں چونکہ حضرت شاہ غلام علیؒ کے خلفاء کا تذکرہ یہاں مقصود ہے اس لیے پسران شاہ ابوسعیدؒ کے ذیل میں ان کا اسم گرامی درج کرنے پر اکتفا کیا گیا۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے آپ ہی سے خانقاہ مظہریہ میں صحاح کی کتابیں پڑھ کر سندِ حدیث حاصل کی تھی۔ آپ کی ولادت ۱۲۳۴ھ میں محلہ مغلپورہ دلّی میں ہوئی۔ وفات ۱ محرم ۱۲۹۶ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔

[۲] آپ کی وفات ۱۲ ربیع الاول ۱۲۹۲ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ (مقامات خیر)

[۳] انبالہ کے مشہور درویش حضرت سائیں توکل شاہؒ شاہ محمود جالندھریؒ کے خلیفہ تھے اور وہ مولانا محمد شریف کے خلیفہ تھے (مقامات خیر ص ۱۹۴)

مولانا محمد شریف سے لے کر مُلّا غلام محمدؒ تک جتنے حضرات کا ذکر ہے وہ حضرت شاہ ابوسعیدؒ کے ذیل میں ہے ان میں سے بعض کو حضرت شاہ غلام علیؒ اور حضرت شاہ ابوسعیدؒ ہر دو کی جانب سے خلافت ملی ہے اور باقی وہ ہیں جنھوں نے صرف حضرت شاہ ابوسعیدؒ سے خلافت حاصل کی ہے۔

## ملا علاء الدین رح

آپ نے حضرت شاہ ابو سعید رح سے کسب طریقہ کیا اور پشاور گئے۔ وہاں کے حاکم کو آپ سے عقیدت ہوئی اور وہ آپ کی طرف متوجہ ہوا۔ آپ نے لوگوں کو بہت کچھ روحانی فوائد پہونچائے۔

## حضرت شاہ سعد اللہ رح

آپ حضرت شاہ غلام علی رح کی خدمت میں پہونچے۔ سلوک حضرت شاہ صاحب موصوف سے شروع کیا۔ بعدہٗ حضرت شاہ ابو سعید رح سے توجہات حاصل کیں اور خلافت و اجازت پائی۔ پھر حرمین شریفین گئے اور وہاں سے شرف اندوز ہو کر حیدرآباد دکن چلے گئے۔ ملک دکن کے صغیر و کبیر آپ سے اخلاص تمام کے ساتھ پیش آئے تھے[۱]۔ ایک سو پچاس آدمی آپ کی خانقاہ میں وظیفہ خوار تھے۔ اہل دنیا سے انقطاع اور صفت سخاوت سے متصف تھے[۲]۔

---

[۱] تاریخ دکن مؤلفہ مولانا نصر اللہ خویشگی خورجوی ۱۳۰۵ھ میں لکھی گئی ہے اس میں حضرت شاہ سعد اللہ رح کے بارے میں جو تحریر کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

"آپ افغانی تھے۔ حضرت شاہ غلام علی دہلوی رح کے خلفاء میں سے ہیں۔ آپ ۱۲۴۲ھ میں حیدرآباد تشریف لائے اور سلسلۂ ارشاد و ہدایت جاری فرمایا۔ آپ نے بہت سوں کو اللہ کے نام سے آشنا کر دیا اور متعدد اشخاص کو خرقۂ خلافت سے نوازا۔ ان میں سید کریم اللہ صاحب، حکیم میر آصف علی صاحب، حضرت شاہ مسکین، میر اشرف علی صاحب اور مولانا نیاز محمد بدخشانی خلفائے نامدار میں سے ہیں۔ حضرت شاہ سعد اللہ رح نے ۱۲۷۱ھ میں وفات پائی اور متصل فراش خانہ حضوری دفن کیے گئے۔ اب اس جگہ مقبرہ، خانقاہ، مسجد، حوض اور دوسری عمارات بنی ہوئی ہیں۔ بہت سے اہل حق اس مقام پر جمع رہتے ہیں۔ یہاں پر اس وقت کوئی جگہ اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی یاد دلانے والی نہیں ہے۔" (تاریخ دکن ص۳۰)

[۲] مولانا ابو الحسن زید فاروقی مجددی نے اپنے ایک مکتوب گرامی میں جو احقر کے نام ہے، حضرت شاہ سعد اللہ رح کی سند خلافت و اجازت کو نقل فرمایا ہے (جو کتاب حالات نقشبند دکن میں چھپی ہے) اس سند کے آخر میں شاہ ابو سعید مجددی رح کی مہر ثبت ہے اور سب سے اوپر حضرت شاہ غلام علی رح نے اپنی مہر ثبت فرمائی ہے۔ یہ سند اگرچہ حضرت شاہ غلام علی رح کی طرف سے ہے لیکن آخر میں شاہ ابو سعید رح کی مہر ثبت ہونے کی بناء پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو دونوں سے خلافت حاصل تھی۔ محدث دکن حضرت مولانا شاہ عبد اللہ نقشبندی مجددی رح حضرت سید محمد بادشاہ بخاری (متوفی ۱۳۲۵ھ)

(باقی اگلے صفحہ پر)

## ملا عبد الکریم ترکستانیؒ

آپ بھی حضرت شاہ غلام علیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نسبت حاصل کی۔ بعد ازاں حضرت شاہ ابوسعیدؒ سے توجہات لے کر اجازت پائی اور رخصت ہوئے۔ شہر سبز میں آپ کا طریقہ رواج پذیر ہوا ہزاروں آدمی آپ کے حلقہ بگوش ہوئے عظیم الشان خانقاہ اور بڑا لنگر خانہ رکھتے تھے اور امیر شہر آپ سے اخلاص تمام رکھتا تھا۔

## ملا غلام محمدؒ

آپ نے اٹک سے آکر حضرت شاہ غلام علیؒ کی حیات ہی میں حضرت شاہ ابوسعیدؒ سے نسبت حاصل کی اور وطن پہونچکر لوگوں کو نفع پہونچایا۔

آپ حرمین شریفین گئے اور وہاں سے مشرف ہو کر راستہ میں وفات پائی۔

(حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) کے خلیفہ تھے اور وہ حضرت شاہ سعد اللہؒ کے خلیفہ تھے (ماخوذ از رسالہ سلوک مجددیہ مؤلفہ سید عبد اللہ شاہ)

# جرح و تعدیل

(۸)

مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی
(استاد شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی)

سخاوی نے "فتح المغیث" میں لکھا ہے، جن حضرات نے راویوں کے بارے میں جرح و تعدیل کا فرض انجام دیا ہے اُن کی ذھبی نے کئی قسمیں کی ہیں:-

(۱) جنھوں نے تمام راویوں سے [illegible] بحث کی ہے جیسے ابن [illegible] اور ابو حاتم

(۲) جنھوں نے اکثر [illegible] راویان حدیث سے بحث کی ہے جیسے مالک اور شعبہ

(۳) جنھوں نے ایک کے بعد ایک کر کے راویوں سے بحث کی ہے جیسے ابن عُیینہ اور شافعی،

سخاوی کا کہنا ہے" اور ان تینوں قسموں میں سے ہر ایک کی تین تین قسمیں ہیں۔

(۱) ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو جرح میں سخت گیر ہیں اور تعدیل میں منضبط، دو یا تین غلطیوں پر ہی وہ راوی کی پکڑ کر لیتے ہیں، یہ لوگ جب کسی راوی کا [illegible] توثیق کو دانتوں سے پکڑ لو اور اس پر پورا اعتماد کرو، اور اگر کسی راوی کو ضعیف ٹھہرا[illegible] دیکھو کہ اس کی تضعیف میں کوئی اور بھی ان کا ہمنوا ہے یا نہیں، اگر کوئی اور ہم نوا ہے اور کسی ایک [illegible] اس کی توثیق نہیں کی ہے تو یہ راوی ضعیف ہی ہے، اگر کسی ایک بھی ماہر فن نے توثیق کی ہے تو پھر اس صورت حال کے لیے ماہرین نے یہ (معیار) رکھا ہے کہ لیے۔ راوی کے بارے میں صرف مفسّر جرح ہی قبول کی جائے [illegible]

بیان نہ کرنا کافی نہیں ہے، پھر بخاری وغیرہ ایسے ماہرین اس کی توثیق بھی کر چکے ہیں، ایسی صورت میں اس راوی کی حدیث کو صحیح اور ضعیف ٹھہرانے میں اختلاف رائے ہوتا ہے، اس لیے ذہبی نے کہا ہے —— اور ذہبی راویوں کی پرکھ میں پوری تحقیق و استقراء سے کام لینے والوں میں ہیں —— کہ "علمائے فن جرح و تعدیل میں دو[2] بھی آج تک کسی ضعیف راوی کی توثیق پر یا کسی ثقہ راوی کی تضعیف پر متفق نہیں ہوئے۔[1] اسی لیے نسائی کا مسلک یہ ہے کہ کسی راوی کی حدیث کو [illegible] ترک [illegible] اس کے ترک پر متفق نہ ہوں۔

(۲) دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو نقد میں ڈھیلے (متسمح) ہیں، جیسے ترمذی اور حاکم[2] میں

---

(۱) یعنی [illegible] کی توثیق پر علمائے فن کا کبھی اتفاق نہیں ہوا ہے، بعض نے راوی کی توثیق کی ہو بعض نے اس کو ضعیف ٹھہرایا ہے، اسی طرح کسی ثقہ کی تضعیف پر بھی علمائے فن کا اتفاق نہیں ہوا ہے، بعض نے راوی کو ثقہ قرار دیا تو بعض نے ضعیف۔ "دو[2]" کے لفظ سے یہاں "تمام" مراد لیا گیا ہے جیسے کہتے ہیں "یہ وہ [illegible] اس پر اتفاق ہے اور کسی کو اس سے اختلاف نہیں[2]" ۱۲ ابو غدہ

(۲) سخاوی نے شرح الفیہ میں لکھا ہے "ایک طرف سخت گیری دوسری طرف ڈھیل نے بہت سے معاملوں میں دونوں طرف سے توقف پیدا کر دیا ہو بلکہ اکثر تو معدل اور جارح دونوں کی رائے کو باوجود ان کی جلالت امامت، دیانت و مہارت نقد کے مسترد کر دینا پڑتا ہو، کبھی اس لیے کہ ائمہ جرح و تعدیل میں تنہا ایک نے یہ رائے ظاہر کی ہو۔ جیسے شافعیؒ کی ابراہیم بن محمد ابن ابویحییٰ کے بارے میں رائے، جیسا کہ نووی نے لکھا ہے:- "شافعی کے علاوہ کسی اور نے ابراہیم کی توثیق نہیں کی ہے اور وہ باتفاق محدثین ضعیف ہے"۔ کبھی ناقد کی زبردستی کی وجہ سے جیسے نسائی کا احمد بن صالح ابوجعفر المصری (جو حافظ ابن الطبری کے نام سے مشہور ہیں) کے بارے میں یہ جرح کہ "وہ نہ تو ثقہ ہیں نہ غلطی سے محفوظ، محمد بن یحییٰ نے ان کو متروک قرار دیا ہے اور یحییٰ نے ان پر دروغ گوئی کا الزام لگایا ہے"۔ اس لیے کہ جیسا کہ ابویعلیٰ خلیلی نے کہا ہے "حفاظ حدیث اس بارے میں ایک رائے ہیں کہ نسائی کی رائے ابن طبری کے بارے میں درست نہیں ہے۔ اس رائے میں زبردستی سے کام لیا گیا ہے"۔ ابویعلیٰ نے مزید کہا ہے کہ "ایسے لوگوں کی ابن الطبری کے بارے میں جرح سے ابن الطبری مجروح نہیں ہوتے" اور ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے "نسائی نے ابن الطبری کے بارے میں ایسی بات کہہ کر خود اپنے کو ایذا پہونچائی ہے، اور سب لوگ ابن الطبری کی امامت اور ثقاہت پر متفق الرائے ہیں ۱۲۔ ابوغدہ۔

کہتا ہوں (مولانا عبدالحیؒ) اور جیسے ابن حزم، ابن حزم نے ابو عیسیٰ ترمذی، ابو القاسم بغوی، اسماعیل بن محمد الصفّار اور ابو العباس الاصم اور دوسرے مشہور محدثین[1] میں سے ہر ایک کے بارے میں کہا ہے کہ "یہ مجہول ہے"۔

(۳) تیسری قسم معتدل لوگوں کی ہے جیسے احمد (بن حنبل) دار قطنی اور ابن عدی وغیرہ

---

(۱) جیسے سنن ابن ماجہ کے مصنف ابن ماجہ کے بارے میں ابن حزم نہ ابن ماجہ سے واقفیت کا اظہار کرتے تھے نہ ان کی کتاب سنن ابن ماجہ سے جیسا کہ میں نے اپنے شیخ علامہ الکوثری رحمۃ اللہ علیہ سے بارہا سنا۔ ایک بار میں نے ان سے عرض کیا "ابن حزم ترمذی کے بارے میں جب یہ کہتے ہیں "یہ ابو عیسیٰ کون صاحب ہیں؟" شاید ان کا مقصد یہ ہوتا ہوگا کہ ترمذی قابلِ ذکر نہیں ہیں، یہ نہیں کہ وہ ترمذی کو جانتے ہی نہ ہوں اسی طرح ابن ماجہ کے بارے میں بھی ان کا یہی مطلب ہوتا ہوگا"۔ تو شیخ کوثری کا جواب یہ تھا "ابن حزم نے نہ سنن ترمذی دیکھی تھی نہ سنن ابن ماجہ"۔

اس جواب کی تائید اُس صورت حال سے ہوتی ہے کہ جب ابن حزم سے حدیث شریف کی اہم تصانیف کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے ان کے نام اس ترتیب سے گنائے کہ کس تصنیف کا علمی درجہ کیا ہے اور اس کے بارے میں خود ان کی رائے کیا ہے، ذھبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ابن حزم کا جہاں حال لکھا ہے اس میں دیکھ لیجئے ابن حزم نے تقریباً چالیس تصانیف کے نام گنائے ہیں مگر ان میں ترمذی اور ابن ماجہ کی کتابوں کے نام نہیں ہیں، پھر میں نے مؤلف لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ (مولانا عبدالحیؒ) کی کتاب "التعلیق الممجد علی موطا امام محمد" میں دیکھا کہ......

انھوں نے ذھبی کا یہ قول نقل کیا ہے جو "سیر النبلاء" میں ابن حزم کے احوال میں ہے۔ "ابن حزم نے (حدیث کی مشہور تصانیف میں) نہ سنن ابن ماجہ کا ذکر کیا ہے نہ جامع ابو عیسیٰ ترمذی کا، اس لیے کہ یہ دونوں کتابیں انھوں نے دیکھی ہی نہیں تھیں۔ یہ دونوں کتابیں ان کی وفات کے بعد اندلس پہونچی ہیں"۔

تتمہ:- ذھبی نے تذکرۃ الحفاظ میں بیہقی کے ذکر میں لکھا ہے: "بیہقی کے پاس نہ سنن نسائی تھی نہ جامع ترمذی نہ سنن ابن ماجہ بلکہ ان کے پاس حاکم کی مستدرک تھی تو اسی سے انھوں نے بکثرت روایتیں نقل کی ہیں، ہمارے شیخ کوثری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تصنیف "الحاوی فی سیرۃ الامام الطحاوی" کے حاشیہ میں لکھا ہے "بیہقی کے پاس جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ اور مسند احمد سے روایتیں نہیں ہیں بلکہ ان کی بیشتر روایتیں علی بن محمشاذ کی کتاب سے ہیں۔ جیسا کہ میں نے "الاسماء والصفات" کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے"۔ ۱۲- ابو غدّہ۔

سیوطی نے "زھر الربی علی المجتبیٰ میں لکھا ہے: "ابن الصلاح نے بیان کیا کہ ابو عبداللہ بن مندہ نے کہا کہ انھوں نے محمد بن سعد باوردی کو مصر میں کہتے سنا کہ "نسائی کا مسلک تھا کہ ہر اُس راوی سے حدیث روایت کی جائے جس کو متروک قرار دینے پر سب کا اتفاق نہ ہوا ہو، حافظ ابوالفضل العراقی کا کہنا ہے کہ یہ مسلک بہت فراخ ہے (یعنی باوردی سے ابن الصلاح نے نسائی کا جو مسلک نقل کیا ہے کہ ہر اس راوی سے حدیث روایت کی جائے جس کے ترک پر سب کا اتفاق نہ ہو)

حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب "النکت" میں جو مقدمہ ابن الصلاح پر ہے لکھا ہے "ابن الصلاح نے باوردی سے نسائی کا جو مسلک نقل کیا ہے اس میں اتفاق سے مراد اجماع خاص ہے، کیونکہ نقادانِ فن جرح و تعدیل کا کوئی بھی طبقہ سخت گیر اور معتدل حضرات سے خالی نہیں ہے، طبقۂ اولیٰ میں شعبہ اور ابوسفیان ثوری ہیں۔ شعبہ زیادہ سخت گیر ہیں، طبقۂ ثانیہ میں یحییٰ القطان اور عبدالرحمٰن بن مہدی ہیں، یحییٰ ابن مہدی کے مقابلہ میں سخت گیر ہیں۔ طبقۂ ثالثہ میں یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل ہیں۔ یحییٰ احمد سے زیادہ سخت گیر ہیں، طبقۂ رابعہ میں ابوحاتم اور بخاری ہیں۔ ابوحاتم بخاری سے زیادہ سخت گیر ہیں۔ تو نسائی نے یہ جو کہا ہے کہ "میرے نزدیک راوی کو اُس وقت تک ترک نہ کیا جائے گا جب تک سب اس کے ترک پر متفق نہ ہوں" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی راوی کو ابن مہدی نے ثقہ قرار دیا ہے اور یحییٰ القطان نے ضعیف تو ایسے راوی کو ترک نہیں کیا جائے گا۔ اس لیے کہ یحییٰ اور اُن کے ایسے حضرات کی سخت گیری مشہور و معروف ہے۔"

حافظ ابن حجر نے اس کے آگے لکھا ہے "جب یہ بات طے ہوگئی کہ اتفاق سے مراد اجماعِ خاص ہے تو یہ عیاں ہوگیا کہ نسائی کے مسلک کے بارے میں فوری طور پر جو یہ خیال ذہن نشین ہوجاتا ہے کہ ان کا مسلک فراخ ہے یہ صحیح نہیں ہے، کتنے ایسے راوی ہیں جن سے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت حدیث کی ہے لیکن نسائی نے ان سے روایت کرنے سے پرہیز کیا ہے۔ بلکہ نسائی نے تو متعدد ان راویوں سے بھی روایت کرنے سے پرہیز کیا ہے جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے راوی ہیں۔"

ملحوظ رہے کہ ناقدین فنِ جرح و تعدیل میں جن میں سخت گیری ہے وہ سخت گیری بھی سب کے لیے نہیں ہے بلکہ خاص خاص شہروں میں رہنے والوں کے سلسلے میں یا خاص خاص عقیدے رکھنے والوں کے سلسلے میں سخت گیری ہے، تو اب اس قسم کی جرح کا معاملہ صاف ہو جاتا ہے۔

اس قسم کی جرح ہی کے بارے میں ابن حجر کا یہ قول "تہذیب التہذیب" میں ہے:۔

"جوزجانی(۱) کوفیوں کی جو مذمت کرتے ہیں تو اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔"

ابن حجر کا یہ قول أبان بن تغلب الربعي الكوفي کے ذکر میں ہے۔

---

(۱) جوزجانی: ابو اسحاق ابراہیم بن یعقوب السعدی الجوزجانی (وفات ۲۵۹ھ دمشق میں) ان کی ایک تصنیف فن جرح و تعدیل میں ہے اور ایک کتاب ضعیف راویوں کے احوال میں، اہل نقد کی جوزجانی کے بارے میں مستقل رائے ہے کہ اہل کوفہ کے بارے میں ان کا قول قبول نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ ہمارے شیخ کوثری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "تانیب الخطیب" میں لکھا ہے، اس لیے کہ جوزجانی اہل دمشق کے مسلک کی طرف شدید رجحان رکھتے تھے، اور اہل دمشق کا مسلک اس وقت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے تعصب کا تھا، اور اہل کوفہ کا مسلک، علی کرم اللہ وجہہ سے عقیدت کا تھا، تو یہ جوزجانی ناصبی تھے، علیؓ اور اُن کے ماننے والوں سے سخت عداوت رکھنے والے اور اُن کی برائیاں کرنے والے! یاقوت کی کتاب "معجم البلدان" بدران کی کتاب "تہذیب تاریخ ابن عساکر" اور ابن حجر کی کتاب "تہذیب التہذیب" میں دارقطنی کا ......

یہ بیان نقل کیا گیا ہے۔ "کچھ اصحاب حدیث ایک دفعہ جوزجانی کے یہاں اکٹھا تھے، جوزجانی کی ایک لونڈی مرغی کا چوزہ لے کر گھر سے باہر آئی کہ اس کو کسی سے ذبح کرائے، کوئی ذبح کرنے والا نہیں ملا، جوزجانی نے اس وقت کہا "اللہ تیری شان! چوزہ کو ذبح کرنے والا کوئی نہیں ملتا، حالانکہ علی دن چڑھے تک بیس ہزار سے بھی اوپر مسلمانوں کو ذبح کر دیتے ہیں"؟ اسی لیے جوزجانی کی کوفیوں کے بارے میں رائے کو مسترد کر دیا گیا ہے۔

حافظ ابن حجر نے "لسان المیزان" میں بکران کے شاگرد دمشقی کی "شرح العلیہ" میں جوزجانی کی کوفیوں کی اس درجہ مذمت کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے "اس عداوت کا سبب اختلاف اعتقاد ہے، ایک سمجھ دار آدمی جب ابو اسحاق جوزجانی کے اہل کوفہ پر اس سب و شتم کو بغور دیکھے گا تو اسے حیرانی ہوگی، وجہ یہ ہے کہ وہ ناصبیت میں شدت رکھتے تھے، اور اہل کوفہ شیعیت میں مشہور تھے، آپ دیکھتے ہیں کہ جوزجانی جب اہل کوفہ پر جرح کرتے ہیں تو باڑھ دار زبان اور بے نقط عبارت سے کام لینے سے کبھی باز نہیں رہتے، (باقی اگلے صفحہ پر)

اور کچھ اسی قسم کا معاملہ ذہبی کی اس جرح کا بھی ہے جو وہ اپنی تصانیف "میزان الاعتدال" اور "سیر النبلا" وغیرہ میں صوفیار اور اولیائے امت پر اکثر و بیشتر کرتے ہیں، صوفیار اور اولیار پر ان کی جرح کا اس وقت تک اعتبار نہیں کیا جائے گا جب تک منصف مزاج ماہرین اور متوسط نقطۂ نظر کے حامل کسی بڑے امام فن کی تائید اسے حاصل نہ ہو، اس لیے کہ ذہبی کی یہ عادت مشہور و معروف ہے کہ وہ اپنی خشک مزاجی (تقشف) انتہائی پرہیزگاری و احتیاط نیز تصوف و علم لدنی کے انوار کی شعاعوں سے تہی دامن ہونے کی وجہ سے اکابر صوفیہ پر طعن کرتے ہیں، اور اس حشوی گروہ کی تعریف ترسا ترسا کے کرتے ہیں، یہ حقیقت اس شخص سے پوشیدہ نہیں جس نے ذہبی کی تصانیف کا مطالعہ کیا ہے۔

مؤرخ عبداللہ بن اسعد الیافعی الیمنی نے اپنی کتاب "مرآۃ الجنان" میں جگہ جگہ ذہبی کے صوفیائے کرام سے تعصب کا صراحت سے ذکر کیا ہے، میں نے ان کی عبارتوں کو

---

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) یہاں تک کہ روایت کے بڑے بڑے ارکان اعمش، ابونعیم اور عبیداللہ بن موسیٰ کے ایسے اصحاب حدیث کو بھی مجروح قرار دینے لگتے ہیں، بہرحال ایسی صورت میں اگر جوزجانی کے برابر والے کسی ماہر فن نے یا ان سے بڑے نے جوزجانی سے اختلاف کیا اور جس کو جوزجانی نے ضعیف قرار دیا ہے اس کی انھوں نے توثیق کی تو یہ توثیق قبول کی جائے گی۔

اسی ضمن میں عبدالرحمن بن یوسف بن خراش کا ذکر بھی آتا ہے جو محدث اور حافظ حدیث تھے مگر وہ غالی شیعوں میں تھے بلکہ رفض تک سے منسوب تھے، تو اہل شام کی جو جرح وہ کریں اس پر سوچ سمجھ سے کام لینا چاہیئے۔ اس لیے کہ اعتقاد کی بنا پر ان کی عداوت ظاہر ہے، اسی طرح ابن عُقدہ شیعہ تھے تو ذرا بھی حیرت نہ ہونا چاہیئے، اگر وہ اہل رفض کے بارے میں جانب داری سے کام لیں، تو جرح و تعدیل میں جن پانچ وجوہ سے آفتیں گھستی رہیں اُن میں سے ایک یہ اختلاف عقائد بھی ہے۔

ان ہی وجوہ میں اس وجہ کو بھی شامل کرنا چاہیے جسے مرتبہ اور درجہ میں منافست کہتے ہیں، معاصرین کے درمیان اکثر و بیشتر اسی بنا پر اختلاف اور دوری پیدا ہوا کرتی ہے تو ایسی تمام صورتوں میں لازم ہے کہ جرح پر خوب غور و تامل کیا جائے۔ ۱۲- ابوغدہ

"السعی المشکور فی رد المذھب المأثور"[1] میں تفصیل سے نقل کیا ہے اور اپنی کتاب "تذکرۃ الراشد برد تبصرۃ الناقد" میں بھی ان عبارتوں کو نقل کیا ہے۔

الیافعی کی تائید عبد الوہاب الشعرانی کے "الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر" میں اس بیان سے بھی ہوتی ہے: "باوجود اس کے کہ حافظ ذہبی، شیخ محی الدین ابن العربی[2] اور صوفیائے کرام کے گروہ کے منکروں میں سب سے سخت ہیں، وہ بھی اور ابن تیمیہ بھی"۔

تاج سبکی بھی یافعی کی تائید میں ہیں، اپنی کتاب "طبقات الشافعیہ" میں انھوں نے لکھا ہے:
یہ ہمارے شیخ (استاد) ذہبی صاحب علم و دیانت ہیں، ان میں اہل سنت (صوفیا) کے خلاف حد سے گزرا ہوا تعصب پایا جاتا ہے، ایسی حالت میں ان کی بات پر اعتماد کرنا جائز نہیں ہے، بے شک وہ ہمارے شیخ اور ہمارے استاد ہیں جنھوں نے ہمیں سکھایا پڑھایا ہے، لیکن حق بات حق ہی ہے اس کی پیروی کرنا زیادہ صحیح ہے، صوفیا کے خلاف اپنے حد سے بڑھے ہوئے تعصب میں وہ یہاں تک چلے جاتے ہیں کہ اس سے شرم آنے لگتی ہے، مجھے ان کے بارے میں اکثر علمائے اسلام اور ائمہ اسلام کی طرف سے اندیشہ رہتا ہے، وہ علما و ائمہ جو شریعت نبویؐ کے حامل ہیں اُن کی اکثریت اشاعرہ کی ہے، ذہبی جب کسی اشعری کی برائی کرنے پر آتے

---

(۱) مولانا عبد الحیٔ فرنگی محلیؒ کی یہ کتاب اردو میں ہے اور طبع ہو چکی ہے ۱۲

(۲) "ابن العربی" (یعنی الف لام کے ساتھ "العربی") درست ہو جیسا کہ شعرانی نے طبقات الصوفیہ میں جس کا نام لواقح الانوار ہے صراحت کی ہے اور لکھا ہے کہ انھوں نے شیخ محی الدین ابن العربی کے قلم سے لکھا ہوا ان کا نام "ابن العربی" دیکھا ہے۔ اب وہ اعتراض جو بعض حضرات نے میرے والد مرحوم پر اس بنا پر کیا تھا کہ انھوں نے اپنے رسالہ "نظم الدرر فی سلک شق القمر" میں شیخ محی الدین ابن العربی" لکھا تھا ساقط ہو گیا، اعتراض یہ تھا کہ "ابن العربی" سے عرفاً ابوبکر بن العربی مالکی مراد لیے جاتے ہیں، اور شیخ محی الدین کو "ابن عربی" (بغیر الف لام کے) کہا جاتا ہے، (شعرانی نے خود شیخ کے قلم سے ابن العربی لکھا دیکھا ہے تو اعتراض ختم ہو گیا) یہ صحیح ہے کہ متاخرین کے زمانے میں "ابن عربی" اور "ابن العربی" کے مفہوم میں فرق کیا جانے لگا کہ پہلے سے مراد شیخ اور دوسرے سے مراد ابوبکر مالکی ہوتے ہیں۔ لیکن متاخرین کا یہ فرق کرنا اس درجہ میں نہیں آتا کہ اگر کوئی اس کے خلاف کرے تو اس پر اعتراض بھی کیا جا سکے۔ ۱۲۔ محمد عبد الحیٔ

ہیں تو کچھ اُٹھا نہیں رکھتے، میں پختہ یقین اس بات کا رکھتا ہوں کہ یہ تمام اشاعرہ، روزِ حشر ذہبی سے اپنا جھگڑا ضرور چکائیں گے۔ (۱)

سیوطی نے "قمع المعارض بنصرۃ ابن الفارض" میں اپنے اس قول سے الیافعی کی تائید کی ہے: اگر تم کو ابن فارض کے سلسلے میں ذہبی کی بھنبھناہٹ سے کچھ دھوکا ہو رہا ہے تو ذہبی تو امام فخر الدین بن الخطیب کے ایسے صاحبِ کمالات کے سلسلے میں بھی بھنبھنا چکے ہیں، اور ان سے بھی بڑے امام یعنی ابو طالب المکی پر بھی جو قوت القلوب کے مصنف ہیں اور ان سے بھی بڑے یعنی شیخ ابو الحسن الاشعری پر بھی بھنبھنا چکے ہیں۔ کون شیخ اشعری؟ جن کا ذکر ہر چہار طرف پھیل چکا ہے، ذہبی کی تصانیف "میزان الاعتدال"۔ "تاریخ الاسلام" اور "سیر النبلاء" ایسی باتوں سے بھری پڑی ہیں، تو کیا ذہبی کی ایسی باتوں کو ان اکابر کے بارے میں تم قبول کرلو گے؟ نہیں! ہرگز نہیں! خدا کی قسم نہیں!! ان اکابر کے بارے میں ذہبی کی بات نہیں مانی جائے گی بلکہ ہم ان اکابر کو ان کا حق ادا کریں گے اور پورا پورا ادا کریں گے۔"

یہ بھی یاد رکھئے کہ محدثین کی ایک جماعت ہے جس میں احادیث کے راویوں کو مجروح کرکے حدیثوں کو مجروح کرنے میں بڑی شدت اور سخت گیری ہے، اس جماعت کے محدثین راوی میں ذرا سی بھی نکتہ چینی کی گنجائش پاتے ہی یا اس کی روایت کو کسی دوسری حدیث کے خلاف دیکھتے ہی اس کی حدیث کو جھٹ موضوع یا ضعیف قرار دے دیتے ہیں۔

ابن الجوزی، ان ہی میں سے ایک ہیں، جو "الموضوعات" اور العلل المتناھیہ فی الاحادیث الواھیہ" کے مصنف ہیں، (۲)

---

(۱) میں کہتا ہوں، تاج ابن السبکی نے اپنے شیخ ذہبی کی شان میں اپنی کتاب "طبقات الشافعیہ" میں اور اور جگہ بھی یہی سب لکھا ہے۔ ہمارے شیخ علامہ کوثری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذہبی کے بارے میں ایک جامع جملہ لکھ دیا ہے، اس جملہ کو ابن القیم کے قصیدہ نونیہ پر سبکی کی رد پر ان کے حاشیہ "السیف الصقیل فی الرد علی ابن زفیل" میں دیکھئے ۱۲۔ ابو غدہ

(۲) سیوطی نے اپنی کتاب "التعقبات علی الموضوعات" میں جس کا اصل نام "النکت البدیعات علی الموضوعات" ہے، اور جس میں ابن جوزی کی کتاب "الموضوعات" پر اعتراضات کیے ہیں آخر میں لکھا ہے، "وہ احادیث جن پر ابن جوزی کا پیچھا کیا گیا ہے اور جو کسی حالت میں بھی موضوع (گڑھی) کے زمرے میں آ ہی نہیں سکتی ہیں ان کو میں نے شمار کیا تو

(باقی اگلے صفحہ پر)

**عمر بن بدر الموصلی** بھی ان ہی میں سے ایک ہیں جو "رسالۃٌ فِی الموضوعات" کے مؤلف ہیں، یہ رسالہ "موضوعات ابن جوزی کا خلاصہ ہے (۱)

**رضی الصغانی اللغوی** بھی اسی زمرے میں شامل ہیں ان کی دو تصانیف ہیں، اس موضوع پر یعنی موضوعات احادیث کے موضوع پر۔(۲)

**جوزقانی** بھی اسی زمرے میں ہیں جن کی تصنیف "الاباطیل" ہے (۳) اور اسی زمرے میں

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ان کی تعداد تین سو تھی، جن میں سے ایک صحیح مسلم کی حدیث ہے ایک صحیح بخاری کی جو حماد بن شاکر کی روایت سے ہے۔ مسند امام احمد حنبل کی (۳۸) سنن ابو داؤد کی (۹) جامع ترمذی کی (۳۰) سنن نسائی کی (۱۰) سنن ابن ماجہ کی (۳۰) حاکم کی مستدرک کی (۶۰) اس شمار میں بعض حدیثیں مشترک ہیں۔ اس طرح صحاح ستہ، مسند اور مستدرک کی حدیثوں کو ملا کر مجموعی طور پر (۱۳۰) حدیثوں کو موضوع ٹھہرایا ہے۔ ابن جوزی کی تین سو اُن حدیثوں میں بیہقی کی تصانیف "سنن بیہقی" "الشعب" "البعث" اور "الدلائل" وغیرہ کی حدیثیں، ابن خزیمہ کی کتابوں "صحیح ابن خزیمہ" اور "التوحید" اور صحیح ابن حبان، مسند دارمی، تاریخ بخاری، "خلق افعال العباد" اور رسالہ "القراۃ" (دونوں بخاری کی) اور سنن الدارقطنی کی بہت سی حدیثیں شامل ہیں ۱۲ ابو غدہ

(۱) عمر بن البدر الموصلی کا رسالہ موضوعات مصر میں ۱۳۴۳ھ میں چھپ چکا ہے جس پر ہمارے شیخ علامہ جلیل محمد الخضر حسین التونسی رحمہ اللہ تعالیٰ کا حاشیہ بھی ہے جس کا صحیح نام "المغنی عن الحفظ والکتاب بقولھم لم یصح شئ فی ہذا الباب" ہے حافظ العراقی نے اس کتاب کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "بعض حدیثوں کو جو مصنف نے موضوع قرار دیا ہے وہ صحیح نہیں ہے" حافظ سخاوی نے لکھا ہے "عمر بن البدر پر اس کتاب کے سلسلے میں بہت سی گرفتیں ہیں، اگرچہ اس کے ہر باب میں ائمہ خصوصاً متقدمین سے نقلیں ہیں" ہمارے دوست استاذ حسام الدین القدسی نے اس کتاب پر گرفتیں کی ہیں اور ایک کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام "انتقاد المغنی وبیان ان لا غناء عن الحفظ والکتاب" ہے۔ دمشق میں طبع ہو چکی ہے، شروع میں ہمارے شیخ امام الکوثری کا مقدمہ ہے جو ابن بدر الموصلی اور ان کے پیرودں کے طریقہ کار پر بہترین نقد کا جامع ہے، اسے پڑھیئے بہت مفید ہے ۱۲ ابو غدہ

(۲) صغانی کا "موضوعات" کا رسالہ (یہ صاغانی بھی کہلاتے ہیں) مصر میں ۱۳۰۲ھ میں چھوٹی تقطیع کے ۱۲ صفحات پر طبع ہو چکا ہے، نیز ابو المحاسن قاوقجی کی کتاب "اللؤلؤ المرصوع فیما لا اصل لہ او باصلہ موضوع" کے ساتھ مصر میں شائع ہو چکا ہے، سال اشاعت نہیں دیا گیا ہے۔ دونوں ایڈیشنوں میں فاش غلطیاں ہیں ۱۲ ابو غدہ

(۳) جوزقانی کا نام ابو عبداللہ الحسین بن ابراہیم الہمزانی الجوزقانی ہے (جوزقی بھی کہلاتے ہیں) وفات ۵۴۳ھ میں

(باقی اگلے صفحہ پر)

شیخ ابن تیمیہ[1] مؤلف منہاج السنہ اور مجد اللغوی[2] بھی ہیں جو قاموس اور سفر السعادہ وغیرہ کتابوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ہوئی۔ ان کی کتاب "الموضوعات من الاحادیث المرفوعات" ہے جو کتاب الاباطیل والمناکیر والصحاح والمشاہیر بھی کہلاتی ہے۔ جوزقانی متاخرین ......... کے حالات سے بہت کم واقفیت رکھتے تھے، اپنی کتاب "الاباطیل" میں ان کا بیشتر بھروسہ ابن حبان کے عہد تک کے متقدمین پر رہا۔ اس عہد سے جو حدیث متاخر ہوئی اس کے بارے میں یہی کہہ دیا کہ اس کے راوی مجہول ہیں، حالانکہ ان میں بعض مشاہیر بھی ہیں جیسا کہ ابن حجر نے لسان المیزان میں لکھا ہے، ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں جوزقانی کے احوال میں جو لکھا ہے اسے ابن حجر نے لسان المیزان میں نقل کر دیا ہے: جوزقانی کتاب الاباطیل کے مصنف ہیں۔ یہ کتاب موضوع اور واہی احادیث پر مشتمل ہو میں نے اس کا مطالعہ کیا ہے اور اس سے فائدہ اٹھایا ہے، باوجودیکہ اس میں مشکوک باتیں موجود ہیں، واہی احادیث کا بطلان وہ ان کی معارض صحیح احادیث کو پیش کر کے کرتے ہیں۔ یہی ان کی کتاب کا موضوع ہے اسی لیے اس کا نام انھوں نے "الاباطیل والمناکیر والصحاح والمشاہیر" رکھا ہے۔ موضوع اور واہی حدیث بیان کر کے اس کو واہی قرار دینے کی وجہ بیان کرتے ہیں، پھر کہتے ہیں "اس حدیث کے خلاف حدیث کا باب" اور اس باب کے تحت صحیح حدیث ذکر کرتے ہیں، صحیح حدیث بظاہر قبل کی حدیث کے متضاد اور معارض ہوتی ہے، اس سلسلے میں جوزقانی کے خلاف بہت سے اعتراضات ہیں" ذہبی کے علاوہ کا قول ہے: اکثر و بیشتر کسی حدیث کے موضوع ہونے کا حکم محض اس بنا پر وہ دے دیتے ہیں کہ حدیث (سنت) صحیح کے مخالف ہو، ابن حجر کہتے ہیں "محض اس بنا پر حکم دینا غلط ہے سوائے اس صورت کے کہ ایسی دو مخالف حدیثوں کا جمع مشکل ہو جائے" جیسا کہ ہمارے استاذ کے استاذ علامہ محمد بن جعفر الکتانی رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف "الرسالۃ المستطرفہ" میں نقل کیا ہے۔ یہ کتاب کراچی میں چھپی ہے۔ ۱۲۔ ابو غدہ۔

(۱) مصنف (مولانا عبد الحیؒ) نے اس جگہ شیخ ابن تیمیہ کا حال نہیں لکھا ہے، اپنی دوسری کتاب "اقامۃ الحجۃ علی ان الاکثار من التعبد لیس ببدعۃ" میں ان کا حسب ذیل حال لکھا ہے: ابن تیمیہ کا نام احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن ابو القاسم بن تیمیہ حرانی دمشقی تقی الدین ابو العباس حنبلی ہے۔ سلف کے اقوال سے واقفیت میں ان کو خاص مہارت تھی، کم ہی ایسا ہوتا کہ وہ کسی مسئلہ کا حوالہ دیتے اور چاروں اماموں کے مسلک کا ذکر نہ کرتے ہوں، علم میں فائق تھے، اپنے استادوں کی زندگی ہی میں کبار علماء میں شمار ہونے لگے تھے جیسا کہ ذہبی نے لکھا ہے، تاج الدین سبکی ابن سید الناس اور دوسروں نے ابن تیمیہ کی حد درجہ تعریف کی ہے جیسا کہ ابن حجر کی "الدرر الکامنہ" میں تفصیل سے درج ہے، ابن تیمیہ سے بعض فاسد عقیدے نقل کیے گئے ہیں، یافعی اور ابن حجر مکی وغیرہ نے ان عقائد کے سلسلے میں

(باقی اگلے صفحہ پر)

کے مصنف ہیں، ان مذکورۂ بالا حضرات نے کتنی قوی حدیثوں پر ضعف کا یا موضوع ہونے کا حکم لگا دیا ہے اور نہ معلوم کتنی ذرا سی ضعیف حدیثوں پر زبردست جرح کر ڈالی ہے۔ اس لیے ایک عالم کا فرض ہو کہ ایسے حضرات کے اقوال کو ان کے احکام کی پوری طرح چھان بین کیے بغیر قبول کرنے میں جلدی نہ کرے جو لوگ بغیر چھان بین اور نقد کے ان حضرات کی تقلید کریں گے خود بھی گمراہی میں پڑیں گے اور عوام میں

---

(بسلسلۂ صفحۂ گزشتہ) ابن تیمیہ پر لے دے کی ہے، ابن تیمیہ بشر تھے، ان سے گناہ اور غلطی ہوئی، انسان کو چاہیے کہ ان کی غلطی سے سبق لے اور ان کی مہارت اور فضیلت علمی کا اعتراف بھی کرے، ابن تیمیہ کی وفات جیسا کہ ابن حجر نے لکھا ہے ۷۲۸ھ میں ہوئی جبکہ وہ بادشاہ وقت کے حکم سے قیدخانہ میں تھے" ہمارے شیخ علامہ کوثری رحمہ اللہ کی کتاب المعقب الحثیث لما ینفیہ ابن تیمیہ من الحدیث" ابھی تک طبع نہیں ہو سکی ہے ۱۲ ابو غدہ

(۳) مجد اللغوی کا نام مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی ہے، لغت کی کتاب القاموس اور بہت سی دوسری کتابوں کے مصنف ہیں ۸۱۷ھ میں وفات پائی، اپنی کتاب "سفر السعادۃ" کے آخر میں لکھا ہے: "خاتمہ" ان امور کی طرف توجہ دلانے میں جن کے بارے میں احادیث روایت کی جاتی ہیں مگر ان میں سے ایک بھی صحیح حدیث نہیں ہے یا پرکھ رکھنے والے علمائے حدیث کے نزدیک ایک بھی ثابت حدیث نہیں ہے۔ اگرچہ یہ بحث انتہائی مختصر الفاظ میں کی گئی ہے لیکن اتنے علوم پر مشتمل ہے کہ اسے اختصار کے بجائے حد اکثار میں داخل سمجھنا چاہیے۔" اس عبارت کے بعد علم کے ابواب کے کئی عنوان قائم کیے اور ہر ایک کے بارے میں حکم لگایا ہے کہ "اس بارے میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔" یا اس بارے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔" نمونہ کے طور پر ملاحظہ ہو "باب العلم وفضیلۃ التسمیۃ بمحمد واحمد والمنع من ذالک لم یصح منہ شئی" (محمد اور احمد نام رکھنے کی فضیلت اور اس کے منع کرنے کا باب، اس بارے ......... میں کوئی حدیث صحیح نہیں۔ "باب العقل وفضلہ لم یصح منہ حدیث نبوی" (عقل اور اسکی فضیلت کا باب: اس باب میں کوئی صحیح حدیث نبوی نہیں ہے) اسی طرح خضر والیاس اور انکی طویل عمری کے باب، ڈاڑھی کان اور گدی کے مسح کے باب اور میت کو غسل دینے والے کو غسل کرنے کے حکم دینے کے باب میں سے ہر ایک کے تحت صاحب سفر السعادہ نے یہی لکھا ہو کہ "اس باب میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔"

مصنف کتاب (مولانا عبد الحیؒ فرنگی محلیؒ) نے اپنی دوسری تصنیف "تحفۃ الکملۃ علی حواشی تحفۃ الطلبۃ" میں لکھا ہے "قاموس کے مصنف نے اپنی کتاب سفر السعادہ کے خاتمے میں بہت سی حدیثوں کے بارے میں بہ کثرت حکم لگا دیا ہے کہ وہ ثابت نہیں ہیں اس سے ہمارے زمانے کے ناواقف ہی نہیں بلکہ معاصر فضلاء کی خاصی تعداد دھوکا کھا گئی

بھی فساد پیدا کریں گے، میں نے ان حضرات کے حالات کا پوری طرح انکشاف اپنی تصنیف "الاجوبۃ الفاضلۃ للاسئلۃ العشرۃ الکاملۃ"(۱) میں کیا ہے اس کا مطالعہ کیجئے۔ اصول حدیث کے مباحث کی تحقیقِ حق کے لیے وہ بہت کافی ہے۔

---

(بسلسلہ صفحہ سابق) اور بہت سی ثابت حدیثوں کے بارے میں حکم دے بیٹھی کہ وہ موضوع ہیں یا ضعیف ہیں یا غیر معتبر، دعوٰی کا کیوں کھایا؟ اس لیے کہ یہ لوگ سمجھ بیٹھے کہ سفر السعادۃ سے اخذ و استفادہ ایسی سعادت ہے جس میں گمراہی کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔ ان کو گمراہی میں مبتلا جس چیز نے کیا وہ حسب ذیل دو حقیقتوں سے غفلت ہے۔ (۱) محدثین کی اصطلاح میں کسی حدیث پر عدم ثبوت یا عدم صحت کا حکم لگانا اس حدیث کے موضوع یا ضعیف ہونے کا مستلزم نہیں ہے، عدم ثبوت یا عدم صحت کا حکم رکھنے والی حدیثیں حَسَن لذاتہ اور حسن لغیرہ بھی ہوتی ہیں (۲) محدثین میں ایسے بھی ہیں جو حدیثوں پر موضوع یا باطل یا ضعیف ہونے کا حکم لگانے میں حد سے بڑھے ہوئے ہیں ان میں ابن جوزی، ابن تیمیہ حنبلی، جوزقانی اور صغانی وغیرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں ....." مصنف (مولانا عبدالحئیؒ) نے فیروز آبادی کے اس طریقہ نقد حدیث کی قباحت کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس تفصیل کو ضرور دیکھیے ۱۲ ابوغدہ

(۱) یہ تصنیف (الاجوبۃ الفاضلۃ الاسئلۃ العشرۃ الکاملۃ) چھ دیگر رسائل سمیت اس "ھدایہ" کے ساتھ چھپ چکی ہے جو مطبع مصطفائی کی شائع کردہ ہے ۱۲۔ از مصنف۔ میں کہتا ہوں، مصنف (مولانا عبدالحئیؒ) نے متن میں جس بحث کی طرف اشارہ کیا ہے وہ بحث "الاجوبۃ الفاضلۃ" میں چوتھے سوال کے تحت کی ہے یعنی اقوال محدثین میں تعارض کیسے رفع کیا جاتا ہے اور یہ چھ رسائل جس کے ساتھ "الاجوبۃ الفاضلۃ" شائع ہوئی ہے "مجموعۃ الرسائل السبعۃ" کے نام سے موسوم ہیں، "الاجوبۃ الفاضلۃ" کو بھی اسی انداز پر جس طرح "الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل" کو ایڈیٹ کرکے شائع کیا ہے میں نے شائع کرنے کا قصد کر لیا ہے۔ اور یہ سلسلہ مؤلفات الامام اللکنوی (مولانا عبدالحئی فرنگی محلی) کی چھپی طباعت کا جس کا ارادہ کر چکا ہوں، دوسری کتاب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کام کو میرے لیے سہل بنا دے۔ آمین۔ ابوغدہ۔

نوٹ:- مولانا عبدالحئی فرنگی محلیؒ کی تصنیف "الاجوبۃ الفاضلۃ للاسئلۃ العشرۃ الکاملۃ" جس کو ایڈیٹ کرکے شائع کرنے کے ارادے کا اعلان ابوغدہ صاحب نے بیان کیا ہے۔ اب ایڈیٹ ہو کر شائع ہو چکی ہے اور مفتی عبدالفتاح ابوغدہ نے از راہ مہربانی اس کی ایک جلد مجھے بھی بھیجی ہے۔ محمد رضا انصاری۔

---

# توحید اور شرک کی حقیقت اور مسلمانوں میں شرک

(از مولانا محمد عارف سنبھلی)

[ مولانا محمد عارف سنبھلی کی تازہ تصنیف "بریلوی فتنہ کا نیا روپ" کا ذکر الفرقان کی گزشتہ اشاعت میں آچکا ہے۔ اور ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے کہ یہ ارشد القادری صاحب کی کتاب زلزلہ کا جواب ہے۔ اس کتاب کی ایک بحث الفرقان کے گزشتہ شمارہ میں شائع کی گئی تھی جس کا تعلق اکابر علماء دیوبند کی سیاسی تاریخ سے تھا۔ زیر نظر شمارہ میں بھی اس کی ایک بحث شائع کی جارہی ہے، یہ کتاب کے ابتدائی حصہ کی تمہیدی اور بنیادی بحث ہے۔ اس میں شرک اور توحید کی حقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز علیہم الرحمہ کے بیانات سے دکھلایا گیا ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے بعض طبقوں میں صدیوں پہلے سے شرک کے جراثیم پیدا ہو گئے تھے، اور زمانۂ نبوت سے بُعد کے ساتھ یہ بیماری برابر بڑھتی رہی۔ ـــ اسی صورت حال سے بے چین ہو کر شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے "تقویۃ الایمان" لکھی اور اس کے بعد سے توحید شرک کے اس معرکہ نے ایک خاص شکل اختیار کر لی۔

آگے کتاب میں "مسئلہ علم غیب" اور "کائنات میں تصرف کی قدرت" اور معجزہ و کرامت اور الہام و کشف کے موضوع پر قابل دید علمی اور تحقیقی بحث کی گئی ہے۔ ]

## توحید اور شرک کی حقیقت

قرآن مجید میں پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ یہ بات جا بجا بیان فرمائی گئی ہے کہ مشرکین عرب جو قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت توحید کے اول مخاطب تھے یہ بات مانتے تھے کہ زمین و آسمان اور ساری کائنات کا خالق و مالک اور پروردگار صرف ایک اللہ ہے، اور پورے عالم کا نظام بلا شرکتِ غیرے تنہا اُس کے ہاتھ میں ہے اور وہی تنہا اس نظام کو

پیلا رہا ہے۔۔

انھوں نے خدا کے سوا جن فرضی وہمی یا واقعی ہستیوں کو معبود اور دیوتا مان رکھا تھا، وہ ان کو خدا کی مخلوق، اُس کا مملوک اور بندہ ہی مانتے تھے، اسی کے ساتھ کہتے تھے کہ وہ اللہ کے پیارے اور چہیتے ہیں انھیں اللہ نے اپنی کچھ صفات اور اپنے کچھ اختیارات دے دیئے ہیں ہم ان کی پوجا اسلیئے کرتے ہیں کہ وہ ہم پر مہربان رہیں اور ہمارے کام بنا دیں اور ان کے وسیلے سے ہم خدا کے قریب ہوجائیں، ان کی پوجا کے بغیر ہم خدا کو راضی اور خوش نہیں کر سکتے اور خدا تک پہونچ نہیں سکتے۔

یہی ان مشرکین کا شرک تھا اور اکثر مشرک قوموں کا شرک یہی رہا ہے اور آج بھی ہے، ایسے مشرکوں کا ذکر تاریخ میں بھی نہیں ملتا جنھوں نے اپنے معبودوں کو خدا کے برابر اور خداوندی صفات میں بالکل اُس جیسا مانا ہو۔ مشرکین عرب کے بارے میں آپ قرآن مجید کی یہ آیتیں پڑھیئے:-

قُلْ لِمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيهَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۚ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝

(اے ہمارے پیغمبر) آپ (ان مشرکوں سے) کہیئے کہ زمین، اور جو مخلوق اس میں ہے وہ سب کس کی ملک ہے، اگر تم جانتے ہو تو بتلاؤ! وہ کہدیں گے کہ سب اللہ ہی کی ملک ہے۔ آپ فرمایئے کہ پھر تم کیوں (توحید کے بارہ میں) نصیحت قبول نہیں کرتے۔

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۚ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝

آپ ان سے کہیئے کہ بتلاؤ کہ ساتوں آسمانوں اور عرشِ عظیم کا رب کون ہے؟ وہ سب کہیں گے کہ یہ سب اللہ ہی کا ہے، آپ فرمایئے کہ پھر تم (شرک کے بُرے انجام سے) کیوں نہیں ڈرتے۔

قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۚ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝

(المومنون۔ ع ۵)

آپ اُن سے کہیئے کہ بتلاؤ کس کے ہاتھ اور کس کے قبضہ میں ہے تمام چیزوں کا اختیار اور وہ جس کو چاہے پناہ دے سکتا ہے اور اس کی پکڑ سے کسی کو نہیں بچایا جا سکتا ہے، اگر تم

جانتے ہو (تو بتلاؤ) وہ کہیں گے کہ سب کچھ اللہ ہی کے لیے خاص ہے، آپ فرما دیجئے کہ پھر تم کو کیسا خبط ہو رہا ہے۔

اور سورۂ عنکبوت میں فرمایا گیا ہے۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ج

اور اگر تم ان مشرکوں سے پوچھو کہ کس نے زمین و آسمان پیدا کیے، اور سورج اور چاند کو کس نے مسخر کر رکھا ہے تو وہ کہیں گے کہ اللہ نے۔

آگے ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ

(عنکبوت۔ رع ۶)

اور اگر تم ان سے پوچھو کہ (بتاؤ) کون ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعہ زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کر دیا؟ تو وہ کہیں گے کہ اللہ ہی یہ سب کرتا ہے۔

اور سورۂ یونس میں فرمایا گیا ہے۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ج

(یونس۔ رع ۴)

اے پیغمبر آپ (ان مشرکوں سے) کہیے کہ (بتلاؤ) وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہونچاتا ہے؟ یا (بتلاؤ) کون ہے جو تمہارے کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور کون ہے جو جاندار چیز کو بیجان (چیز) سے نکالتا ہے اور بیجان (چیز) کو جاندار (چیز) سے برآمد کرتا ہے، اور وہ کون ہے جو سارے کاموں کی تدبیر کرتا ہے (یعنی سارے عالم کا نظام کون چلا رہا ہے) تو وہ ضرور

یہی جواب دیں گے کہ ان سب کاموں کا کرنے والا اللہ ہی ہے۔

ان آیتوں سے صراحۃً معلوم ہوا کہ ابوجہل وابولہب وغیرہ مشرکینِ مکہ بھی یہ مانتے تھے کہ اس زمین و آسمان اور سارے جہان کا خالق و مالک اور سب کا رازق صرف ایک اللہ ہے، چاند، سورج اور بارش اور پیداوار اور ساری کائنات کا نظام اسی کے قبضہ و اختیار میں ہے ــــ وہ اپنے باطل معبودوں اور دیوتاؤں کے بارے میں صاف کہتے تھے کہ وہ خدا کی مخلوق و مملوک اور اس کے زیرِ حکومت ہیں ــــ

صحیح مسلم وغیرہ کتبِ حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مشرکین عرب حج میں اس طرح تلبیہ پڑھتے تھے۔ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تملکہ وما ملك۔ (خداوندا ہم تیرے حضور حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں سوا اُس شریک کے جو تیرا ہی ہے تو اس کا مالک ہے اور جن پر اُس کی ملکیت اور حکومت ہے تو اُن کا بھی مالک اور حاکم ہے)

بہرحال قرآن و حدیث کی شہادت سے یہ بات ثابت ہے کہ مشرکین عرب اپنے باطل معبودوں اور دیوتاؤں کو خدا کے برابر نہیں بلکہ اس کا مخلوق و مملوک مانتے تھے ــــ اُن کا شرک یہ تھا کہ وہ ان کے متعلق عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ خدا کے پیارے چہیتے ہیں، اور جیسے دنیا کے بادشاہ اپنے کچھ اختیارات وفادار وزیروں اور دوسرے معتمد ماتحتوں کے سپرد کر دیتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں تصرف کا کچھ اختیار ان کو دے دیا ہے اور کچھ کام ان کے سپرد کر دیئے ہیں، جس کی وجہ سے یہ ہماری مشکل کشائی اور حاجت روائی کر سکتے ہیں۔ اسی بنا پر وہ ان سے دعائیں کرتے، نذریں منتیں مانتے اور چڑھاوے چڑھاتے تھے ــــ بلکہ قرآنِ مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُن کے اختیار اور تصرف کے دائرے کو محدود بھی سمجھتے تھے۔ قرآنِ پاک میں ان کا یہ حال بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ دریائی سفر کرتے اور کشتی خطرہ میں آجاتی تو وہ اپنے بتوں اور دیوتاؤں کو چھوڑ کر صرف خدا ہی کو بڑے خلوص سے پکارتے تھے اور اسی سے دعا و التجا کرتے تھے ــــ سورۂ عنکبوت میں ارشاد ہے۔

| | |
|---|---|
| فَاِذَا رَكِبُوْا فِى الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ | جب یہ مشرکین (دریائی سفر میں) کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو (خطرہ کے وقت) خالص اعتقاد |

(عنکبوت۔ ع ۷) کر کے اللہ ہی کو پکارتے ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے

وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ ۚ
(بنی اسرائیل۔ ع ۷)

(اے مشرکو) جب تم دریائی سفر میں (طوفان وغیرہ کی) مصیبت میں گھر جاتے ہو تو تمہارے وہ دیوتا جن کو تم پکارتے ہو غائب اور گم ہو جاتے ہیں، اُس وقت تم بس اللہ ہی کو یاد کرتے ہو اور اُسی سے دُعا و التجا کرتے ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بے نظیر تصنیف حجۃ اللہ البالغہ میں توحید و شرک کی حقیقت کے بارے میں جو تحریر فرمایا ہے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس کا ایک حصہ یہاں نقل کر دیں ـــــ فرماتے ہیں:

واعلم ان للتوحید اربع مراتب ـــــ احدٰها حصر وجوب الوجود فیه تعالیٰ فلا یکون غیره واجباً ـــــ والثانیة حصر خلق العرش و السمٰوٰت والارض وسائر الجواهر فیه تعالیٰ ـــ وهاتان المرتبتان لم تبحث الکتب الالٰهیّة عنهما ولم یخالف فیهما مشرکو العرب ولا الیهود ولا النصارٰی بل القرآن العظیم ناص علیٰ انهما من المقدمات المسلمة عندهم۔ ـــــ والثالثة حصر تدبیر السمٰوٰت والارض وما بینهما فیه تعالیٰ۔ ـــــ والرابعة انه لا یستحق غیره العبادة وهما متشابکتان متلازمان لربط طبعی بینهما۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ

توحید کے ۴ درجے ہیں۔ ایک درجہ یہ ہے کہ مانا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ہستی واجب الوجود نہیں، صرف وہی واجب الوجود ہے، اس کے سوا سب حادث اور اُس کی مخلوق ـــــ

دوسرا درجہ یہ ہے کہ یہ مانا جائے کہ عرش اور آسمان و زمین اور ان کے اندر کی ساری

کائنات کا وہی پیدا کرنے والا اور وجود بخشنے والا ہے، کوئی بھی اس تخلیق و ایجاد میں اس کا شریک نہیں۔

(شاہ صاحب فرماتے ہیں) اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی کتابوں اور آسمانی صحیفوں (توراۃ و انجیل اور قرآن عزیز وغیرہ) میں توحید کے ان دونوں درجوں سے بالکل بحث نہیں کی گئی ہے اور یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب میں سے کسی کو بھی توحید کے ان دونوں درجوں سے اختلاف نہیں رہا ہے، بلکہ قرآن مجید کی صریح شہادت ہے کہ توحید کے ان دونوں درجوں کے یہ سب قائل رہے ہیں (یعنی یہ سب اس کو مانتے رہے ہیں کہ واجب الوجود اور زمین و آسمان اور ساری کائنات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے اس میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں ہے ــــ (آگے شاہ صاحب فرماتے ہیں)

اور تیسرا درجہ توحید کا یہ ہے کہ اس بات کو مانا جائے کہ زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، یعنی ساری کائنات اس کا پورا انتظام اور اس کی تدبیر صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

اور چوتھا درجہ توحید کا یہ ہے کہ یہ بات مانی جائے کہ ہر قسم کی عبادت اور پرستش صرف اللہ کا حق ہے، اس کے سوا کوئی عبادت اور پوجا کے لائق نہیں ہے ــــ

ــــ (فرماتے ہیں) ــــ اور توحید کے یہ دونوں آخری درجے یعنی تیسرا اور چوتھا باہم لازم و ملزوم ہیں، کیونکہ ان کے درمیان ایک طبعی اور عقلی رابطہ ہے۔ (آدمی عبادت اور پوجا پاٹ اسی کی کرتا ہے جس کے بارے میں سمجھتا ہے کہ دنیا کا نظام اور ہمارا بناؤ بگاڑ اس کے قبضہ میں ہے ــــ اس کے آگے شاہ صاحب نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے ــــ کہ)

توحید کے انہی دونوں درجوں کے بارے میں مختلف مذہبی فرقوں اور گروہوں میں اختلاف رہا ہے اور ان میں بڑے بڑے اور مشہور فرقے تین ہیں ــــ

اس کے بعد شاہ صاحب نے تین فرقوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک ستارہ پرستوں کا جو آسمان کے ستاروں کو متصرف اور اس کی بنا پر مستحق عبادت مانتے ہیں اور ان کی پوجا کرتے ہیں۔

—— دوسرے[2] نصاریٰ کا جو حضرت مسیح علیہ السلام کو مافوق البشر بلکہ مافوق الخلق مانتے ہیں اور اُن کے معجزات احیاء موتیٰ وغیرہ کو اُن کا فعل اور تصرف قرار دیتے ہیں اور اُن کو "ابن اللہ" یا "ثالث ثلٰثہ" کہتے اور عبادت کا مستحق سمجھتے ہیں۔ تیسرے[3] مشرکین کا، اُن کے بارے میں فرماتے ہیں——

والمشركون وافقوا المسلمين في تدبير الامور العظام وفيما ابرم وجزم ولم يترك لغيره خيرةً ولم يوافقوهم في سائر الامور —— ذهبوا ان الصالحين منهم عبدوا الله وتقربوا اليه فاعطاهم الله الالوهية فاستحقوا العبادة من سائر خلق الله كما ان ملك الملوك يخدمه عبده فيحسن خدمته فيعطيه خلعة الملك ويفوض اليه تدبير بلد من بلاده فيستحق السمع والطاعة من اهل ذالك البلد قالوا لا تقبل عبادة الله الا مضمومةً لعبادتهم بل الحق في غايته التعالي فلا تفيد عبادته تقربًا منه بل لابد من عبادة هؤلاء ليقربون الى الله زلفى وقالوا هؤلاء يسمعون ويبصرون و يشفعون لعبادهم ويدبرون

اور مشرکین اتنی بات کے ماننے میں مسلمانوں سے متفق ہیں کہ دُنیا کے بڑے بڑے معاملات اور جن امور کے بارے میں خود اللہ نے کوئی قطعی فیصلہ کر دیا ہے اور کسی دوسرے کے لیے اس میں اختیار کی گنجائش نہیں چھوڑی ہے ان کی تدبیر یعنی اُن کا نظام تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، لیکن دُنیا کے باقی معاملات کے بارے میں ان کی رائے مسلمانوں سے مختلف ہے، ان کا مذہب اور عقیدہ یہ ہے کہ ان میں سے کچھ نیک اور بزرگ لوگ تھے انھوں نے اللہ کی خوب عبادت کی اور اس کا خاص تقرب حاصل کر لیا تو اللہ نے ان کو مقام الوہیت عطا فرما دیا تو وہ اس کے مستحق ہو گئے، کہ باقی مخلوق ان کی پوجا کرے۔ جس طرح کوئی شہنشاہ ہو اس کا کوئی غلام اس کی خدمت اچھی طرح بجا لائے تو وہ اس کو حکومت و فرمانروائی کا خلعت دے دے اور اپنے زیر حکومت شہروں میں سے کسی شہر کا نظام

| | |
|---|---|
| امورھم وینصرونھم۔ | اُس کے حوالہ کر دے تو اس کا یہ حق ہوگا کہ اُس شہر والے اُس کا حکم مانیں۔ |
| حجۃ اللہ البالغۃ باب التوحید ص۵۹ | اور یہ مشرکین اس کے قائل ہیں کہ اللہ کی عبادت جب ہی قبول ہوگی جب اسکے ساتھ ان بزرگ دیوتاؤں کی بھی پوجا کی جائے ــ بلکہ اللہ تعالیٰ تو بہت ہی بلند اور بالاتر ہے لہٰذا ہماری عبادت ہم کو اس کے قریب تک نہیں پہونچا سکتی بلکہ (اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے) ضروری ہے کہ ہمارے ان بزرگ دیوتاؤں کی پوجا کی جائے تاکہ یہ ہمیں اللہ کے مقام قرب تک پہونچا دیں ــــ اور یہ مشرکین اسکے قائل ہیں کہ ان کے یہ معبودان باطل اور دیوتا سنتے ہیں اور دیکھتے ہیں اور اپنی پوجا کرنے والوں کی خدا کے ہاں سفارش کرتے ہیں اور ان کے کام کر دیتے ہیں اور اُن کی مدد کرتے ہیں۔ |

پھر ایک ہی ورق کے بعد "حقیقتِ شرک" کے بیان میں شاہ صاحبؒ مشرکین کے ایک طبقہ کا یہ حال بیان فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| ومنھم من اعتقد انّ اللّٰه ھو السید وھو المدبر لکنه قد یخلع علی بعض عباده لباس الشرف والتاله ویجعله متصرفاً فی بعض الامور الخاصّه | اور ان مشرکین میں کچھ لوگ وہ ہیں جن کا اعتقاد یہ ہے کہ اصل سردار اور مالک ومختار تو اللہ ہی ہے اور وہی کائنات کا سارا انتظام چلا رہا ہے۔ لیکن کبھی وہ اپنے بعض خاص بندوں کو شرف الوہیت کا خلعت عطا فرما دیتا ہے اور بعض خاص اُمور میں اسکو متصرف بنا دیتا ہے۔ |
| حجۃ اللہ البالغۃ باب حقیقۃ الشرک ص۶۱ | |

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام سے توحید اور شرک کی حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔ انشاء اللہ دوسرے علماء محققین کی اس سلسلے کی تصریحات ہم آئندہ تفصیلی بحث میں پیش کریں گے۔

بہر حال قرآن و حدیث اور علماء حق کے کلام سے یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ مشرکین عرب کا عقیدہ تھا کہ زمین و آسمان اور ساری کائنات کا خالق و پروردگار اور مالک و مختار بس خدا ہی ہے ہمارے معبود اور دیوتا بھی اسی کے مملوک و بندے ہیں، مگر انھوں نے اللہ تعالیٰ کی بہت عبادت ریاضت کی، وہ اللہ کے پیارے اور چہیتے ہو گئے، اللہ نے ان کو مقام الوہیت عطا فرما دیا اور مخلوق کے ایک محدود دائرے میں تصرف کا اختیار بخشدیا، اور اُن کو ایسا کر دیا کہ وہ ہم کو دیکھتے ہماری سنتے ہیں اور ہمارے احوال جانتے ہیں اور ہماری مدد کرتے ہیں، ان ہی کی پوجا اور نذر نیاز سے خدا تک پہونچا جا سکتا ہے، پھر اسی عقیدے کی بنا پر وہ اُن کی نذریں منتیں مانتے اور چڑھاوے چڑھاتے تھے اور مشکل کشائی اور حاجت روائی کے لیے ان کو پکارتے اور اُن سے التجائیں کرتے تھے۔ یہی اُن کا شرک تھا ـــــ ناظرین کرام اس کو ذہن میں رکھیں۔

## مسلمانوں کے بعض جاہل طبقوں کے مشرکانہ اعتقادات و اعمال

اصل تفصیلی بحث شروع کرنے سے پہلے گزشتہ چند صدیوں کے مجددین و مصلحین اُمت کے بیانات سے ہم ناظرین کو یہ بھی بتانا مناسب سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کے بعض جاہل طبقے صدیوں پہلے سے مشرکانہ اعتقادات اور اعمال میں مبتلا ہو چکے تھے ـــــ

**رسول اللہؐ کی ایک پیشنگوئی** | پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد سُن لیجئے ـــــ

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا۔

| | |
|---|---|
| لتتبعن سنن من كان قبلكم شبراً بشبر وذراعاً بذراع حتى لو دخلوا جحر ضب تبعتموهم | یقیناً یہ بھی ہوگا کہ تم (یعنی مسلمان) اپنے سے پہلے کی (گمراہ) اُمتوں کے طریقوں کی پوری پیروی کروگے بالشت برابر بالشت |

قیل یا رسول اللہ الیہود والنصاریٰ؟ اور ہاتھ برابر ہاتھ (یعنی برائیوں اور گمراہیوں میں بالکل ان کے قدم بقدم چلو گے) یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے بل میں گھُسے ہوں گے تو تم اس میں بھی ان کی پیروی کرو گے ___ حضور سے عرض کیا گیا کیا آپ کا مطلب یہود و نصاریٰ سے ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا تو اور کون! ___ (یعنی مطلب یہی ہے کہ تم یہود و نصاریٰ والی گمراہیاں اختیار کرو گے)

قال فمن۔

مشکوٰۃ المصابیح باب تغیر الناس

ص ۴۵۸

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی وحی کی بنیاد پر جس طرح دوسری ہزاروں پیشنگوئیاں مستقبل کے بارے میں فرمائیں اسی طرح آپ نے (یقیناً دلی رنج و غم کے ساتھ) ایک دفعہ یہ پیشنگوئی بھی مسلمانوں کے بارہ میں فرمائی جو اس حدیث میں ہے یعنی یہ کہ آپ کی امت کے کچھ لوگ یہود و نصاریٰ وغیرہ اگلی گمراہ امتوں والی گمراہیوں میں بھی مبتلا ہوں گے، تقدیر الٰہی میں یہ طے ہو چکا ہے۔ ہمیں یقین ہے اور ہمارا دعویٰ ہے کہ صدیوں پہلے سے مسلمانوں کے کچھ طبقے جو مشرکانہ اعتقادات اور رسوم اور خرافات میں مبتلا ہوئے اور آج مبتلا ہیں بلاشبہ وہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشنگوئی کا ظہور ہے۔

ہم اس وقت گیارھویں بارھویں اور تیرھویں صدی ہجری کے اور وہ بھی صرف ہندوستان کے مجددین و مصلحین کی چند شہادتیں پیش کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ ان سب حضرات نے اپنے اپنے دور کے مسلمانوں کو شرک میں گرفتار دیکھا اور اس پر اپنے رنج و غم اور غصہ کا اظہار فرمایا اور اصلاح کی کوشش فرمائی۔

**حضرت مجدد الف ثانی کی شہادت**

سب سے پہلے امام ربانی حضرت شیخ سرہندی فاروقی مجدد الف ثانی رح کی شہادت سُنیئے! دفتر سوم کے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

"وحیوانات را کہ نذر مشائخ میکنند و بر سر ... اور یہ لوگ بزرگوں کے لیے جو حیوانات

قربانی ایشاں رفتہ آں حیوانات ذبح نمایند در روایات فقہیہ ایں عمل را نیز داخل شرک ساختہ اند و دریں باب مبالغہ نمودہ ایں ذبح را از جنس ذبائح جن انگاشتہ اند۔
مکتوب ۱۴۱ دفتر سوم

(مرغوں بکروں وغیرہ) کی نذریں مانتے ہیں اور پھر ان کی قبروں پر لے جا کر ان کو ذبح کرتے ہیں تو فقہی روایات میں اس فعل کو بھی شرک میں داخل کیا ہے اور فقہاء نے اس باب میں پوری شدت سے کام لیا ہے اور ان قربانیوں کو جنوں (دیوتاؤں اور دیویوں) کی قربانی کے قبیل ٹھہرایا ہے۔

آگے اسی مکتوب میں ان جاہل عورتوں کے بارے میں لکھا ہے جو پیروں اور بیبیوں کی نیت سے اور ان کے نام پر روزے رکھتی ہیں اور ان روزوں کے توسل سے اُن پیروں اور بیبیوں سے اپنی حاجتیں طلب کرتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ وہ ہماری حاجتیں پوری کریں گے ——— حضرت مجدد ان کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ

ایں شرک در عبادت است — ان جاہل عورتوں کا یہ عمل شرک فی العبادت ہے۔

حضرت امام ربانی کی ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اُن کے زمانہ کے مسلمانوں میں ایسے جاہل موجود تھے جو بزرگوں کے لیے جانوروں کی نذریں مانتے اور اُن کی قبروں پہ جا کر ان کے لیے قربانیاں کرتے تھے جس کو فقہاء نے شرک قرار دیا ہے۔ اور ایسی جاہل عورتیں بھی تھیں جو پیروں اور بیبیوں کو حاجت روا سمجھ کر ان کے نام کے روزے رکھتی تھیں جو شرک فی العبادت ہے۔

**شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کی شہادت**

اسی گیارھویں صدی کے ایک دوسرے بڑے عالم اور مصلح شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے "اشعۃ اللمعات" میں توسل بروحانیتِ صالحین و مقربین کی وکالت کرتے ہوئے آخر میں تحریر فرمایا ہے۔

نعم اگر زائران اعتقاد کنند کہ اہل قبور متصرف و مستبد و قادر اند بے توجہ بحضرت حق و التجا بجانب وے تعالیٰ چنانکہ عوام و جاہلان و

ہاں اگر بزرگوں کے مزارات پر جانے والوں کا عقیدہ یہ ہو کہ یہ مزاروں والے بزرگان دین) خود تصرف کرتے ہیں اور اس تصرف میں

غافلاں اعتقاد دارند وچنانکہ مے کنند آنچہ حرام و منہی عنہ است در دین از تقبیل قبر و سجدہ مر آنرا و نماز بسوئے وے وجز آں کہ ازاں نہی و تحذیر واقع شدہ است ایں اعتقاد وایں افعال ممنوع وحرام خواہد بود

اشعۃ اللمعات کتاب الجہاد قصۃ قتلی بدر

مستقل ہیں اور اس کی قدرت رکھتے ہیں بغیر اس کے کہ حق تعالیٰ کی طرف توجہ اور اس سے التجا کریں جیسا کہ عوام اور جاہل اور غافل لوگ اعتقاد رکھتے ہیں اور وہ خرافاتی کام کرتے ہیں جو دین میں حرام اور ممنوع ہیں جیسے قبر کو چومنا اور اس کو سجدہ کرنا اور قبر کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنا اور اسکے علاوہ وہ خرافات ومنکرات جن سے منع کیا گیا ہے اور جن سے بچنے کی تاکید فرمائی گئی ہے تو یہ اعتقاد اور یہ خرافاتی اعمال ممنوع اور حرام ہوں گے۔

یہ حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ وہ ہیں جنکی بعض مجمل عبارتوں سے یہ بریلوی حضرات مختلف مسائل میں سند پکڑتے ہیں۔ انھوں نے اپنی اس عبارت میں یہ شہادت دی ہے کہ ان کے زمانہ کے مسلمانوں میں ایسے جاہل عوام موجود تھے جو یہ صریح مشرکانہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ مزارات والے بندگان دین خدا کی طرف توجہ اور خدا سے دُعا و التجا کے بغیر اپنے مستقل اختیار اور قدرت سے تصرف کرتے ہیں اور اسی عقیدہ کی بنا پر وہ ان کی قبروں کو چومتے اور سجدے کرتے اور اس طرح کے دوسرے خرافاتی اعمال کرتے تھے۔

**حضرت شاہ ولی اللہؒ کی شہادت**

اور بارھویں صدی کے مجدّد و مصلحِ اُمت حضرت شاہ ولی اللہؒ "الفوز الکبیر" میں فرماتے ہیں۔

واگر در تصویر حال مشرکین واعمال ایشاں توقف داری احوال محترفان اہل زمانہ خصوصاً آنانکہ باطراف دارالاسلام سکونت دارند ملاحظہ کن کہ ...... بہ قبور وآستانہا می روند وانواع شرک

اگر عرب کے مشرکین کے احوال واعمال کا صحیح تصور تمھارے لیے مشکل ہو اور اس میں کچھ سوچ بچار ہو تو اپنے زمانے کے پیشہ ور عوام خاص کر وہ جو دارالاسلام کے اطراف میں رہتے ہیں جس کی وجہ سے وہ دینی تعلیم اور صحبت سے

| | |
|---|---|
| بعل مے آیند الخ | محروم ہیں) اُن کا حال دیکھ لو ...... وہ |
| الفوز الکبیر ص۱۱ | قبروں اور آستانوں درگاہوں پر جاتے ہیں |
| | اور طرح طرح کے شرک کرتے ہیں۔ |

اور یہی حضرت شاہ ولی اللہؒ "حجۃ اللہ البالغہ" میں شرک کی بعض خاص شکلیں بیان کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:-

| | |
|---|---|
| وھٰذا المرض جمهور اليهود والنصارىٰ والمشركين وبعض الغلاة من منافقي دين محمد صلى الله عليه وسلم يومنا هٰذا۔ | اور شرک کی یہ وہ بیماری ہے جس میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین بالعموم اور ہمارے اس زمانہ میں مسلمانوں میں سے بعض غالی منافقین مبتلا ہیں۔ |

حجۃ اللہ البالغہ باب فی حقیقۃ الشرک ص۱۱

**حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی شہادت**

اس کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ کے صاحبزادہ اور جانشین حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا بیان سُنئے جنھوں نے بارھویں صدی اور پھر تیرھویں صدی کے مسلمانوں کو بھی دیکھا، اُنھوں نے تفسیر فتح العزیز اور اپنے فتاویٰ میں جا بجا دُکھ اور درد اور غصہ کے ساتھ مسلمانوں کی اس حالت کا ذکر کیا ہے کہ وہ مشرکانہ اعتقادات اور شرکیہ رسوم وخرافات میں مبتلا ہیں۔ سورہ مزمل کی تفسیر میں ایک مقام پر پہلے تفصیل سے تحریر فرمایا ہے کہ یہ شان صرف اللہ کی ہے کہ جو اس کو جب اور جہاں سے یاد کرے اللہ تعالیٰ کو اُس کا علم ہو جائے، اور یہ شان بھی صرف اُسی کی ہے کہ وہ اس ذاکر بندہ کی قوتِ مدرکہ میں آجائے جس کو شریعت کی خاص زبان میں دنو، تدلی اور قرب ونزول کہا جاتا ہے ___ اس کے بعد فرماتے ہیں:-

| | |
|---|---|
| ایں ہر دو صفت خاصۂ ذات پاک اوتعالیٰ است، ہیچ مخلوق را حاصل نیست آرے بعض کفرہ در حق بعضے از معبوداں خود و بعضے پیر پرستاں از زمرۂ مسلمین در حق پیران خود ام اول را ثابت مے کنند در وقت احتیاج | یہ دونوں صفتیں اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کا خاصہ ہیں، یہ کسی مخلوق کو حاصل نہیں ہیں، ہاں بعضے کفار اپنے بعض معبودوں اور دیوتاؤں کے بارہ میں اور مسلمانوں میں سے بعضے پیر پرست اپنے پیروں کے |

بہمیں اعتقاد آنہا استعانت مے نمایند۔
فتح العزیز پارۂ تبارک الذی

بارہ میں ان میں سے پہلی چیز ثابت کرتے ہیں اور اپنی حاجتوں کے وقت اسی اعتقاد کی بنا پر ان سے مدد چاہتے ہیں اور مدد کے لیے ان کو پکارتے ہیں۔

اور یہی شاہ صاحب فتاویٰ میں ایک سوال کے جواب میں ہندوستان کے موجودہ ہندوؤں کے شرک کا حال بیان فرما کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں :۔

وہمیں است حال فرقہ ہائے بسیار از مسلمین مثل تعزیہ سازاں و مجاوران قبور و جلالیاں و مداریاں۔
فتاویٰ عزیزی جلد اول صـ ۱۲۳

اور (موجودہ ہندوؤں کے شرک کا جو حال بیان کیا گیا) یہی حال ہے بہت سے نام کے مسلمانوں کا مثلاً تعزیہ داروں اور قبروں کے مجاوروں اور جلالیوں مداریوں کا۔

اور اسی فتاویٰ میں ہے

درباب استعانت بارواح طیبہ دریں امت بسیار افراط بوقوع آمدہ آنچہ جہال و عوام اینہا میکنند و اینہا را در عمل مستقل دانستہ اند بلاشبہ شرک جلی است
فتاویٰ عزیزی جلد اول صـ ۱۳۱

ارواح طیبہ سے استعانت کے معاملہ میں اس امت میں بہت ہی غلو اور افراط پیدا ہو گیا ہے۔ اس امت کے جہال و عوام جو کچھ کرتے ہیں اور ہر کام میں بزرگان دین کو مستقل مختار سمجھتے ہیں یہ بلاشبہ شرک جلی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شیخ عبد الحق، حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت شاہ عبد العزیزؒ کی ان تصریحات سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ گیارھویں صدی، بارھویں صدی اور پھر تیرھویں صدی ہجری میں بھی ہندوستان کے مسلمانوں میں ایسے جاہلوں اور گمراہوں کی خاصی تعداد تھی جن کے اعتقادات اور اعمال یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب کی طرح مشرکانہ تھے ـــــ اور بلاشبہ یہ صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشینگوئی کے مطابق تھا جس کا ہم صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے حوالے سے ابھی ذکر کر چکے ہیں ـــــ اور یہ تاریخی حقیقت ہے کہ ان حضرات کے زمانوں کے بعد یہ بیماری اور بڑھتی ہی رہی۔

**مسلمانوں میں شرک کا فروغ دیکھ کر شاہ شہید کی بے چینی اور تقویۃ الایمان کی تصنیف**

اسی صورتِ حال نے حضرت شاہ ولی اللہؒ کے پوتے اور شاہ عبدالعزیزؒ کے بھتیجے اور قابلِ فخر شاگرد شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کو (جنھیں امر بالمعروف نہی عن المنکر اور باطل کے خلاف جہاد کا جذبہ اپنے اسلاف اور خاص کر اپنے جد امجد اور مورثِ اعلیٰ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے وراثت میں ملا تھا) بہت زیادہ بے چین کیا، اسی مجاہدانہ جذبہ سے سرشار ہو کر انھوں نے تقویۃ الایمان لکھی اور شیطان اور اُس کے چیلوں چانٹوں نے اُمتِ محمدیہ کے جاہل طبقوں میں جو شرک پھیلا دیا تھا اُس پر ٹھیک فاروقی انداز میں بھرپور وار کیا۔ اور حق یہ ہے کہ اُس کو "جہنم رسید" کر دیا۔

**تقویۃ الایمان اور فاروقی انداز**

عقیدۂ توحید کی حفاظت کے بارے میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے خاص مزاج و انداز کو ان دو واقعوں سے سمجھا جا سکتا ہے۔

اوّل یہ کہ وادیٔ حدیبیہ کے جس بابرکت درخت کے نیچے بیعتِ رضوان ہوئی تھی (جس بیعت کا اور اس بابرکت درخت کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے)۔ جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اپنے زمانۂ خلافت میں یہ معلوم ہوا کہ کچھ لوگ اس درخت کے پاس جا کر نمازیں پڑھتے ہیں تو آپ نے اُن کو دھمکایا اور حکم دے کر اس درخت کو کٹوا دیا۔ (رواہ ابن سعد باسناد صحیح ۔ فتح الباری ص۱۶ پارہ)

دوسرا واقعہ یہ کہ ایک دفعہ آپ حجرِ اسود کے پاس آئے اور شرعی قاعدہ کے مطابق آپ نے اُس کو بوسہ دیا اور چوما اور سب کو سنا کے اور حجرِ اسود کو مخاطب کر کے فرمایا۔

| | |
|---|---|
| انی لاعلم انک حجرٌ لا تنفع ولا تضر ولولا انی رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقبلک ماقبلتک | میں یقین کے ساتھ جانتا ہوں کہ تو بس ایک پتھر ہے نہ کسی کو تو کچھ نفع پہونچا سکتا ہے نہ کسی کو کچھ نقصان۔ (یعنی تجھے چومنے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ تیرے اختیار میں کسی کو نفع یا نقصان پہونچانا ہے کچھ بھی تیرے اختیار میں نہیں ہے، تجھے چومنا صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور اقتدا میں ہے) اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے |
| صحیح بخاری کتاب الحج باب ماذکر فی الحجر الاسود ص۲۱۷ | |

چومتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو ہرگز تجھے نہ چومتا۔

صرف ان دو واقعوں سے سمجھا جا سکتا ہے کہ عقیدۂ توحید کی حفاظت کے بارہ میں اور امت کو شرک کے خطرے سے بھی بچانے کے سلسلہ میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مزاج و انداز کیا تھا یہی مزاج و انداز شاہ اسمٰعیل شہید فی سبیل اللہ کو وراثت میں ملا تھا وہ نسباً بھی فاروقی تھے تقویۃ الایمان کی سطر سطر اسی مزاج و انداز کی آئینہ دار ہے۔ اُس کے خاص مخاطب وہی جاہل اور گمراہ عوام ہیں جو اُس وقت طرح طرح کے مشرکانہ اوہام و خرافات میں مبتلا تھے ___ خود تقویۃ الایمان میں جا بجا اس کی صراحت اور شہادت موجود ہے ___ اسی لیے شاہ شہید نے اس کو اس اردو زبان میں لکھا جو اُس وقت بالکل ابتدائی اور طفولیت کی حالت میں تھی اور اس کو ہندی کہا جاتا تھا، وہ اُس وقت ہندوستانی مسلمانوں کی تصنیفی زبان نہیں تھی بلکہ خط و کتابت کی زبان بھی نہیں تھی لکھے پڑھے سارے مسلمان اُس وقت فارسی میں لکھتے پڑھتے تھے۔ گویا مسلمانوں کے لیے جو حیثیت آج اس ملک میں اُردو کی ہے وہ اس زمانہ میں فارسی کی تھی اسی لیے شاہ شہید نے بھی دوسری جو کتابیں اُس زمانہ کے تعلیمیافتہ مسلمانوں کے لیے لکھیں وہ سب فارسی میں لکھی ہیں ___ منصب امامت، ایضاح الحق الصریح اور یکروزی فارسی میں ہیں۔ اور تنویر العینین اور عبقات جو خاص علماء کے لیے ہیں وہ عربی میں ہیں۔ الغرض شاہ شہیدؒ نے تقویۃ الایمان "ہندی" کہلانے والی اس وقت کی اردو میں اس لیے لکھی کہ اُس کے خاص مخاطب وہ جاہل عوام تھے جنھوں نے طرح طرح کے مشرکانہ اعتقادات اور رسوم و خرافات کو اپنا لیا تھا، وہ اسی زبان میں کچھ سمجھ سکتے تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی اس کتاب تقویۃ الایمان نے اُس وقت کی شرک کی دُنیا میں آگ لگا دی اور شرک کے سڑے بھوڑے پھنسیوں کا ایسا آپریشن ہوا کہ قبر پرستوں، تعزیہ پرستوں اور درگاہوں کے مجاوروں میں چیخ پکار مچ گئی ___ اور یہی سنۃ اللہ ہے وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۰

# "اسلام اور عصرِ جدید"

"اسلام اینڈ دی ماڈرن ایج سوسائٹی" کا یہ سہ ماہی مجلّہ ڈاکٹر سید عابد حسین کی ادارت میں مقررہ وقت پر گذشتہ پانچ سال سے شائع ہو رہا ہے۔ سال رواں ۱۹۷۶ء اس کی اشاعت کا چھٹا سال ہے۔

اسلام اینڈ دی ماڈرن ایج سوسائٹی کے قیام کا مقصد مذہبی تصورات میں جدید تر عصری رجحانات کی عکاسی، مذہبی مفاہمت کی تبلیغ اور فکر و نظر کی آزادی کو فروغ دینا ہے۔ یہ سوسائٹی ایک مجلّہ "اسلام اینڈ دی ماڈرن ایج" انگریزی میں بھی چھاپ رہی ہے جسے امریکہ، یورپ، ایشیا اور مشرق وسطیٰ کے بہترین علماء اور مفکرین کا تعاون حاصل ہے۔ دوسرا رسالہ "اسلام اور عصر جدید" اردو میں ہے جسے ملک کے مشہور اہلِ فکر اور معتبر اداروں اور صحافت نے پسند فرمایا ہے۔ اس کے مضامین فکری و تحقیقی اور بلند معیار کے ہوتے ہیں۔ اداریوں میں جچی تُلی اور بے لاگ رائے کا اظہار کیا جاتا ہے جسے سب دانشور تسلیم کرتے ہیں۔ یہ اداریے اردو رسائل میں کثرت سے نقل کیے جاتے ہیں۔

## اردو رسالہ کی مجلس ادارت:

ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی (صدر)، مولانا سعید احمد اکبرآبادی، پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی، مولانا امتیاز علی عرشی، ڈاکٹر سید مقبول احمد، مالک رام، ڈاکٹر مشیر الحق، مولانا عبد السلام قدوائی، ڈاکٹر سید عابد حسین (سکریٹری)

**سالانہ چندہ**
اسلام اور عصر جدید۔ (اردو) — پندرہ روپے
اسلام اینڈ دی ماڈرن ایج۔ (انگریزی) — تیس روپے

پتہ:- سکریٹری۔ اسلام اینڈ دی ماڈرن ایج سوسائٹی
جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۲۵

Monthly 

Kutchery Ro[ad]
Lucknow U.

VOL. 42 NO. 8 SEPTEMBER, 1974 Phone : 2





Cover Printed at—Shining Press, Naya Gaon, Lucknow-1

مدیر

محمد منظور نعمانی

سالانہ چندہ
غیر ممالک سے
ایک پونڈ
(پاکستانی بیس روپے)
ہوائی ڈاک کے لیے مزید
محصول ڈاک کا اضافہ ہوگا


سالانہ چندہ
ہندوستان سے ....... ۱۰/-
بنگلا دیش سے ....... ۱۲/-
ضخامت ۶۴ صفحات
قیمت
فی کاپی ..... ایک روپیہ

جلد ۴۲ | بابت ماہ اکتوبر ۱۹۷۴ء مطابق رمضان ۱۳۹۴ھ | شمارہ ۱۰




## اگر اس دائرہ میں ◯ سُرخ نشان ہے، تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔ براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۵ نومبر تک آجائے ورنہ اگلا شمارہ بصیغۂ وی پی ارسال ہوگا۔

**نمبر خریداری:** براہ کرم خط و کتابت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا نمبر خریداری ضرور لکھ دیا کیجیے جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

**تاریخ اشاعت:** الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر ۲۰ تاریخ تک کسی صاحب کو نہ ملے تو فوراً مطلع کریں۔ اسکی اطلاع ۳۰ تاریخ تک آجانی چاہیے اسکے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

**دفتر الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ**


(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر، اڈیٹر و پروپرائٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# نگاہِ اوّلیں

محمد منظور نعمانی

بعض محترم ناظرین نے بطور شکایت لکھا ہے کہ "الفرقان" میں بہت عرصہ سے "معارف الحدیث" اور "درسِ قرآن" کا سلسلہ بند ہے۔ اور یہ ناظرین کے لیے بڑا خسارہ ہے۔

اس شکایت سے یہ محسوس کر کے دلی خوشی ہوئی کہ ہمارے ناظرین کو ان دونوں سلسلوں کی قدر ہے ـــ خود راقم سطور کو ان کے انقطاع کا شدید احساس اور قلق ہے، لیکن یہ جو کچھ ہوا ہے اپنے قصد و ارادہ کے بغیر صرف تقدیر الٰہی سے ہوا ہے۔

واقعہ یوں ہے کہ معارف الحدیث کے سلسلے میں نکاح و طلاق اور عدت وغیرہ سے متعلق احادیث کی تشریح ہو چکی تھی، اس کے بعد مالی معاملات، قرض و ہبہ، خرید و فروخت اور اجارہ وغیرہ سے متعلق احادیث پر لکھنا تھا۔ میں نے چاہا تھا کہ ان ابواب کی احادیث پر جو کچھ لکھنا ہے وہ لکھ لیا جائے تو الفرقان میں اس کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہو۔ اسی پروگرام کے مطابق کام شروع کر دیا لیکن حادثہ یہ پیش آیا کہ جس کاپی پر لکھ رہا تھا وہ کہیں غائب ہو گئی، میں نے خیال کیا ـــ اور اب بھی خیال ہے ـــ کہ میں کہیں رکھ کر بھول گیا ہوں، بہرحال کئی مہینے امید کے ساتھ انتظار کرتا رہا کہ وہ مل جائے گی یہاں تک کہ مئی میں دیوبند کے ایک سفر کے درمیان خود مجھ پر وہ حادثہ گزرا جس کا ناظرین کو الفرقان کے ذریعہ علم ہو چکا ہے ـــ دو تین مہینے کے علاج معالجے کے بعد خدا کے فضل سے میری حالت کافی بہتر ہو گئی تھی، چلنے پھرنے لگا تھا، لیکن اس حادثہ کا دماغ پر غیر معمولی اثر پڑا تھا جس کی وجہ سے لکھنے پڑھنے کا ایسا کام نہیں ہو سکتا تھا جس سے دماغ پر غور و فکر کا بوجھ پڑے۔ امید تھی کہ یہ کیفیت، انشاء اللہ جلدی ہی جاتی رہے گی، مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت کہ وسطِ شعبان (شروع ستمبر) میں سخت قسم کے بخار کا حملہ ہوا، جس کو ٹائیفائڈ سمجھا گیا۔ تقریباً دو ہفتے اس کا سلسلہ رہا۔ اس نے بھی بہت کمزور کر دیا۔ اس سے نجات ملی تو رمضان مبارک سے ایک دو دن پہلے ایک حادثہ یہ پیش آیا کہ گھر ہی میں پاؤں پھسل جانے سے میں زمین پر گر گیا، اس سے کمر میں اس طرح کی چوٹ آئی کہ اٹھنا بیٹھنا بلکہ کروٹ بدلنا بھی مشکل ہو گیا۔ آدھے رمضان تک نمازیں بستر ہی پر ادا ہوئیں۔ خدا کا فضل ہے، اب دو تین دن سے نماز کھڑے ہو کر ادا کر لیتا ہوں ـــ اللہ تعالیٰ ان تکالیف اور ابتلاءات کو میرے لیے کفارہ سیئات بنائے اور قلب کو رضا و تسلیم نصیب فرمائے۔

الغرض، حالات و حوادث کے اس تسلسل کی وجہ سے معارف الحدیث کا ٹوٹا ہوا سلسلہ ابھی تک دوبارہ شروع نہیں کیا جا سکا۔ اسی طرح یہاں کی تبلیغی مرکز والی مسجد میں جو ہفتہ وار درسِ قرآن ہوتا تھا جو کبھی کبھی قلمبند ہو کر الفرقان میں بھی شائع ہو جاتا رہا، اس کا سلسلہ بھی ان ہی حالات کی وجہ سے عرصہ سے بند ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے جلدی اس قابل کر دے کہ یہ دونوں سلسلے الفرقان میں پھر شروع کیے

جا سکیں اگر کوئی نیا حادثہ نہ پیش آیا تو تیسرا سلسلہ "تحدیثِ نعمت" کا انشاء اللہ اگلے ہی شمارہ سے شروع کیا جا سکے گا۔

---

## کاغذ کی گرانی، الاماں!

### چیست یارانِ طریقت بعد ازیں، تدبیرِ ما؟

ابھی ایک سال ہی ہوا ہے، الفرقان کے ادارے نے خاص حالات کی وجہ سے اس سوال پر غور کرنا ناگزیر ہو گیا تھا کہ الفرقان کو جاری رکھا جائے یا بند کر دیا جائے ــــ جن حالات و اسباب کی وجہ سے یہ مسئلہ قابل غور ہو گیا تھا ان میں سب سے اہم چیز یہ تھی کہ کتابت و طباعت کی اجرت اور خاص کر کاغذ کی قیمت میں اضافہ کی وجہ سے الفرقان کے مصارف آمدنی سے بہت زیادہ بڑھ گئے تھے اور اس خسارہ کے برداشت کی طاقت نہ تھی ــــ اس وقت الفرقان کے ناظرین نے ایسے مخلصانہ تعلق و تعاون کا ثبوت دیا اور ایسی قدردانی کا اظہار فرمایا جس کے بعد اس کے بند کرنے کا کوئی جواز نظر نہ آیا، چنانچہ اس کے جاری رکھنے کا فیصلہ کر لیا گیا، اور الحمدللہ وہ اب تک جاری ہے۔

اب سے ایک سال پہلے جب اس مسئلہ پر غور کرنے کی ضرورت پیدا ہوئی تھی تو کاغذ کی قیمت میں اضافہ یہ ہوا تھا کہ جو کاغذ پہلے ۱۶/۱۷ روپے فی رِم ملتا تھا، اس کی قیمت ۲۴ روپے ہو گئی تھی۔ اس کے چند ماہ بعد اسی کاغذ کی قیمت ۲۷ روپے ہو گئی تھی لیکن گزشتہ مہینے ستمبر کے شمارہ کے لیے جب کاغذ خریدا گیا تو معلوم ہوا کہ اس کی قیمت اب ۴۷ روپے ہو گئی ہے۔ چنانچہ ستمبر کے شمارہ کے لیے اور اکتوبر کے اس شمارہ کے لیے بھی اسی حساب سے خریدنا پڑا، اور یہ قیمت بلیک کی نہیں ہے بلکہ یہی سرکار کا مقرر کردہ نرخ ہے۔

جو عزیز الفرقان کے دفتر کا کام سنبھالے ہوئے ہیں چند روز ہوئے انھوں نے یہ مسئلہ سامنے رکھا کہ سال بھر پہلے جب الفرقان جاری رکھنے کا فیصلہ کیا گیا تھا اور اس کا چندہ ۸ روپے سے بڑھا کر ۱۰/- کر دیا گیا تھا تو کاغذ کی قیمت ۲۴ روپے فی رِم تھی، اب تقریباً اس کی دوگنی یعنی ۴۷ روپے ہے۔ پریس والوں نے بھی طباعت کی اجرت میں پچھلے چند مہینوں سے خاصا اضافہ کر دیا ہے ــــ انھوں نے پورا تفصیلی حساب سامنے رکھا اور بتلایا کہ اب اگر الفرقان کو جاری رکھنا ہے تو چندہ میں مزید اضافہ ضروری ہے۔ اگر اس کے صفحات حسب سابق ۵۶ رہیں تو چندہ پندرہ ۱۵/- روپے ہو، اور اگر صفحات ۴۸ ہوں (جیسا کہ اس شمارہ کے ہیں) تو چندہ بارہ ۱۲/- روپے ہو۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ پہلے تو الفرقان کے خسارہ کو ...... کسی حد تک کتب خانہ سے پورا کر دیا جاتا تھا لیکن کاغذ کی قیمت میں بے انتہا اضافہ کی وجہ سے کتب خانہ پر جو اثر پڑا ہے اس کے بعد اس کی کوئی گنجائش ہی نہیں نکل سکے گی۔

### الفرقان سے خاص تعلق رکھنے والے ناظرین کرام

براہِ کرم مشورہ دیں کہ ان دونوں صورتوں میں کس کو اختیار کیا جائے ــــ صفحات حسب سابق ۵۶ رہیں اور چندہ پندرہ روپے کر دیا جائے یا صفحات ۴۸ کر دیے جائیں اور چندہ ۱۲/- ــــ الفرقان کے جاری رکھنے کے لیے ان دو صورتوں میں سے کسی ایک کا اختیار کرنا اب ناگزیر ہے ــــ والسلام

محمد منظور نعمانی　　۲۰ رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ

# قافلۂ اہلِ دل

## تذکرہ خلفائے حضرت شاہ غلام علی مجددی دہلوی

از ——— مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

(۲)

### حضرت مرزا عبدالغفور خوارجوی

آپ عنفوانِ شباب میں حضرت شاہ غلام علیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عنایات خاصہ سے نوازے گئے۔ سلب امراض میں، آپ کی توجہ اکسیر کا حکم رکھتی تھی۔ حضرت شاہ غلام علی صاحب مریضوں کو اکثر آپ کے پاس بھیجتے تھے۔ کبھی کبھی ایک ہی توجہ میں مرض سلب کر لیتے تھے۔ ایک شخص طریقے میں داخل ہوا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس کو نزدِ مرزا عبدالغفور لے جاؤ تاکہ وہ لطائف جاری کر دیں۔ آپ نے ایک توجہ میں لطائف جاری کر کے اس شخص کو حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں واپس بھیج دیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس شخص کو دیکھتے ہی حقیقتِ حال کو معلوم کر لیا۔ آپ کے مریدوں کو بھی کشف ہوتا تھا اور عجائب و غرائب بیان کرتے تھے اور ان کو ارواح سے ملاقات حاصل ہوتی تھی۔

آپ کے بعض خلفاء ترکستان میں شہرت تمام رکھتے ہیں۔

آخری شوال یا یکم ذیقعدہ ۱۲۵۹ھ کو خورجہ ضلع بلند شہر میں وفات پائی۔

"آہ شیخ زمن برد" سے آپ کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔
۵۹ ۱۲

حضرت شاہ غلام علیؒ کے اکثر مریدین مثل میاں محمد اصغر اور میاں محمد یار اور غلام محمد جان نے بھی آپ ہی سے توجہات حاصل کی ہیں۔

# حضرت شاہ رؤف احمدؒ ابن شاہ شعور احمد مجددی

آپ حضرت شاہ ابوسعیدؒ کے خالہ زاد بھائی تھے[1]۔ حضرت شاہ ابوسعیدؒ کے ساتھ آپ بھی حضرت شاہ درگاہیؒ کی خدمت میں پہونچے تھے۔ جب حضرت شاہ ابوسعیدؒ نے حضرت شاہ غلام علیؒ کی طرف رجوع کیا تو آپ بھی ان کے ساتھ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور حضرت شاہ غلام علیؒ کی طرف سے عنایاتِ فراواں مشاہدہ کیں۔

آپ حضرت ایشانؒ کے ملفوظات[2]، مکتوبات اور مقامات کے جامع ہیں۔ اور دوسری کتابیں بھی فقہ وغیرہ میں تصنیف کی ہیں[3]۔ آپ کے اشعار اردو وفارسی دونوں زبانوں میں ہیں[4]۔

آپ کا نسب حضرت مجدد الف ثانیؒ تک بواسطہ شیخ محمد یحییٰؒ پہونچتا ہے جو کہ حضرت مجددؒ کے فرزند اصغر تھے۔ بعد حصولِ خلافت بلدۂ بھوپال گئے۔ اس جگہ قبولیت حاصل ہوئی۔ امراء و فقراء حلقہ میں داخل ہوتے تھے۔

آپ نے حضرت شاہ ابوسعیدؒ کے انتقال کے ایک یا دو سال بعد قصدِ حرمین شریفین کیا۔ یلملم کے محاذی سمندر میں وفات پائی[5]۔ بشر علی کے قریب آپ کو دفن کیا گیا۔

---

[1] حضرت شاہ محمد یعقوب مجددی بھوپالی عرف نھنے میاںؒ کا سلسلہ نسب مندرجہ ذیل واسطوں سے آپ تک پہونچتا ہے — شاہ محمد یعقوب ابن شاہ ابواحمدؒ ابن شاہ خطیب احمدؒ ابن شاہ رؤف احمدؒ۔ [2] آپ کے ترتیب دیے ہوئے ملفوظات کا نام دُرّ المعارف ہے۔ یہ کتاب طبع ہو چکی ہے۔ اس کی تلخیص مع ترجمہ احقر نے کی ہے جو الفرقان میں شائع ہو چکی ہے۔ آپ کی ایک کتاب جواہر علویہ ہے۔ آپ کے جمع کردہ مکاتیب شاہ غلام علیؒ شائع ہو چکے ہیں۔ آخر الذکر کا ایک ایڈیشن لاہور میں چھپا ہے جس کی تلخیص و ترجمہ کا کام بھی احقر نے انجام دیا۔

[3] ایک تفسیر بھی آپ کی تالیف ہے جس کا نام تفسیر رؤفی ہے جو چھپ چکی ہے۔

[4] آپ کا تخلص رافت تھا۔ آپ کا دیوان اردو بھی چھپ چکا ہے۔ جیسا کہ احقر کو اردو کے ایک اہل قلم ادیب سے معلوم ہوا۔ [5] ذیقعدہ ۱۲۵۲ھ میں بندر لیس ملک یمن میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے (مکاتیب شریفہ حضرت شاہ غلام علیؒ ص ۱۶۸)

حضرت شاہ خطیب احمدؒ مرحوم آپ کے فرزند عجب نسخۂ اخلاق حمیدہ تھے۔ حلم و سخا اور تحمل جفا ان کا شیوہ تھا۔ آپ نے اپنے والد سے نسبت اخذ کی تھی اور سفر حج میں ان کے ہمراہ گئے تھے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد آپ نے مجلس آباء کرام کی رونق افزائی فرمائی۔ بلدۂ بھوپال میں جمادی الثانی ۱۲۶۶ھ میں وفات پائی۔ تاریخ وفات "ھو اذا لمن المقربین" سے نکلتی ہے۔

## حضرت مولانا عبدالرحمٰن مجددی جالندھریؒ

آپ کا نسب بواسطۂ شیخ سیف الدینؒ حضرت مجدد الف ثانیؒ سے ملحق ہوتا ہے۔ آپ کے والد سیف الرحمٰن مجددیؒ حضرت مرزا مظہر جانجاناں شہیدؒ کے مرید تھے۔ آپ حضرت شاہ غلام علیؒ سے بیعت ہوئے اور ان سے نسبت کو حاصل کیا۔ تہذیب اخلاق میں بے نظیر تھے۔ مردانِ پنجاب آپ کے شیفتۂ اخلاق تھے۔ آپ کے مریدین کی تعداد بہت ہے۔ ایک بار حج کو تشریف لے جا کر وطن واپس آئے۔ پھر اشتیاق غالب آیا اور حرمین شریفین گئے۔ بوقت مراجعت ملک سندھ میں ۱۲۵۰ھ میں وفات پائی۔

## حضرت مولانا بشارت اللہ بہرائچیؒ

آپ پہلے اپنے خسر مولانا نعیم اللہ بہرائچیؒ سے بیعت تھے۔ بعدۂ حضرت شاہ غلام علیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے حال پر خاص عنایت مبذول فرمائی جیسا کہ حضرتؒ کے مکتوبات سے ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ "مولوی صاحب در اصحاب من ممتاز اند۔"

علم ظاہر میں بھی کمال رکھتے تھے۔ آپ کا نسب حضرت شیخ بڈھن بہرائچیؒ تک پہونچتا ہے۔

## حضرت مولانا کرم اللہ محدث دہلویؒ

آپ کے باپ عبداللہ نو مسلم تھے اور حضرت مولانا فخر الدین چشتیؒ کے مرید ہوئے تھے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے تفسیر عزیزی آپ کے باپ ہی کی خاطر تصنیف کی تھی۔
مولانا کرم اللہ حضرت شاہ غلام علیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہوئے اور اجازت پائی۔[1] اکثر اہل دہلی فن قرأۃ میں اور وجوہات سبعہ میں بواسطہ یا بلاواسطہ آپ کے شاگرد ہیں۔ آپ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ مرحوم کے استاد تھے جیسا کہ انھوں نے اپنے سفر نامۂ حج میں تحریر فرمایا ہے۔ دوسرے سفر حرمین شریفین کے اثناء میں وفات پائی۔
نزھۃ الخواطر جلد ہفتم سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے سورت میں مرض سرطان میں مبتلا رہ کر وفات پائی۔ تاریخ وفات ۲۷ شعبان ۱۲۵۲ھ ہے بشہر سورت ہی میں آپ کی قبر ہے۔

## حضرت مولانا خالد شہرزوری کردیؒ

آپ مشہور و معروف عالم تھے۔ ہر فن میں استعداد کامل حاصل تھی۔ حدیث کی پچاس[5] کتابوں کی سند رکھتے تھے۔ علماء ہندوستان میں بس حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے مداح تھے۔ ان کے اشعار فارسی و عربی فردوسی اور فرزدق سے سبقت لے گئے تھے۔ حضرت شاہ غلام علیؒ ان کے اشعار کو عارف جامیؔ کے اشعار سے مشابہ قرار دیتے تھے۔ قصائد عربی و فارسی جن کو آپ نے اپنے پیر و مرشد کی مدح میں نظم کیا ہے خسرو و جامیؔ کے اُن منظومات سے کم نہیں کہے جا سکتے جو انھوں نے اپنے اپنے زمانے میں حضرت سلطان المشائخؒ اور خواجہ عبید اللہ احرارؒ کی مدح میں نظم کیے ہیں۔
آپ تحصیل علم کرکے بعض مدارس میں مشغول درس رہے۔ دل میں داعیۂ خدا طلبی تھا۔ اتفاقاً مرزا رحیم اللہ بیگ کا گزر جو کہ جہاں گشت سیاح تھے آپ پر ہوا۔ آپ نے ان سے مرشد نہ ملنے کی شکایت کی۔ مرزا رحیم اللہ بیگ کی حسن دلالت سے دہلی پہونچے اور ۹ مہینے حضرت شاہ غلام علیؒ کی خدمت میں رہے۔ ایک شخص نے حضرتؒ کی شان میں آپ کے مدد بر

---

[1] بیعت سے پہلے حضرت شاہ عبدالقادر، حضرت شاہ رفیع الدین اور حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہم اللہ سے اخذ علوم کیا تھا جس تک ان تینوں حضرات کی خدمت میں رہے تھے جیسا کہ نزھۃ الخواطر جلد سے ظاہر ہوتا ہے۔

نامناسب الفاظ کہے۔ آپ نے اس بُرا کہنے والے شخص کو بصورت خنزیر دیکھا۔ اس واقعے
آپ کا اعتقاد حضرتؒ سے اور زیادہ ہو گیا۔ خانقاہ کی آب کشی کی خدمت اپنے ذمّے لے لی۔
آپ محفل مبارک میں صفِ نِعال کے اندر گردن جھکا کر بیٹھتے تھے ـــــ حضرتؒ نے ان کی طرف
عنایتِ بسیار مبذول فرمائی۔ بعد عنایات خلافت سے بہرہ ور فرمایا۔ بوقتِ رخصت حضرت
شیخ محمدؒ عابدؒ کے مزار تک چل کر ان کو وداع کیا۔ کہتے ہیں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بوقت
رخصت آپ کو بشارتِ قطبیت آں دیار دی تھی۔ جس وقت وہاں پہونچے بہت زیادہ...
ریاضتیں کیں۔ ہجوم خلق اتنا ہوا کہ گویا اس دیار کی سلطنت ان سے متعلق ہو گئی ہے۔
آپ کے خلفاء اور خلفاء کے خلفاء ہزاروں کی تعداد میں ہوں گے۔ حضرت شاہ
عبدالغنی صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک شخص نقل کرتا تھا کہ آپ کے گھوڑے شبہ کا چارہ
نہیں کھاتے تھے۔ الغرض کراماتِ بسیار آپ سے ظاہر ہوئیں۔ اس دیار کے رئیسوں کو آپ نگاہ میں
نہیں لاتے تھے۔ کہتے ہیں کہ والی بغداد کو اپنی مجلس سے غصہ ہو کر نکال دیا تھا۔ آپ نے اپنے پیر و مرشد
کا نام ایک بار اس جذبے کے ساتھ لیا تھا کہ لوگ بے ہوش ہو گئے۔ آپ کے خلیفہ شیخ عبدالوہاب
جو صاحبِ کرامات اور مرجعِ خلائق تھے جب انھوں نے آپ سے انحراف کیا تو ان کی نسبت
سلب ہو گئی تھی اور لوگوں کی نظر میں وہ مبغوض ہو گئے تھے۔ جس وقت حضرت شاہ ابوسعیدؒ بیت اللہ
کو گئے، شیخ عبدالوہاب بہ ہزار عجز و انکسار پیش آئے۔ حضرت شاہ ابوسعیدؒ نے پھر توجہات
سے نوازا۔ میں نے سنا ہے کہ اس کے بعد پھر شیخ عبدالوہاب کو قبولیت حاصل ہو گئی تھی۔ چند
سال کے بعد انھوں نے وفات پائی۔ مولانا خالد مرحوم نے اپنے اکثر مریدوں کو حضرت شاہ
ابوسعیدؒ کی اطاعت کا حکم دیا تھا ـــــ ان کے مرید عرب میں شاہ ابوسعیدؒ کے پاس آتے تھے
اور کہتے تھے کہ مولانا خالد نے حضرت شاہ غلام علیؒ کے آپ کو مقدّم رکھتے تھے۔ وہ مکتوب جو
آپ نے حضرت شاہ ابوسعیدؒ کو ارقام کیا تھا اس کی نقل شاہ عبدالغنیؒ نے اپنے رسالے میں کی ہے۔
آپ نے ایک قصیدہ عربیہ حضرت پیر و مرشد کی مدح میں لکھا ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے ؎

كَمُلَتْ مُسَافَةُ كَعْبَةِ الْآمَالِ حمداً لِمَنْ قَدْ مَنَّ بِالْاِكْمَالِ

ترجمہ:۔ (قبلۂ آرزو و امید (دہلی) تک پہونچنے کی مسافت تمام ہوئی شکر ہے

اس پاک ذات کا جس نے اپنے کرم سے اتمام کی توفیق دی)

آپ نے اپنے پیر و مرشد کی شان میں ایک اعلیٰ درجہ کا قصیدۂ فارسیہ لکھا ہے جس کے اول و آخر اشعار یہ ہیں ؂

دہید از من خبر آں شاہِ خوباں را بہ پنہانی
کہ عالم زندہ شد بارِ دگر از ابرِ نیسانی

ز جام فیض خود کن خالد درماندہ را سیراب
کہ او لب تشنہ مستسقی و تو دریائے احسانی

حضرت شاہ غلام علیؒ کی وفات کے ایک یا دو سال بعد تک زندہ رہے۔ بالآخر مرضِ طاعون میں درجۂ شہادت پایا۔

کہتے ہیں کہ انھوں نے چار آدمیوں کو اپنی جگہ پر متعاقباً یعنی یکے بعد دیگرے مقرر کیا تھا کہ میرے بعد فلاں اور اس کے بعد فلاں۔ چاروں شخص طاعون کے اندر پے در پے اسی ترتیب سے وفات پا گئے۔

ضمیمے میں حضرت شاہ عبدالغنیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اس وقت حضرت مولانا خالدؒ کے جانشین شیخ عبداللہ بہت بزرگ سُنے جاتے ہیں[1] پھر اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی غزوۂ مُوتہ میں صحابہ کرامؓ میں سے تین اشخاص کو اسی طرح امیر مقرر کیا تھا یعنی اوّل زید بن حارثہؓ پھر جعفر طیارؓ پھر عبداللہ بن رواحہؓ ___ یہ تین حضرات اسی ترتیب سے غزوۂ مُوتہ میں شہید ہوئے۔ بالآخر حضرت خالد بن ولیدؓ نے اپنے ہاتھ میں جھنڈا لیا اور فتح ہوئی اور خطاب سیف اللہ پایا۔

صاحب ردّ المختار علامہ محمدؒ امین ابن عابدین شامیؒ حضرت شاہ خالد کردیؒ کے نہ صرف مرید بلکہ شاگرد بھی تھے۔ جیسا کہ رسالہ المجد التالد فی مناقب الشیخ خالد ص[۱] سے ظاہر ہوتا ہے۔

---

[1] استنبول میں حضرت شاہ خالدؒ کے سلسلے میں احمد محب اللہ عزیب نقشبندی مجددی موجود ہیں جو تبلیغی جماعت میں ہندوستان آئے تھے۔ احقر نے مراد آباد میں ان سے ملاقات کی ہے۔ جناب حسین حلمی نے جو

(باقی اگلے صفحہ پر)

# حضرت مولانا عبدالرحمٰن شاہجہانپوریؒ

ضمیمہ مقامات میں ہے کہ آپ بہت سے بزرگوں کے پاس پہنچے مگر مقصود حاصل نہ ہوا۔ آخر بخدمت حضرت شاہ غلام علیؒ حاضر ہوئے۔ یہاں سلوک طے کر کے خلعت خلافت پائی۔ اہل دنیا سے بالکل انقطاع رکھتے تھے۔ ان کی طرف کوئی التفات نہ کرتے تھے۔ نواب فرخ آباد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کی جانب کوئی توجہ نہیں فرمائی۔

اُن کے بہت سے خلفا نسبت قوی اور کشفِ صحیح رکھتے ہیں۔ ضلع فرخ آباد اور شاہجہانپور میں اُن کا سلسلہ خوب پھیلا ہوا ہے۔ صاحبِ مراۃ الانساب مولانا شاہ ضیاء الدین صاحب نقشبندی مجددی امروہیؒ نے اپنے رسالے دعوۃ الحق میں حضرت مولانا شاہجہانپوریؒ کے حالات بہت تفصیل سے لکھے ہیں اُن میں سے کچھ اقتباس کے طور پر یہاں درج کیے جاتے ہیں:۔

"آپ کا ذکر خیر تحریر میں نہیں آیا کیونکہ اپنے زمانے میں آپ نے اس کو اچھا نہیں سمجھا۔ اگرچہ مختصراً دیگر بزرگانِ سلسلہ نے بعض تواریخ میں اور حضرت زبدۃ الکاملین شاہ محمد مظہر صاحب مجددیؒ نے مقامات سعیدیہ میں تحریر فرمایا ہے کہ آپ اپنے وطن میں مرجع و مآب طلاب تھے۔ فقیر نے آپ کی زیارت کی۔ نہایت متشرع اور با اخلاق بزرگ ہیں۔ اہل دنیا سے بچتے اور ہمیشہ ذکر و فکر میں مشغول رہتے ہیں۔ نہایت عالی سینہ بڑے صاحبِ کت

---

(حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) اس وقت ترکی کے نامی گرامی صاحبِ قلم اور صاحبِ تصنیف ہیں محمد حسین شاہد امروہی کے ایک خط کے جواب میں اپنا شجرۂ بیعت اس طرح تحریر فرمایا ہے: حسین حلمی عن احمد محب اللہ غریب عن سید عبدالحکیم آرواسی عن سید فہیم آرواسی عن سید طٰہٰ سہکاری عن مولانا خالد کردی عن شاہ غلام علی دہلوی۔

ملک ایران میں سلسلہ مجددیہ مظہریہ خالدیہ کے ایک بزرگ شیخ عثمان سراج الدین ہیں۔ آپ کا شجرۂ بیعت شاہ غلام علیؒ تک اس طرح ہے:۔ شیخ عثمان سراج الدین عن محمد علاء الدین عن محمد نجم الدین عن ضیاء الدین عمر عن شیخ بہاء الدین عن شیخ عثمان سراج الدین عن مولانا خالد کردی عن شاہ غلام علی دہلوی۔

آپ کی خانقاہ کردستان (ایران) میں بمقام درود مبارک موجود ہے۔

ہیں۔ آپ نے حضرت شاہ محمد مظہر صاحب سے اثنائے گفتگو میں فرمایا تھا کہ حضرت شاہ صاحب (شاہ غلام علی قدس اللہ سرہ العزیز) سے جس قدر اشغال و اذکار مجھے حاصل ہوئے ہیں۔ میں نے ابھی تک نہیں چھوڑے اور ان شاء اللہ تعالیٰ آخر دم تک نہیں چھوڑوں گا۔ شغل سب ہی کے آپ پابندی فرماتے تھے۔

وطن اصلی آپ کا شاہجہانپور تھا۔ آپ یہاں کے اکابر اور ذی اقتدار حضرات میں سے تھے۔

بعد تحصیل علوم ظاہری آپ کو حصول باطن کا شوق ہوا اور اس جذبۂ طلب میں آپ نے جابجا سفر کیا۔ مطلوب حقیقی کی تلاش میں عرصہ تک بیقرار رہے۔ اپنے زمانے کے اکثر بزرگوں سے ملے، بے چین دل کو کہیں تسکین نہ ہوئی۔ حتی کہ تین بزرگوں کی خدمت میں بھی رہے۔ آپ شب و روز اس فکر میں پریشان رہتے کہ کوئی رہبر کامل ایسا ملے جو تشنہ کام محبت کو ساحل مراد پر پہونچائے۔ غرض کہ رحمت الٰہی کی کشش ہوئی اور درد اشتیاق حد کو پہونچا ؎

زحد گذشت بہ عشق تو بے قراری ما
امید ہست کہ رحم آوری بہ زاری ما

(اس کے بعد ایک واقعہ لکھا ہے جس سے دہلی جانے کی طرف رغبت ہوئی) جب یہ دہلی پہونچے تو حضرت شاہ صاحب حسب معمول مسجد میں نماز کے لیے تشریف لائے۔ دیکھا کہ مسجد میں ایک مسافر وارد ہے۔ آپ نے اپنے پاس بلالیا۔ اُس وقت آپ مولی کھا رہے تھے۔ اس کا پسماندہ نیچے کا حصہ از راہ شفقت مولانا شاہجہانپوری کو عطا فرمایا۔ آپ نے اس وقت عرض کیا کہ فقیر جس چیز کا بھوکا ہے اس سے سیری ہوجاتا ہے۔ فی البدیہہ حضرت شاہ صاحبؒ نے غالباً کشف کی بنیاد پر فرمایا کہ چند روز یہاں رہو۔ اگر فائدہ نہ ہو تو جیسے اور جگہ سے چلے آئے ہو یہاں سے بھی چلے جانا۔ اس کے بعد آپ نے قبل بیعت کچھ تصرف فرمایا۔ اُسی وقت مولانا کے لطائف جاری ہوگئے۔ آپ کے دل میں جو تردّدات تھے ان کا جواب از روئے کشف آپ کو مل چکا تھا۔ بیعت کا اشتیاق بڑھا۔ آپ نے عرض کیا مجھ کو بیعت فرمالیا جائے۔

اس وقت شاہ صاحب نے اپنے پاس سے ازراہِ شفقت خادم کو پانچ روپے مٹھائی منگانے کیلئے دیے حالانکہ مولانا صاحب نے بہت اصرار کیا لیکن یہ جواب ملا کہ کچھ حرج نہیں پیر کا مال مرید کا مال ہے۔ ایک دوسرے کے مال میں کچھ فرق نہیں ہے۔

حضرت مولانا پر آپ بیحد شفقت فرماتے تھے۔ چھ سال خدمت اقدس میں لے۔ سلوک مجددیہ کی اعلیٰ پیمانے پر تعلیم فرما کر آپ نے ان کو خلافت سے ممتاز فرمایا۔ جس وقت آپ شاہجہانپور آنے کی غرض سے دہلی سے روانہ ہوئے ہیں تو حضرت شاہ صاحبؒ کچھ دور ہمراہ رخصت کرنے کی غرض سے ساتھ ساتھ روانہ ہوئے اور خود مولانا صاحب قبلہ کا ارشاد ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ میں نے تمہارے لیے دو دعائیں کی ہیں اور تم کو خوشخبری سناتا ہوں کہ وہ قبول بھی ہو گئیں۔ چنانچہ ایک دعا یہ ہے کہ پروردگار آپ کے نواح میں آپ کے ذریعہ سے طریقہ نقشبندیہ کی اشاعت فرمائے۔ دوسرے آپ کا اتمام کہ تم اوراد و اذکار کی پابندی کا یہ حال تھا کہ آخر وقت تک آپ کے کسی معمول میں ذرا فرق نہیں آیا۔

"وصال کے وقت یہ کیفیت پیش آئی کہ تسبیح مبارک ہاتھ سے جس وقت چھوٹی ہے تو مولوی غلام بسم اللہ صاحب بریلوی نے اس کو اٹھا کر دیکھا، شمار کے دانے اپنی پوری تعداد پر تھے۔ مولوی صاحب نے یہ اس وجہ سے دیکھا کہ آپ اپنے خدام سے بہ سبیل تذکرہ یہ بات فرمایا کرتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ مرض الموت میں ذکر کے اندر کمی ہو جائے اور بار بار دعا فرماتے تھے کہ پروردگار عالم یہ تیرے ہی اختیار میں ہے۔ مولوی صاحب کو آپ کی قبولیت دعا کا حال اس وقت کھل گیا۔

آپ اپنے پیران کبارؒ کے طریقے پر استقامت کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ ایک شخص نے آپ سے عرض کیا کہ حضور آپ کا تو سلطان الاذکار جاری ہے کثرت ذکر و فکر سے آپ سراپا ذکر ہو گئے ہیں۔ پھر تسبیح کی آپ کو کیا ضرورت ہے؟ آپ نے فرمایا بھائی اول تو سمجھنے کی بات ہے کہ جو رفیق ہم کو مقصود تک پہونچائے اس کا چھوڑنا تو عقلمندی کا کام نہیں ہے جیسا کہ اس تسبیح کی بدولت بقول تمہارے ہم کو یہ حالت نصیب ہوئی تو اب اس کو چھوڑا جائے یا کم

تک اس کا پیچھا نہ چھوڑنا چاہیئے۔

اتباع شریعت کا یہ حال تھا کہ آخر وقت میں سب سے پہلے مولوی غلام بسم اللہ صاحب کو آپ نے یہ وصیت فرمائی کہ تم خود بھی یہ سمجھ لو اور دیگر احباب طریقہ کو بھی اس سے آگاہ کر دینا کہ کوئی فعل میرا اگر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دیکھا ہو تو اس کی ہرگز پیروی نہ کرنا ___ غایت مافی الباب (زیادہ سے زیادہ یہ کرنا کہ) ___ اپنے حسن اخلاق سے میری کسی معذوری پر محمول کرنا ورنہ عاقبت میں میری ماخوذی کا باعث ہوگا۔ خشیت الٰہی کا ہر وقت آپ پر غلبہ رہتا تھا اور کمال اتباع سنت آپ پر ختم ہو گیا تھا۔

آپ حضرت شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ کے آخری خلیفہ تھے۔ کل خلفاء آپ کے اُنیس ہوئے جن میں سے مولانا شاہ غلام بسم اللہ صاحب بریلویؒ اور حضرت والدی و مرشدی شاہ بہاء الدین امروہی رحمۃ اللہ علیہ (دونوں حضرات کی ایک جلسہ میں دستار بندی ہوئی اور حضرت والدیؒ بھی اعلیٰ حضرت کے آخری خلیفہ تھے بحمد اللہ یہ فقیر بھی اپنے والد و مرشد کا آخری خادم گزرا ہے اگرچہ اس قابل نہیں ہے فالحمد للہ علی ھذا التسلسل ___ ۱۲۸۴ھ میں آپ کا وصال ہوا ___ تاریخ وصال آپ کی یہ ہے:۔

شد واصل حق حضرت عبد الرحمٰن ۔۔۔ محبوب رسول پاکؐ و مقبول صمد
ہاں صوری و معنوی بگفتم تاریخ ۔۔۔ ہشتاد و چہار و یک ہزار و دو صد

## میر طالب علی معروف بہ مولوی عبد الغفارؒ

آپ علم ظاہری پڑھ کر اور حضرت شاہ صاحبؒ سے نسبت قلبی حاصل کر کے حرمین شریفین کی طرف متوجہ ہوئے۔ بلدۂ زبید ملک یمن میں شہرت پائی۔ کہتے ہیں کہ ملک یمن کے آپ قاضی بھی ہو گئے تھے۔ واللہ اعلم۔

## سید اسمٰعیل مدنیؒ

آپ نے پہلے مولانا خالدؒ سے بیعت کی اور نسبت نقشبندیہ کو حاصل کیا۔ ایک دن

خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ دہلی جاؤ اور غلام علی مجددی سے کسب نسبت مجددی کرو۔ بمطابق حکم شریف حاضر ہوئے، اجازت و خلافت پائی اور وطن واپس ہوئے۔ کشف و وجدان صحیح رکھتے تھے۔ دہلی میں اُن کا تبرکات دیکھنے کے لیے جانا اور وہاں تصاویر کی وجہ سے ظلمت محسوس ہونے کا واقعہ ضمیمہ مقامات مظہری کے شروع میں لکھا ہے۔

(باقی)

---

## ضروری تصحیح

صاحب مضمون مولانا نسیم احمد صاحب فریدی امروہی نے الفرقان کا گزشتہ شمارہ بابت ماہ ستمبر پڑھ کر لکھا ہے کہ اس شمارہ میں میرے مضمون "قافلۂ اہلِ دل" کی پہلی قسط میں صفحہ ۱۶ کے ایک حاشیہ میں حضرت شاہ عبدالغنی مجددی مہاجر مدنی رح کا سنہ وفات غلطی سے ۱۳۲۶ھ چھپ گیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب کا سنہ وفات ۱۲۹۶ھ ہے، اس کی تصحیح الفرقان ہی کے ذریعہ کردی جائے۔

ــــــــــــ ادارہ

# جرح و تعدیل

(۹)

مولانا مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی
(استاد شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

## ثقات ابن حبّان

آپ دیکھتے ہیں کہ "ثقات ابن حبّان" پر لوگ بہت اعتماد کرتے ہیں، علامہ حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب "تہذیب التہذیب" میں ان تمام راویوں کے بارے میں جن کا ذکر "ثقات ابن حبان" میں ہے بالالتزام یہ حوالہ دیا ہے کہ ابن حبان نے اس راوی کا اپنی "ثقات" میں ذکر کیا ہے۔ کتاب "ثقات" تین قسموں پر مشتمل ہے (۱) صحابہ (۲) تابعین اور (۳) تبع تابعین۔

تابعین کے بیان کے آغاز میں ابن حبان نے لکھا ہے "صحابہ کے بعد باعتبار زمانہ تابعین خیر الناس ہیں۔ یہ وہ حضرات ہیں جن کو اصحاب نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا شرف صحبت حاصل ہے ان حضرات نے صحابہ سے دین اور احادیث حاصل کی ہیں۔ ہم ان تمام حضرات کے، شرق سے لے کر غرب تک، اسماء اور ان کے بارے میں جو خبریں ہمیں معلوم ہیں وہ حروف تہجی کے اعتبار سے آگے بیان کریں گے۔ حروف تہجی کے اعتبار سے اسماء کا ذکر، متعلم کو یاد رکھنے میں زیادہ مفید اور مبتدی کو زیادہ دل پسند ثابت ہوگا، راویوں کے عمر میں بڑے یا چھوٹے ہونے کا میں اس سلسلے میں لحاظ نہیں کروں گا۔ نہ اس امر کا لحاظ کروں گا کہ کون راوی کتنا جلیل القدر ہے علم اور جلالتِ قدر کے بجائے اس سلسلے میں "ملاقات" کو میں اہمیت دوں گا"۔

تابعین کے ذکر کے خاتمے پر ابن حبان نے لکھا ہے "جس راوی کا بھی اس کتاب میں

میں نے ذکر کر دیا ہے وہ "سچا" ہے اور اس کی روایت سے استدلال درست اور جائز ہے بشرطیکہ وہ پانچ باتوں سے بری ہو، ان جملہ راویوں میں سے جن کے نام میں نے بیان کئے ہیں اگر کسی سے منکر روایت کی جاتی ہے تو یہ روایت حسب ذیل پانچ امور میں سے کسی ایک امر سے خالی نہ ہوگی (۱) یا تو اس راوی سے اوپر کا راوی (اگر وہ صحابی نہیں ہے) ضعیف ہوگا، جہاں تک اصحاب رسُول (صلے اللہ علیہ وسلّم) کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے پاک فرمادیا ہے کہ ضعف ان سے لاحق ہوسکے، (۲) یا پھر اس راوی سے نیچے کا راوی ایسا واہی (غیر ذمہ دار) ہوگا جس کی روایت پر اعتماد درُست نہیں، (۳) یا یہ ہوگا کہ وہ حدیث مرسل ہوگی (یعنی صحابی کے بغیر تابعی راوی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کردی ہوگی) تو ایسی حدیث پر اعتماد کرنا ہم پر لازم نہیں، (۴) یا حدیث منقطع ہوگی، منقطع حدیث بھی قابل سند نہیں ہوتی، اور (۵) یا پھر سلسلۂ رواۃ میں کوئی مدلّس راوی ہوگا جس نے یہ نہیں واضح کیا کہ کس راوی سے سُن کر وہ روایت بیان کر رہا ہے، تو جب کوئی روایت ان پانچوں باتوں سے بری ہو تو اس سے استدلال میں احتراز و روگردانی جائز نہیں ہے"۔

اس طرح تبع تابعین کے بیان کے آغاز میں ابنِ حِبّان نے لکھا ہے: "تبع تابعین ثقہ راویوں کے اسماء اور ان کے بارے میں جو اطلاعات حاصل ہوئی ہیں ان کو، اسی ترتیب سے جو اوپر مذکور ہوئی (یعنی حروفِ تہجی کے اعتبار اور "لاقات" کے ثبوت کی ترتیب سے) اس جگہ ترتیب وار ہم درج کریں گے۔ تو جو روایت بھی ہمارے ذکر کردہ کسی راوی (تبع تابعی) سے ہوگی وہ صحیح روایت ہوگی، بشرطیکہ ان پانچ باتوں سے جو اُوپر مذکور ہوئیں، وہ خالی اور بری ہو"۔

جرح و تعدیل کے بعض ارباب فن نے ابن حبان کے بارے میں خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ ثقہ اور معتبر قرار دینے میں تساہل (نرمی) سے کام لیتے ہیں، ان حضرات کا کہنا ہے کہ: "توثیق کے بارے میں ابن حبان بڑے فراخ دل ہیں، بہت سے ایسے راویوں کی توثیق کر گئے جو جرح کے مستحق ہیں"۔ (ان حضرات کا یہ قول ضعیف ہے۔ ابھی آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ ابن حبّان ان لوگوں میں گنے جاتے ہیں جو جرح کرنے میں سخت گیر اور حد سے تجاوز کرنے والے ہیں

جو جرح میں سخت گیر ہو وہ توثیق میں نرم کیسے ہو سکتا ہے، بے شک ایک ہی راوی کے سلسلے میں ابن حبان کی توثیق اور دوسروں کی جرح سے تعارض واقع ہو جاتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ ابن حبان کے نزدیک توثیق کے لئے جو چیز کافی ہوتی ہے وہ دوسرے کے لئے ناکافی ہوتی ہے۔

سیوطی نے "تدریب الراوی" میں نووی کے اس قول کے تحت "صحیح حاکم ہی سے ملتی جلتی صحیح ابن حبان ہے" لکھا ہے: "کہا جاتا ہے کہ ابن حبان کے بارے میں تساہل کا جو تذکرہ کیا جاتا ہے وہ درست نہیں ہے۔ ابن حبان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ وہ حدیث حسن کو "حدیث صحیح" کے نام سے موسوم کرتے ہیں، تو اگر "صحیح ابن حبان" میں "حدیث حسن" کی موجودگی کی وجہ سے ابن حبان پر تساہل کا الزام لگایا جاتا ہے تو یہ تو "اصطلاح" میں نزاع ہوئی (اور "اصطلاح" میں نزاع کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی) اور اگر تساہل کا الزام اس بنا پر ہے کہ ابن حبان نے حدیث کے قبول کی شرطیں ہلکی کر دی ہیں تو صورت حال یہ ہے کہ اپنی "صحیح" میں صرف وہ حدیثیں انھوں نے درج کی ہیں جن کے راوی ثقہ اور غیر مدلس ہیں، جنھوں نے اپنے شیخ حدیث سے سماعت حدیث کی ہے اور اس سامع سے روایت کرنے والے نے حدیث لی ہے، اور ان بیان کردہ حدیثوں میں نہ ارسال ہے اور نہ انقطاع، اس طرح ابن حبان کے نزدیک اگر راوی ایسا ہے جس پر نہ جرح کی گئی ہے اور نہ جس کی تعدیل کی گئی ہے اور اس کے تمام شیوخ اور ان کے راوی ثقہ ہیں نیز یہ راوی کوئی منکر حدیث بھی روایت نہیں کر رہا ہے تو وہ ثقہ ہے۔ ابن حبان کی "ثقات" میں بہت سے ایسے حضرات ہیں جن کا یہ حال ہے۔ اسی بنا پر کبھی کبھی ابن حبان پر اعتراض کر دیا جاتا ہے کہ وہ ایسے راویوں کو ثقہ قرار دے دیتے ہیں جن کا کوئی حال نہیں معلوم، یہ اعتراض ابن حبان پر وارد نہیں ہوتا اس لیے کہ "ثقہ" کی اصطلاح جس مفہوم میں انھوں نے وضع کی ہے اس کے بارے میں نزاع نہیں کی جا سکتی۔ ہاں! ابن حبان نے اپنی "صحیح" میں حدیث درج کرنے کی جو شرط رکھی ہے وہ حاکم کی شرط سے ہلکی ہے، اس لئے کہ حاکم نے اپنی "صحیح" میں یہ شرط رکھی ہے کہ صرف ان ہی راویوں کی حدیث درج کریں گے جن کے مثل راویوں سے امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی اپنی "صحیح" میں حدیثیں درج کی ہیں۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ ابن حبان نے جو شرط مقرر کی ہے (اگرچہ وہ حاکم کی شرط سے ہلکی ہے مگر)

اسے پوری طرح نباہا اور حاکم نے اپنی شرط کو نہیں نباہا"۔

سخاوی کی "فتح المغیث" میں ہے: "اگرچہ ہمارے شیخ ـــ حافظ ابن حجر ـــ نے ابن حبان کی طرف تساہل کی نسبت کرنے والوں سے، اختلاف کیا ہے مگر اس پہلو کو انھوں نے بھی مانا ہے کہ ابن حبان اپنی "صحیح" میں حَسَن حدیثوں کو بھی درج کرتے ہیں۔ ابن حجر کی اصل عبارت اس طرح ہے:۔

"اگر صحیح ابن حبان میں حدیث حسن کی موجودگی کی وجہ سے ابنِ حبّان پر تساہل کا الزام عائد ہوتا ہے تو یہ تو اصطلاح میں نزاع ہوئی کہ وہ "حسن" کو "صحیح" کی اصطلاح سے موسوم کرتے ہیں اور اگر تساہل کا الزام اس بنا پر ہے کہ ابن حبّان نے حدیث کے قبول کرنے کی شرطیں ہلکی رکھی ہیں تو معاملہ یوں ہے کہ اپنی "صحیح" میں وہ وہی حدیثیں درج کرتے ہیں جن کے راوی ثقہ اور غیر مدلس ہیں، جنھوں نے اپنے شیخ سے سماعت حدیث کی ہے اور سامع سے روایت کرنے والے نے حدیث لی ہے اور ان بیان کردہ حدیثوں میں نہ انقطاع ہے نہ ارسال اور جب مجہول الحال راوی کے بارے میں نہ جرح کی گئی ہو نہ تعدیل اور اس کے شیخ اور اس شیخ سے روایت کرنے والے سب ثقہ ہیں نیز وہ کوئی منکر حدیث بھی نہیں بیان کر رہا ہے۔ تو وہ ابن حبان کے نزدیک ثقہ ہے۔ ابن حبان کی کتاب "ثقات" میں بہت سے ایسے راویوں کا ذکر ہے جن کا یہی حال ہے، اسی سبب سے ایسوں کو ثقہ قرار دینے پر ان لوگوں نے ابن حبان پر اعتراض کیا ہے جو ابن حبان کی اصطلاح سے واقف نہیں ہیں، اور یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے اس لئے کہ "اصطلاح" قرار دینے میں نزاع نہیں ہوتی"۔

میں (سخاوی) کہتا ہوں کہ حازمی کے اس قول سے بھی کہ "ابن حبّان حدیث میں حاکم سے زیادہ قدرت رکھتے ہیں" اس رائے کی تائید ہوتی ہے اسی طرح عماد بن کثیر کا کہنا ہے "ابن خزیمہ اور ابن حبّان نے (اپنی اپنی "صحیح" میں) صحت کا التزام رکھا ہے، یہ دونوں مستدرک (حاکم کی تصنیف) سے بہت بہتر تصانیف ہیں اور اسناد اور متون کے اعتبار سے زیادہ پاکیزہ ہیں"۔

(جاری)

# اُستاذ الملک ملا محمد افضل جونپوری

(از مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی جگدیش پوری جامعہ اسلامیہ بنارس)

شرقی عہد ۸۰۴ھ سے مغل بادشاہ محمد شاہ ۱۱۳۱ھ کے زمانہ تک جونپور دیار پورب میں علوم وفنون کا مرکز رہا ہے۔ مصر، شام اور دوسرے اسلامی ملکوں کے مقابلہ میں یہاں کے علماء نے اسلامی علوم وفنون پر کم کام نہیں کیا ہے۔ (مآثر الکرام ج ۱ ص ۲۲۲)

جونپور کی تاریخ میں پچاسوں مدرسوں اور خانقاہوں کا پتہ چلتا ہے جن میں ہزاروں طلباء وفضلاء علمی وروحانی خدمت میں مصروف رہتے تھے۔ ذیل میں یہاں کے مشاہیر علماء ومشائخ کی مختصر فہرست پیش کی جاتی ہے جس سے ناظرین کو اس کی مرکزیت کا کسی حد تک اندازہ ہوگا۔

**عہد شرقی کے مشاہیر** | ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی جونپوری المتوفی ۸۴۸ھ (۲) قاضی نظام الدین کیکلانی جونپوری مرتب فتاویٰ ابراہیم شاہیہ المتوفی ۸۶۵ھ (۳) شیخ ابوالفتح سدن بریس جونپوری المتوفی ۸۵۸ھ (۴) ملا بہرام منطقی خطیب جامع مسجد ظفرآباد (۵) قاضی نصیر الدین گنبدی قاضی شہر جونپور (۶) شیخ عیسیٰ بن تاج الدین جونپوری المتوفی ۸۶۴ھ (۷) ملا عبدالملک بن عادل جونپوری استاذ ملا الہداد

**عہد لودھی کے مشاہیر** | ملا علاء الدین الہداد محشی ہدایہ وغیرہ المتوفی ۹۲۳ھ (۲) شیخ حسن بن طاہر جونپوری (۳) شیخ سید محمد جونپوری المتوفی ۹۱۰ھ (۴) شیخ معروف چشتی جونپوری (۵) قاضی صلاح الدین بن خلیل جونپوری۔

**عہد مغل کے مشاہیر** | مرسید عبدالاول محدث جونپوری شارح بخاری شریف المتوفی ۹۶۸ھ (۲)

ملا محمد یوسف قاضی خان المتوفی سنہ ۹۷۰ھ (۳) خواجہ محمد ارزانی مولف مدارج الاخبار المتوفی سنہ ۹۸۰ھ (۴) استاذ الملک ملا محمد افضل المتوفی سنہ ۱۰۶۲ھ (۵) ملا محمود بن محمد مصنف شمس بازغہ وغیرہ المتوفی سنہ ۱۰۶۲ھ (۶) دیوان محمد رشید المتوفی سنہ ۱۰۸۳ھ (۷) ملا ضیاء الدین استاذ شاہزادہ بہادر شاہ بن عالمگیر (۸) شیخ عبد القدوس قلندر المتوفی سنہ ۱۰۵۲ھ (۹) ملا محمد جلیل، ملا محمد حسین، ملا ابو الحامد بن حامد کیے از مرتبین فتاوی عالمگیری۔ (علمائے جونپور کا ماضی) ان حضرات کے علاوہ اور بھی بہت سے نامور علماء و مشائخ اس سرزمین سے ابھرے جنھوں نے اپنے اپنے دور میں مدرسہ اور خانقاہ دونوں کو اپنی علمی و روحانی سرگرمیوں سے آباد کیا ان میں اعلم العلماء افضل الفضلاء جامع علوم ظاہری و باطنی قطب زماں استاذ الملک ملا محمد افضل عثمانی جونپوری کی ذات اپنے عہد میں خاص شہرت اور مخصوص مقام کی مالک ہے۔ قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے بعد آپ جیسی ہمہ گیر اور جملہ علوم و فنون میں ماہر شخصیت سرزمین جونپور سے پیدا نہیں ہوئی۔

سید نور الدین زیدی ظفر آبادی لکھتے ہیں:-

در سکہ ملک العلماء جادۂ عدم پیمود اہل جونپور را تمام الوداع علم کردند مگر بذات ستودہ صفات خود ملک العلماء برفت و خلعت فاخرۂ علم پس آمدۂ استاذ الملک گذاشت (۱)

آپ کا حلقۂ درس اس قدر وسیع تھا کہ اس زمانہ میں کوئی شخص ایسا نہیں تھا جس نے ان سے بالواسطہ یا بلا واسطہ کسب فیض نہ کیا ہو۔

تجلی نور میں ہے:-

دراں زماں ہیچ کس نبود کہ پیش آں بلا واسطہ زانوئے ارادت تہ نکرد وسبق نہ آموخت صدہا بفیض درس و تعلیم شاں عالم العلوم و فاضل متبحر گشتند (۲)

اس مضمون میں اسی فاضل یگانہ کے حالات پیش کیے جائیں گے۔ اس مضمون کی ترتیب میں حسب ذیل ماخذوں سے مدد لی گئی ہے۔

گنج رشیدی قلمی، گنج ارشدی قلمی، تجلی نور، سبحۃ المرجان، تذکرہ علمائے ہند، نزہۃ الخواطر

---

(۱) تجلی نور ج۱ ص۴۴ (۲) ایضاً ج۱ ص۴۳

معارف اعظم گڑھ مئی ۱۹۳۰ء ان کے علاوہ بحر ذخار مصنفہ شیخ وجیہ الدین اشرف لکھنوی بسط الکلام فی وفیات الاعلام از شیخ یحییٰ عباسی الہ آبادی میں بھی ملا افضل کے حالات ہیں لیکن یہ دونوں کتابیں انتہائی کوشش کے باوجود بھی دستیاب نہ ہو سکیں اس لیے ان سے استفادہ نہ کیا جا سکا۔

**نام ونسب اور تاریخ پیدائش** نام محمد افضل لقب استاذ الملک اور استاذ العلماء ہے سلسلۂ نسب محمد افضل بن شیخ حمزہ بن شیخ فریدالدین بن شیخ بہاء الدین عثمانی ہے۔ شیخ عثمان ہارونی کی اولاد میں ہیں سلسلۂ نسب اس سے آگے معلوم نہیں ہو سکا۔

صوبہ اودھ کے مشہور تاریخی قصبہ ردولی میں ۱۶ رمضان ۹۷۷ھ کو بعہد جلال الدین اکبر پیدا ہوئے[1] آپ کے والد شیخ حمزہ گردش زمانہ سے تنگ آکر اپنے آبائی وطن شہر دماوند مضافات مازندران کو خیرباد کہہ کر ہندوستان چلے آئے تھے اور ردولی میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔

شیخ حمزہ زیور علم سے آراستہ تھے اس لیے عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے باد شاہ نے آپ کے تفقہ اور علم و فضل کا عملی اعتراف اس طرح کیا گیا کہ آپ کو عہدۂ قضا پر مامور کر دیا گیا[2]۔

**تعلیم و تربیت** استاذ الملک نے علم و فضل کے گہوارہ میں آنکھ کھولی تھی۔ آپ کے والد عالم فقیہ اور مفتی کی حیثیت سے شہر میں ممتاز تھے۔ گھر میں فراغت و رفاہیت بھی تھی جس کا اثر استاذ الملک کی نشو و نما پر بہت اچھا پڑا۔

ابتدائی تعلیم گھر میں اپنے والد کی نگرانی میں حاصل کی اور بہت جلد جملہ علوم و فنون میں دستگاہ پیدا کر لی۔ پھر مزید تکمیل کے لیے دہلی تشریف لے گئے اور شیخ حسین عمری کے حلقہ درس میں داخل ہو گئے۔ یہاں سے فراغت کے بعد ملا ابو حنیفہ تلمیذ حکیم گیلانی کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے اور ان سے صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔ "الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند" کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی تکمیل کے سلسلے میں لاہور بھی گئے تھے۔

اس طرح بیس سال کی مدت میں سرآمد روزگار ہو گئے[3]

**تبحر علمی** نزہۃ الخواطر میں ہے۔

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۵۹ و تجلی نور ص ۴۳ [2] نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۵۹ [3] تجلی نور ص ۴۴

| | |
|---|---|
| وجدّ فی البحث والاشتغال حتی | تحصیل وتعلیم میں انتہائی محنت وجانفشانی |
| برع فی العلم وافتیٰ ودرس و | کی تا آنکہ تمام علوم میں فاضل ہو گئے اور |
| له نحو عشرین سنة وصار من | بیس سال کی عمر میں اکابر علماء میں شمار |
| اکابر العُلماء [1] | کیے جانے لگے۔ |

نورالدین زیدی رقمطراز ہیں:-

در تحصیل علوم چناں ریاضتہا کشید وجانہا کندید کہ بعمر بیست سال فاتحہ فراغ خواند و طبع دقیقش نشتر زن عروق اشکالات وفکر بلیغش گرہ کشائے معضلات گشت [2]

تذکرہ علمائے ہند میں ہے:-

افضل الفضلاء عصر اعلم العلماء دہر جامع علوم عقلیہ ونقلیہ متشرع ومتقی خوش خلق سلیم المزاج بود [3]

ردولی سے جونپور | تعلیم وتحصیل علوم سے فراغت اور جملہ علوم وفنون متعارفہ میں مہارت حاصل ہونے کے بعد اپنے برادر خورد سلطان محمود عثمانی کو ہمراہ لے کر ردولی کا قیام ترک کر کے دارالسرور شہر جونپور کی سکونت اختیار کر لی [4]

استاذ الملک نے ردولی کی سکونت کیوں ترک کی اور جونپور کب آئے اس سے تمام تذکرہ نویس خاموش ہیں۔ آپ نے ایسے دور میں آنکھیں کھولیں جب جونپور کے علوم وفنون کا غلغلہ پورے ہندوستان میں بلند تھا اس لیے قیاس ہے کہ یہ غلغلہ سن کر استاذ الملک جیسے شائق علوم کے دل میں اس مرکز علمی کی کشش پیدا ہوئی ہوگی اور آپ نے ردولی سے جونپور کا قصد کیا ہوگا پھر یہ سرزمین ایسی دل پسند ہوئی کہ یہیں کے ہو رہے۔ تذکرہ نگاروں کے سیاق کلام سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ فراغت تعلیم کے بعد ہی جونپور چلے آئے تھے اس اعتبار سے جونپور میں آپ کی آمد ۱۰۰۰ھ کے حدود میں ہوئی ہوگی۔

یہ زمانہ جونپور کے علمی شباب کا تھا، وہاں متعدد مدارس کو تعلیمی مرکزیت حاصل تھی ان میں چند مشہور مدارس یہ تھے۔

---

[1] نزہۃ الخواطر صفحہ ۲۵۹ ج ۵ [2] تجلی نور صفحہ ۴۲ [3] تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۱۸۱ [4] تجلی نور صفحہ ۴۵

(۱) مدرسہ ملا عبد الباری المتوفی ۱۰۳۶ھ (۲) مدرسہ ملا شیخ صادق المتوفی ۱۰۶۴ھ (۳) مدرسہ ملا شمس الدین بن نور الدین برنوی المتوفی ۱۰۴۰ھ (۴) مدرسہ مداریہ ملا مدادی المتوفی ۱۰۷۲ھ (۵) مدرسہ ملا خلیل المتوفی ۱۰۷۹ھ (۶) مدرسہ شیخ حامد (۷) مدرسہ ملا سید مبارک بن خیر محمد وغیرہ[1]

استاذ الملک نے بھی اپنی قیام گاہ کے متصل دائرہ افضل کے نام سے ایک درسگاہ قائم کرکے تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا اس مدرسہ نے بہت جلد شہرت و مقبولیت حاصل کرلی اور طلباء کا اتنا مرجوعہ ہوا کہ تمام مدارس کی رونق سرد پڑ گئی۔

وہ آئے بزم میں اتنا تو میر نے دیکھا  پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

**سلوک و تصوف** استاذ الملک نے پوری زندگی گو علماء کے انداز پر گزاری لیکن قدرت نے انھیں صوفی صافی بھی پیدا کیا تھا اس لیے عمر کے ساتھ ساتھ تصوف کی طرف میلان بڑھتا گیا۔ بالآخر شیخ عبد القدوس قلندر جونپوری کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔

شیخ عبد القدوس قلندرؒ زہد و تقویٰ اور عشق الٰہی میں خاص امتیاز رکھتے تھے۔ استغناء اور ما سوی اللہ سے بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ دنیا سے کوئی واسطہ ہی نہیں رکھتے تھے۔ جنگلات سے گھاس کاٹ کر فروخت کرکے بسر اوقات کرتے تھے۔ کھانے میں مشتبہات سے انتہائی پرہیز اور اکل حلال کا بڑا اہتمام تھا آپ کی ذات مرجع خلائق تھی خواص و عوام سب آپ کی صحبت کو سرمایۂ سعادت سمجھتے تھے اپنے وقت کے مشاہیر علماء نے آپ سے کسب فیض کیا۔

آپ کی پیدائش ۹۴۲ھ میں شہر جونپور میں ہوئی۔ اپنے والد شیخ قیام الدین بن قطب الدین المعروف بہ قطب بینائے دل سے خلافت پائی تھی۔

اپنے مسترشدین کے شوق و طلب کا نہایت سخت امتحان لیتے تھے۔ گنج ارشدی میں ہے کہ جب دیوان محمد رشید جونپوری بیعت کے لیے حاضر ہوئے تو ان سے بات تک نہ کی اور دیوان صاحب بھی رعب کی وجہ سے اظہار مدعا نہ کر سکے مگر مسلسل خدمت میں حاضری دیتے رہتے تقریباً ایک برس کے بعد ایک دن قلندر صاحب نے فرمایا کہ کیوں حاضر ہوتے ہو۔ دیوان صاحب نے

---

[1] علمائے جونپور کا ماضی

عرض کیا بیعت کے خیال سے۔ حکم ہوا کہ نصف شب کے بعد آنا۔ خانقاہ دریا کے پار تھی اور آدھی رات کے بعد پل کا دروازہ بھی بند ہو جاتا تھا۔ دیوان صاحب دریا پار کر کے حکم کے مطابق پہنچ گئے۔ اس وقت قلندر صاحب نے بیعت کی۔

تقریباً ایک سو بیس[۱۲۰] سال کی عمر میں ۱۲ شوال ۱۰۵۲ھ کو اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے آپ کا مزار جیلخانہ کے جنوب میں سڑک اور جیلخانہ کی چہار دیواری کے درمیان واقع ہے[۱]

اس مقام پر یہ وضاحت ضروری ہے کہ بعض اہل علم نے عبدالقدوس قلندر اور عبدالقدوس شطاری کو ایک ہی ذات سمجھا ہے حالانکہ یہ دونوں بزرگ الگ الگ شخصیت رکھتے ہیں۔ شیخ عبدالقدوس شطاری ۹۶۵ قدن شاہ اور قطب صدیق سے مشہور ہیں اور ضلع اعظم گڑھ کے مشہور قصبہ نظام آباد کے رہنے والے تھے اور آج بھی نظام آباد میں ان کا مزار مرجع خلائق ہے۔ شاہ قدن نظام آبادی میر علی عاشقاں سرائے میری کے پیر ہیں اور میر علی عاشقاں کی وفات ۹۰۵ھ میں ہوئی ہے[۲]

استاذ الملک نے جونپور آنے کے بعد بیعت کی اور تعلیم و تدریس کے ساتھ مجاہدہ و ریاضت کا بھی سلسلہ جاری رہا اور مختصر مدت میں تصوف کے اعلیٰ مقام پر پہنچ گئے اور قطبیت کے عہدہ سے سرفراز ہوئے۔

گنج ارشدی میں ہے۔

مرتب احقر از پیر دستگیر خود شنیدہ فرمود کہ روز وفات استاذ العلماء حضرت بندگی شیخ محمد افضل قدس سرہ در لاہور ہماں روز ملا خواجہ قدس سرہ فرمودہ امروز قطب جونپور وفات یافت[۳]

شیخ ملا خواجہ سلسلۂ قادریہ کے مشہور مشائخ میں ہیں۔

صاحب تجلی نور لکھتے ہیں۔

قطع نظر علوم ظاہری اہل دل صوفی صافی روشن ضمیر آغاز و انجام حقیقت المیزان اعتبار ہم سنجیدہ بود بیعت از شیخ عبدالقدوس قلندر جونپوری داشت در کرامت و خوارق لیاقت سترگ بودہ[۴]

---

[۱] گنج ارشدی قلمی ص ۱۳۲ و تجلی نور ص ۴۸ [۲] گنج ارشدی ورق ۴۲ و سیر المتاخرین ص ۲۲۵ ج ۱ [۳] گنج ارشدی ورق ۴۳ [۴] تجلی نور ص ۴۵

آزاد بلگرامی مرحوم لکھتے ہیں:-

انہ کان حصوراً تقیا حسن الخلق    استاذ الملک پاک باطن متقی خوش خلق

سلیم المزاج ؎    اور سلیم المزاج تھے۔

تصانیف | استاذ الملک تمام علوم میں امامت و عبقریت کا درجہ رکھتے تھے مگر ان کی کسی تصنیف کا تذکرہ نہیں ملتا۔ معلوم ہوتا ہے حلقۂ درس کی وسعت اور مشغولیت نے تصنیف و تالیف کا موقع نہ دیا۔

شاعری | استاذ الملک کبھی کبھی تفنناً فارسی میں شعر بھی کہتے تھے مگر طبعاً شعر گوئی کی جانب میلان کم تھا نمونہ کلام یہ ہے

بازلف تو تودۂ عنبر چہ کنم    باخال تو مشک نامی از خرچہ کنم
تو کافر و زلف کافر و دل کافر    من نیم مسلماں بہ کافر چہ کنم ؎

وفات | آپ کے شاگرد رشید فخر استاذ ملا محمود کا انہتر سال کی عمر میں استاذ الملک کے سامنے انتقال ہو گیا تھا استاذ الملک اس صدمۂ جانکاہ سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ چالیس دن تک آپ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تک نہیں دیکھی گئی اور اکتالیسویں دن اس غم کو سینے سے لگائے ۱۹ ربیع الثانی ۱۰۶۲ھ کو بعمر چوراسی سال سات ماہ تلمیذ عزیز سے جا ملے۔ استاذ و شاگرد کے تعلق کی یہ مثال ایسی ہے جس کی نظیر تاریخ میں شاذ و نادر ہی ملے گی۔ بعض لوگوں نے تاریخ وفات ۱۹ ر کے بجائے ۱۳ ربیع الثانی بیان کی ہے۔

مصرع "ز محمود و افضل بگو آہ آہ" سے استاد و شاگرد دونوں کا سنہ وفات نکلتا ہے ؎

مزار محلہ سپاہ شہر جونپور میں ریلوے لائن سے مشرق جانب نیم کے درخت کے نیچے واقع ہے راقم الحروف کئی بار بغرض فاتحہ مزار پر حاضر ہو چکا ہے۔

استاذ الملک کے مزاج میں اس درجہ تواضع و انکسار تھا کہ کسی سے خدمت لینا قطعاً پسند نہیں کرتے تھے، اپنا کل کام خود ہی انجام دے لیتے تھے دیوان محمد رشید نقل کرتے ہیں کہ

حضرت بندگی میاں محمد افضل ہمہ کار با خود می کردند حتیٰ کہ چراغ حجرہ خود روشن کردند و کتاب از حجرہ

---

؎ سبحۃ المرجان ؎ تجلی نور ص ۴۲ ؎ نزہۃ الخواطر ص ۳۵۹ ج ۵

خود داری اور دبدبہ[1]

امراء و حکام کے دربار میں حاضری سے بہت اجتناب کرتے تھے کبھی اپنی غرض لے کر ان کے پاس نہیں گئے اگرچہ حکام آپ کی خدمت باعثِ سعادت سمجھتے تھے البتہ طلباء اور صوفیاء کی ضرورت کے وقت امراء کے پاس جانے میں تامل نہ تھا۔

تجلی نور میں ہے۔

| | |
|---|---|
| باوصف چندیں باستدعاد طلب برد رامراء | اتنے کمالات کے باوجود کبھی کوئی طلب لیکر |
| و ملوک نیر فتی مگر برائے حوائج فقراء و طلباء | امراء کے دربار میں نہیں جاتے تھے البتہ |
| ہمچو مردم بجانہ چشم منتظراں درآمدی[2] | طلباء و فقراء کی ضروریات لے کر نہایت |
| | عزت کے ساتھ جاتے تھے۔ |

**اولاد و تلامیذ** | استاذ الملک کی کسی اولاد کا ان کے تذکرہ نگاروں نے ذکر نہیں کیا ہے البتہ ان کے شاگردوں کی فہرست بڑی طویل ہے لیکن ان کی تعیین بھی مشکل ہے تاریخوں میں منتشر طور پر کچھ لوگوں کا پتہ لگتا ہے جن میں مشاہیر حسب ذیل ہیں۔

(۱) ملا محمود بن محمد جونپوری:۔ آپ ولید پور[3] ضلع جونپور کے ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتے تھے ۹۹۳ھ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت استاذ الملک کے زیر سایہ تکمیل کو پہنچی۔ بڑے ذہین و فطین اور علم کے بیحد شائق تھے اس لیے تعلیم کے زمانہ میں بڑی محنت و جانفشانی سے تحصیل کی اور بہت جلد اپنے پیشروؤں سے بھی آگے نکل گئے۔ آپ کے طلب و اشتیاق کی قدر استاذ الملک بھی کرتے تھے۔ آپ فخر استاذ تھے۔ استاذ الملک کے تمام تلامذہ میں آپ کا درجہ علمی اعتبار سے سب سے بڑھا ہوا ہے۔ صرف سترہ سال کی عمر میں جملہ علوم و فنون میں مہارت تامہ حاصل کر لی بالخصوص فلسفہ میں ایسا کمال پیدا کر لیا کہ متقدمین میں بھی ان کے ہم پایہ کم نظر آتے ہیں۔ متعدد اہم کتابوں کے مصنف ہیں ان میں شمس بازغہ اور فرائد محمودیہ بہت مشہور اور اپنے فن میں نہایت جامع ہیں۔ ایک عرصہ تک یہ دونوں کتابیں داخل نصاب رہ چکی ہیں شمس بازغہ پر متعدد علماء نے حواشی و شروح لکھے

---

1. گنج ارشدی ورق ۱۲۷ 2. تجلی نور صد[illegible] 3. اب ولید پور ضلع اعظم گڈھ میں ہے۔

شعروسخن میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ دو دیوان یادگار چھوڑے، دو شعر نمونتہً پیش ہیں۔

برصوفیٔ بے وجد و بال است عبادت — بر شیخ کی غالیت نمے سجدہ حرام است

---

اشکے کہ راز عشق بگوید فشاندنی است — طفلے کہ خوش محاورہ افتد نماندنی است

ملا محمود نے اپنے استاذ کی طرح پوری عمر درس و تدریس میں گزار دی آپ کے مشہور شاگردوں میں ملا عبدالباقی جونپوری خاص شہرت کے مالک ہیں ۱۰۶۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا مزار چاچک پور شہر جونپور میں ہے [۱]

(۲) دیوان محمد رشید بھی استاذ الملک کے ارشد تلامذہ میں ہیں۔ استاذ الملک سے انھیں خاص لگاؤ تھا، فراغت تعلیم کے بعد بھی ہفتہ میں ایکبار ضرور حاضری دیتے تھے جب تک استاذ الملک نے درس و تدریس کا صریحی حکم نہیں دیا اس کا سلسلہ شروع نہیں کیا لوگوں کے اصرار پر فرماتے کہ جس جگہ استاذ الملک جیسی ہمہ گیر شخصیت مصروف تدریس ہو مجھ جیسے شخص کے لیے تدریس کی مسند پر بیٹھنا مناسب نہیں ہے۔

دیوان صاحب جملہ علوم میں مہارت رکھتے تھے۔ تعلیم و تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی شغل تھا اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں جن میں مناظرہ رشیدیہ، شرح ھدایۃ الحکمت اور شرح اسرار المخلوقات نہایت جامع اور اہم ہیں۔ رشیدیہ تو اب تک نصاب میں داخل ہے

علوم ظاہری کے ساتھ علوم باطنی میں بھی آپ کا مقام بہت بلند ہے اس دور میں تصوف کے جتنے سلاسل رائج تھے ان سب میں آپ کو خلافت و اجازت حاصل تھی اس وصف میں دیوان صاحب اپنے تمام معاصرین میں ممتاز اور فائق تھے۔

شاعری میں بھی آپ کا پایہ بہت بلند ہے شمسی تخلص تھا۔ دیوان شمسی کے نام سے آپ کا قلمی دیوان کتب خانہ رشیدیہ جونپور میں اب بھی موجود ہے۔

نمونۂ کلام یہ ہے:۔

---

[۱] تجلی نور ص ۴۲

بر بدن صد زخم خنجر گر زنی    کے بمیرم جاں بجائے دیگر است
من بیکدم سیر عالم می کنم    روح را دستے و پائے دیگر است

۱۰ ذی قعدہ ۱۰۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۹ رمضان ۱۰۸۳ھ کو وفات پائی۔ مزار محلہ رشید آباد شہر جون پور میں ہے[1]

(۳) ملا ضیاء الدین جونپوری۔ استاذ الملک کے مشہور شاگرد ہیں جملہ علوم و فنون میں تبحر حاصل تھا۔ حدیث و فقہ اور لغت میں امتیازی شان رکھتے تھے۔ ایک ہزار سے زائد احادیث کے حافظ تھے قاموس مولفہ مجد الدین فیروز آبادی بھی نوک زبان تھی۔ نہایت متقی، صالح اور پرہیزگار تھے۔ شہنشاہ عالمگیرؒ نے شاہزادہ بہادر شاہ کی تعلیم و تربیت پر آپ کو مامور کیا تھا۔ عین عالم شباب میں وفات پائی۔ اس سے زیادہ معلومات حاصل نہ ہو سکیں[2]

(۴) سلطان محمود عثمانی۔ آپ استاذ الملک کے چھوٹے بھائی ہیں۔ ولادت قصبہ ددلی میں ہوئی تعلیم استاذ الملک کی نگرانی میں پائی اور استاذ الملک کے ساتھ جونپور چلے آئے یہیں شیخ مبارک بن خیر محمد جونپوری کی صاحبزادی سے عقد ہوا۔

سلطان محمود اپنے وقت کے مشہور صوفیاء میں تھے۔ اپنے خسر شیخ مبارک سے بیعت کی اور جملہ مقامات کو طے کر کے اعلیٰ مدارج پر پہنچ گئے۔ اپنے زمانہ میں مرجع خاص و عام تھے اور بے شمار کرامات آپ سے صادر ہوئیں۔

تجلی نور میں ہے۔

> طبیعت فقر آشنا بود و از خسر خود حضرت مبارک خیر محمد بیعت نمود و در ریاضات باطنی بر خود کشیدہ باندک۔ زمانہ طی منازل کردہ منازل سلوک و فقر جادۂ مستقیم گشت و از سیر حسلی عاشقاں سرلے مری ہم فراواں برگرفت و لبسیار مردم بروگرویدند و بسیار خوارق ازو برگزاردند[3]

---

[1] گنج رشیدی قلمی تفصیل کے لیے راقم کا مقالہ مطبوعہ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ ماہ جون و جولائی ۶۲ء دیکھیے
[2] معارف مئی ۱۹۷۳ء و [3] تجلی نور ص

صاحب تجلی نور کی یہ تصریح کہ از میر علی عاشقاں سرائے میر ہم فراواں بر گرفت محل نظر ہے کیونکہ صاحب سیر المتاخرین کے بیان کے مطابق میر علی عاشقاںؒ کی وفات ۹۰۵ھ میں ہوئی ہو اور تمام تذکرہ نویس اس بات پر متفق ہیں کہ سلطان محمود استاذ الملک سے عمر میں چھوٹے ہیں اور استاذ الملک کی پیدائش باتفاق مورخین ۹۷۰ھ میں ہوئی ہے اس لیے سلطان محمود کا میر علی عاشقاں سے کسب فیض کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔ سن وفات معلوم نہ ہو سکا۔ مزار محلہ چاچک پور شہر جونپور میں ہے۔

(۵) محمد ارشد بن دیوان محمد رشید۔ انھیں بھی استاذ الملک سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ استاذ الملک ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ ان کا پہلا عقد استاذ الملک ہی کی تجویز پر ہوا تھا۔

ولادت ۱۰۴۱ھ میں ہوئی۔ بیس سال کی عمر میں علوم ظاہری کے ساتھ علوم باطن میں بھی درجہ کمال کو پہنچ گئے۔ آپ کا شغلہ بھی تعلیم و تدریس ہی تھا اور اس میں بڑا انہماک تھا۔ صبح درس گاہ میں بیٹھتے تو دوپہر کے وقت اٹھتے، دوظہر کی نماز اول وقت میں جماعت سے ادا کر کے پھر درس شروع کر دیتے تھے۔ طلباء سے بڑی محبت اور شفقت سے پیش آتے جو خود کھاتے انھیں بھی کھلاتے تھے۔ نہایت متقی، پرہیزگار اور پابند سنت تھے اگر کبھی فاقہ کی نوبت آجاتی تو بڑی بشاشت و انبساط کا اظہار فرماتے کہ سنت نبوی پر عمل کی توفیق ہوئی۔

حقیقت تو یہ ہے کہ خاندان رشیدی میں دیوان صاحب کے بعد اس پایہ اور مقام کا کوئی اور شخص پیدا نہیں ہوا۔ ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۱۱۳ھ کو کلمہ توحید کا ورد کرتے ہوئے جاں بحق ہوئے آپ کا مزار بھی اپنے والد مکرم کے پاس رشید آباد میں ہے [۱]

(۶) شیخ مولا چندن۔ نسلاً شیخ صدیقی تھے۔ جملہ علوم کی تعلیم استاذ الملک سے حاصل کی۔ اپنے دور کے مشاہیر علماء و محدثین میں شمار کیے جاتے تھے۔ علم حدیث سے خاص شغف تھا۔ حرمین شریفین کے سفر میں مکہ معظمہ کے محدثین عظام سے بھی حدیث کی تصحیح اور اس کی سند حاصل کی اسی سفر میں ۱۰۶۲ھ مکہ معظمہ میں وفات پائی۔ زیادہ تفصیل معلوم نہ ہو سکی [۲]

---

[۱] گنج ارشدی ورق ۱۰ ج ا [۲] معارف اعظم گڑھ مئی ۱۹۳۰ء

پھول کی طرح تروتازہ
اگر جلدی امراض یا فساد خون کی
شکایت ہو تو چہرہ پژمردہ نظر آتا ہے
خون صفا
پھوڑے پھنسی خارش اور داد سے نجات دے
کر جسم اور چہرے کو پھول کی طرح تروتازہ رکھتا ہے
دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ


ٹریڈ مارک
ABBAS ALAUDDIN & Co.
آسام اور نیلگری کی اعلیٰ قسم کی چائے کے تھوک اور خوردہ بیوپاری
عبّاس علاءُالدّین اینڈ کمپنی
TRADE MARK
۴۴۔ حاجی بلڈنگ، ایس۔ وی۔ پٹیل روڈ۔ نل بازار بمبئی ۳
ہماری اسپیشل چائے
سوداگر دست اور سوداگر مکچر کا ایک بار ضرور تجربہ کیجئے
فون نمبر: 33222O
تار کا پتہ: CUP KETLE

# قادیانی کیوں مسلمان نہیں؟

(از محمد منظور نعمانی)

۷ستمبر کو پاکستان کی قومی اسمبلی نے ایک دستوری ترمیم کے ذریعہ مرزا غلام احمد قادیانی کے ماننے والوں کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیتے ہوئے غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا ہے۔ اس کارروائی کے ذریعہ پاکستان کی قومی اسمبلی نے ایک ایسا اسلامی فریضہ ادا کیا ہے جس پر اسے دلی مبارکباد دی جانی چاہیے۔ قادیانیت کا سرچشمہ پاکستان ہی میں ہے وہیں سے سارے عالم میں اس فتنے کی تحریک اور پرورش ہو رہی تھی، اس لیے پاکستانی حکومت ہی کا فرض تھا کہ وہ اس چشمے پر بند باندھے اور دنیا کے سارے انسانوں کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً آگاہ کردے کہ اسلام کی تبلیغ کے نام سے قادیانیت کی جو تبلیغ نہایت اعلیٰ وسائل کے ساتھ ہو رہی ہے اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے ــ اس کارِ خیر میں رابطۂ عالم اسلامی (مکہ مکرمہ) کا بھی بڑا حصہ ہے کہ اس نے پاکستانی علمائے اسلام اور عامۃ المسلمین کے اس مسلسل مطالبے کو (کہ قادیانیوں کو اُمتِ مسلمہ سے خارج قرار دیا جائے) اسلام کی مذہبی نمائندگی کی سطح پر ایک عالمی مطالبے کی حیثیت میں لاکر بہت باوزن اور پاکستانی حکومت کے لیے سنجیدگی کے ساتھ قابلِ توجہ بنا دیا۔ رابطہ کی یہ جدوجہد انشاء اللہ اسکی اہم ترین نیکیوں میں شمار ہوگی۔

قادیانی جو تقریباً ایک صدی سے اپنے آپ کو اسلام کے ساتھ چپکائے رکھنے پر مصر تھے اور طرح طرح کی پُر فریب دلیلوں سے اس حقیقت کو غلط ٹھہراتے تھے کہ وہ اسلام کے نام سے ایک نئے مذہب کے پیرو اور داعی ہیں وہ پاکستان کی قومی اسمبلی کے اس فیصلے کے بعد یقیناً اور

زور وشور سے اپنی مظلومیت کا رونا روئیں گے اور ناواقف مسلمانوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کریں گے کہ انھیں اسلام سے خارج قرار دینا ایک صریح زیادتی ہے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ پاکستان میں جس بنیاد پر ان کو غیر مسلم قرار دینے کا فیصلہ کیا گیا ہے اس بنیاد کی ایک عام فہم تشریح کر دی جائے تاکہ کوئی سچا مسلمان اس معاملے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہونے پائے ـــــــ اس تشریح کے سلسلے میں چند بنیادی باتیں پہلے سمجھنے کی ہیں۔

**پہلا نکتہ** اس سلسلے میں سب سے پہلے سمجھنے کی بات یہ ہے کہ جو دینی حقیقتیں اور دینی باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم تک پہونچی ہیں ان میں سے زیادہ تر تو وہ ہیں جن کے بارے میں اگرچہ ہمیں اطمینان ہے کہ ان کا ثبوت اس درجہ کا ہے کہ ہمارے لیے ان کا ماننا اور اگر وہ عمل سے متعلق ہیں تو اُن پر عمل کرنا ضروری ہے، لیکن پھر بھی ان کا ثبوت ہر قسم کے احتمال وتشکیک اور اشتباہ و التباس سے بالاتر ایسا یقینی اور قطعی اور بدیہی نہیں ہے کہ ہم اُن کے نہ ماننے کو قطعیت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا نہ ماننا کہہ سکیں، اور اس کو کفر و انکار قرار دے سکیں۔ دین و شریعت کے زیادہ تر اجزاء و عناصر کا یہی حال ہے۔

لیکن کچھ دینی حقیقتیں اور دینی باتیں ایسی بھی یقیناً ہیں جن کی حیثیت یہ ہے کہ مثلاً جس درجہ کے یقینی اور غیر مشکوک ذرائع سے اور جس قسم کے تواتر سے ہم کو یہ معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور اللہ کے پیغمبر کی حیثیت سے ایک دین کی طرف اپنے زمانہ کے لوگوں کو بلایا تھا اسی درجہ کی نقل و روایت اور اسی قسم کے تواتر سے ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ نے اپنی دینی ہدایت اور دعوت کے سلسلے میں یہ یہ چیزیں خاص طور سے فرمائی تھیں ـــــــ مثلاً یہ بات کہ آپ نے "لا الٰہ الا اللہ" یعنی توحید کی دعوت دی تھی اور بُت پرستی کو شرک قرار دیا تھا ـــــــ اور مثلاً یہ بات کہ آپ نے قرآن پاک کو کتاب اللہ کی حیثیت سے پیش کیا تھا ـــــــ اور مثلاً یہ بات کہ آپ قیامت کا آنا بیان فرماتے تھے، اور مثلاً یہ بات کہ آپ نماز، زکوٰۃ، روزہ، اور حج کا حکم دیتے تھے ـــــــ تو یہ اور ان جیسی بہت سی دینی حقیقتیں ہیں جن کا ثبوت ہر قسم کے وہم و شک اور احتمال و تشکیک سے بالاتر اُسی درجہ کے تواتر سے ہم تک پہونچا ہے جس درجہ کے تواتر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی دعوت پہونچی ہے، اور ہر دور

میں اُمت کے تمام طبقات میں ان کی ایسی ہی شہرت رہی ہے۔

الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان دینی حقیقتوں کا ثبوت ایسا یقینی، قطعی اور بدیہی ہو کہ ان کا نہ ماننا بلاشبہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ حقیقت کا نہ ماننا ہے۔

خالص علمی اور دینی اصطلاح میں دین کی ایسی حقیقتوں کو **ضروریات دین** کہتے ہیں۔

**دوسرا نکتہ** اس کے بعد ہمیں عرض کرنا ہے کہ جو شخص اسلام و کفر کے معنی وہی جانتا ہو جو کتاب و سنت سے، اور اُمتِ مسلمہ کے متواتر تعامل سے علماء سلف وخلف نے اب تک سمجھے ہیں اس کو غالباً اس بات سے اختلاف اور انکار نہ ہوگا کہ مومن ومسلم ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ان "ضروریاتِ دین" میں سے کسی حقیقت کا منکر نہ ہو۔ اگر یہ بھی ضروری نہ ہو تو پھر اس کے معنی یہ ہوں گے کہ مومن ومسلم ہونے کے لیے سرے سے کسی حقیقت کا ماننا ضروری نہیں، اور شاید اس سے زیادہ مہمل اور بے معنی بات دین کے بارے میں اور نہیں کہی جا سکتی۔

**تیسرا نکتہ** اب فرض کیجئے کہ ان ہی دینی حقیقتوں میں سے (جن کو ضروریات دین کہا جاتا ہے) کسی حقیقت کے بارے میں ایک شخص کہتا ہے کہ میں اس کو مانتا ہوں، لیکن وہ اس کے معنی بالکل نئے گڑھتا ہے۔ مثلاً وہ کہتا ہے کہ میں "لا الٰہ الا اللہ" کو مانتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، لیکن لوگوں نے جانا نہیں، وہ میں خود ہوں میں نے اب اس شکل وصورت میں ظہور کیا ہے جس میں تم مجھے دیکھ رہے ہو، اور قرآن میری نازل کردہ کتاب ہے، اور محمدؐ میرے بھیجے ہوئے رسول تھے (معاذ اللہ) ــــ یا فرض کیجئے کہ وہ اپنے بارے میں یہ نہیں کہتا، بلکہ کسی مقبول ہستی کے بارے میں یہ بات کہتا ہے، یعنی "لا الٰہ الا اللہ" کو مانتے ہوئے وہ اس کا مصداق اس مقبول ہستی کو بتلاتا ہے (جیسا کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کے بارے میں غلو کرنے والے کچھ عقل باختوں کے متعلق نقل بھی کیا گیا ہے کہ وہ اپنے کو مسلمانوں میں شمار کرتے تھے، "لا الٰہ الا اللہ" پڑھتے تھے، اور اللہ کا ظہور یا مصداق حضرت علیؓ کو ٹھہراتے تھے) ــــ

یا مثلاً فرض کیجئے کہ ایک شخص کہتا ہے کہ میں کلمہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کو مانتا ہوں لیکن اس کا مطلب وہ نہیں ہے جو عام مسلمان اب تک سمجھتے رہے۔ بلکہ اس کا مطلب (معاذ اللہ) یہ ہے کہ کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا، اور وہ اللہ خود محمدؐ ہیں جو "رسول اللہ" کے روپ میں

آ گئے ہیں ـــــ یا مثلاً ایک شخص، قیامت کے بارے میں کہتا ہے کہ میں قیامت کو مانتا ہوں، لیکن اس کی حقیقت وہ نہیں ہے جو عام مسلمان سمجھے ہوئے ہیں، اور خواہ مخواہ اس کے انتظار کی تکلیف اُٹھا رہے ہیں، بلکہ اس کا مطلب صرف ایک دور کا خاتمہ اور دوسرے دور کا آغاز ہے، جو ہو بھی چکا، اور مسلمان جس توڑ پھوڑ والی قیامت کے منتظر ہیں، وہ کبھی آنے والی نہیں ـــــ یا مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ میں قرآن کو خدا کی کتاب مانتا ہوں، لیکن اس بارے میں میرا خیال اور تصوّر وہ نہیں ہے جو عام مسلمانوں کا ہے، بلکہ میرے نزدیک اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ دراصل تو یہ رسول اللہؐ کی تالیف ہے، اور خود اُن کا کلام ہے، لیکن اس میں جو باتیں ہیں، اور جن خیالات کو ظاہر کیا گیا ہے چونکہ وہ اللہ کی مرضی کے مطابق ہیں، یا یوں کہہ لیجئے کہ اللہ نے ہی ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دماغ میں پیدا کیا تھا، اس لیے قرآن کو کتاب اللہ کہہ دیا جاتا ہے۔[۱]

تو غور طلب سوال یہ ہے کہ کیا ایسے گمراہوں کے متعلق یہ کہا جائے گا کہ یہ بیچارے مکذّب اور منکر نہیں، بلکہ مؤوّل ہیں، اور اس لیے مسلمان ہی ہیں، یا یہ کہا جائے گا کہ یہ زندیق تاویل اور تحریف کے ساتھ دینی حقیقتوں کی تکذیب کرتے ہیں، اور انھوں نے یہ رویہ اختیار کر کے دین محمدیؐ سے اپنا رشتہ کاٹ لیا ہے؟

کھُلی ہوئی بات ہے کہ تاویل کے ساتھ "ضروریاتِ دین" کا انکار کرنے والوں کو مومن ومسلم کہنے کی گنجائش جب ہی نکل سکتی ہے کہ پہلے اس بات کو مان لیا جائے کہ ان ضروریات دین کی بھی کوئی حقیقت متعین نہیں ہے جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہ ہو اور اس کے معنی یہ ہوں گے کہ سرے سے خود اسلام ہی کی حقیقت متعین نہیں کیونکہ "ضروریاتِ دین" تو اس کے اوّل درجہ کے بیّنات ہیں۔

اسی لیے متقدمین اور متاخرین میں سے جنھوں نے بھی اس مسئلہ پر گفتگو کی ہے۔ وہ سب اس پر متفق ہیں، کہ ضروریات دین میں تاویل، مآل اور حکم کے لحاظ سے تکذیب ہی ہے۔

---

[۱] واضح رہے کہ یہ سب محض فرضی مثالیں نہیں ہیں بلکہ ان میں بعض باتیں وہ ہیں جن کے کہنے والے پہلے کسی زمانہ میں گزرے ہیں بعض وہ ہیں جن کے کہنے والے اب بھی موجود ہیں اور قرآن پاک کے متعلق یہ بات تو ابھی چند سال ہوئے نیاز فتحپوری صاحب نے کہی تھی"

**اس متفقہ مسئلہ کی نوعیت** اور واضح رہے کہ یہ کوئی فرعی اجتہادی مسئلہ نہیں ہے، بلکہ کفر و اسلام کی حقیقت اور اس کی حد و د کا اصولی اور بنیادی مسئلہ ہے، متقدمین و متاخرین اہلِ حق میں سے ایک کا بھی نام نہیں بتایا جا سکتا جس نے اس اصول سے اختلاف کیا ہو، اور تاویل کے ساتھ ضروریاتِ دین کے انکار کو کفر نہ قرار دیا ہو، ہاں کسی شخص یا گروہ پر اس اصول کے انطباق اور اطلاق میں واقفیت اور عدم واقفیت کی بنا پر یا دوسرے وجوہ سے دو رائیں ہو سکتی ہیں، اور کسی کی تکفیر کے بارے میں جو ہاں خود محققین و محتاطین اہلِ حق میں اختلاف ہوا ہے وہ عموماً اطلاق اور انطباق ہی میں ہوا ہے۔ بہرحال تمام سلف و خلف اہلِ حق میں سے کسی ایک کو بھی اس اصول سے اختلاف نہیں ہے کہ ضروریاتِ دین کا انکار اگرچہ تاویل کے ساتھ ہو بہرحال وہ اسلام سے رشتہ کاٹ دیتا ہے۔

**ختم نبوت کا عقیدہ** اس کے بعد عرض کرنا ہے، کہ جو شخص دین کا کچھ بھی علم رکھتا ہے وہ یہ ضرور جانتا ہے کہ "ختم نبوت کا عقیدہ" یعنی "ختم نبوت" اور "خاتم النبین" کے صرف الفاظ نہیں بلکہ یہ حقیقت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، اور اب کوئی نیا نبی قیامت تک مبعوث نہیں ہوگا — "ضروریاتِ دین" میں سے ہے۔ یعنی ناقابلِ شک یقین پیدا کرنے والے تواتر کے جن ذرائع سے ہمیں مثلاً یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور اپنے کو نبی کی حیثیت سے پیش کیا تھا اور قرآن پاک کو کتاب اللہ بتلایا تھا، اور آپ توحید اور نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے، ان ہی ذرائع سے اور بالکل ویسے ہی تواتر سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ آپ نے اپنے بارہ میں یہ بھی بتلایا تھا کہ سلسلۂ نبوت مجھ پر ختم کر دیا گیا — میں خاتم النبیین ہوں، اور اب میرے بعد کوئی نیا نبی اللہ کی طرف سے نہیں آئے گا — الغرض یہ عقیدہ اور یہ دینی حقیقت بھی دین کی خاص اصطلاح میں "ضروریاتِ دین" میں سے ہے، اور کسی شخص کے مسلمان ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اس کا انکار نہ کرے، اور نہ اس کی ایسی کوئی تاویل اور توجیہ کرے جس سے ختم نبوت کی مذکورۂ بالا حقیقت کا انکار اور ابطال ہوتا ہو۔

**قادیانیوں کا مسئلہ** اب آخری کڑی اس بحث کی یہ ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی کتابیں جس شخص نے پڑھی ہیں اُسے اس بات میں شبہ کرنے کی گنجائش نہیں

کہ جن الفاظ و عبارات میں نبوت کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے، اور اگلے پیغمبروں نے کیا ہے، مرزا صاحب نے اُن ہی الفاظ و عبارات میں اپنے لیے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، جو لوگ اس حقیقت سے انکار کرتے ہیں وہ اگر ہٹ دھرم نہیں ہیں تو وہ سوچیں کہ نبوت کا دعویٰ کن لفظوں اور کن عبارتوں میں ہوتا ہے، اور پھر وہ مرزا صاحب کی اس سلسلہ کی عبارات کا مطالعہ کریں —— اور خیر جانے دیجیے مرزا صاحب کے معاملہ کو کہ لاہوری پارٹی*١ کے غیر منطقی وجوہ نے ان کے معاملہ کو (واقعةً قابلِ اشتباہ نہ ہونے کے باوجود) بعض شکّی لوگوں کے لیے ہم مان سکتے ہیں کہ کسی درجہ میں اب مشتبہ کر دیا ہے لیکن موجودہ قادیانی پارٹی کا معاملہ تو بالکل صاف ہے وہ تو کھلے بندوں مرزا صاحب کے لیے حقیقی نبوت اور اُس کے لوازم ثابت کرتے ہیں اور بغیر کسی لاگ لپیٹ کے کہتے ہیں کہ وہ ٹھیک اُسی معنیٰ کر، اور اُسی قسم کے حقیقی نبی تھے جس معنیٰ کر اور جیسے نبی پہلے آتے رہے اور اگلے نبیوں کے نہ ماننے والے جس طرح کافر ہیں، اور نجات کے مستحق نہیں اُسی طرح مرزا صاحب کے نہ ماننے والے سارے مسلمان بھی کافر اور نجات سے محروم رہنے والے ہیں۔

جن لوگوں نے اُن تحریروں کو پڑھا ہے، جو "نبوت" اور "تکفیر" کے مسئلہ پر لاہوری پارٹی کے جواب میں قادیانی پارٹی کے ذمہ داروں کی طرف سے کتابی صورت میں، اور اخبارات میں شائع ہوتی رہی ہیں، وہ جانتے ہیں کہ اس بارے میں ان لوگوں نے کسی بڑے سے بڑے شکّی اور تاویلی آدمی کے لیے بھی کسی شک و شبہ کی، اور کسی تاویل کی گنجائش نہیں چھوڑی ہے

آئیے ان تحریروں کے چند اقتباسات ہم یہاں بھی پیش کرتے ہیں۔

**دعوائے نبوت** قادیانی امت کے دوسرے امام اور مرزا غلام احمد قادیانی کے فرزند مرزا بشیر الدین محمود نے اب سے ساٹھ سال پہلے ۱۹۱۵ء میں —— "حقیقۃ النبوۃ" کے نام سے ایک کتاب شائع کی تھی جس کا موضوع ہی لاہوری پارٹی کے مقابلہ میں مرزا صاحب کو نبی (یعنی شرعی معنیٰ کے لحاظ سے حقیقی نبی) ثابت کرنا ہے۔

---

*١ مرزا غلام احمد قادیانی کے ماننے والوں کا ایک چھوٹا سا گروہ جو کہتا ہے کہ وہ معروف اصطلاحی معنوں میں نبی ہونے کے مدعی نہیں بلکہ صرف "مہدی" اور "اس آنے والے مسیح ہونے" کے مدعی تھے جس کی خبر حدیثوں میں دی گئی ہے۔

اس کی لوح پر لکھا ہوا ہے کہ اس میں "مسیح موعود مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت و رسالت براہین قاطعہ کے ساتھ ثابت کی گئی ہے۔"

اس کے ص ۱۸۴ سے ص ۲۳۲ تک (گویا پورے پچاس صفحے پر) لاہوریوں پر حجت قائم کرنے کے لیے مرزا غلام احمد کی نبوت کے دلائل دیے گئے ہیں۔ یہ کل ۲۰ دلائل ہیں، ان میں سے ساتویں دلیل یہ ہے کہ مرزا صاحب نے خود اپنے کو نبی و رسول کہا ہے اور اپنے لیے نبوت و رسالت کا دعویٰ کیا ہے ــــ اور پھر گن کر ۲۹ عبارتیں مرزا صاحب کی کتابوں سے مرزا محمود نے نقل کی ہیں جن میں مرزا صاحب نے اپنے کو نبی و رسول کہا ہے اور نبوت و رسالت کا صاف و صریح دعویٰ کیا ہے ــــ ان ہی میں سے چند عبارتیں ہم یہاں درج کرتے ہیں۔ یہ عبارتیں اگرچہ ہم نے خود مرزا صاحب کی کتابوں میں بھی پڑھی ہیں لیکن اس وقت ہم ان کو "حقیقۃ النبوۃ" سے نقل کر رہے ہیں۔

(۱) "میں اُس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اُسی نے مجھے بھیجا ہے اور اسی نے میرا نام نبی رکھا ہے" (تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۶۸)

(۲) "میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں" (مرزا صاحب کا آخری خط مندرجہ اخبار عام ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء)

(۳) "ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول و نبی ہیں" (بدر ۵ مارچ ۱۹۰۸ء)

(۴) "پس اس میں کیا شک ہے کہ میری پیشین گوئیوں کے بعد دنیا میں زلزلوں اور دوسری آفات کا سلسلہ شروع ہو جانا میری سچائی کے لیے ایک نشان ہے۔ یاد رہے کہ خدا کے رسول کی خواہ کسی حصۂ زمین میں تکذیب ہو مگر اس کی تکذیب کے وقت دوسرے مجرم بھی پکڑے جاتے ہیں۔" (حقیقۃ الوحی ص ۱۶۱)

(۵) کانگڑہ اور بھاگسو کے پہاڑ کے صدہا آدمی زلزلے سے ہلاک ہو گئے۔ ان کا کیا قصور تھا انھوں نے کون سی تکذیب کی تھی، سو یاد رہے کہ جب خدا کے کسی مرسل کی تکذیب کی جاتی ہے خواہ وہ تکذیب کوئی خاص قوم کرے یا کسی خاص حصۂ زمین میں ہو مگر خدا تعالیٰ کی غیرت عام عذاب نازل کرتی ہے (حقیقۃ الوحی ص ۱۶۲)

(۶) "پس خدا نے اپنی سنت کے موافق ایک نبی کے مبعوث ہونے تک وہ عذاب ملتوی رکھا اور جب وہ نبی مبعوث ہو گیا......... تب وہ وقت آیا کہ ان کو ان کے جرائم کی سزا دی جائے۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی صد ۵۲)

(۷) "سخت عذاب بغیر نبی قائم ہونے کے آتا ہی نہیں جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ ایک طرف تو طاعون ملک کو کھا رہی ہے اور دوسری طرف ہیبت ناک زلزلے پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اے غافلو تلاش کرو شاید تم میں خدا کی طرف سے کوئی نبی قائم ہو گیا ہے جس کی تم تکذیب کر رہے ہو۔" (تجلیات الٰہیہ صد ۹)

(۸) "خدا نے نہ چاہا کہ اپنے رسول کو بغیر گواہی چھوڑے۔" (دافع البلاء صد ۸)

(۹) "خدا تعالےٰ ..... قادیان کو اس طاعون کی خوفناک تباہی سے محفوظ رکھے گا۔ کیونکہ یہ اس کے رسول کا تخت گاہ ہے۔" (دافع البلاء صد ۱۰)

(۱۰) سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔" (دافع البلاء صد ۱۱)

(حقیقۃ النبوۃ از مرزا محمود صد ۲۱۲ و ۲۱۳ و ۲۱۴)

یہ مرزا صاحب کی اپنی عبارتیں ہیں، انصاف سے غور کیا جائے کہ ان میں کسی تاویل کی کیا گنجائش ہے ــــــ ان کے علاوہ مرزا صاحب نے جو خدائی الہامات گھڑے ہیں۔ اُن میں بھی وہ سیکڑوں جگہ خدا کی طرف سے اپنے کو نبی و رسول کہتے ہیں ــــ مرزا محمود نے "حقیقۃ النبوۃ" میں ان الہامات کو بھی اپنے باپ کی نبوت کی مستقل دلیل قرار دیا ہے اور ۳۹ ہی ایسے الہام بھی ذکر کیے ہیں۔ ہم ان میں سے بھی صرف ۱۰ ہی یہاں نقل کرتے ہیں۔

(۱) "ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق و تہذیب الاخلاق"

(۲) "انی مع الرسول اقوم و الوم من یلوم"

(۳) "انی مع الرسول اقوم و افطر و اصوم"

(۴) "سیقول العدو لست مرسلا سناخذہ من مارن او خرطوم"

(۵) "انی مع الرسول اقوم و من یلومہ الوم"

(۶) "انی مع الرسول اقوم ولن ابرح الارض الی الوقت المعلوم"

(۷) "انی مع الرسول اقوم وادوم مایروم"

(۸) "انی مع الرسول فقط

(۹) "انا ارسلنا احمد الی قوم فاعرضوا وقالوکذاب اشر"

عربی زبان کا صحیح ذوق رکھنے والے ہی سمجھ سکتے ہیں کہ ایسی مہمل تک بندیوں کو حق تعالیٰ شانہٗ کی وحی بتانا افترا علی اللہ ہونے کے علاوہ کتنی بڑی جہالت اور بے حیائی ہے لیکن اس وقت ان چیزوں سے بالکل بحث نہیں، یہاں تو ان مہملات کے نقل کرنے سے غرض صرف یہ ہے کہ اس شخص کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ اللہ کی وحی اور اُس کے الہامات ہیں جن میں مجھے نبی و رسول یا مرسل کہا گیا ہے ــــ آخر میں اس سلسلہ کا ایک اُردو الہام بھی سُن لیجئے۔

(۱۰) دنیا میں ایک نبی آیا پر دنیا نے اُس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔

مرزا محمود نے "حقیقۃ النبوۃ" میں اس قسم کے ۱۳۹ الہام نقل کر کے (جن میں سے دس ناظرین نے یہاں ملاحظہ فرمائے) لکھا ہے کہ:-

"اب یہ کس طرح ممکن ہے کہ اس قدر الہامات کی موجودگی میں ہم حضرت مسیح موعود کو غیر نبی قرار دیں اللہ تعالیٰ تو ایک دفعہ نہیں دو دو دفعہ نہیں بیسیوں اور سیکڑوں دفعہ آپ کو نبی کے نام سے یاد فرماتا ہے اور ہم سب جگہ یہ تاویل کر لیں کہ ان سب الہامات سے مراد اسی قدر ہے کہ آپ نبی نہیں مگر نبیوں کی کوئی صفت آپ میں پائی جاتی ہے۔ کیا اس کی نظیر دنیا میں کسی اور انسان میں بھی ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بار بار نبی کہہ کر پکارتا ہے لیکن در حقیقت وہ نبی نہیں ہوتا۔"

"کیا سب نبیوں کو ہم اس لیے نبی نہیں مانتے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو نبی کہا ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ وہی خدا جس نے موسیٰ سے کہا تو نبی ہے تو وہ نبی ہو گیا اور عیسیٰ سے کہا کہ تو نبی ہو تو وہ نبی ہو گیا۔ لیکن آج مسیح موعود سے کہتا ہے کہ تو نبی ہے تو وہ نبی نہیں ہوتا۔ اگر نبی بنانے کے لیے کوئی اور لفظ ہوتے ہیں تو انھیں ہمارے سامنے پیش کرو جن سے ہمیں معلوم ہو سکے

کہ پہلے نبیوں کو تو اس طرح نبی کہا جاتا تھا تب وہ نبی ہوتے تھے اور مسیح موعود کو اس کے خلاف کسی اور طرح نبی کہا گیا ہے پس وہ نبی نہیں ہوئے کیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونیوالی یقینی وحی کی موجودگی میں کوئی شخص مسیح موعود کی نبوت کا انکار کر سکتا ہے اور جو شخص انکار کرتا ہے اسے ضرور پہلے نبیوں کا بھی انکار کرنا پڑے گا کیونکہ حضرت موسیٰ اور حضرت مسیح کی نبوت جن دلائل اور جن الفاظ سے ثابت ہوتی ہے اُن سے بڑھ کر دلائل اور صاف الفاظ حضرت مسیح موعود کی نبوت کے متعلق موجود ہیں ان کے ہوتے ہوئے اگر مسیح موعود نبی نہیں تو دنیا میں آج تک کبھی کوئی نبی ہوا ہی نہیں۔" (حقیقۃ النبوۃ ص۲۰۰ و ۲۰۱)

جیسا کہ ہم اوپر عرض کر چکے ہیں واقعہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک مرزا غلام احمد کی عبارتوں میں بھی کسی تاویل و توجیہ کی گنجائش نہیں ہے اور محمد علی لاہوری ایم اے وغیرہ نے ان عبارات میں اب تک جو تاویلیں کی ہیں ہمارے نزدیک تو وہ صرف اس بات کے دلائل ہیں کہ ایک اچھا خاصا پڑھا لکھا آدمی بھی جب کسی غلط اور صریحاً غلط بات کو ماننے کی ہی ٹھان لے اور اللہ کی توفیق نصیب نہ ہو تو پھر علم اور عقل کی کوئی روشنی اُسے اُس غلطی سے نہیں بچا سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے خواجہ کمال الدین اور محمد علی ایم۔ اے جیسوں کی شکل میں ہمیں یہ نمونے دکھلائے تاکہ سمجھنے والے سمجھیں کہ سعادت اور ہدایت کسی کو بلا اللہ کی توفیق کے نہیں ملتی۔

بہرحال ہم تو پوری دیانت اور بصیرت سے یہ سمجھتے ہیں کہ مرزا غلام احمد کے دعوائے نبوت میں کسی تاویل و توجیہ کی گنجائش نہیں۔ لیکن اگر کسی ایسے صاحب کو جنھوں نے قادیانی لٹریچر کا زیادہ مطالعہ نہیں کیا ہے، لاہوری پارٹی کی تاویلوں کی وجہ سے یا خود مرزا غلام احمد کی بعض دوسری دجل آفریں تلبیسی عبارات کی وجہ سے اشتباہ اور تردد ہو تو ہمارے نزدیک اس کا امکان اور اس کی گنجائش ہے لیکن سوال یہ ہے کہ مرزا محمود اور اُن کی پارٹی جن کو نبوت کے مسئلہ پر اصرار ہے اور جو صاف کہتے ہیں کہ ہم مرزا صاحب کو انھیں معنوں میں نبی مانتے ہیں جن معنوں میں پہلے نبیوں کو قرآن و حدیث میں نبی کہا گیا ہے اور جو اپنے اس عقیدے پر دلیلیں پیش کرتے ہیں اور مسلمانوں سے اس موضوع پر مناظرے کرتے ہیں، آخر ان کے بارہ میں اشتباہ یا تردد کی کیا گنجائش ہے۔

اگرچہ اہل انصاف اور طالبانِ حق کے لیے مرزا محمود کی مندرجہ بالا عبارت ہی کافی ہے، لیکن اسی کتاب "حقیقۃ النبوۃ" کی چند عبارتیں اور بھی پڑھ لیجئے۔

(۱) "آپ (یعنی مرزا صاحب) نبی ہیں اور خدا نے اور اس کے رسول نے ان ہی الفاظ میں آپ کو نبی کہا ہے جن میں قرآن کریم اور احادیث میں پچھلے نبیوں کو نبی کہا گیا ہے۔" (صٓ)

(۲) "پس اس میں کیا شک ہے کہ حضرت مسیح موعود قرآن کریم کے معنوں کی رو سے بھی نبی ہیں اور لغت کے معنوں کی رو سے بھی نبی ہیں۔" (ص۱۱۶)

(۳) "پس شریعت اسلام نبی کے جو معنی کرتی ہے اس معنی کر حضرت صاحب ہرگز مجازی نبی نہیں ہیں بلکہ حقیقی نبی ہیں۔" (ص۱۷۴)

(۴) "بلحاظ نبوت ہم بھی مرزا صاحب کو پہلے نبیوں کے مطابق مانتے ہیں۔" (ص۲۹۲)

لاہوری پارٹی مرزا غلام احمد کی ایسی جن عبارتوں کو پیش کرتی ہے جن میں انھوں نے دعوائے نبوت سے کبھی انکار کیا ہے یا اپنی نبوت کو جزئی اور ناقص اور نبوت محدّثیت بتلایا ہے ان کے متعلق مرزا محمود نے طویل بحث کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ۱۹۰۱ء تک مرزا صاحب کا یہ خیال تھا کہ میری نبوت جزئی اور ناقص نبوت ہے اور اس کا مطلب گویا محدثیت ہے۔ لیکن ۱۹۰۱ء میں خدا کی وحی نے ان کو اس طرف متوجہ کیا کہ ان کی نبوت جزئی نہیں ہے بلکہ ان کی نبوت وہی نبوت ہے جو اگلے نبیوں کی تھی چنانچہ اس کے بعد سے عقیدہ بدل گیا پھر آپ نے اپنی نبوت کو جزئی یا ناقص نہیں کہا — یہ پوری بحث بہت طویل ہے اور فضول تکرار سے بھری ہوئی ہے۔ سب کے نقل کرنے کی گنجائش نہیں، چند فقرے جن میں اصل بات آگئی ہے یہ ہیں:۔

(۵) "... جن کتب میں آپ نے اپنے نبی ہونے سے صریح الفاظ میں انکار کیا ہے اور اپنی نبوت کو جزئی اور ناقص اور محدّثوں کی نبوت قرار دیا ہے وہ سب کی سب بلا استثناء ۱۹۰۱ء سے پہلے کی کتب ہیں اور ۱۹۰۱ء کے بعد کی کتب میں سے ایک کتاب میں بھی اپنی نبوت کو جزئی قرار نہیں دیا اور نہ ناقص اور نہ نبوت محدثیت۔" (ص۱۲۰)

(۶) "سنہ ۱۹۰۱ء سے پہلے کے حوالے جن میں آپ نے نبی ہونے سے انکار کیا ہے اب منسوخ ہیں اور اُن سے حجت پکڑنی غلط ہے" (صلا ۱۲۱)

(۷) "پہلے بھی (یعنی سنہ ۱۹۰۱ء سے پہلے بھی) نبی کے نام سے آپ کو پکارا جاتا تھا لیکن آپ اس کی تاویل کرتے رہتے تھے لیکن جب بار بار الہامات میں آپ کو اللہ تعالےٰ نے نبی و رسول کے نام سے پکارا تو آپ کو معلوم ہوا کہ آپ واقعہ میں نبی ہیں غیر نبی نہیں جیسا کہ پہلے سمجھتے تھے اور نبی کا لفظ جو آپ کے الہامات میں آتا ہے، صریح ہے قابل تاویل نہیں" (صلا ۱۲۴)

اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ مرزا محمود نے "حقیقۃ النبوۃ" میں لاہوریوں پر حجت قائم کرنے کے لیے قریباً بچاس صفحہ پر اپنے باپ کی نبوّت کی دلیلیں دی ہیں۔ یہ کل ۲۰ دلیلیں ہیں ناظرین ذرا اس سلسلہ کی بھی سیر کر لیں۔

(۸) اول دلیل۔ حضرت مسیح موعود کے نبی ہونے پر یہ ہے کہ جس طرح خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور نوح اور حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب اور حضرت یوسف کو نبی کہہ کر پکارا ہے۔ حضرت مسیح موعود کو بھی قرآن کریم میں رسول کے نام سے یاد فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک تو آیت مُبَشِّراً بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُہٗ اَحْمَدُ ... [1] سے ثابت ہے کہ آنے والے مسیح کا نام اللہ تعالیٰ رسول رکھتا ہے ... پس جس کا نام قرآن کریم رسول رکھتا ہے اس کے نبی اور رسول ہونے میں کیا شک کیا جا سکتا ہے جبکہ ہم پہلے سب نبیوں کو اسی بنا پر مانتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے اُن کا نام نبی رکھا ہے تو مسیح موعود کے رسول نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں جو دلیل پہلوں کے نبی ہونے کی ہے ۔ وہی حضرت مسیح کے نبی ہونے کی ہے اگر حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام نبی و رسول تھے تو مسیح موعود بھی نبی تھے اور اگر حضرت مسیح موعود نبی نہ تھے تو پہلے بزرگ بھی نبی نہ تھے ۔ دونوں کی نبوت پر ایک

---

[1] قادیانیوں کے نزدیک اس آیت میں مرزا غلام احمد کی نبوت اور بعثت کی بشارت دی گئی ہے۔ خود مرزا غلام احمد نے بھی یہی کہا ہے۔

ہی کتاب شاہد ہے۔" (صفحہ ۱)

(۹) دوسری دلیل حضرت مسیح موعود کے نبی ہونے پر یہ ہے کہ آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی کے نام سے یاد فرمایا ہے اور نواس بن سمعان کی حدیث میں نبی اللہ کہہ کے آپ کو پکارا گیا ہے[1] پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شاہد ہیں اس امر کے کہ حضرت مسیح موعود نبی ہیں ..... جسے خدا تعالیٰ قرآن کریم میں رسول کہتا ہے اور ھوالذی ارسل رسولہ بالھدیٰ میں اس کی نسبت پیشین گوئی کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے نبی ہونے کی شہادت دیتے ہیں اس کی نبوت کا انکار کرنا کسی مومن کے لیے جائز نہیں ہو سکتا۔" (ص ۱۸۹ و ۱۹۰)

(۱۰) تیسری شہادت :۔ مسیح موعود کے نبی ہونے پر انبیاء گزشتہ کی شہادت ہے، سب سے پرانی شہادت زرتشت نبی کی ہے جو ایران کا ایک نبی ہے .... دوسری شہادت کرشن نبی کی ہے ..... تیسری شہادت دانیال نبی کی ہے ......... پھر کتاب طالمود میں بھی مسیح موعود کا نام نبی رکھا گیا ہے۔"

"اب میں تمام صداقت پسندوں سے جن کا دعویٰ ہے کہ وہ حق کو قبول کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں، پوچھتا ہوں کہ کیا یہ بات عقل سلیم تسلیم کر سکتی ہے کہ ایک شخص جو غیر نبی ہے اس کی نسبت ہزاروں سال پہلے سے انبیاء خبریں دے رہے تھے .... کیا ان سب نبیوں کی شہادتوں کے باوجود جو انھوں نے ہزاروں سال پہلے دی تھیں، ہم مسیح موعود کو غیر نبی تسلیم کر سکتے ہیں اور ان تمام پیشین گوئیوں میں جہاں جہاں اُسے نبی کہہ کے یاد کیا گیا ہے ان سب مقامات کی یہ تاویل کر سکتے ہیں کہ نبی سے مراد نبی نہیں بلکہ کسی مشابہت کی وجہ سے نبی کہہ دیا گیا ہے آخر تاویل کی بھی کوئی حد ہوتی ہے ..... میں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ جو کوئی شخص خالی بالطبع ہو کر اس بات پر غور کرے گا تو

---

[1] اس حدیث میں حضرت مسیح بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبی کہا گیا ہے اور آخر زمانہ میں اُن کے نزول کی خبر دی گئی ہے مرزا غلام احمد اپنے کو اس کا مصداق کہتا ہے اور اُس کی امت اس روایت کے لفظ نبی اللہ سے اس کی نبوت ثابت کرتی ہے۔ ۱۲

اُسے اس خیال کی لغویت خود ہی معلوم ہو جائے گی اور روز روشن کی طرح اس پر ظاہر ہو جائے گا کہ مسیح موعود ضرور نبی ہے کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ ایک شخص کا نام قرآن کریم نبی رکھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی رکھیں، کرشن نبی رکھے، زرتشت نبی رکھے، دانیال نبی رکھے اور ہزاروں سالوں سے اسکے آنے کی خبریں دی جا رہی ہوں لیکن باوجود ان سب شہادتوں کے وہ پھر بھی غیرنبی کا غیرنبی ہی رہے اور سب پچھلے نبیوں کی بات، قرآن کریم کی شہادت، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی تاویل کرلی جائے۔ اگر تاویل ہی کرنی ہے تو کیوں اپنے خیالات اور گمانوں کی تاویل نہ کی جائے اور کیوں بلا سبب اس قدر شہادتوں کو ان کی حقیقت سے پھیر دیا جائے اور اس قدر زبردست ثبوتوں سے منھ پھیر لیا جائے۔ (حقیقۃ النبوۃ صفحہ ۹۷،۹۸،۹۹)

اور پھر بات صرف کتابوں اور عبارتوں ہی کی نہیں ہے۔ قادیانی مناظرین خاص اس موضوع پر مناظرے کرتے ہیں۔ "اجرائے نبوت" ان کے مناظروں اور مقرروں کی تقریروں کا عنوان ہوتا ہے اور جنھوں نے ان قادیانی مناظرین اور مقررین کی اس موضوع پر تقریریں سنی ہیں وہ جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کے ختم نہ ہونے پر اور آپ کے بعد بھی نبوت کے جاری رہنے پر یہ لوگ زبان اور دماغ کا کتنا زور صرف کرتے ہیں اور ختم نبوت سے متعلق آیات و احادیث میں کیسی کیسی تحریفیں کرتے ہیں اور مرزا غلام احمد کے نبی ثابت کرنے پر کتنے زور لگاتے ہیں۔

بہرحال "وفات مسیح" کی طرح "اجراء نبوت" قادیانی علم کلام کا خاص مسئلہ ہے اور مرزا قادیانی کی نبوت ہی کی بنیاد پر قادیانی اُمّت اُن کے نہ ماننے والے اور ان کی تکذیب کرنے والے سارے مسلمانوں کو کافر کہتی ہے۔

**مرزا کو نہ ماننے والے مسلمانوں کی تکفیر**

قادیانیوں کے ان ہی دوسرے خلیفہ و امام مرزا محمود ہی نے "حقیقۃ النبوۃ" کی تصنیف سے بھی چار سال پہلے یعنی ۱۹۱۱ء میں "تشحیذ الاذہان" میں بغیر کسی لاگ لپیٹ کے پوری صراحت اور صفائی کے ساتھ اس کا اعلان کیا تھا اور خود مرزا غلام احمد کی عبارتوں کے حوالے دیکر ثابت

کیا تھا کہ مرزا صاحب کو نہ ماننے والے اس زمانے کے مسلمان بالکل اسی طرح کافر ہیں جس طرح کہ اصل محمّد صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ماننے والے یہود و نصاریٰ کافر ہیں ___ تشحیذ الاذہان کے اس مضمون میں مرزا محمود نے اس دعوے کے ثبوت میں پہلے اپنے والد مرزا غلام احمد کے ایک خط سے (جو انھوں نے ڈاکٹر عبدالحکیم؏ کو لکھا تھا) ایک عبارت نقل کی ہے جس کا آخری حصہ یہ ہے:۔

"خدا نے مجھے ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا ہے وہ مسلمان نہیں ہے۔"

خط کی یہ عبارت نقل کر کے مرزا محمود کہتے ہیں:۔

"اس عبارت سے مفصلہ ذیل باتیں نکلتی ہیں اول تو یہ کہ حضرت صاحب کو اس بات کا الہام ہوا ہے کہ جس کو آپ کی دعوت پہنچی اور اس نے آپ کو قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں دوسرے یہ کہ اس کے پیچھے وہی لوگ نہیں ہیں کہ جنھوں نے تکفیر میں جا و بیجا کی بلکہ ہر ایک شخص جس نے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں۔" (تشحیذ الاذہان بابت ماہ اپریل ۱۹۱۱ء ص ۱۳۵)

نیز اسی تشحیذ الاذہان میں اسی سلسلہ میں صاف صاف لفظوں میں لکھا ہے۔

جب تبت اور سوئٹزرلینڈ کے باشندے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ ماننے پر کافر ہیں تو ہندوستان کے باشندے مسیح موعود کے نہ ماننے سے کیونکر مومن ٹھیر سکتے ہیں۔ جب حضرت کی مخالفت کے باوجود انسان مسلمان کا مسلمان رہتا ہے تو پھر آپ کی بعثت کا فائدہ ہی کیا ہوا۔ (ص ۱۴۲)

اور اسی بنیاد پر مسلمانوں کے پیچھے نماز پڑھنا اور اُن کی نماز جنازہ میں شریک ہونا اور اپنی لڑکیوں کا ان سے نکاح کرنا وہ بالکل اسی طرح ناجائز سمجھتے ہیں جس طرح کہ دوسرے غیر مسلموں کے ساتھ یہ معاملات کرنا ناجائز ہے ___ یہ اُن کے یہاں کے عام مشہور مسائل ہیں اور اسی پر قادیانی امت کا عمل ہے۔

---

؏ ڈاکٹر صاحب ایک تاریخی شخصیت کے مالک ہیں۔ شروع میں وہ مرزا غلام احمد کے جال میں پھنس کر ان کے مرید ہو گئے لیکن بعد میں سخت مخالف و منکر ہوئے۔

الغرض قادیانیوں (یا ربوہ پارٹی) کا مسئلہ بالکل صاف اور واضح ہے۔ اور ان کی یہ بات قابل تعریف ہے کہ انھوں نے اپنے مسلک کے بیان میں نفاق سے کام نہیں لیا اور اپنے کو اتنا کھول کر پیش کر دیا کہ کسی کے لیے بھی ان کے بارے میں اشتباہ کی گنجائش نہیں رہی۔

ان سب چیزوں کے سامنے آنے کے بعد قادیانی اُمّت کو مسلمان قرار دینے کی صرف یہی صورت ہے کہ اسلام میں نئے نبیوں کے آنے اور اُن پر ایمان لانے کی گنجائش سمجھی جائے اور ظاہر ہے کہ کوئی ایمان والا ہرگز اس کا فرانہ گمراہی کو اپنے لیے پسند نہیں کر سکتا۔

**ختم نبوت کے عقیدے کا ایک خاص پہلو** اصل بحث یہاں ختم ہو چکی، لیکن ختم نبوت کے عقیدے میں اس امت کے ساتھ خدا کی خصوصی عنایت و رحمت کا ایک ایسا پہلو بھی ہے کہ علاوہ ایک حکم خداوندی ہونے کے اس پہلو سے بھی مسلمانوں کو اس عقیدہ کی خاص قدر اور عظمت ہونی چاہیے۔ نبوت کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ نئے نبیوں کا آنا امتوں کے لیے کتنا بڑا اور کتنا سخت امتحان ہوتا ہے اور پہلے پیغمبروں کے ماننے والے کتنے لوگ ہوتے ہیں جو نئے نبی پر ایمان لاتے ہیں ــــــ صرف سب سے آخری دور رسول ہی کو دیکھ لیجیے، عیسیٰ علیہ السلام جب تشریف لائے (اور احیاء موتیٰ جیسے معجزے لے کر تشریف لائے) تو یہودیوں میں سے کتنے اُن پر ایمان لائے اور کتنے انکار کر کے لعنتی اور جہنمی بنے پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے (اور کیسی آیات بینات (کھلی ہوئی نشانیوں) کے ساتھ تشریف لائے، تو یہود و نصاریٰ میں سے یعنی اگلے پیغمبروں اور اگلی کتابوں کے ماننے والوں میں سے کتنے آپ پر ایمان لائے اور کتنے انکار اور کفر کر کے دنیا میں اللہ کی لعنت کے اور آخرت میں ابدی عذاب نار کے مستحق ہوئے ــــــ پس اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا سلسلہ ختم فرما کر یہ رحمت فرمائی کہ اس امت کو اس سخت امتحان سے محفوظ فرما دیا۔ اگر بالفرض نبوت جاری رہتی اور آپ کے بعد کوئی نبی آتا تو یقیناً وہی صورت ہوتی جو پہلے ہمیشہ ہوئی ہے یعنی حضورؐ کی اُمّت کے بہت تھوڑے لوگ اس کو مانتے اور زیادہ تر انکار کر کے (معاذ اللہ) کافر اور لعنتی ہو جاتے۔ پس اللہ تعالیٰ نے نبوت کا سلسلہ ختم فرما کر اس امت کو ہمیشہ کے لیے کفر اور لعنت کے اس خطرہ سے محفوظ

فرمادیا اور امت کو مطمئن فرمادیا کہ تمہاری اور ساری دنیا کی نجات کے لیے بس یہ کافی ہے کہ ہمارے اس رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان ہو اور ان کی ہدایت کا اتباع ہو ——

الغرض "ختم نبوت" صرف ایک دینی مسئلہ اور عقیدہ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ کا عنوان ہے کہ اب سارے انسانوں کے لیے نجات کی آخری شرط بس ہمارے اس رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لانا اور ان کی ہدایت کا اتباع کرنا ہے اس لیے اب قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کو مطمئن اور یکسو ہو کر بس ان کا اتباع کرنا چاہیے۔ انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے سلسلہ میں یہ ہمارا آخری فیصلہ ہے۔

بس اب جو شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے یا جو کسی نئی نبوت کی گنجائش نکالتا ہے وہ اللہ کے اس فیصلہ اور اس کے قائم کیے ہوئے اس سارے دینی نظام کو درہم برہم کرنا چاہتا ہو۔ ذرا اس کے دور رس نتائج پر غور کیجیے، یہ دوسری قسم کی اعتقادی گمراہیوں سے بہت مختلف قسم کی بات ہے اس کا اثر پورے نظام دین پر پڑتا ہے، نئے نبی کی آمد پر اس پر ایمان لانا مدارِ نجات ہو جاتا ہے وہی نبیٔ وقت ہوتا ہے اور اس کے زمانہ کا کوئی شخص جو اس سے پہلے پیغمبروں کی تصدیق کرے لیکن اس کو نہ مانے تو وہ کافر اور اللہ کی لعنت کا مستحق ہو جاتا ہو پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نئی نبوت کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ نجات کی آخری شرط محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا نہیں ہوگا بلکہ بعد میں آنے والے اس نبی پر ایمان لانا نجات کی آخری شرط ٹھیرے گا —— (جیسا کہ قادیانی امت مرزا غلام احمد قادیانی کے متعلق صاف صاف کہتی ہے کہ ان کا انکار کرنے والے اسی طرح کافر اور لعنتی ہیں جس طرح پہلے نبیوں کے منکر لعنتی اور کافر ہوئے)

پس جو لوگ دین میں اتنا بڑا فساد برپا کرنا چاہیں اور قیامت تک کے لیے قائم کیے ہوئے اللہ کے اس نظام کو یوں درہم برہم کرنا چاہیں لازماً ایمان والوں کو ان کے ساتھ دوسرے تمام زنادقہ و مرتدین سے زیادہ سخت معاملہ کرنا چاہیے —— اور اسلامی تاریخ کے جاننے والے جیسا کہ جانتے ہیں امت محمدیہ نے ہر دور میں ایسا ہی کیا ہے اور ایسے لوگوں کے ساتھ کبھی کوئی نرمی نہیں کی گئی حضور کی حیات ... ہی دور میں نبوت کا دعویٰ کرنے والے مسیلمہ کذاب کیساتھ صحابہ کرام نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ ... سرکردگی میں جو کچھ کیا وہ اس کی سب سے زیادہ اطمینان بخش مثال ہے۔

---

Regd. No. LW/NP-62

Monthly **ALFURQAN** Kutchery Road Lucknow U.

VOL. 42 NO. 9 OCTOBER, 1974 Phone 255



... Shining Press, Naya Gaon, Lucknow-1

# الفرقان

لکھنؤ

(۱۱) 12-

مدیر

محمد منظور نعمانی

سالانہ چندہ
ہندوستان سے ۔۔۔ ۱۲/-
بنگلہ دیش سے ۔۔۔ ۱۲/-
ضخامت ۶۴ صفحات
قیمت
فی کاپی ایک روپیہ ۲۵ پیسے

سالانہ چندہ
غیر ممالک سے
ایک پونڈ
(یا ہندوستانی بیس روپے)
ہوائی ڈاک کے لیے مزید
محصول ڈاک کا اضافہ ہوگا

| جلد ۴۲ | بابت ماہ نومبر ۱۹۷۴ء مطابق شوال ۱۳۹۴ھ | شمارہ (۱۱) |
|---|---|---|



## اگر اس دائرہ میں ◯ سُرخ نشان ہے، تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے۔ براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں۔ یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۱۰ر دسمبر تک آجائے ورنہ اگلا شمارہ بصیغۂ وی پی ارسال ہوگا۔

**نمبر خریداری:** براہ کرم خط و کتابت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا نمبر خریداری ضرور لکھ دیا کیجیے جو پتہ کی چٹ پر لکھا رہتا ہے۔

**تاریخ اشاعت:** الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر ۲۰ تاریخ تک کسی صاحب کو نہ ملے تو فوراً مطلع کریں۔ اس کی اطلاع ۲۰ تاریخ تک آجانی چاہیے اس کے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

## دفتر الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ

مولوی محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر و پروپرائٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# نگاہِ اوّلیں

[ گجرات کے ایک مخلص بھائی ..... تبلیغی جماعت کے ساتھ انگلستان گئے ہوئے ہیں، انھوں نے اپنے ایک خط میں کچھ مشاہدات اور تاثرات لکھے تھے، بمبئی کے ایک دوست نے ان کے خط کی نقل بھیجی ہے۔ نگاہ اوّلیں کے صفحات میں ہم اسی کو پیش کر رہے ہیں۔ ]

ادارہ

دس روز جرمنی میں رہ کر ۲۵ جولائی کو لندن پہونچا۔ ہمارے ساتھ نصرت خداوندی یہ ہوئی کہ ہمارے پاس لندن کا ٹکٹ ہونے کے باوجود جہاز میں بکنگ نہ ملتی تھی۔ فرینک فرٹ اور لندن کے درمیان ہفتہ میں صرف ایک ہی پرواز ہے اور وہ مہینوں تک مکمل رہتی ہے۔ میونخ (MUNICH) جو فرینک فرٹ (FRANKFURT) سے تقریباً پانچ سو پچاس کیلومیٹر ہے، وہاں ہم نے بہت کوشش کی کہ لندن کی بکنگ مل جائے مگر ہمیں تین ہفتہ بعد کی امید دلائی گئی۔ ہمارے ایک ساتھی نے کہا کہ خدا پر بھروسہ کر کے فرینک فرٹ پہونچ جاؤ۔ وہاں جاکر کوشش کرو شاید کوئی سبیل نکل آئے۔ ہم جمعرات کی صبح کو نکلے اور ایک بجے فرینک فرٹ پہونچے۔ نیچے ریلوے اسٹیشن اور اوپر کے حصّہ میں ایئرپورٹ ہے۔ اوپر جاکر تحقیق کی نیت سے کاؤنٹر پر اپنے ٹکٹ دکھائے۔ ایئرہوسٹس (AIR HOSTESS) نے ٹکٹ دیکھ کر ایک ہی سانس میں سوالات کر ڈالے۔ آپ لوگ کیا کر رہے تھے؟ اب تک آپ کہاں تھے؟ آپ کا سامان کہاں ہے؟ ہوائی جہاز پرواز کرنے ہی والا ہے۔ ہم بھاگ دوڑ کر زیر زمین اسٹیشن سے اپنے بستر لیکر اوپر بھاگے اور فوراً ہی ہمارے بستروں کو لیبل لگا کر ہوائی جہاز میں رکھ دیا گیا۔ کسٹم والوں نے بھی بستروں کو کھول کر نہیں دیکھا، اور ہمیں ہوائی جہاز میں بٹھا دیا گیا۔ بالکل اسی طرح جیسے کسی ہندوستانی ریل گاڑی میں سفر کیا کرتے ہیں اور پھر گھنٹے بھر میں لندن پہونچ گئے۔ غالباً ہماری ہی وجہ سے ہوائی جہاز کو ۳۰ منٹ کی تاخیر کرنی پڑی۔

بفضلہٖ باری تعالیٰ دو مہینے سے ہماری جماعت انگلستان کے مختلف شہروں میں پھر رہی ہے
صرف دس سال پہلے ۱۹۶۴ء میں جو مسلمان (ملازمت یا کاروبار کے سلسلے میں) یہاں آئے تھے،
انھوں نے ہمیں بتایا کہ یہاں کے ماحول سے متاثر ہو کر ہم نے اپنی داڑھیاں تک صاف کرادی تھیں،
اور جمعہ اور جماعت کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ نہ ہم جمعہ جانتے تھے اور نہ عید
بس جانوروں کی طرح کھا کما کر زندگی گزار رہے تھے۔ پھر تبلیغی جماعتیں ہمارے پاس آئیں انھوں
نے ہمیں جھنجھوڑا، غیرت دلائی۔ ہم لوگوں نے گھروں میں نمازیں شروع کیں اور آج اس کا نتیجہ یہ ہے
کہ بولٹن کے ایک گرجا گھر میں، جہاں سے عیسائیت کی دعوت دی جاتی تھی، خود عیسائی اسلام
قبول کر کے اسی گرجا گھر سے سیدنا حضرت محمد ﷺ کے پیغام کی اشاعت کر رہا ہے، اور اسلام کی دعوت
دے رہا ہے، اور مسلمان اس کو دیکھ سن رہے ہیں۔ بمبئی کی بہت سی مسجدوں سے بھی زیادہ تر لوگ تراویح
میں شرکت کرتے ہیں اور خاص طور پر ان ایام میں کارخانوں کے مالکان اپنے کارخانوں کے اوقات
تبدیل کر کے رات کے دس بجے کے بعد کام شروع کراتے ہیں تاکہ ان کارخانوں کے مسلمان ملازمین
تراویح میں شرکت کر سکیں۔ بفضل خداوندی اب انگلستان میں تقریباً ایک سو اکھتر مساجد ہیں، جن
میں سے سات تو پہلے گرجا گھر تھے اور قدرت خداوندی دیکھئے کہ اکثر گرجا گھر قبلہ رخ ہیں۔ ایسا محسوس
ہوتا ہے گویا بنائے ہی قبلہ رُخ گئے تھے۔ ہندوستان کی کسی بڑی مسجد میں جو رونق ہوتی ہے اس
سے بھی زیادہ یہاں کی بعض مسجدوں میں نظر آتی ہے۔ اب ماشاء اللہ کرتہ، پاجامہ اور شیروانی پہنے
ہوئے بے شمار لوگ داڑھی اور شرعی لباس میں گھومتے نظر آتے ہیں۔ ہندوستانی اور پاکستانی
بہنیں برقع پہن کر خرید و فروخت کے لئے جاتی ہیں۔ مارکس اینڈ اسپنسر (MARKS&SPENCER)
جیسے بڑے بڑے ڈیپارٹمنٹل اسٹورس (DEPARTMENTAL STORES) میں ہماری
بہنیں برقع پہنے ہاتھ گاڑی لئے اپنا ہفتہ وار سامان خریدتی ہیں۔ یہاں کے غیر مسلم باشندے کہتے
ہیں کہ جب سے آپ لوگ آئے ہیں یہاں کا موسم بھی بدل گیا۔ وہ قاتل سردی اور برف باری جو نقل
و حرکت تک بند کر دیتی تھی سب ختم ہو گئی۔ سورج کا نظر آنا گویا عید کا چاند نظر آنا تھا۔ اب روزانہ
گھنٹوں سورج عام طور پر دکھائی دیتا ہے۔ بعض اوقات تو ہم بھی بغیر سوئٹر کے صرف کرتہ اور پاجامہ
میں مساجد میں رہتے ہیں۔ دس سال پہلے بازار، پارک اور بس اسٹاپ پر جو ناشائستہ مناظر
دکھائی دیتے تھے اور جن کی وجہ سے باحیا لوگوں کا راستہ تک چلنا دشوار تھا وہ سب اس
بے راہ روی کے زمانے میں بڑھنے کے بجائے گھٹ گیا ہے۔ کتنے ہی عیسائیوں کے چہروں
پر داڑھیاں آگئیں اور ان کی عورتوں نے بھی خلاف فیشن اپنے لباسوں کو اونچا کرنے کے بجائے نیچا
کر دیا۔ بس وغیرہ میں بھی اکثر اوقات مسلمان داڑھی والے مردوں کو دیکھ کر یہاں کی مقامی خواتین
اپنے کو سنوار لیتی ہیں، ایسی اور بہت سی باتیں ہیں جنکی تفصیل کا یہ خط متحمل نہیں ہو سکتا۔ بس پوری دنیا
سنورنے کو تیار ہے، بشرطیکہ ہم اپنے اس مقام پر آجائیں جو ہمیں دیا گیا ہے۔ نہ یہ کہ اوروں کو دیکھ
کر بگڑ جائیں۔ یہ کیسی بدبختی ہوگی کہ غیر تو ہم سے حیا سیکھنا چاہیں اور ہم ان سے بے حیائی سیکھنے لگیں۔۔۔۔۔

## بھائی صاحب مرحوم ——— از محمد منظور نعمانی

میرے سب سے بڑے بھائی الحاج شیخ غلام امام صاحب جو مجھ سے ۴ سال بڑے تھے، انھوں نے اسی مہینے شوال کی ۱۲ تاریخ کو قریباً ۷۵ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ مغفرت و رحمت کا خاص معاملہ فرمائے۔ ناظرین کرام مرحوم کے لیے دعائے مغفرت فرماکے اس عاجز پر بھی احسان کریں۔ اللہ یجزیھم جزاءً حسناً۔

بھائی صاحب مرحوم کی چند خصوصیات اور معمولات کا ذکر ان شاء اللہ بہت سے ناظرین کے لیے نفع و سبق آموز ہوگا۔
عقیدہ اور عمل کے لحاظ سے وہ توحید میں بڑے راسخ اور پختہ تھے اس میں ذرا لچک گوارا نہ تھی حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے "تقویۃ الایمان" میں قرآن مجید کی دعوت توحید اور ردّ شرک کی جو ترجمانی فرمائی ہے وہی بھائی صاحب کا ظاہری و باطنی حال تھا۔

نماز باجماعت کا بڑا اہتمام تھا، اکثر اوقات جماعت کے وقت سے بہت پہلے مسجد پہنچ جاتے اور جماعت تک قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول رہتے۔

ترجمہ کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت اور دینی کتابوں کے مطالعہ کا بڑا شغف تھا، یہی گویا ان کی روح کی غذا تھی۔ ادھر چند مہینوں سے جبکہ بہت کمزور ہو گئے تھے یہ ذوق اور شغف اور زیادہ بڑھ گیا تھا۔

آخری دنوں میں بڑے اہتمام سے سیرۃ النبی کا مطالعہ شروع کیا تھا، چند ہی روز میں اس کی ۳ جلدوں کا مطالعہ کر لیا۔ دیکھنے والوں نے بتایا کہ اُس کے مطالعہ کے وقت آنکھوں سے اکثر آنسو ٹپکتے رہتے۔ کبھی کبھی گریہ کے غلبہ سے پڑھنے کے قابل نہ رہتے لیکن طبیعت سنبھل جانے پر پھر مطالعہ شروع کر دیتے۔

اللہ تعالیٰ اُن کی حسنات کو قبول فرمائے اور اُن کی اور ہم سب کی سیئات و خطیئات کو اپنے رحم و کرم سے معاف فرمادے اور محض اپنی رحمت سے جنت عطا فرمادے۔

**الفرقان کے چندہ کے بارہ میں فیصلہ:** ناظرین نے خطوط کے ذریعہ اس سلسلہ میں جو مشورے دیے اُن سب کو سامنے رکھ کر مناسب یہی سمجھا گیا کہ الفرقان کے صفحات ۴۸ کر دیے جائیں اور چندہ ۱۲ روپے۔ نومبر کے اس شمارہ سے اسی کے مطابق عملدرآمد ہوگا۔ اب جو صاحب الفرقان کا چندہ منی آرڈر سے روانہ کریں وہ ۱۲ روپے روانہ کریں۔ منیجر الفرقان۔

درسِ قرآن ـــــ مولانا محمد منظور نعمانی

مرکز والی مسجد ـــ ۳ر شوال ۱۳۹۴ھ

# قرآن مجید کس لئے نازل فرمایا گیا ہے

## وہ کس پاک ذات عالی صفات کا نازل فرمایا ہوا ہے

## موسیٰ کے منصبِ نبوت پر فائز کئے جانے کا عجیب و غریب واقعہ

حمد و صلوٰۃ اور اعوذ اور بسم اللہ کے بعد

طٰهٰ ۝ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰۤى ۝ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۝ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۝ وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّيْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْۤ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝

ـــــ (طٰهٰ از آیت ۱ تا ۱۰)

طٰہٰ (اے ہمارے پیغمبر!) ہم نے قرآن تم پر اس لئے نازل نہیں کیا ہے کہ تم رنج اور دکھ اٹھاؤ بلکہ ایسے لوگوں کی نصیحت کے لئے نازل کیا ہے جو ڈرتے ہیں (خدا سے اور بداعمالیوں کے بُرے انجام سے) یہ اس ہستی کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا فرمایا، وہ بڑی رحمت والا عرش پر متمکن ہے، جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور جو ان کے درمیان ہے اور جو تحت الثریٰ میں ہے سب اسی کا اور صرف اسی کا ہے، اور (اس کے وسیع و محیط علم کی یہ شان ہے کہ) اگر تم پکار کر بات کرو تو وہ (اس کو تو سنتا اور جانتا ہی ہے، اس کے علاوہ) پوشیدہ چپکے سے کہی ہوئی بات کو بھی وہ جانتا ہے اور ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جو اس سے بھی زیادہ پوشیدہ ہوں، اس اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی کے لیے سارے "اسمائے حسنیٰ" (اچھے نام اور اچھی صفات) ہیں۔

اور (اے پیغمبر!) موسیٰ کا واقعہ تم نے سنا! جب (مدین سے آتے ہوئے رات کے وقت) انہیں آگ (اور اس کی روشنی) نظر آئی تو اپنی اہل خانہ سے کہا تم یہاں ٹھہرو مجھے آگ دکھائی دی ہے (میں اس طرف جاتا ہوں) امید ہے کہ تمہارے لئے اس آگ میں سے ایک شعلہ (یا انگارہ) لے آؤں یا وہاں سے راستہ کا پتہ پالوں۔

—— سورۂ طٰہٰ آیت ۱ تا ۱۰

**(تفسیر و تشریح)** یہ سورۂ طٰہٰ بھی مکی سورتوں میں سے ہے، اس کا آغاز کلمۂ طٰہٰ سے ہوا ہے ظاہر یہی ہے کہ "الم" اور "المر" وغیرہ کی طرح یہ "طٰہٰ" بھی حروف مقطعات میں سے ہے، جن کی مراد اور معنیٰ ہمیں معلوم نہیں۔ ان کے بارے میں بار بار تفصیل سے کہا جا چکا ہے لیکن ایک قول اس کلمہ طٰہٰ کے بارے میں یہ بھی ہے کہ عرب کے بعض قبائل کی زبان اور بول چال میں طٰہٰ کے معنی ہیں "یا رجل" یعنی اے مخاطب شخص! اور بعض مفسرین نے بعض قبائل کے حوالہ سے اس کے معنی "یا حبیبی" بھی نقل کئے ہیں یعنی اے حبیب، اے میرے پیارے —— پس اگر اس قول کو لیا جائے تو پھر طٰہٰ حروف مقطعات میں سے نہ ہوگا بلکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اے پیغمبر! یا اے حبیب!۔

آگے ارشاد فرمایا گیا ہے: " مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی ○ اِلَّا تَذْکِرَۃً لِّمَنْ یَّخْشٰی ○" اس کا صحیح مطلب و مقصد سمجھنے کے لئے اس صورت حال کو ذہن میں رکھنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم اور آپ کے وطن کے لوگوں کی غالب اکثریت اللہ تعالیٰ کی اُس ہدایت سے روگرداں اور منکر و مکذب تھی جو قرآن پاک کی شکل میں نازل ہو رہی تھی، اِس کا آپ کو بے حد غم اور دُکھ تھا، قرآن پاک میں جا بجا مختلف عبارات میں اس کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو تسلی و تشفی دی گئی ہے کہ آپ انکار و تکذیب کے ان کے رویّہ سے رنجیدہ نہ ہوں، آپ نے پیغام پہونچا دیا ہے تو آپ کامیاب ہو گئے، اِنھوں نے نہیں مانا تو یہ اس کا بُرا انجام دیکھیں گے ـــــ سورہ طٰہٰ کی اس پہلی آیت میں بھی یہی فرمایا گیا ہے کہ اے ہمارے پیغمبر! قرآن ہم نے اس لئے نازل نہیں کیا ہے کہ آپ دُکھ اٹھائیں اور آپ کا دل غم کے بوجھ سے بھاری ہو، وہ تو اس لئے نازل کیا گیا ہے کہ جن بندوں کے دلوں میں خدا کا خوف اور انجام کی فکر ہو وہ نصیحت حاصل کریں ـــــ تو جب ایسے بندے اس سے نصیحت حاصل کر رہے ہیں جن کے دلوں میں خدا کا خوف اور آخرت کی فکر ہے (جیسے ابوبکرؓ وغیرہ جو ایمان لا چکے ہیں اور ایمان لا رہے ہیں) تو آپ کو خوش ہونا چاہیئے کہ نزول قرآن کا مقصد پورا ہو رہا ہے اور آپ کے ذریعہ اور قرآن کے ذریعہ لوگ ہدایت یاب ہو رہے ہیں۔

آگے کی ... آیتوں میں یہ بتلا کر کہ کس ذات پاک کا قرآن نازل فرمایا ہوا ہے اور اس کی کیا شان اور کیا صفات ہیں، قرآن مجید کی عظمت بیان فرمائی گئی ہے ـــــ ارشاد فرمایا گیا ہے۔

تَنْزِیْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰی ○ اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی ○ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی ○

مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن اس پاک ذات کا نازل فرمایا ہوا ہے جو اس وسیع و عریض زمین کا اور ان نہایت بلند آسمانوں کا خالق ہے، وہ بے انتہا رحمت والا عرشِ عظیم پر متمکن ہے،

— آگے ارشاد فرمایا گیا ہے، کہ آسمانوں میں اور زمین میں اور ان کی درمیانی فضا میں اور زمینوں کے بالکل نیچے تحت الثریٰ میں جو کچھ ہے یعنی اعلیٰ سے اسفل تک ساری کائنات اسی کی ملکیت ہے وہی سب کا مالک اور بادشاہ ہے۔ اس کے آگے اس کے علم کی وسعت کو اس طرح ارشاد فرمایا گیا ہے۔ "وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى" مطلب یہ ہے کہ اگر تم کوئی بات بآواز اور پکار کے کہو تو وہ اس کو تو سنتا اور جانتا ہی ہے، اس کے علاوہ اس کو ان باتوں کا بھی علم ہے جو بالکل چپکے کہی جائیں اور ان چیزوں کا بھی علم ہے جو اس سے بھی زیادہ پوشیدہ ہوں مثلاً دل کے خیالات اور ارادوں اور نیتوں کا بھی اس کو علم ہے الغرض اس کا علم ظاہر و باطن سب کو محیط ہے، کوئی بھی چیز اس کے علم سے باہر نہیں۔

اس سب کے بعد فرمایا گیا ہے: "اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى" وہ اللہ، اس کے سوا کوئی عبادت و پرستش کے لائق نہیں، اسی کے ہیں سب اچھے نام اور اچھی صفات۔ حاصل یہ ہوا کہ قرآن اس مالک الملک اور رب قدوس کا نازل فرمایا ہوا ہدایت نامہ ہے جس کی یہ شان ہے — اب جو بدبخت اس سے روگردانی اور اس کی نافرمانی کرتے ہیں وہ خود سوچ لیں کہ اُن کا انجام کیا ہوگا، اے پیغمبر! آپ ان کے غم میں اپنی جان نہ گھلائیں، ہم نے یہ قرآن اس لئے نازل نہیں کیا ہے کہ ان بدبختوں کے نہ ماننے کی وجہ سے آپ رنجیدہ اور غمگین ہوں۔

آگے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تسکین کا بڑا سامان ہے اور مکہ کے منکروں مشرکوں کو تنبیہ ہے کہ اگر وہ اسی طرح انکار و تکذیب اور اللہ کے پیغمبر کی مخالفت و مزاحمت پر اصرار کرتے رہے اور ایمان نہ لائے تو ان کا انجام وہی ہوگا جو موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں فرعون اور اس کی قوم کا ہوا تھا — اسی لئے یہاں موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ وحی و نبوت کے آغاز اور فرعون کو خدا کی بندگی اور اس کی ہدایت کی پیروی کی دعوت کے قصہ سے شروع کیا گیا ہے — وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْا اِنِّيْ اٰنَسْتُ نَارًا .... الخ

میں اسی درس قرآن کے سلسلہ میں پہلے بھی بار بار کہہ چکا ہوں کہ قرآن پاک میں انبیاء

علیہم السّلام اور ان کی قوموں کے واقعات اُس طرح بیان نہیں کئے گئے ہیں جس طرح مؤرخین اور اہلِ قصص بیان کرتے ہیں۔ مؤرخین اور اہلِ قصص کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ہر واقعہ اپنی معلومات کے مطابق تاریخی ترتیب کے ساتھ پوری تفصیل سے ایک ہی جگہ بیان کر دیتے ہیں، لیکن قرآنِ پاک تاریخ کی یا قصہ کہانی کی کتاب نہیں ہے بلکہ یہ کتابِ ہدایت ہے اسمیں موقع اور مقام کے تقاضے کے مطابق کہیں واقعہ کا ایک حصّہ بیان کر دیا جاتا ہے کہیں دوسرا یا تیسرا حصّہ بیان کر دیا جاتا ہے، اور ایسا بھی ہے کہ ایک ہی واقعہ یا واقعہ کا ایک ہی حصّہ مختلف سورتوں میں بار بار بیان فرمایا گیا ہے، ہدایت و نصیحت کے مقصد کے لئے یہی طریقہ زیادہ مناسب ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ قرآن مجید میں بیسیوں جگہ بیان فرمایا گیا ہے اور کسی ایک جگہ بھی پورا واقعہ اوّل سے آخر تک بیان نہیں فرمایا گیا ہے۔

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب اُردو داں طبقہ کے لئے تفسیر بیان القرآن لکھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پورا واقعہ قرآن مجید کے مختلف مقامات کے بیان سے اخذ کر کے اور اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ قرآن پاک کے مختلف مقامات سے اخذ کر کے مرتب کر دیا اور اسکو ایک مستقل رسالہ کی شکل میں شائع فرما دیا۔ اس وقت مجھے اُس رسالہ کا نام یاد نہیں آرہا ہے۔

یہاں سورۂ طٰہٰ میں جیسا کہ میں نے عرض کیا، موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ان کی نبوت کے آغاز سے بیان فرمایا گیا، ان کی زندگی کے اس سے پہلے واقعات یہاں بیان نہیں فرمائے گئے، دوسرے مقامات پر خاص کر سورۂ قصص میں قبل نبوت کے واقعات اچھی خاصی تفصیل سے بیان فرمائے گئے ہیں۔ یہ واقعات بھی بڑے اہم ہیں اور ان میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کی بڑی نشانیاں ہیں ــــ میں ان کا خلاصہ عرض کرتا ہوں۔

سورۂ یوسف میں یہ گذر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح یوسف علیہ السّلام کو جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے صاحبزادے تھے، مصر پہونچایا اور پھر کس طرح ان کو غلامی اور جیل خانوں وغیرہ کی منزلوں سے گزار کر حکمرانی اور فرمانروائی کے منصب تک پہونچایا اور پھر انھوں نے اپنے والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام اور اپنے پورے خاندان کو وہاں بلالیا۔ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے اور ان کی اولاد کی مختلف شاخیں بنی اسرائیل کہلاتی

ہیں ـــــ الغرض یوسف علیہ السلام کے زمانے سے مصر میں بنی اسرائیل کی آبادی شروع ہوئی۔ ابتدائی دور تو بڑی وجاہت اور عزت کا دور تھا پھر جیسا کہ دنیا میں ہوا کرتا ہے اور قوموں کے حالات بدلتے ہیں اسی طرح مصر میں آباد ہونیوالے بنی اسرائیل کے حالات نے پلٹا کھایا۔ میرا خیال ہے کہ ان کے اعمال و اخلاق اور ظاہری و باطنی حالات میں بھی تبدیلی آئی جس طرح کہ خیر القرون کے بعد مسلمانوں میں تبدیلی آئی۔ اور بعض علاقوں کے مسلمان بہت ہی پستی میں گر گئے تو میرا خیال ہے کہ اسی طرح مصر میں رہنے والے بنی اسرائیل بہت پستی میں گر گئے۔ اور مقامی آبادی جو قبطی کہلاتی تھی اُن کے مقابلہ میں بنی اسرائیل کی حیثیت غلاموں کی سی ہو گئی۔ انہی حالات میں موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا زمانہ قریب آیا۔ مفسرین نقل کرتے ہیں کہ اس زمانے کے بادشاہِ مصر (فرعون) نے ایک خواب دیکھا جس کی تعبیر کاہنوں نے یہ دی کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہوگا وہ تمہاری سلطنت کے زوال کا باعث بنے گا۔ اس نے اس خطرہ کی پیش بندی کے طور پر طے کیا کہ اسرائیلیوں کی طاقت بڑھنے نہ دی جائے اور جو بچے پیدا ہوں ان میں سے لڑکوں کو چن چن کے قتل کرا دیا جائے کیونکہ انہی سے خطرہ ہو سکتا ہے اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جائے وہ ہمارے گھروں میں باندیوں اور خادماؤں کا کام کریں گی۔ اس اسکیم پر پوری طرح عمل شروع ہو گیا۔ کسی اسرائیلی گھرانے میں جو لڑکا پیدا ہوتا وہ ماں کی گود سے چھین لیا جاتا اور ذبح کر دیا جاتا۔ انہی حالات اور انہی دنوں میں موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اللہ نے ان کی ماں کے دل میں ڈالا کہ وہ ان کو ایک صندوقچہ میں بند کر کے دریائے نیل میں چھوڑ دیں اور اللہ پر بھروسہ کریں۔ اللہ نے ان کے دل میں یقین پیدا کیا کہ اللہ معجزانہ طور پر تمہارے اس بچے کی حفاظت کرے گا اور اس کو پرورش کے لئے تمہارے ہی پاس پہونچا دے گا اور پوری عمر دے کر نبوت و رسالت کے مقام تک پہونچائے گا۔ سورۂ قصص میں ہے اِنَّا رَادُّوْہُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْہُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ایسا ہی کیا۔ ایک صندوقچہ میں بند کر کے ان کو دریائے نیل میں ڈال دیا اور خدا کے سپرد کر دیا۔ اسی کے ساتھ اپنی بڑی لڑکی کو جو ہوشیار تھی کہا کہ تم دیکھتی رہو کہ یہ صندوقچہ کدھر جاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ تم بھی اسی رُخ پر چلتی رہو۔ نیل کی لہروں نے صندوقچہ کو فرعون کے محل کی طرف پہونچا دیا وہاں جو دربان اور سپاہی وغیرہ ہوں گے انھوں نے دیکھا کہ ایک صندوقچہ چلا آرہا ہے انھوں نے

اس کو اٹھالیا اور فرعون اور اس کی بیوی کے سامنے کھولا گیا۔ دیکھا کہ اس میں ایک بڑا حسین و جمیل اور تندرست نومولود بچہ ہے۔ فرعون نے اس خطرہ سے کہ شاید یہ اسرائیلی بچہ ہو اس کو قتل کرانے کا ارادہ کیا۔ بیوی نے کہا کہ ایسے معصوم اور حسین بچہ کو قتل نہ کراؤ، ہمیں تو بڑی امید ہے کہ بڑا ہو کر یہ ہمارے بہت کام آئے گا یا ہم اس کو بیٹا بنالیں گے۔ (کہا جاتا ہے کہ اس کے کوئی اولاد نہ تھی) بہرحال فرعون کی ملکہ نے کچھ اس انداز سے اپنی بات کہی اور اس پر اصرار کیا کہ وہ بات مان لی گئی اور بجائے اس کے کہ اس بچہ کو قتل کرادیا جاتا، خاص اہتمام سے اس کی پرورش کا فیصلہ کرلیا گیا۔ اب اس کے لئے کسی دودھ پلانے والی انّا کی تلاش ہوئی۔ جانے کتنی دودھ والی عورتیں جمع کرلی گئیں لیکن حضرت موسیٰ نے کسی کا دودھ قبول نہیں کیا، اور جیسا کہ نومولود بچّہ کو رونا بلکنا چاہئے تھا، بھوک سے روتے بلکتے رہے۔ قرآن مجید میں ہے: "وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ"

موسیٰ علیہ السلام کی بہن جو اپنی ماں کے حکم سے اس صندوقچہ کا پیچھا کرتے ہوئے شاہی محل تک پہونچ گئی تھی، اس نے موقع پاکر کہا کہ میں ایک بی بی کو بتاؤں شاید یہ بچّہ ان کا دودھ قبول کرلے، چنانچہ ان کے بتلانے پر موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو ان کے گھر سے شاہی محل بلوایا گیا کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ بچہ انہی کا ہے۔ انھوں نے جیسے ہی دودھ منھ میں دیا، موسیٰ علیہ السلام نے لے لیا۔ شاہی محل کی طرف سے دودھ کے لئے ان کی مستقل خدمت لے لی گئی، اور اس طرح اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ پورا ہوا — "إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ"

پھر کیا تھا، شاہی محل کے ایک لاڈلے بچے کی طرح موسیٰ علیہ السلام کی پرورش ہوتی رہی، وہ پل بڑھ کر جوان ہوئے۔ ان کو اپنی ماں سے ہی معلوم ہوگیا ہوگا کہ میں اسرائیلی ہوں اور یہ میری ماں ہیں۔ آگے قرآن مجید میں ان کا ایک واقعہ یہ نقل کیا گیا ہے کہ ایک دن انھوں نے مصر ہی میں دیکھا کہ ایک قبطی ایک اسرائیلی سے الجھ رہا ہے اور اس کو پکڑے ہوئے ہے۔ مظلوم اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی کہ مجھے اس ظالم سے بچاؤ! موسیٰ علیہ السلام نے اس قبطی کو ڈانٹا ہوگا کہ وہ ظلم سے باز آجائے، لیکن وہ نہیں مانا تو حضرت موسیٰ نے اس کے ایک گھونسہ رسید کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کی نیت ہرگز اسے مار ڈالنے کی نہیں تھی، لیکن قضا کا مارا وہ قبطی حضرت موسیٰ کے گھونسہ کی ضرب سے مر ہی گیا، حضرت موسیٰ کو اپنے اس فعل پر ندامت ہوئی اور انھوں

نے اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا۔ پھر دوسرے دن اسی طرح کا ایک واقعہ اور پیش آیا، اس میں موسیٰ علیہ السلام نے کسی کو مارا تو نہیں اور نہ کوئی مرا لیکن کچھ ایسی صورت ہو گئی کہ گزشتہ کل ان کے ہاتھ سے جو ایک قبطی قتل ہو گیا تھا اور کسی قبطی کو اس کا علم نہ تھا، دوسرے دن کے واقعہ سے لوگوں کو اس کا علم ہو گیا اور حضرت موسیٰ کے قتل کا منصوبہ بننے لگا۔ ایک خیرخواہ نے موسیٰ علیہ السلام کو بتلایا کہ تمہارے بارے میں مشورہ ہو رہا ہے کہ تمہیں قتل کرا دیا جائے۔ موسیٰ علیہ السلام کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے مصر سے نکل جانے کا فیصلہ کر لیا، اور مدین کی طرف چل پڑے۔ منزل پر منزل طے کر کے یہ تھکے ہارے مدین کے قریب پہونچے تو انھوں نے دیکھا کہ ایک کنوئیں پر لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں اور یہ بھی دیکھا کہ دو شریف سی لڑکیاں بھی اپنے جانوروں کو گھیرے اور روکے ہوئے ایک طرف کھڑی ہیں، انھوں نے ان سے پوچھا کہ تم اس طرح اپنے جانوروں کو روکے ہوئے کیوں الگ کھڑی ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہمیں اس کا انتظار ہے کہ یہ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا کر لے جائیں اور جگہ خالی ہو جائے تو ہم اپنے جانوروں کو پانی پلا دیں۔ ہمارے گھر کوئی مرد اس قابل نہیں ہے جو یہ کام کرے، ایک ہمارے والد ہیں جو بہت بوڑھے ہیں اس لئے ہم کو ہی یہ خدمت انجام دینی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے دل نے فیصلہ کیا کہ مجھے ان بے چاریوں کی مدد کرنی چاہیئے۔ اللہ نے بڑی جسمانی طاقت دی تھی، وہ ڈول لے کر کنوئیں پر چڑھے اور ان لڑکیوں کے سب جانوروں کو پانی پلا دیا۔ وہ دونوں بہنیں جانوروں کو لے کر گھر واپس گئیں اور اپنے والد بزرگوار کو یہ واقعہ بتلایا اور ساتھ ہی کہا کہ آپ کو نوکر کی ضرورت ہے۔ یہ آدمی بڑا اچھا، بڑا طاقت ور اور صاحب امانت معلوم ہوتا ہے اگر آپ اس کو رکھ لیں تو بہتر ہوگا۔ ان بزرگوار نے موسیٰ علیہ السلام کو بلوایا اور بات چیت کی اور یہ طے ہوا کہ اتنی مدت تک تم یہاں رہو اور ہمارے کام کاج کرو، اس کے بعد ہم اپنی ایک بیٹی کا تم سے نکاح کر دیں گے۔ اس طرح موسیٰ علیہ السلام ایک مدت تک مدین میں ان بزرگوار کے پاس مقیم رہے۔ جب معاہدہ کی مدت پوری ہوئی تو انھوں نے بیٹی ان کے نکاح میں دے دی اور پھر ایک وقت آیا کہ موسیٰ علیہ السلام ان بزرگوار سے اجازت لے کر اور رخصت ہو کر اپنی منکوحہ بیوی کو ساتھ لے کر مصر کی طرف روانہ ہوئے، راستہ میں ایسی جگہ پہونچے جہاں سے پہاڑ طور سینا کچھ قریب تھا۔ رات اندھیری تھی، اور

سردی کا موسم تھا، راستہ بھی غالباً بھول گئے تھے، ان سب باتوں کی وجہ سے میاں بیوی دونوں بہت پریشان تھے کہ طور کی جانب سے آگ کی روشنی دکھائی دی۔

موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر اس وقت تک کا جو واقعہ میں نے مختصراً بیان کیا ہے، یہ سورۂ قصص وغیرہ میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ یہاں سورۂ طٰہٰ میں آگ کی یہ روشنی نظر آنے اور اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کو بیان فرمایا گیا ہے۔

ارشاد ہے: وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ إِذْ رَأَىٰ نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّي آتِيكُم مِّنْهَا بِقَبَسٍ أَوْ أَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ٥

(باقی آئندہ)

# قافلۂ اہلِ دل

## تذکرۂ خلفائے حضرت شاہ غلام علی مجددی دہلویؒ

(از مولانا نسیم احمد فریدی امروہی)

(تیسری اور آخری قسط)

### مرزا رحیم اللہ بیگ مسمّٰی بہ محمد درویش عظیم آبادیؒ

آپ ملازمت کا تعلق ترک کر کے بخدمت حضرت ایشانؒ حاضر ہوئے۔ کسبِ نسبت کر کے اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے۔ بہ سلسلۂ سیاحت حضرت خواجہ نقشبندؒ کے مزار پر حاضری دی۔ اور اکثر بلادِ اسلام مثل روم و شام، حجاز و عراق، مغرب و ماوراء النہر اور خراسان نیز ہندوستان کی سیر کی۔ کہا کرتے تھے کہ میں نے مثل شاہ غلام علی کے کوئی شیخ نہیں پایا۔ والدین سے حقوق معاف کرا لیے تھے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں کوئی خوف نہ کرتے تھے۔ شہزادہ کامران والیٔ ہرات آپ سے عقیدت رکھتا تھا۔ احتساب کرتے ہوئے اس کو الفاظ سخت، بے باکانہ طور پر کہہ دیتے تھے۔ اسی طرح ترکستان کے دوسرے حکام بھی آپ کے خادم اور غاشیہ بردار ہو گئے تھے۔ آپ امورِ شرعیہ کی عدم پابندی دیکھ کر ہر جگہ سے رنجیدہ ہو کر آجاتے تھے۔ بادشاہ قندھار کے پاس سے بھی جو آپ سے اخلاص تام رکھتا تھا رنجیدہ ہو کر چلے آئے تھے۔ آخر شہر سبز میں سکونت اختیار کی۔ وہاں کے حاکم نے

ایک بڑا گاؤں آپ کی نذر کیا اور اس گاؤں سے اپنی حکومت کی مالگزاری معاف کردی۔
آخر عمر میں نکاح کیا اور ہر صادر و وارد کی خدمت اپنے اوپر لازم کرلی۔ آپ کی جائے قیام ایک خانقاہ ہوگئی۔ مذہب شافعی اختیار کیا تھا اسی وجہ سے سمرقند اور بخارا وغیرہ میں آپ شافعی کے لقب سے ملقب ہیں۔ ایک حاکم ترکستان نے جو حاکم سبز سے عداوت رکھتا تھا آپ کو خفیہ طریقہ پر قتل کرا دیا، آپ نے اس طرح شربت شہادت نوش کیا۔

## حضرت اخوند شیر محمدؒ

آپ تحصیل علوم سے فارغ ہوکر آستانۂ حضرت شاہ غلام علیؒ کی حاضری سے مشرف ہوئے۔ کسب نسبت کرکے اجازت پائی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آکر علم ظاہری سے بہت ذہول طاری ہوگیا۔ فرماتے تھے کہ میرا حال اس حد تک پہونچ گیا تھا کہ سہل سے سہل نحوی ترکیب بھی مجھ کو مشکل ہوگئی، پھر اس خیال سے کہ کہیں علم تلف نہ ہوجائے دوبارہ علم ظاہری کی طرف متوجہ ہوئے۔ سیکڑوں طالبین آپ کے ذریعہ علم سے بہرہ اندوز ہوئے۔ آپ اپنے شاگردوں کو تقویٰ اور اعمالِ خیر کی تلقین فرماتے تھے۔ آپ کی مجلس میں طلباء سے اگر کوئی غیبت کرتا تھا تو اس پر جرمانہ مقرر کردیا جاتا تھا۔ آخر عمر میں بہت ضعیف ہوگئے تھے کتابوں کو بیع کردیا تھا۔ اور سوائے تلاوت قرآن مجید اور صلوٰۃ مفروضہ کے گویا اور کوئی شغلہ نہیں تھا۔ ملک ہندوستان میں انگریز کمپنی کی حکومت ہوجانے کی وجہ سے اس کو دار الحرب قرار دیتے۔ اس میں سکونت مکروہ سمجھتے تھے اس لیے عین بیماری میں بہ نیت ہجرت متوجہ بہ حرمین شریفین ہوئے۔ بلدۂ ملتان میں پہونچے تھے کہ وفات پائی[1]

[1] مولانا شیر محمدؒ افغانی ثم دہلوی ایک مشہور عالم تھے۔ مختصرات کو مختلف مقامات پر پڑھا پھر دہلی وارد ہوئے اور حضرت شاہ عبد القادر دہلویؒ ابن شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے تمام کتب درسیہ پڑھیں پھر حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ سے تعلق پیدا کیا اور اُن سے طریقہ نقشبندیہ سیکھا۔ بعدہٗ درس و تدریس میں مشغول ہوئے۔ آپ سے بہت سے علماء نے علم حاصل کیا۔ آپ بہت ذکی و ذہین عالم تھے نیز قانع اور متوکل عابد و زاہد تھے۔ اپنی آخر عمر میں حج و زیارت کے لیے حرمین شریفین کا سفر کیا۔ اسی مقدس سفر میں اثنائے راہ میں انتقال ہوا۔ ۱۹ر صفر ۱۲۵۱ھ آپ کی تاریخ وفات ہے۔ (نزہۃ الخواطر جلد ہفتم بحوالہ آثار الصنادید)

## حضرت مولانا محمد جان شیخ الحرم رح

آپ بعد تحصیل علم بخدمت حضرت ایشان رح پہنچے اور ریاضت ہائے بسیار کیں۔ ہر روز حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح کی زیارت کے لیے سات کوس جاتے تھے اور رات کو وہاں پر عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ صبح کو پانی کا ایک گھڑا ـــ کیونکہ وہاں کا پانی بہت ہی خوشگوار ہے ـــ برائے حضرت ایشان رح لاتے تھے۔

حضرت شاہ عبدالغنی رح تحریر فرماتے ہیں کہ ان کے ایک خادم نقل کرتے تھے کہ میرا لڑکا قریب بمرگ ہو گیا تھا۔ میں بوقت شب اس لڑکے کو درگاہ قطب الاقطاب رح میں لایا۔ آپ مراقبے میں مشغول تھے۔ آپ کے سامنے بچّے کو لے گیا، دعا اور سلب مرض کی درخواست کی۔ آپ نے اسی وقت سلب مرض کر دیا۔ بچّے نے شفا پائی۔ ایک دوسرے شخص نے نقل کیا کہ میں ایک عورت کی محبت میں گرفتار ہو گیا تھا۔ قریب تھا کہ بدکرداری میں گرفتار ہو جاؤں۔ میں نے آپ سے عرض کیا اور کہا اب کوئی چیز سوائے بدکاری کے باقی نہیں رہی۔ اگر آپ نے میرے حال پر عنایت مبذول نہ کی اور مجھ سے بدکاری واقع ہوئی تو میں آپ کا نام پیش جناب باری لوں گا۔

آپ نے لاحول ولا قوۃ الا باللہ ـــ کا عمل مجھ کو تعلیم کیا۔ میں نے کہا سبحان اللہ! میں تو یہ وظیفہ ہمیشہ پڑھتا ہوں۔ فرمایا اب میرے کہنے سے پڑھو۔ میں نے پڑھا ایسا معلوم ہوا گویا سدِ سکندری میرے اور اس عورت کے درمیان حائل ہو گئی۔

حضرت پیر و مرشد رح سے رخصت اور اجازت پا کر حرم محترم میں پہنچے۔ ابتدا میں بہت سی مشکلات پیش آئیں۔ آخرکار فتوحات کا دروازہ کھل گیا۔ بادشاہ کے خاص لوگوں کا رجوع آپ کی طرف ہو گیا۔ آپ کے خلفاء استنبول اور اضلاع روم تک منتشر ہوئے۔ سلطان روم کی جانب سے آپ کے لیے وظیفہ مقرر ہوا۔ سلطان کی والدہ بھی آپ کی عقیدت مند تھیں۔ آپ نے ایک خانقاہ بنائی تھی جہاں ہر وارد و صادر کی خدمت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ حدود ۱۲۶۶ھ میں مکہ معظمہ کے اندر جوار رحمت سے پیوست ہو گئے۔

## حضرت سید احمد کردی رح

آپ نے اوّل بغداد میں اخذ طریقہ مولانا خالد رح سے کیا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

حکم کے مطابق بغداد سے دہلی آئے اور طریقۂ مجددیہ حضرت شاہ غلام علیؒ سے حاصل کیا۔ راستے میں بیمار ہو گئے تھے۔ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ شفا کے لیے درود تعلیم فرماتے ہیں۔ درود شریف پڑھا اور شفا پائی۔

## ملا امیر محمدؒ

آپ بہت استغراق رکھتے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ سے پورا سلوک طے کیا تھا۔ حضرت مرزا مظہر جانجاناںؒ کے مزار پر مراقب ہو کر بیٹھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ بعض دفعہ اسی طرح تمام رات گزر جاتی تھی اور اگر بارش آتی تھی تو اس کی بھی ان کو پروا نہ ہوتی تھی۔

آپ نے علاقۂ کشمیر میں بہت شہرت پائی۔

## ملا گل محمد غزنویؒ

آپ غزنین سے چل کر حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں دہلی آئے۔ کسب نسبت کر کے شیخ بخارا ہوئے۔ خلافت سے مشرف ہوئے اور اپنے ملک میں طالبین کے مرجع و مآب بلکہ بقول صاحب مناقب احمدیہ و مقامات سعیدیہ آپ کے ذریعہ لوگوں کو بہت کچھ روحانی فوائد پہونچے۔ آپ نے بھی چند آدمیوں کو اجازت دی تھی۔ حج کو گئے اور وفات پائی۔

## مولوی ہراتی مشہور بہ مولوی محمد جانؒ

آپ نے کسب فیض حضرت شاہ صاحبؒ سے کیا اور خلافت سے ممتاز ہوئے۔ ہرات کے لوگ آپ کی بہت سی کرامتیں بیان کرتے ہیں۔ قندھار کے ہزاروں آدمیوں کو ہدایت کے راستے پر پہونچایا قندھار سے دو تین میل کے فاصلے پر مبر بازار میں آپ کا مزار ہے [1]

## مولانا محمد عظیمؒ

آپ بہت خوش اخلاق بزرگ تھے۔ گویا کہ آپ کی خلقت اخلاق حمیدہ پر ہوئی تھی۔ آپ اجازت حضرت ایشانؒ سے مشرف ہو گئے تھے۔ بعد انتقال پیر و مرشد حرمین شریفین چلے گئے۔

---

[1] مولانا ابوالحسن زید فاروقی مجددی کے مکتوب گرامی سے مدفن کا پتہ معلوم ہوا۔ انھوں نے لکھا ہے ... سبحان اللہ "کیا ہی پر انوار مقام ہے، یہ عاجز وہاں گیا ہے"

اور وہیں انتقال فرمایا۔

## مولوی نور محمدؒ

آپ ریاضت ہائے کثیرہ کر کے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بیعت ہو کر اشغال و مراقبات میں مشغول ہوئے۔ بالآخر اجازت پائی۔ کہتے ہیں کہ حضرت ایشانؒ فرمایا کرتے تھے کہ "چار آدمی میرے خاندان طریقت کے لیے باعث فخر ہیں:

(۱) مولوی شیر محمد (۲) مولوی محمد جان (۳) مولوی محمد عظیم اور (۴) مولوی نور محمد

یہ چاروں ہم پیالہ و ہم نوالہ تھے نیز یہ چاروں کے چاروں عالم متبحر تھے۔

## مرزا مراد بیگؒ

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ایشانؒ آپ کے کمال زہد کی وجہ سے آپ کو "جنید وقت" کہا کرتے تھے۔ قوی نسبت رکھتے تھے اور لوگوں کو آپ سے عظیم کیفیات حاصل ہوتی تھیں۔ حضرت ایشانؒ کے مجاز تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی حیات ہی میں آپ نے وفات پائی اور حضرت مرزا مظہر جانجاناں شہیدؒ کے پائیں مزار مدفون ہوئے۔

## محمد منور امام مسجد اکبر آبادیؒ

حضرت شاہ غلام علیؒ کے خلفاء میں بہت قوی نسبت رکھتے تھے اور افادۂ فیض کرتے تھے۔

## میاں محمد اصغرؒ

آپ نہایت قوی النسبۃ تھے۔ حضرت ایشانؒ کے حکم سے حضرت شاہ ابوسعیدؒ کی خدمت میں بیٹھتے تھے۔ حضرت شاہ ابوسعیدؒ کی آپ پر بہت عنایت تھی۔ خانقاہ کا نظم و نسق آپ سے ہی متعلق تھا۔

آپ کی توجہات سے بہت سے لوگ حظ وافر حاصل کرتے تھے۔ پہلا سفر حرمین شریفین طے کر کے واپس آئے۔ بعدہٗ حضرت شاہ ابوسعیدؒ کے ہمراہ حج و زیارت کے لیے گئے۔ پھر دہلی واپس آگئے۔ آپ نے ۱۲۵۵ھ میں وفات پائی اور خانقاہ میں مدفون ہوئے۔

## میر نقش علیؒ

آپ نے حضرت شاہ غلام علیؒ سے کسب نسب کیا اور لکھنؤ چلے گئے۔

---

## میاں احمد یارؒ

آپ سوداگر تھے۔ نسبت مجددیہ کو حضرت ایشانؒ سے لیا۔ آپ کی قبر بھی خانقاہ میں ہے۔

## میاں قمر الدین پشاوریؒ

آپ درویشان قادریہ میں سے تھے۔ اور شروع میں منکر طریقۂ مجددیہ تھے۔ پشاور سے خدمت حضرت ایشانؒ میں پہنچے ـــــ بالآخر حلقہ بگوش ہو کر اجازت پائی اور پشاور چلے گئے۔

## محمد شیر خاںؒ

آپ نے ولایت افاغنہ سے آکر حضرت شاہ صاحبؒ سے نسبت مجددیہ حاصل کی اور وطن واپس گئے۔

## شیخ جلیل الرحمٰن

آپ حضرت ایشانؒ کے خادم خاص تھے۔ قوی نسبت رکھتے تھے۔ حضرت ایشانؒ آپ پر خاص عنایت فرماتے تھے۔ ایک بدبخت نے عین حلقۂ ذکر میں آپ پر تلوار کا وار کیا۔ آپ اس وقت روبروئے حضرت ایشانؒ بیٹھے ہوئے تھے۔ بے اختیار حضرت ایشانؒ کے پاؤں پر گر پڑے اور اسی دم شربت شہادت پی لیا۔

یہ معاملہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مرض الوفات کے آخر میں واقع ہوا تھا۔ اس شہید کی تربت بھی حضرت مرزا مظہر جانجاناں شہیدؒ کے پائینتی کو ہے۔

## حضرت مولانا قاری امام الدین نخشبی امروہیؒ

آپ ۱۱۹۳ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد خاندان نخشبی میں پہلے شخص تھے جنھوں نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا تھا۔ چنانچہ آپ بھی ابتدائے عمر میں اپنے باپ کے مسلک پر رہے۔ حضرت مولانا شاہ ضیف اللہ نقشبندی خلیفہ حضرت مرزا مظہر جانجاناںؒ سے تحصیل علم کی۔ اسی کا یہ نیک نتیجہ برآمد ہوا کہ آپ نے اپنے آبائی مذہب اہل السنۃ والجماعت کو اختیار کر لیا۔ تبدیل مذہب کی بناء پر باپ کی سختیوں سے عاجز آکر بمشورۂ حضرت شاہ ضیف اللہؒ آپ دہلی گئے۔ وہاں حضرت شاہ عبد القادر محدث دہلویؒ کے درس میں شامل ہو گئے اور تکمیل کی۔ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی بھی آپ کے ہم درس تھے۔ طالب علمی کے زمانے میں وہ بھی اپنے رفیق درس کے ہمراہ امروہہ آتے

رہتے تھے اور قاری صاحب کی مسجد میں ٹھہرتے تھے۔ اسی اثنا میں سلوک باطنی طے کرنے کا جذبہ آپ کے قلب میں پیدا ہوا۔ اس موقع پر بھی آپ اپنے استاد و مربی حضرت سید شاہ حنیف اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کے مطابق حضرت شاہ غلام علی مجددیؒ کی خدمت میں پہونچے۔ ان کی خدمت میں رہ کر حقائق و معارف کے باطنی درس سے مستفیض ہوئے۔ مجاہدہ و ریاضت سے مقامات عالیہ طے کیے اور خلعتِ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ پیر و مرشد کے حکم کے مطابق قاری صاحب اپنے وطن امروہہ واپس آئے، درس و افادہ میں مصروف ہوئے اور یادِ الٰہی کے اندر اپنے اوقات کو صرف کیا۔ عزلت گزینی آپ کو زیادہ پسند تھی۔ متوکل اور قناعت دوست تھے۔ تواضع اور کسرِ نفسی آپ کا شیوہ تھا۔ مرید بہت کم کرتے تھے۔ چہرہ نورانی، کشادہ پیشانی، عابد و زاہد بزرگ تھے۔ کوئی سنت بلکہ مستحب بھی نہ چھوڑتے تھے۔

آپ کے معمولات یہ تھے کہ بعد نمازِ فجر مراقبہ و اشراق سے فارغ ہو کر حدیث و تفسیر اور فقہ کا درس دیتے تھے۔ دُور دُور سے تشنگانِ علوم آتے اور ان کے دریائے فیض سے سیراب ہوتے تھے۔ ظہر کے بعد پھر طلبا کو درس دیتے تھے۔ بعد نمازِ عصر طالبانِ حق کی تعلیم باطنی میں مشغول ہو جاتے تھے۔ جمعہ کے دن وعظ کہتے تھے۔ قاری عبد الرحمٰن محدث پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے امروہہ آکر آپ سے علم تجوید پڑھ کر سند حاصل کی۔ تذکرۂ رحمانیہ میں وہ سند درج ہے۔ بخاری کے بھی چند پارے آپ نے امروہہ میں ہی پڑھے۔ باقی حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ سے دہلی جا کر پڑھے تھے۔ قاری عبد الرحمٰن محدث پانی پتیؒ نے رسالہ تبیین الضاد آپ کے صاحبزادے مولانا کریم بخش نخشبی کی فرمائش پر لکھا تھا جیسا کہ اس رسالے کے دیباچے سے ظاہر ہوتا ہے۔ امروہہ کے مشہور مؤرخ مولانا آلِ حسن نخشبی مؤلف نخبۃ التواریخ آپ کے باکمال پوتے تھے۔ حضرت مولانا قاری امام الدینؒ کے ذریعے سے علم تجوید و قرأت کی بھی بڑی اشاعت ہوئی۔ کشف الغطا، ردّ الربا، السماع والغنا اور چند تجویدی رسائل آپ نے تالیف فرمائے تھے۔

اپنے محلہ کی (یعنی محلہ نخشبی نزد چاہ شور کی) مسجد میں جس کو آپ نے دوبارہ تعمیر کرایا تھا زیادہ وقت گزارتے تھے اور وہیں درس و افادہ کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

آپ نے ۲ ذیقعدہ ۱۲۵۶ھ ہجری میں وفات پائی۔[1]

[1] ماخوذ از نخبۃ التواریخ، تذکرۃ الکرام مولفہ محمود احمد عباسی، نزہۃ الخواطر جلد ۷ اور تذکرۂ رحمانیہ

## حضرت مولانا حافظ سید عبدالحی مجددی دہلوی ثم امروہوی

آپ حضرت شاہ حفیظ اللہؒ کے صاحبزادے تھے۔ دہلی میں پیدا ہوئے، اور وہیں نشوونما پائی۔ حضرت شاہ غلام علی مجددی دہلویؒ کی خدمت میں سلوک طے کیا۔ بالآخر خلافت و اجازت سے ممتاز ہوئے۔ پیر و مرشد کے حکم سے امروہہ تشریف لائے اور یہیں سکونت اختیار کر لی۔ محلہ ملّانہ کی ایک مسجد کے حجرے میں ذکر و فکر میں مشغول رہ کر اپنی پوری عمر گزاری اور معمولات کے پابند رہے۔ انوارالعارفین کے مصنف صوفی محمد حسین چشتی مرادآبادیؒ اپنے والد کے ہمراہ بچپن میں آپ سے ملے۔ انھوں نے اپنی کتاب میں آپ کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بچپن میں مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا آپ فرمانے لگے کہ میاں ذرا یہ دعا مانگو اور کہو کہ "اے اللہ عبدالحی کو بخش دے" میں نے دعا مانگی اور کہا "اے اللہ مولوی صاحب کو بخش دے۔" فرمانے لگے نہیں یوں کہو کہ "اے اللہ عبدالحی کو بخش دے۔" پھر میں نے وہی کہا انھوں نے پھر اصرار کیا۔ بالآخر میں نے دل میں سوچا کہ جب تک ان کے کہنے کے مطابق نہ کہوں گا چھٹکارا نہ ہوگا۔ مجبوراً میں نے وہ الفاظ ادا کیے۔ اس پر بہت خوش ہوئے اور صحن مسجد میں امرود کا درخت تھا۔ دو۲ تین۳ امرود اس میں سے توڑ کر مجھ کو دیے۔

آپ کمالات ظاہری و باطنی سے آراستہ، عالم و فاضل اور مقتدائے وقت تھے متوکلانہ زندگی بسر کی۔ اہل دنیا سے اجتناب رہتا تھا۔ کثرت سے تلاوت قرآن مجید فرماتے تھے اور مراقبہ و مجاہدہ کا شغل بھی رہتا تھا۔ اگر کوئی ملنے آتا تو حجرے کے اندر سے صحن مسجد میں آتے اور ایک دو باتوں کے بعد سلام کر کے واپس ہو جاتے تھے۔ غیر ضروری بات کسی سے نہ کرتے تھے ۱۲۵۱ھ میں وصال ہوا اور اسی مسجد کے صحن میں جس کے حجرے میں رہتے تھے اسی امرود کے درخت کے پاس مدفون ہوئے[1]

حضرت مولانا شاہ غلام علیؒ نے آپ کو جو سندِ خلافت و اجازت عطا فرمائی۔ اس کو مع ترجمہ تبرکاً درج کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علیٰ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

---

[1] ماخوذ از نخبۃ التواریخ، انوارالعارفین، تذکرۃ الکرام، نزہۃ الخواطر جلد ۷

اما بعد ہرگاہ برادر طریقت میاں عبد الحیٔ وفقہ اللہ لما یحبہ ویرضیٰ بتوجہات پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم از نسبت حضور و آگاہی حظّے وافر حاصل نمودند دل ایشاں را رنگے از فنا منصبغ بصبغۃ اللہ گردانید و بہرۂ از نسبت لطائف عالم امر و لطائف عالم خلق نیز پیدا کردہ اند ایشاں را اجازت تعلیم طریقہ گفتہ شد، ارشاد نسبت نقشبندیہ احمدیہ نمایند و طالباں را در طریقہ قادریہ چشتیہ داخل کنند اما تلقین اذکار و مراقبات عزیزان نقشبندی کردہ باشند و اسأل اللہ تعالےٰ لہ الاستقامۃ علی الطریقۃ والسنۃ السنیۃ اوقات بوظائف اعمال معمور دارند و توجہ بقلب و دیگر لطائف و بذات الٰہی سبحانہ، در ہر نفس لازم گیرند از صحبت اہل دنیا و اہل غفلت و بطالت اجتناب واجب شناسند و امور خود بہ کرم حضرت حق سبحانہ، تفویض نمودن و بواسطہ ارواح طیبہ مشائخ ملتجی بودن فرض شناسند و مطالعہ منہاج العابدین امام غزالی و رشحات فخر الدین علی و تلمیعات ملا جامی و مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہم التزام نمایند و بہ فقر و قناعت و دوام ذکر عمر خود بسر دارند وَحَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل۔

وانا الفقیر عبد اللہ معروف غلام علی عفی عنہ

(ترجمہ) "بعد حمد و صلوٰۃ ——— چونکہ برادر طریقت میاں عبد الحیٔ نے ——— اللہ تعالیٰ ان کو اپنی مرضیات کی توفیق دے ——— پیران کبار کی توجہات سے نسبت حضور و آگاہی سے حصۂ وافر حاصل کر لیا ہے، نیز ان کے دل کو فنائیت نے صبغۃ اللہ کے رنگ میں رنگ لیا ہے، نیز انھوں نے لطائف عالم امر اور لطائف عالم خلق کی نسبت سے حصہ پا لیا ہے لہٰذا ان کو تعلیم طریقہ کی اجازت دیدی گئی۔ وہ نسبت نقشبندیہ احمدیہ کا سلوک طے کرائیں اور طالبین کو طریقہ قادریہ و چشتیہ میں بھی داخل کر سکتے ہیں۔ لیکن حضرات نقشبندیہ کے اذکار و مراقبات کی تلقین کریں ——— میں اللہ تعالیٰ سے اُن کے لیے استقامۃ علی الطریقۃ اور استقامۃ علی السنۃ المطہرہ کی دعا کرتا ہوں ——— اپنے اوقات کو وظائف اعمال سے معمور رکھیں اور توجہ بقلب اور توجہ بہ دیگر لطائف و بذات الٰہی سبحانہ ہر سانس میں لازم سمجھیں۔ اہل دنیا، اہل غفلت اور بیکار لوگوں سے بچنا ضروری سمجھیں۔ اپنے کاموں کو حضرت حق سبحانہ کے فضل و کرم پر چھوڑنا اور ارواح مشائخ کے واسطے سے اللہ تعالےٰ سے التجا کرنا ضروری سمجھیں۔ منہاج العابدین امام غزالی

رشحات فخر الدین علیؒ، لمعات ملا جامیؒ اور مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مطالعہ کا التزام رکھیں فقر وقناعت اور دوامِ ذکر میں اپنی عمر بسر کریں۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔
(اللہ ہمیں کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے)"

فقیر عبد اللہ معروف غلام علی عفی عنہ

## مولانا اخوند جان محمد ہزاروی

آپ کے والد کا اسم مبارک خان بہادر تھا۔ آپ کے دوسرے بھائی کا نام خان محمد تھا جن کے صاحبزادے مولانا فیض محمد مدرسۂ انبالہ میں مدرس تھے۔ اخوند جان محمد موضع حمید علاقہ پکھلی ہزارہ کے باشندے تھے۔ طلبِ حق اور تلاشِ مرشد میں سفر کرتے تھے۔ آخرکار حضرت شاہ عبد الرحیم ولایتی شہیدؒ (متوفی ۱۲۴۶ھ) کے ہمراہ ہندوستان آئے اور مشائخ و فقرائے عصر سے ملاقات کرتے ہوئے دونوں حضرت شاہ عبد الباری صدیقی چشتی امروہیؒ کی خدمت اقدس میں لعردہ حاضر ہوئے۔ حضرت شاہ عبد الباریؒ نے ان دونوں کے حالات کا مشاہدہ فرما کر شاہ عبد الرحیم صاحب کو اپنی خدمت میں رکھا اور بیعت کیا۔ اور اخوند جان محمد کو مشورہ دیا کہ ان کو حضرت شاہ غلام علی سے تعلق پیدا کرنا چاہیے۔ بالآخر حضرت شاہ عبد الرحیمؒ حضرت شاہ عبد الہادیؒ کی خدمت اقدس میں رہ کر مستفیض ہوئے اور پورا سلوک طے کر کے ان کے خلیفہ ہوئے۔ اور اخوند جان محمد حضرت شاہ غلام علیؒ کے مجاز ہوئے۔ لوہاری ضلع مظفر نگر میں سکونت اختیار کر لی تھی وہیں ۱۲۵۳ھ میں انتقال ہوا۔ ۹۶ سال کی عمر پائی اور متصل مسجد عیسیٰ شاہ بیری کے درخت کے نیچے ایک گوشے میں مدفون ہوئے۔

آپ کے صاحبزادے شاہ عبد العلیم تھے جو نقشبندی سلسلے میں حضرت شاہ غلام علیؒ سے بیعت ہوئے تھے۔ مدتوں خانقاہ میں رہے۔ مگر بعد کو شاہ احسان علی صاحبؒ قادری پاکپٹنی سے سلسلۂ قادریہ میں مرید ہو گئے تھے اور ان ہی سے خلافت پائی تھی۔ ان شاہ عبد العلیم کے خلیفہ مولانا نصر اللہ خان خویشگی خورجویؒ مؤلف تاریخ دکن تھے اور ان کے خلیفہ مولوی فرید احمد غازی پوریؒ مؤلف تذکرۂ فریدیہ تھے۔ تذکرۂ فریدیہ میں اخوند جان محمدؒ اور ان کے صاحبزادے کے حالات تفصیل سے درج ہیں۔

---

# ایمان کامل کی تحصیل کا راستہ

## اعمال صالحہ اور اللہ والوں کی صحبت

### (حضرت مولانا شاہ وصی اللہ قدس سرہ العزیز کی ایک مجلس)

فرمایا کہ ترصیع الجواہر المکیہ میں ہے کہ سیدی عبدالغنی نابلسی نے اپنی کتاب فتح ربانی وفیض سبحانی میں فرمایا ہے کہ ایمان کامل کے مقام کی تحصیل کسبی ہے یعنی اختیاری ہو۔ اسباب کے اختیار کرنے اور اس کے موانع سے اجتناب کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اسباب اس کے یہی اعمالِ صالحہ ہیں اس لیے کہ ایمانِ کامل انھیں کا نتیجہ ہے یعنی اعمالِ صالحہ پر اس کا ترتب ہو جاتا ہے۔ اور موانع اس کے وہ اخلاق ردیہ ہیں جو نفس میں ہوتے ہیں، مثلاً ریا، سُمعہ اور عُجب وغیرہ اور ان چیزوں میں سے جو ایمان کامل تک انسان کے پہونچنے میں معین و مددگار بنتی ہیں، اہلِ ایمان (یعنی علماء و صلحاء اور مشائخ حقانی) کی صحبت ان کی خدمت اور ان کا احترام ہے۔ اور یہ کہ ان کے ساتھ جو اعتقاد رکھے اس میں مخلص ہو اور اس امر کا یقین رکھے کہ یہ لوگ اسرار الٰہیہ ہیں خود مؤثر بالذات نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے خزائن ہیں اس کی زمین میں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اسرار ودیعت فرمائے ہیں باقی ان سب کی کنجیاں اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہیں وہی اپنی عنایت سے جس پر چاہتے ہیں کھول دیتے ہیں اور جن لوگوں کے لیے چاہتے ہیں ان کا دروازہ بند فرما دیتے ہیں۔ پس نہ وہ ان سے فیض حاصل کر سکتا ہے اور نہ یہ ہی ان کو فیض پہونچا سکتے ہیں۔

اسی طرح جو چیز ایمان کامل کی تحصیل کے لیے ممد و معاون بنتی ہے، وہ مشائخ ارباب سلوک کی کتابیں بھی ہیں کہ ان کی تعظیم اور ان کے مطالعہ سے بھی ایمان کامل کے مقام تک رسائی ہو جاتی ہے۔ انتہی کلامہ

یہ وہ تفصیل تھی جو حضرت شیخ عبد الغنی نابلسیؒ نے بیان فرمائی ہے..... اب ایک اور کام کی بات سنئے:۔ (حضرتؒ کے ہاتھ میں حضرت قاضی ثناء اللہؒ کی تصنیف مالابد منہ تھی، اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا)

یہ کتاب فقہ کی ہے۔ مالابد منہ اس کا نام ہے اس میں قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ نے آخر میں "کتاب الاحسان" کے عنوان سے ایک باب قائم فرمایا ہے حالانکہ کسی فقہ کی کتاب میں یہ باب نہیں ہے۔ کتاب الطہارت، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ وغیرہ ہوتا ہے "کتاب الاحسان" کسی میں نہیں ہوتا مگر انھوں نے اسکو بھی فقہ کی کتاب میں لیا ہے "احسان" سے مراد وہی ہے جو حدیث جبریلؑ میں آیا ہے کہ جبریلؑ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چند سوالات کیے ما الاسلام؟ اسلام کیا ہے؟ ما الایمان؟ ایمان کیا ہے؟ اس کے بعد پوچھا کہ ما الاحسان؟ احسان کیا ہے۔ پس قاضی صاحب نے ایمان اور اسلام کے مسائل بیان کرنیکے بعد احسان کے متعلق بھی مختصر سا کلام فرمایا ہے۔ یہ نہایت عمدہ کتاب ہے مگر اب لوگ اس کو بہت کم پڑھاتے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ "بدان اسعدک اللہ تعالیٰ"۔ این ہمہ کہ گفتہ شد صورت ایمان و اسلام و شریعت است" (جانو! اللہ تعالیٰ تم کو نیک بخت بنائے کہ یہ جو کچھ کہ اب تک بیان ہوا وہ سب ایمان و اسلام اور شریعت کی صورت ہی تھی یعنی ظاہر شرع کا بیان تھا)، "مغز و حقیقت او در خدمت درویشاں باید جست" (باقی ایمان و اسلام اور شریعت کا مغز اور اسکی حقیقت کو درویشوں کی خدمت میں تلاش کرنا چاہیئے یعنی دین کی روح اور اس کا باطن اگر درکار ہے تو وہ کتابوں میں نہیں ملے گا، بلکہ اس کی جگہ مشائخ کا سینہ ہے لہٰذا ان کی صحبت ہی سے اس کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔)

دیکھئے پہلے میں نے عبد الغنی نابلسی کا قول نقل کیا ہے اس میں مشائخ کی صحبت کو ایمان کامل کی تحصیل کے لیے صرف معین ہی فرمایا تھا چنانچہ فرمایا تھا کہ وممایعین علی

تحصیلہ صحبۃ اھلہ وخدمتھم واحترامھم والاخلاص فی اعتقادھم اور یہاں قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ روح اسلام، روح ایمان اور روح شریعت (اسی کا دوسرا نام تو کمال ہے) اس کی تحصیل کا واحد ذریعہ خدمت وصحبت درویشاں ہے اور یہ صحیح بات ہے۔ ہمارے شیخ المشائخ حضرت عبدالقدوس گنگوہی بھی اسی کے قریب قریب فرماتے ہیں السنۃ الجلیۃ میں حضرتؒ (یعنی حضرت مولانا تھانویؒ) نے اُن کا ایک مکتوب نقل فرمایا ہے اس میں فرماتے ہیں کہ

> ہر یکے از اولیاء بر قدر علو درجہ خویش در متابعت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم دمے وقدمے دارد کہ یکے بدیگرے نرسد وفہم آں اورا نبود چنانکہ نسبتہ آں ناطقست وکیف تصبر علی مالم تحط بہ خبراً اگر آنجا انکار بود حرمانِ عظیم باشد کہ منکر بجائے نرسد جز مخذول ومطرود نبود۔ صاحب عوارف می گوید من انکرھم ضل واعتدی۔ ومصدق اگرچہ بدرجہ ایشاں نرسیدہ است امید است کہ تصدیق او درصحبت وخدمت ایشاں آرد واو را بکمال مرداں رساند وعارف سبحان گرداند۔

(صفحہ ۵۲ السنۃ الجلیۃ)

یعنی اولیاء اللہ میں سے ہر ایک اپنے اپنے درجہ اور رتبہ کے مطابق سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں ایسا دم وقدم رکھتا ہے کہ ان میں سے ایک کسی دوسرے کے درجہ کو نہیں پہونچتا بلکہ اُس کے مقام کی بھی اسے فہم نہیں ہوتی ہے جیسا کہ قرآن میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ آپ کیونکر صبر فرما سکتے ہیں ان اُمور پر جن کی حقیقت کا آپ کے علم نے احاطہ نہیں کیا ہے۔ تو اگر وہاں انکار ہوگا تو حرمانِ عظیم ہوگا کیونکہ منکر ذلیل ورسوا ہی ہوا کرتا ہے۔

صاحب عوارف فرماتے ہیں کہ جس نے اولیاء اللہ کا انکار کیا وہ گمراہ ہوا اور اُس نے حد سے تجاوز کیا اور اُن کی تصدیق کرنے والا اگرچہ اُن کے مقام کو نہیں پہونچ جاتا تاہم امید ہے وہ تصدیق جیسے وہ ان حضرات کی خدمت میں لایا ہے وہ اسے کمال .... تک پہونچائے اور حق تعالیٰ کا عارف بنا دے۔ (السنۃ الجلیۃ)

دیکھئے اس میں مصدّق کے متعلق فرمائے ہیں کہ ان حضرات کی تصدیق ہی اس کو "بکمال مرداں رساند و عارف سبحان گرداند" سبحان اللہ کیا عمدہ بات فرمائی ہے، اور طریق کو کتنا آسان فرما دیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر کسی کو تصدیق حاصل ہوگی تو جو اس کے پاس بیٹھے گا کیا اس کو تصدیق حاصل نہ ہوگی۔ جبکہ تصدیق قلب کا فعل ہے اور قلب ہی میں ہوتی ہے۔ یہ تو صحبت کے حق میں بڑی تقصیر ہے۔ تو اس کے حصول کا بجز صحبت کے اور ذریعہ ہی کیا ہو سکتا ہے۔ بندگوں کا اتفاق ہے کہ اس طریق میں جس کو جو کچھ ملتا ہے وہ صحبت ہی سے ملتا ہے۔ علماء تو عقل کے متعلق بھی لکھتے ہیں کہ اگرچہ یہ فطری اور طبعی ہوتی ہے تاہم عقلاء کی صحبت نیز کتب حکمت اور عقلمندوں کی حکایات کے مطالعہ سے بڑھتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ القول الجمیل میں شیخ کی شرائط بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ بیعت لینے والا کامل مرشدوں کی صحبت میں رہا ہو اور ان سے ادب سیکھا ہو۔ زمانۂ دراز تک ان سے باطن کا نور اور اطمینان حاصل کیا ہو اور یہ یعنی صحبت کاملین اس واسطے مشروط ہوئی کہ عادت الٰہی یوں ہی جاری ہوئی ہے کہ مراد نہیں ملتی جب تک مراد پانے والوں کو نہ دیکھے جیسے انسان کو علم نہیں حاصل ہوتا مگر علماء کی صحبت سے اور اسی قیاس پر ہیں اور پیشے یعنی جیسے آہنگری بدون صحبت آہنگر کے اور نجاری بدون صحبت نجار کے نہیں آتی۔

(صفحہ ۲۱۔ القول الجمیل)

اس سے معلوم ہوا کہ صحبت کا طریق میں کوئی مقام ہے مگر یہ ضرور ہے کہ صحبت وہ کارآمد ہوگی جو اخلاص و صدق کے ساتھ ہو۔ صدق اور تصدیق نہایت ضروری ہے۔ تصدیق ہی کے متعلق فرمایا ہے کہ یہی اس کو کمال مرداں تک پہونچا دے گی اور عارف سبحان بنا دے گی۔ قرآن شریف میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے۔ والذین یصدقون بیوم الدین۔ اس میں تصدیق کا لفظ آیا ہے اور ہر جگہ تو یُؤمِنُونَ فرمایا ہے۔ یہاں پر یصدقون فرمایا ہے۔

حاصل یہ کہ صحبت جو خلوص اور صدق کے ساتھ ہو کشود کار میں اس کو دخل عظیم ہے اتنا کہ اگر اس کو اصل طریق ہی کہہ دیا جائے تو غلط نہ ہوگا کیونکہ اعمال صالحہ کو جو اسباب ایمان کامل کے لیے

فرمایا ہے اور اخلاق رذیلہ کو جو موانع تکمیل ایمان فرمایا ہے تو ان دونوں پر بھی عمل صحبت ہی سے ہوتا ہے اسی سے اعمال صالحہ کی توفیق بھی ہوتی ہے اور اسی کی وجہ سے رذائل کے ازالہ کی ہمت نفس میں پیدا ہوتی ہے پس یہ تزکیہ وغیرہ جو کچھ سالک کرتا ہے وہ سب اس پر صحبت ہی کی وجہ سے آسان ہوتا ہے۔ کسی بزرگ کی انکساری۔ تواضع اخلاق کو دیکھ کر ان سب اخلاق حسنہ سے متخلق ہونے کو جی چاہنے لگتا ہے بس یہیں سے سالک کا کام بن جاتا ہے اور راہ کھل جاتی ہے۔

بہت عمدہ اور نہایت ضروری مضمون بیان کر رہا ہوں اگر دل سے سنوگے تو بزرگوں کی بہت سی باتیں جان جاؤ گے اور اس دنیا میں اور بیوی بچوں میں رہتے ہوئے دل خدا تعالیٰ کی طرف رجوع ہو جائے گا۔ اور نہیں سنو گے تو تم خود ہی اس کا نتیجۂ بد دیکھو گے۔

---

کلام طویل ہو گیا۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ قاضی صاحبؒ نے لکھا ہے کہ شریعت کے مغز کو جس کا دوسرا نام حقیقت ہے۔ بزرگوں اور درویشوں کی خدمت میں تلاش کرنا اور وہاں سے اس کو حاصل کرنا چاہیئے۔ آگے ایک بڑا مسئلہ حل فرماتے ہیں جس سے جاہل ہونے کے سبب گمراہی کا احتمال تھا اور آج تو لوگوں نے اسی گورکھ دھندہ میں کتنوں کو الجھا لیا ہے۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ "و خیال نباید کرد کہ حقیقت خلافِ شریعت است کہ ایں سخن جہل و کفر ست۔"

یعنی یہ خیال بھی نہ کرنا چاہیے کہ شریعت اور، طریقت اور ہے۔ یعنی حقیقت و طریقت شریعت کے خلاف اور اس کے مقابل کوئی چیز ہے۔ توبہ توبہ یہ بات جہالت کی ہے بلکہ کفر کی ہے۔ ایسا نہیں "بلکہ ہمیں شریعت است کہ در خدمت درویشاں چوں قلب از تعلق علمی و حُبی کہ بما سوی اللہ داشت پاک شود و رذائل نفس برطرف گشتہ نفس مطمئنہ شود و اخلاص بہم رساند شریعت در حق او مغز شود۔"

یعنی طریقت اور حقیقت، شریعت کے مخالف کوئی چیز نہیں ہے بلکہ یہی شریعت ہی ہے کہ بزرگوں کی خدمت میں جانے اور ان کی صحبت میں بیٹھنے کی برکت سے جب قلب ماسوی اللہ

کے علمی اور حسی تعلق سے پاک ہو جاتا ہے۔ یعنی جو تعلقات کہ اللہ تعالیٰ کے تعلق میں حائل اور مانع ہوتے ہیں ان سے قلب پاک صاف ہو جاتا ہے اور نفس سے اس کے رذائل دور ہو کر نفس مطمئنہ ہو جاتا ہے اور انسان میں خلوص اور صدق پیدا ہو جاتا ہے تو پھر یہی شریعت اس کے حق میں بامغز ہو جاتی ہے اور اب اس کے ظاہری اعمال کا وزن قلب کی شرکت کی وجہ سے بہت بڑھ جاتا ہے چنانچہ یہ حال ہو جاتا ہے کہ

"دو رکعت او بہتر از لک رکعت دیگراں باشد و ہم چنیں صوم او و صدقہ او"

یعنی اب اس شخص کی دو رکعت نماز، دوسرے لوگوں کی جو ایسے نہ ہوں ایک لاکھ رکعت نماز سے بڑھ جاتی ہے اور یہی حال روزہ، صدقہ اور اس کی جملہ عبادات کا ہو جاتا ہے۔

"در رسول فرمود صلی اللہ علیہ وسلم اگر شما مثل احد زر در راہ خدا خرچ کنید برابر یک سیر یا نیم سیر جو نباشد کہ صحابہ در راہِ خدا دادہ اند۔ ایں از جہت قوت ایمان و اخلاص شان است۔"

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تم لوگ (یعنی غیر صحابہ) اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا راہِ خدا میں خرچ کر دو تو وہ اُس ایک سیر یا آدھ سیر جَو کے برابر نہ ہوگا جو کہ صحابہؓ نے راہِ خدا میں دیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ فرق ان حضرات کے ایمان و اخلاص ہی کے اعتبار سے ہے۔ حضرات صحابہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے اخلاص کا اور ایمان کا جو درجہ حاصل تھا وہ غیر صحابی کو حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔ کوئی کیسا بڑا ولی اور بزرگ چاہے کہ اپنی عبادت میں وہ مقام حاصل کر لے جو صحابی کو حاصل تھا ناممکن ہے...... آگے قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ

"نور باطن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم را از سینہ درویشاں باید جُست و بداں نور سینۂ خود را روشن باید کرد تا ہر خیر و شر بفراست صحیحہ دریافت شود۔"

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نور باطن کو درویشوں کے سینہ سے تلاش کرنا چاہیے... مطلب یہ کہ ان کی صحبت سے اس کو حاصل کرنا چاہیے اور اس نور سے اپنے سینہ کو روشن کرنا چاہیے تاکہ فراست صحیحہ پیدا ہو جائے اور اس کے ذریعہ سے ہر خیر و شر کو معلوم کیا جا سکے اور ان میں باہم امتیاز ہو سکے۔ آگے فرماتے ہیں کہ:-

"ولی در قرآن متقی را فرمودہ و در حدیث علامت اولیاء اللہ فرمودہ کہ در صحبت او خدا یاد آید یعنی محبت دنیا در صحبت او کم شود و محبت حق زیادہ گردد و اللہ اعلم و کسی کہ متقی نباشد او ولی نباشد مثنوی

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست    پس بہر دستی نشاید داد دست

فرماتے ہیں کہ :۔ ولی قرآن شریف میں متقی کو فرمایا گیا ہے اور حدیث شریف میں اولیاء اللہ کی علامات کا ذکر یہ آیا ہے کہ اس کی صحبت سے خدا یاد آوے یعنی دنیا کی محبت اس کی صحبت میں بیٹھنے سے کم ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی محبت زیادہ ہو جائے چنانچہ جو شخص متقی نہیں ہے۔ وہ ولی نہیں ہو سکتا۔ مولانا روم فرماتے ہیں کہ بہت ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کی شکل میں شیطان ہوتا ہے لہٰذا سوچ سمجھ کر کام کرنا چاہیے اور ہر شخص کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دینا چاہیے۔ یعنی ہر ایک کو بزرگ جان کر اس سے بیعت نہیں ہو جانا چاہیے۔ اسی مضمون کو حضرت عزیزاں علی رامیتنی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ

باہر کہ نشستی و نشد جمع دلت    وز تو نہ رمید صحبت آب و گلت
زنہار ز صحبتش گریزاں می باش    ورنہ نکند روح عزیزاں بحلت

یعنی جس کسی کے پاس تم بیٹھے اور تم کو باطنی جمعیت نہ حاصل ہوئی اور تم سے آب و گل کی صحبت یعنی دنیوی تعلقات نہ چھوٹے اور نہ ترک ہوئے .... تو خبردار اس کی صحبت سے دور بھاگو ورنہ عزیزاں کی یعنی میری روح تم کو یہ تمہارا جرم معاف نہ کرے گی۔ (رسالہ بدعنہ صلا ۱۶۲)

اسی مضمون کے متعلق حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ جہاں سے ضرر کا اندیشہ ہو یعنی مثلاً وہ شخص بے شرع ہو وہاں سے بھاگنا چاہیے اور جو شخص کہ بظاہر متقی معلوم ہوتا ہو اس کی صحبت اختیار کرنے اور اس کے ہاتھ میں ہاتھ دینے میں مضائقہ نہیں ہے یعنی کم از کم ضرر کا احتمال یہاں نہیں فائدہ ہو یا نہ ہو۔ پس اگر اس کی صحبت تاثیر کرے اور وہ تاثیر علمائے ظاہر و باطن کے نزدیک معتبر بھی ہو تو ایسے شخص کی صحبت کو کبریت احمر (یعنی کیمیا اور اکسیر) جانے اور غنیمت شمار کرے۔ اور اگر اس کی صحبت کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو یا وہ تاثیر اکابر کے نزدیک معتبر نہ ہو تو اس کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے اس کی صحبت کو ترک کر دے اور خدا کا راستہ دوسری جگہ سے طلب کرے کیونکہ مقصود خدا تعالیٰ

ہیں نہ کہ کوئی خاص شخص۔

اور وہ تاثیر جو اکابر کے نزدیک معتبر ہے یہ ہے کہ اس کی صحبت میں ایک ایسا حال پیدا ہو جائے کہ جس کی وجہ سے دل دنیا سے سرد ہو جائے اور خدا کی محبت اور دوستان خدا کی محبت اور اعمال صالحہ سے تعلق اور اچھے کام کرنے کی توفیق اور بدی سے بچنے کی توفیق اور ان سے بیزاری قلب میں پیدا ہو جائے۔ نیز اس کی صحبت سے بحکم اذا رؤا ذکر اللہ خدا یاد آئے اور دوام حضور حاصل ہو اور خدا کی یاد میں اطمینان قلبی اور جمعیت دلی نصیب ہو اور جوں جوں اعمال صالحہ کرتا جائے تو اس حالت اور نسبت میں جو اس شخص سے اس کو ملی ہے۔ قوت کا مشاہدہ کرے اور جب جب معصیت کا ارتکاب ہو جائے تو اپنے اندر ایک تنگدلی اور بے آرامی پائے اور اس نسبت میں جو اس بزرگ سے اس کو حاصل ہوئی ہے۔ نقصان دیکھے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے کہ جب تم کو تمہاری حسنات سے خوشی حاصل ہو اور سیأت سے رنج و غم لاحق ہو تو تم سمجھ لو کہ تم مومن ہو۔ وہ اسی اطمینان اور تنگدلی کو فرمایا ہے۔

دیکھئے صحبت کی ضرورت اور اس کی تاثیر کے متعلق علماء نے کیسا کیسا کلام کیا ہے۔ بس میں نے یہ جو کہا کہ علماء و مشائخ سب کا اتفاق ہے کہ جس کو طریق میں جو کچھ ملا ہے وہ صحبت کی بدولت ملا۔ یہ بالکل صحیح ہے۔ (بشکریہ "معرفت حق الہ آباد")

# جرح و تعدیل

## (۱۰)

مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی
(استاد شعبہ دینیات، مسلم یونیورسٹی)

**میزان الاعتدال** ہمارے ہم عصر علماء راویوں کی جرحیں "میزان الاعتدال" سے بے تکلف نقل کر دیتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ میزان الاعتدال دراصل ابن عدیؒ[1] کی کتاب "الکامل" کا خلاصہ ہے اور ذہبی (مصنف میزان الاعتدال) اور ابن عدی (مصنف کتاب الکامل) کا جرح و تعدیل میں طریقہ کار کیا ہے؟ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے معاصر علماء لغزش میں مبتلا ہو گئے اور دوسروں کو جھگڑے میں ڈال دیا، کیونکہ میزان الاعتدال میں بہت سے ایسے راویوں کے بارے میں جرح کے الفاظ پائے جاتے ہیں جو ثقات میں شمار ہوتے ہیں اور جرح سے بری ہیں، ان حالات میں سمجھ دار آدمی کو غور سے کام لینا چاہئے اور غافل قسم کے لوگوں کو ہوش سے، محض اس بنا پر کہ کسی راوی کے بارے میں میزان الاعتدال میں جرح کے الفاظ پائے جاتے ہیں، اس راوی کو مجروح قرار دینے میں جلدی نہ کرنا چاہئے، ایسا کرنا بہت گھاٹے کا سودا ہے۔

---

[1] ابن عدی کا نام ابو احمد عبداللہ بن عدی جرجانی شافعی ہے (وفات ۳۶۵ھ) ہمارے شیخ علامہ کوثری نے "نصب الرایہ" کے مقدمہ میں "جرح و تعدیل" عنوان کے تحت لکھا ہے" ابن عدی کی کتاب الکامل میں ہم اپنے محترم ائمہ کے بارے میں بہت زیادہ ایسی باتیں پاتے ہیں جو بد نفسی سے کہی گئی ہیں، اس کی وجہ ابن عدی کا جہالت پر مبنی مذہبی تعصب اور بدعقیدگی ہے دیکھئے ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ اسلمی کے بارے میں ان کا قول ہے اسلمی امام شافعی کا حد [illegible] پائی، آپ کو یہی جاننے [illegible] ہے کہ اسی اسلمی کے بارے میں احمد بن حنبل اور ابن حبان

(باقی اگلے صفحہ پر)

ذہبی نے میزان الاعتدال کے دیباچہ میں لکھا ہے "اس میں (میزان الاعتدال میں) ان راویوں کا بھی ذکر ہے جن کے بارے میں، باوجود انکی ثقاہت اور جلالت کے، معمولی نرمی کی بنا پر اور بہت ذرا سی بات پر جرح کی گئی ہے، مگر ابن عدی وغیرہ مؤلفین کتب جرح نے ایسوں کا ذکر نہ کیا ہوتا تو میں ہرگز ان کا یہاں ذکر ان کی ثقاہت کی وجہ سے نہ کرتا۔ میں نے اس کو مناسب نہیں سمجھا کہ ان میں سے کسی ایک کا بھی نام حذف کردوں جن کا ذکر اصحاب جرح کی کتابوں میں ان کی معمولی نرمی کی وجہ سے بطلہ مجروح کیا گیا ہے۔ اس خوف سے میں نے ان کا ذکر کیا ہے کہ کہیں میری گرفت نہ کی جائے اسلئے نہیں کیا ہے کہ وہ میرے نزدیک ضعیف راوی ہیں۔"

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ایسے ارباب فن جرح و تعدیل کیا کیا کہتے ہیں۔ عجلی کا قول ہے "یہ اسلمی مدنی ہے رافضی جہمی قدری ان کی حدیث نہیں مانی جاتی بلکہ ایک سے زیادہ ناقدین نے اسلمی کو کذاب قرار دیا ہے اگر امام شافعی اسلمی کی روایتوں کو اسی طرح یہ کثرت نہ بیان کرتے جس طرح وہ امام مالک سے بیان کرتے ہیں تو ابن عدی اسلمی کے معاملہ کو قوی بنانے کی ایسی سعی ہرگز نہ کرتے اور اس سعی میں ابن عقدہ کے ایسوں کے اقوال کو سند میں نہ پیش کرتے۔

میری سمجھ میں نہیں آیا کہ کس طرح ابن عدی کی زبان امام محمد بن الحسن کے ایسے حضرات کے بارے میں یہ کہنے پر کھل گئی کہ ان کا علم قابل اعتنا نہیں ہے۔ حالانکہ ابن عدی کے امام (یعنی امام شافعی) بھی امام محمد کے علم سے بے اعتنائی نہیں برت سکے بلکہ انھوں نے فقہ کا علم امام محمد ہی سے حاصل کیا، بات یہ ہے کہ (زباعۃ نہ آئے تو انگور کھٹے ہیں کی مثل کے مطابق) اس چیز سے جو اسے نہیں ملتی ہے اپنے کو آسودہ قرار دینے والا ہر عالم کے علم سے مستغنی ہوا کرتا ہے۔ اپنا جہالتوں پر قانع رہ کر اور یہ دیکھے بغیر کہ اس کے آگے کیا ہے اور اس کے پیچھے کیا ہے! —— ابن عدی ہمارے تمام ائمہ کے ساتھ یہی حرکت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ابن عدی کی ان کوتاہیوں پر اس پر اپنا فضل نازل فرمائے، ابن عدی کی "الکامل" کے عیوب میں ایک عیب یہ بھی ہے کہ وہ ایک شخص پر اس کی روایت کردہ حدیث کی بنا پر طعن کرتا ہے حالانکہ طعن اس شخص پر نہیں بلکہ اس سے روایت کرنے والے پر ہونا چاہیے اس عیب کا اقرار خود ذہبی نے میزان الاعتدال میں کئی مقامات پر کیا ہے، مثلاً ایک جگہ ذہبی نے لکھا ہے "امام ابوحنیفہ کی مرویات کے بارے میں جن کی تعداد —— ابن عدی کے نزدیک —— تین سو ہے ابن عدی

(باقی اگلے صفحہ پر)

میزان الاعتدال کے آخر میں ذہبی نے لکھا ہے " میزان الاعتدال کی اصل غرض اور اس کا موضوع ضعیف راویوں کا ذکر ہے۔ اس کتاب میں بہت سے حضرات (ضعیف نہیں ہیں) ثقہ ہیں، میں نے ان کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ ان کی طرف منسوب ضعف کو دفع کروں، یا یہ بتاؤں کہ ان کے بارے میں ضعف کی بات جو کہی جاتی ہے وہ بے جا اور غیر موثر ہے "

جعفر بن ایاس الواسطی کے احوال میں میزان الاعتدال میں ذہبی نے لکھا ہے " ثقہ حضرات میں سے ایک، ابن عدی نے اپنی کتاب الکامل میں ان کا ذکر کر کے بُرا کیا۔

حماد بن ابی سلیمان الکوفی کے احوال میں، جو امام ابو حنیفہ کے شیخ ہیں، ذہبی نے لکھا ہے، "حضرت انس سے حماد نے حدیث کی سماعت کی، ابراہیم نخعی سے فقہ حاصل کی، بہت سے حضرات نے جیسے سفیان ثوری، شعبہ اور ابوحنیفہ وغیرہ نے ان سے سماعت حدیث کی۔ حماد کے بارے میں عقیدۂ ارجا کی بنا پر جرح کی گئی ہے۔ اگر ابن عدی نے اپنی کتاب میں ان کا ذکر نہ کیا ہوتا تو میں بھی نہ کرتا "

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

کا نقد، یہ مرویات وہ ہیں جو ابان بن جعفر بجیری کا روایت کردہ ہیں۔ ان مرویات میں جو باتیں بھی قابل گرفت ہیں وہ سب کی سب اس راوی (ابان بن جعفر) کے پہلو سے ہیں جو خود ابن عدی کے شائخ حدیث میں ہے ابن عدی کی برابر یہ کوشش رہتی ہے کہ ابان بن جعفر کی روایت میں جو گرفت کی باتیں ہیں وہ ابوحنیفہ پر سادہ طور پر چسپاں کر دی جائیں، یہ سراسر ظلم و جور ہے یہی حال ابن عدی کی تمام گرفتوں کا ہے۔ ایسی گرفتوں کی [illegible] ترین مثال یہ ہے کہ (راوی کے بجائے اس کی) اسانید پر نظر کی جائے "

ہمارے شیخ (امام الکوثری) نے اپنی تصنیف " تانیب الخطیب علی ماساقہ فی ترجمہ ابی حنیفۃ من الاکاذیب " میں یوں تحریر کیا ہے " ابن عدی، فقہ، غور و فکر اور علوم عربیہ سے اپنے بُعد (کم علمی) کے باوجود ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے بارے میں بڑا زباں دراز ہے، جب وہ ابوجعفر الطحاوی سے قریب ہوا اور ان سے کچھ سیکھا تو اس کا حال قدرے بہتر ہوا، یہاں تک کہ اس نے ایک کتاب احادیث ابی حنیفہ کے سلسلے میں بطور مسند تالیف کی "

ہمارے شیخ (امام الکوثری) نے " کتاب الکامل " پر نقد کے سلسلے میں ایک الگ کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام " ابداء وجوہ التعدی فی کامل ابن عدی " ہے۔ یہ تنقیدی کتاب ابھی تک طبع نہیں ہوئی ہے۔

ــــــــ ۱۲۔ ابو غدہ

حمید بن ہلال کے احوال میں جو جلیل القدر راویوں میں سے ایک ہیں، ذہبی نے میزان الاعتدال میں کہا ہے "حمید کا ذکر ابن عدی کی الکامل میں ہے اس لئے میں نے اس کتاب میں بھی ان کا ذکر کیا ورنہ یہ شخص مستند (حجت) ہے"۔

ثابت البنانی کے احوال میں ذہبی نے لکھا ہے "میں کہتا ہوں ثابت، اپنے نام کی طرح ثابت اور درجۂ ثبوت کو پہونچے ہوئے ہیں۔ اگر ابن عدی نے ان کا ذکر نہ کیا ہوتا تو میں بھی نہ کرتا"۔

احمد بن صالح مصری کے احوال میں ذہبی نے لکھا ہے "ابن عدی کا کہنا ہے کہ اگر میں نے طے کر لیا ہوتا کہ ہر اس راوی کا اپنی اس کتاب میں ذکر کروں گا جس کے بارے میں کچھ بھی جرح کی گئی ہے تو میں احمد بن صالح کو اس سے ارفع واعلیٰ سمجھتا ہوں کہ ان کا ذکر کروں"۔

اشعث بن عبدالملک حمرانی کے احوال میں ذہبی نے لکھا ہے "میں کہتا ہوں کہ میں نے اس لئے ان کا ذکر کیا کہ ابن عدی نے کامل میں ان کا ذکر کیا ہے، مگر ابن عدی نے ان کے بارے میں ایک بھی ایسی بات نہیں کہی جس سے کسی طرح بھی اشعث کی کمزوری ظاہر ہوتی ہو، اور کسی اور نے بھی اشعث کو ضعفاء کے زمرے میں ذکر نہیں کیا ہے، ہاں! صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اشعث سے کوئی حدیث روایت نہیں کی گئی ہے تو اس سے کیا ہوا۔؟"

اویس قرنی کے احوال میں ذہبی نے لکھا ہے "بخاری نے کہا ہے کہ وہ یمنی اور مرادی ہیں اور ان کی روایت کردہ حدیثوں کی سند میں شبہ ہے، اسی طرح بخاری نے اپنی کتاب "الضعفاء" میں اویس قرنی کے بارے میں لکھا ہے "ان کی سند میں شبہ ہے"۔ میں کہتا ہوں "بخاری کی اصل عبارت یہ ہے فی اسنادہ نظر ان کا مطلب یہ ہے کہ جو حدیث اویس سے روایت کی جاتی ہے اس میں سند کے نیچے لے کر اویس تک شبہ ہے۔ اگر بخاری نے اویس کا ذکر ضعفاء میں نہ کیا ہوتا تو میں کبھی ان کا ذکر نہ کرتا اس لئے کہ وہ صالحین اولیاء اللہ میں ہیں"۔

احمد بن شعیب بن عشرہ کے احوال میں ذہبی نے لکھا ہے "پھر ابن عدی نے احمد کے معاملے کو قوی کر دیا اور کہا کہ اگر میں نے پہلے نہ کر لیا ہوتا کہ جس کسی کے بارے میں بھی کچھ بھی جرح کی گئی ہے اس کا ذکر کروں گا تو میں اس فضیلت کی بنا پر جو احمد بن شعیب کو حاصل ہے، ان کا ذکر نہ کرتا"۔

(حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں ابوالقاسم عبداللہ بغوی کے احوال میں لکھا ہے "ابن عدی نے پہلے ان کو ضعیف قرار دینا شروع کیا آخر میں ان کو قوی ٹھہرایا اور یہ کہا "اگر میں نے طے نہ کر لیا ہوتا کہ جس کسی کے بھی بارے میں کسی نے کچھ بھی جرح کی ہے اس کا ذکر کروں گا تو میں ان کا ذکر نہ کرتا"۔

ابوبکر عبداللہ بن ابی داؤد سجستانی کے احوال میں ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے :-

"ابن عدی نے کہا ہے "اگر ہم نے طے نہ کر لیا ہوتا کہ جس کسی کے بارے میں بھی جرح کی گئی ہے، اس کو ہم ذکر کریں گے تو ابو داؤد کا میں ذکر نہ کرتا"۔

زین العراقی نے اپنی "شرح الفیہ" میں لکھا ہے "ثقات وضعفاء کے تذکرے میں ائمۂ حدیث کی متعدد تصانیف ہیں، بعض وہ ہیں جو صرف "ضعفاء" کے احوال میں ہیں، ضعفاء کے موضوع پہ بخاری، نسائی، عقیلی، ساجی، ابن حبان، دارقطنی، ازدی اور ابن عدی نے کتابیں لکھی ہیں، لیکن ابن عدی نے اپنی کتاب "الکامل" میں ہر اس راوی کا ذکر کیا ہے جس کے بارے میں کچھ بھی جرح کی گئی ہے، خواہ وہ ثقہ ہی کیوں نہ ہو، اور ابن عدی ہی کی پیروی ذہبی نے "میزان الاعتدال" میں کی ہے۔ البتہ ذہبی نے کسی صحابی اور کسی ایسے امام کا ذکر نہیں کیا ہے جس کے لوگ پیرو ہیں، اور بہت سے لوگ بھی ذہبی سے رہ گئے ہیں، میں نے ایک جلد میں اس کا تکملہ لکھا ہے"۔

سخاوی نے "فتح المغیث" میں لکھا ہے "ثقات وضعفاء دونوں موضوعات پر متعدد تصانیف ہیں ضعفاء کے موضوع پر یحییٰ بن معین، ابوزرعہ الرازی، بخاری (ان کی چھوٹی اور بڑی تصنیف دونوں) نسائی، ابو

—— (حاشیہ صفحہ گزشتہ)

سلہ میزان الاعتدال کے مطبوعہ نسخوں میں ابن عقدہ کا ذکر نہیں ہے نہ اس مخطوطہ میں ہے جو حلب کے کتب خانۂ احمدیہ میں ہے۔ البتہ ابن عقدہ کا تذکرہ ذہبی کی کتاب تذکرۃ الحفاظ میں ہے اور اس میں تقریباً یہی بات کہی گئی ہے جو یہاں "میزان الاعتدال" سے حضرت مؤلف (مولانا عبدالحئ فرنگی محلی) نے نقل کی ہے تذکرۃ الحفاظ میں یہ الفاظ نہیں ہیں "پھر ابن عدی نے احمد کے معاملے کو قوی کر دیا"۔ تو شاید مؤلف (مولانا عبدالحئ رہ) کے پاس میزان الاعتدال کا جو مخطوطہ تھا اس میں ابن عقدہ کا تذکرہ پایا جاتا ہو یا پھر مؤلف یہ کہنا چاہتے ہوں کہ "ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں کہا ہے" اور سہواً "میزان الاعتدال" لکھ گئے۔

—— ۱۲- ابو عدہ

حفص الفلاس، ابو احمد بن عدی، ابن عدی کی "الکامل" اپنی قبیل کی تمام تصانیف سے زیادہ مکمل اور جلیل الشان ہے، البتہ اس میں ایسی وسعت ہے کہ جس راوی کے بارے میں کچھ بھی جرح کی گئی ہے، خواہ وہ ثقہ ہو، اس کا ذکر بھی ضعفاء میں کر دیا ہے۔"

"فتح المغیث میں یہ بھی ہے:" ابن عدی کی کتاب "الکامل" کا بیشتر حصہ ذہبی نے اپنی کتاب میزان الاعتدال میں لے لیا ہے اس طرح میزان الاعتدال عمدہ اور قابل اعتماد کتاب کی شکل میں سامنے آئی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ذہبی نے بھی ابن عدی کی اتباع کی ہے اور ہر اس راوی کا ذکر کیا ہے جس پر کچھ بھی جرح ہوئی ہے خواہ وہ ثقہ ہو!

فتح الباری کے مقدمہ میں عکرمہ کے ذکر میں حافظ ابن حجر نے لکھا ہے" ابن عدی کی عادت ہے کہ ایسی روایتیں لکھ دیتے ہیں جن سے ثقات کی کمزوری ظاہر ہوتی ہے۔"

حافظ ابن حجر نے" تہذیب التہذیب" کے دیباچہ میں لکھا ہے" ہر اس راوی کے ذکر کا جس پر جرح کی گئی ہے یا جس کی توثیق کی گئی ہے، فائدہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب کسی کے بارے میں اختلاف رائے نمودار ہو"

محمد منظور نعمانی

# تحدیث نعمت

## (۹)

## حضرت شاہ عبد القادر رائے پوری قدس سرہٗ کی خدمت میں

اللہ کی رحمتیں ہوں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی روح پر سب سے پہلے انہی سے حضرت رائے پوری قدس سرہ کے حالات بار بار سُن کر دل میں حضرت کی عظمت اور عقیدت پیدا ہوئی ــــ پھر ۱۹۳۹ء کے اواخر میں رفیقِ محترم مولانا سید ابو الحسن علی میاں ندوی اور ایک دوسرے ایسے ہی ہم مشرب ہم مسلک اور ہم ذوق دوست الحاج عبد الواحد ایم۔اے کے ساتھ حضرت کی خدمت میں رائے پور پہلی حاضری ہوئی اور دو راتیں حضرت کی خانقاہ میں قیام رہا جو آبادی اور آبادی کے شور و شغب سے الگ جنگل میں واقع ہے، پورا ماحول نہایت شاداب باغات اور سرسبز کھیتوں کا ہے، قریب ہی ندی بہ رہی ہے، اس لحاظ سے بھی بڑا دلکش ماحول ہے۔

جیسا کہ معلوم ہے حضرت قدس سرہٗ ایک مشہور شیخ طریقت اور مرشد تھے اور آپ کی شخصیت اور خانقاہ کا یہی خاص موضوع تھا، لیکن ہماری یہ حاضری سلوک و تصوف کی طلب میں نہیں تھی، بلکہ ایک دوسرے مقصد سے ہم لوگوں نے یہ سفر کیا تھا، مگر ہم تینوں ہی حضرت کی شخصیت سے بہت متاثر ہوئے اور ہم نے خانقاہ کی فضا میں بہت ہی غیر معمولی درجہ کا روحانی سکون و سرور محسوس کیا ــــ اس کے قریباً ڈیڑھ دو سال بعد مجھے ایک سخت ذہنی اور روحانی صدمہ پہونچا اور شاید اسی کے اثر سے میں بیمار پڑ گیا، بیماری نے بہت طول کھینچا، آخر میں میرے معالجوں نے مجھے مشورہ دیا کہ میں کچھ دنوں کے لیے کسی ایسی جگہ چلا جاؤں جہاں

ذہن پر کسی فکر کا بوجھ نہ پڑے اور روحانی و قلبی سکون و اطمینان کی زیادہ امید ہو، ــــ اسکے لیے میں نے رائے پور کی خانقاہ کو سب سے بہتر مقام سمجھا۔ حضرت قدس سرہٗ کی عنایتوں اور شفقتوں کا ایک دفعہ تجربہ ہو چکا تھا اس لیے بغیر اس کے کہ پہلے خط و کتابت کر کے اجازت حاصل کی جائے میں نے رائے پور جانے کا پروگرام بنا لیا اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ جیسا کہ اندازہ تھا حضرت نے بڑی ہی عنایت اور شفقت کے ساتھ خصوصی مہمان بنا لیا۔ غالباً میں نے پہلے ہی دن اپنی حاضری کی وجہ اور غرض بھی عرض کر دی تھی۔

یہاں اپنا یہ حال بھی عرض کر دوں کہ چونکہ میری تمام تر تعلیم اُن مدارس میں ہوئی تھی جن کے اساتذہ دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتہ تھے اور آخر میں دو سال دارالعلوم ہی میں وہاں کے اُن اکابر و اساتذہ کے قدموں میں رہا تھا جو شریعت و طریقت کے جامع تھے، اس لیے ان کے اتباع و پیروی میں دین کے دوسرے شعبوں کی طرح تصوف و سلوک کے بارے میں بھی میرا خیال و فکر وہی تھا جو میں نے اپنے ان اکابر و اساتذہ کا دیکھا اور سمجھا تھا ــــ لیکن رائے پور کی اس حاضری سے کچھ پہلے بعض خاص حالات و اسباب کی وجہ سے میرے اندر یہ ذہنی تغیر پیدا ہو گیا تھا کہ تصوف کے اصل مقصد اور اس کی روح کو تو میں دین کا ایک ضروری شعبہ سمجھتا تھا لیکن ذکر و شغل وغیرہ کے جو خاص خاص طریقے خانقاہوں میں (ہمارے سلسلہ کی بھی خانقاہوں میں) عام طور سے رائج اور معمول ہیں اُن کو میں صحیح نہیں سمجھتا تھا بلکہ اجتہادی قسم کی غلطی سمجھتا تھا، اس سلسلہ میں یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل تھا کہ قلب میں ان بزرگوں کی جو عظمت تھی اور ادب کا جو رویہ تھا اس میں فرق نہیں آیا تھا ــــ بہرحال جب میں رائے پور کی خانقاہ میں کچھ دن قیام کی نیت سے حاضر ہوا ہوں تو میرا یہ حال اور خیال تھا ــــ اب آگے سنئے!

غالباً پہلا ہی دن تھا کہ حضرت رائے پوری قدس سرہٗ مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر خانقاہ کے صحن میں ایک پلنگ پر تشریف فرما تھے۔ از راہِ شفقت و عنایت مجھے بھی اپنے ساتھ ہی بٹھا لیا تھا۔ جہاں تک یاد ہے کوئی تیسرا شخص اس وقت وہاں پر نہیں تھا۔ قریب ہی خانقاہ کی سہ دری میں چند حضرات "نفی اثبات" کا اور بعض ان میں "اسم ذات" کا ذکر کر رہے تھے۔ یہ سب

اچھے خاصے جہر کے ساتھ ذکر کرتے تھے اور خاص طریقے سے قلب پر ضرب لگاتے تھے میں جہر و ضرب کے اس طریقے سے اپنے اندر انقباض محسوس کرتا تھا میں نے ادب و احترام کے ساتھ حضرت کی خدمت میں عرض کیا۔

"حضرت ساری عمر دین کے بارے میں جو کچھ پڑھا ہے اور کتابوں میں جو دیکھا ہے اس سے یہ سمجھا ہے کہ اصل دین وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے اور جس کی تعلیم آپ نے صحابۂ کرام کو دی اور پھر صحابۂ کرام سے بعد والوں نے سیکھا اور جو صحیح نقل و روایت کے ساتھ ان سے ہم تک پہنچا اور (سہ دری میں ذکر کرتے ہوئے حضرات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے میں نے کہا) یہ حضرات جس طرح جہر و ضرب کے ساتھ ذکر کر رہے ہیں، جہاں تک اپنا علم ہے نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو تعلیم فرمایا تھا نہ صحابہ کرام نے تابعین سے اس طریقہ پر ذکر کرایا اور نہ تابعین نے اپنے بعد والوں کو یہ طریقہ بتلایا تھا۔ اس لیے ذکر کے اس طریقے کے بارے میں مجھے خلجان ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ میرا یہ خلجان اگر کسی غلط فہمی کی وجہ سے ہو تو اس کی تصحیح اور اصلاح ہو جائے۔"

حضرت رائے پوری قدس سرہ نے میری توقع کے بالکل خلاف ایک عجیب انداز میں فرمایا۔

"مولوی صاحب یہ بیچارے جو یہاں میرے پاس آتے ہیں یہ اور کسی کام کے نہیں ہوتے بس اسی کام کے ہوتے ہیں اور اسی کے واسطے آتے ہیں، اس لیے میں ان کو یہی بتلا دیتا ہوں آپ جو کام کرتے ہیں (یعنی تحریر و تقریر سے دین کی خدمت) یہ بہت بڑا کام ہے آپ تو یہی کرتے رہیں اور اس چکر میں نہ پڑیں۔"

ظاہر ہے کہ یہ میرے سوال کا جواب نہ تھا لیکن حضرت نے میری بات کے جواب میں اتنا فرمایا اور مجھے کچھ اور عرض کرنے کی مہلت دیے بغیر ہندوستانی مسلمانوں کے بعض اجتماعی مسائل اور ان کے مستقبل پر گفتگو کا ایک نیا سلسلہ شروع فرما دیا۔ حضرت کا رویہ دیکھ کر پھر سے اپنے سوال کی طرف توجہ دلانا میں نے مناسب نہ سمجھا اور عشاء کے قریب یہ مجلس ختم ہو گئی۔

اگلے دن مغرب کے بعد پھر یہی ہوا کہ ذاکرین نے اسی دھن کے ساتھ سہ دری میں اپنا ذکر شروع کیا۔ آج بھی حضرت نے مجھے اپنے ساتھ اسی پلنگ پر بٹھایا تھا مجھ سے صبر نہ ہو سکا اور میں نے کل والا اپنا سوال پھر دہرایا لیکن حضرت نے آج بھی وہی کل والا رویہ اختیار فرمایا کہ میری بات کو بالکل نظر انداز فرما کر

ہندوستانی مسلمانوں کی ماضی اور حال کی مختلف تحریکوں پر گفتگو کا ایک لمبا سلسلہ شروع فرما دیا اور میرا سوال پھر رہ گیا۔

حضرت کے اس رویہ سے میں اس غلط فہمی میں تو مبتلا نہیں ہوا کہ چونکہ میرے سوال کا کوئی جواب اُن کے پاس نہیں ہے اس لیے یہ اس سے پہلو تہی فرما رہے ہیں بلکہ مجھے یہ خیال ہوا کہ غالباً میرے سوال کو ایک طالب صادق کا سوال نہیں سمجھا گیا بلکہ ایک مبتلائے زعم و کبر کا اعتراض سمجھ کر اس کو اس طرح نظر انداز فرمایا جا رہا ہے۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ اس وقت اس سوال سے اپنی تشفی مقصود بھی نہ تھی بلکہ نیت تنقید اور اصلاح ہی کی تھی۔

---

نماز عشاء وغیرہ سے فارغ ہو کر میں خانقاہ کے اس حجرہ میں جا کر لیٹ گیا جہاں میرے سونے کا انتظام تھا اور تصوف کے اس قسم کے اعمال و اشغال پر خود ہی غور کرنے لگا۔ اس غور و فکر میں خود ہی سائل تھا اور خود ہی مجیب۔ ذہنی بحث و مباحثہ میں مجھے دیر تک نیند نہیں آئی۔ میں چاہتا تھا کہ اس مسئلہ میں ذہن بالکل یکسو ہو جائے۔ اگر میرے سوچنے میں کوئی غلطی ہو رہی ہے تو اس کی تصحیح ہو جائے اور اگر میں ٹھیک سمجھ رہا ہوں تو اس بارے میں مجھے ایسا یقین و اطمینان حاصل ہو جائے کہ میں پوری قوت سے ان چیزوں کا رد و انکار کروں۔ اور ان باتوں کے غلط باطل ہونے پر ایک سچے حق پرست کی طرح اصرار کروں۔

اسی غور و خوض میں دیر کے بعد میرا ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ تصوف کے ان خاص اعمال و اشغال کو (مثلاً ذکر و مراقبہ کے ان مخصوص طریقوں کو جو مشائخ کے تجویز کیے ہوئے ہیں اور سنت سے ثابت نہیں ہیں) میرا حرام و نادرست سمجھنا اگر صحیح ہو تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور ان سے پہلے ان جیسے بہت سے حضرات کو مجدد یا مصلح نہیں بلکہ بدعت کا حامی اور رواج دینے والا ماننا پڑے گا۔ کیونکہ ان حضرات نے صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ کسی مصلحت یا وقت کے تقاضے سے ان چیزوں کے بارے میں تسامح اور تساہل ہی برتا ہو بلکہ ان کی تعلیم سے ان کی کتابیں بھری ہوئی ہیں اور عملاً اپنے پاس آنے والے طالبین کو انھوں نے ان ہی طریقوں سے ذکر و شغل کرا کے ان کا سلوک طے کرایا ہے بلکہ ان حضرات میں سے اکثر کی زندگی میں جس قدر یہ پہلو نمایاں ہے غالباً کوئی دوسرا پہلو اتنا نمایاں نہیں

ذہن کے اس طرف منتقل ہونے کے بعد دل نے یہ فیصلہ تو جلد ہی کر لیا کہ مجھ جیسے کم فہم اور ناقص علم کا کسی مسئلہ کے سمجھنے میں غلطی کرنا زیادہ ممکن اور زیادہ قرین قیاس ہے بہ نسبت اس کے کہ امام ربانی مجدد الف ثانی رح اور حضرت شاہ ولی اللہ رح و شاہ اسمٰعیل رح جیسے اکابرین کی طرف غلطی کو منسوب کیا جائے۔ اور وہ بھی ایک ایسے فن سے متعلق مسئلہ میں جس کے ساتھ ہمارا تعلق تو صرف نظری اور فکری ہے اور ان حضرات کا ساری عمر اس کے ساتھ گہرا عملی تعلق رہا ہے۔

دل نے اپنے خلاف یہ فیصلہ جلدی اور آسانی سے اس لیے کر لیا کہ ان حضرات کی تصانیف کے مطالعہ اور ان کے حالات اور اصلاحی و تجدیدی خدمات سے کچھ واقفیت کی وجہ سے ان کے رسوخ فی العلم، تفقہ فی الدین اور عند اللہ مقبولیت کا میں پہلے ہی سے پوری طرح قائل تھا اور میرا دل کسی طرح یہ قبول نہیں کر سکتا تھا کہ یہ سب حضرات اپنے اپنے زمانے میں اسرار دین کے عارف اور امت کے مجدد ہونے کے باوجود چند بدعتوں کو قرب خداوندی کا ذریعہ سمجھ کر خود بھی ساری عمر ان میں مبتلا رہے اور اللہ کے ہزاروں لاکھوں بندوں کو بھی ان میں مبتلا کرتے رہے ۔۔۔ یہ صحیح ہے کہ مجدد نبی کی طرح معصوم اور صاحب وحی نہیں ہوتا لیکن وہ بدعات کا داعی اور رواج دینے والا بھی نہیں ہو سکتا۔ خاص کر دین کے جس شعبہ میں اس کو دین کے سب شعبوں سے زیادہ انہماک ہو اور وہ اس کا داعی ہو اور اسی کے ذریعہ اصلاح و تجدید کا کام کر رہا ہو اسمیں اگر وہ بدعت اور غیر بدعت میں امتیاز نہ کر سکے گا تو وہ یقیناً اصلاح سے زیادہ افساد اور ہدایت سے زیادہ ضلالت کا باعث ہوگا۔

بہرحال یہ چند خیال تھے جس تک پہونچکر میرے ذہن کی الجھن کچھ کم ہوئی اور میں نے مان لیا کہ غالباً مجھ سے ہی اس مسئلہ کو سمجھنے میں کچھ غلطی ہو رہی ہے۔ اور اب مجھے اپنی ہی غلطی کو پکڑنے اور پا لینے کی کوشش کرنا چاہیے ۔۔۔ رات کافی گزر چکی تھی اس نتیجہ پر پہونچکر میں نے اس غور و فکر کا سلسلہ اس وقت ختم کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ اور سو گیا۔

---

حضرت مولانے پوری قدس سرہٗ کا روزانہ کا معمول تھا کہ فجر کی نماز کے بعد دو تین میل چلتے تھے۔ اس وقت حضرت کے خاص خادم مولانا عبدالمنان صاحب ساتھ ہوتے تھے۔ ایک دن پہلے کی آئی ہوئی ڈاک ان کے ہاتھ میں ہوتی تھی وہ ایک ایک خط حضرت کو سناتے تھے حضرت ہر ایک کا جواب بتلاتے

تھے، واپس آکر وہ یہ جوابات لکھتے تھے —— اس معمول کے مطابق صبح کو فجر کی نماز کے بعد حضرت تشریف لے چلے، مولانا عبدالمنان صاحب بھی ساتھ تھے، میں بھی اس دن ساتھ ہو لیا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد مولانا عبدالمنان صاحب غالباً حضرت کا کوئی اشارہ پاکر واپس ہو گئے اور میں تنہا حضرت کے ساتھ رہ گیا۔ میں نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے جو سوال حضرت سے کیا تھا اس کے بارے میں میں نے خود گزشتہ رات بہت غور کیا۔ میرے دل و دماغ نے یہ تو مان لیا ہے کہ تصوف و سلوک کے ان اعمال و اشغال کے بارے میں اب تک میں نے جو سمجھا ہے غالباً وہ صحیح نہیں ہے اور اس کے بارے میں مجھے ہی کوئی غلط فہمی ہوئی ہے لیکن میں ابھی تک اس غلطی کو سمجھ نہیں سکا ہوں۔ چونکہ طبیعت طالبعلمانہ پائی ہے اس لیے جی چاہتا ہے کہ وہ غلطی معلوم ہو جائے۔

میری یہ بات سن کر حضرت نے مسکراتے ہوئے فرمایا:۔

"مولوی صاحب۔ آپ کو شاید یہی تو شبہ ہے کہ یہ چیزیں بدعت ہیں! یہ بتلائیے کہ بدعت کی تعریف کیا ہے۔"

میں نے عرض کیا، علماء نے بدعت کی تعریف کئی طرح سے کی ہے لیکن جو زیادہ منقح اور محقق معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ دین میں کسی ایسی چیز کا اضافہ جس کے لیے کوئی شرعی دلیل نہ ہو۔

حضرت نے فرمایا:۔

"ہاں! ٹھیک ہے، لیکن یہ بتلائیے کہ اگر دین میں کوئی چیز مقصود اور مامور بہ ہو اور اللہ و رسول نے اس کا حاصل کرنا ضروری قرار دیا ہو لیکن زمانے کے حالات بدل جانے کی وجہ سے وہ اس طریقے سے حاصل نہ کی جا سکتی ہو جس طریقے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے زمانہ میں حاصل ہو جایا کرتی تھی بلکہ اس کے واسطے کوئی اور طریقہ استعمال کرنے کی ضرورت پڑ جائے تو کیا اس نئے طریقے کے استعمال کو بھی آپ "دین میں اضافہ" اور "بدعت" کہیں گے؟ —— (پھر اپنے مقصد کو اور زیادہ واضح کرنے کے لیے فرمایا) مثلاً دین سیکھنا سکھانا ضروری ہے اور اس کا نہایت تاکیدی حکم ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے زمانے میں اس کے لیے صرف صحبت کافی ہو جاتی تھی تعلیم کا کوئی مستقل نظام نہیں تھا، نہ مدرسے تھے، نہ کتابیں تھیں، لیکن بعد میں حالات ایسے

ہو گئے کہ اس مقصد کے لیے صحبت کافی نہیں رہی بلکہ کتابوں کی اور پھر مدرسوں کی بھی ضرورت پڑ گئی تو اللہ کے بندوں نے کتابیں لکھیں اور مدرسے قائم کیے اور اس کے بعد سے دینی تعلیم کا سارا سلسلہ اسی سے چلا۔ تو کیا تعلیم اور تعلّم کے طریقہ میں اس تبدیلی کو بھی دین میں "اضافہ" اور "بدعت" کہا جائیگا۔

میں نے عرض کیا ــــ نہیں دین میں اضافہ جب ہوتا ہے جبکہ مقصود اور امر شرعی بنا کر کیا جائے لیکن اگر کسی دینی مقصد کے حاصل کرنے کے لیے قدیمی طریقہ کے ناکافی ہو جانے کی وجہ سے کوئی نیا جائز طریقہ اختیار کر لیا جائے تو اس کو دین میں اضافہ نہیں کہا جائے گا اور نہ وہ بدعت ہوگا۔

حضرت نے فرمایا۔

"مولوی صاحب! سلوک کے جن اعمال و اشغال پر آپ کو بدعت ہونے کا شبہ ہے ان سب کی نوعیت بھی یہی ہے۔ ان میں سے کوئی چیز بھی مقصد سمجھ کر نہیں کی جاتی، بلکہ یہ سب اللہ سے وہ تعلق پیدا کرنے کے لیے کرایا جاتا ہے جو دین میں مقصود اور مامور بہ ہے۔

مثلاً یوں سمجھیے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی رضا کا دھیان رہنا اور کسی وقت بھی اس کی طرف سے غافل نہ ہونا یہ کیفیتیں دین میں مطلوب ہیں اور قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بغیر ایمان اور اسلام کامل ہی نہیں ہوتا۔ لیکن رسول اللہ صلعم کے زمانے میں دینی تعلیم تربیت کی طرح یہ ایمانی کیفیتیں بھی آپ کی صحبت ہی سے حاصل ہو جاتی تھیں، اور حضور کے فیضان صحبت سے صحابہ کرام کی صحبتوں میں بھی یہ تاثیر تھی لیکن بعد میں زمانے کے زیادہ بگڑ جانے اور استعدادوں کے ناقص ہو جانے کی وجہ سے اس مقصد کے لیے صحبت کافی نہیں رہی اور دین کے اس شعبہ کے اماموں نے ان کیفیات کے حاصل کرنے کے لیے صحبت کے ساتھ ذکر و فکر کی کثرت کا اضافہ کیا اور تجربے سے یہ تجویز صحیح ثابت ہوئی۔

اسی طرح بعض مشائخ نے اپنے زمانہ کے لوگوں کے احوال کا تجربہ کر کے ان کے نفس کو توڑنے اور شہوات کو مغلوب کرنے اور طبیعت میں لینت پیدا کرنے کے لیے ان کے واسطے خاص خاص قسم کی ریاضتیں اور مجاہدے تجویز کیے ــــ اسی طرح ذکر کی تاثیر بڑھانے کے لیے اور قلوب میں رقت اور یکسوئی پیدا کرنے کے لیے ضرب کا طریقہ نکالا گیا۔ ان میں سے کسی چیز کو بھی مقصود اور مامور بہ نہیں سمجھا جاتا بلکہ یہ سب کچھ علاج اور تدبیر کے طور پر کیا جاتا ہے اور

اسی واسطے اصل مقصد حاصل ہو جانے کے بعد یہ سب چیزیں چھڑا دی جاتی ہیں اور مشائخ اپنے اپنے زمانے کے حالات اور اپنے تجربوں کے مطابق ان چیزوں میں ردو بدل اور کمی بیشی بھی کرتے رہے ہیں بلکہ ایک ہی شیخ کبھی کبھی مختلف طالبوں کیلئے اُن کے حالات اور استعداد کے مطابق الگ الگ اعمال و اشغال تجویز کر دیتا ہے اور اللہ کے بعض بندے ایسی اعلیٰ استعداد والے بھی ہوتے ہیں جنھیں اس طرح کا کوئی ذکر و شغل کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی، اللہ تعالیٰ ان کو یونہی نصیب فرما دیتا ہے۔"

---

حضرت کی یہ تقریر سُن کر میرا وہ ذہنی خلجان دور ہو گیا اور جو کچھ حضرت نے فرمایا اس کو ذہن نے پوری طرح قبول کر لیا' اسی کے ساتھ یہ احساس اور داعیہ پیدا ہوا کہ مجھے بھی اس سے خالی اور محروم نہ رہنا چاہیے۔ لیکن میرے حالات ایسے تھے کہ میں اس کی تحصیل کے لیے زیادہ وقت نہیں دے سکتا تھا۔ اس لیے میں نے حضرت کی خدمت میں بے تکلف اور صفائی سے عرض کیا کہ حضرت اگر یہ ذکر و شغل اس لیے کرایا جاتا ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی خشیت و محبت وغیرہ کیفیات حاصل ہوں تو میں بھی اس کا محتاج اور طالب ہوں لیکن میری مجبوری یہ ہے کہ میں زیادہ اور مستقل وقت نہیں دے سکتا کیونکہ دین کے جن دوسرے کاموں سے کچھ تعلق ہے میں ان کو بھی چھوڑنا نہیں چاہتا۔

حضرت نے فرمایا:۔

"مولوی صاحب! تصوف دین کے کام چھوڑنے کے لیے نہیں ہے بلکہ اس سے تو دین کے کاموں میں قوت آتی ہے اور جان پڑتی ہے لیکن کیا کیا جائے' اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے جن کو اللہ نے دین کے کاموں کی اچھی استعداد دی ہے وہ اب ادھر توجہ نہیں کرتے۔ اگر وہ تھوڑی سی توجہ ادھر کریں تو دیکھیں کہ ان کے کاموں میں کتنی قوت آتی ہے۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے بادا صاحبؒ نے اور بعد میں حضرت مجدد صاحبؒ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور حضرت سید صاحبؒ نے ہمارے اس ملک میں دین کی جو خدمتیں کیں۔ اور اُن کے جو نتیجے نکلے اُس میں اُن کے اخلاص اور قلب کی اُس طاقت کو خاص دخل تھا جو تصوف کے راستے سے پیدا کی گئی تھی لیکن اب صورت یہ ہے کہ اس طرف صرف وہی لوگ آتے ہیں جو بس اللہ اللہ کرنے کے

کام کے ہوتے ہیں، یہ تو آپ بھی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں استعدادیں مختلف رکھی ہیں، ناقص استعداد کا آدمی اعلیٰ استعداد والوں کا کام نہیں کر سکتا۔

پھر اسی سلسلے میں حضرت نے فرمایا:۔

خدا معلوم لوگ تصوف کو کیا سمجھتے ہیں، تصوف تو بس اخلاص اور عشق پیدا کرنے کا ذریعہ ہے اور جو کام عشق کی طاقت سے اور اخلاص کی برکت سے ہو سکتا ہے وہ اس کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

میں نے عرض کیا کہ جو شخص پہلے سے کسی دینی کام میں لگا ہو اور وہ یہ محسوس کرتا ہو کہ اسے عشق اور اخلاص نصیب نہیں ہے تو کیا وہ کسی مدت تک اس کام کو چھوڑ کر پہلے عشق اور اخلاص کی تحصیل میں لگ جائے یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے وہ کرتا رہے اور اس کے ساتھ اس کو بھی حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

حضرت نے فرمایا:۔

"ہاں ہو سکتا ہے، البتہ بعض طبائع ایسی ہوتی ہیں کہ انہیں کچھ مدت کے لیے یکسوئی کے ساتھ اسی طرف مشغول ہونے کی ضرورت ہے۔

---

پھر غالباً کسی دوسری صحبت میں میں نے حضرت سے بیعت اور تلقین کی درخواست کی، اس پر فرمایا۔

"مولوی صاحب! حدیث میں ہے المستشار مؤتمن (جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہے) اس کو دیانتداری سے صحیح مشورہ دینا چاہیے، میں آپ کے لیے یہ بہتر سمجھتا ہوں کہ اس مقصد کے لیے آپ حضرت دہلوی (یعنی حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ) یا حضرت شیخ الحدیث کی طرف رجوع کریں۔ آپ جیسے اہل علم کے لیے میں ان حضرات کو بہتر سمجھتا ہوں"

میں نے عرض کیا کہ ان دونوں بزرگوں کی عظمت پہلے سے دل میں ہے لیکن چونکہ مجھ میں یہ طلب حضرت ہی کے ذریعہ پیدا ہوئی ہے اس لیے میں اپنے حضرت ہی سے رہنمائی حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت نے اپنی محبت و شفقت کے پورے زور کے ساتھ ایک دفعہ پھر انہی دونوں بزرگوں

کے بارے میں فرمایا' لیکن جب میں نے ادب کے ساتھ اپنی ہی رائے پر اصرار کیا تو قبول فرمالیا۔ اور ارشاد فرمایا:-

"جب میں حضرت (یعنی حضرت مولینا شاہ عبدالرحیم رائپوری قدس سرہ) کی خدمت میں حاضر ہوا اور بیعت کی درخواست کی تو حضرت نے اس وقت بیعت نہیں فرمایا ذکر کی تلقین فرمادی اور ارشاد فرمایا۔ "دیر آید درست آید" آئندہ کسی مناسب وقت پر بیعت بھی ہو جائے گی۔ میں نے ذکر شروع کر دیا اور پھر دو سال کے بعد حضرت نے بیعت بھی فرمالیا۔"

اس کے بعد مجھ سے فرمایا کہ آپ ذکر شروع کر دیں بیعت کی بات پھر کسی وقت دیکھی جائیگی میں نے اس کے بعد بیعت کے لیے اصرار نہیں کیا' ذکر کی تلقین کی درخواست کی حضرت نے میرے حالات و مشاغل کا لحاظ فرماتے ہوئے ذکر وغیرہ کا بہت مختصر سا پروگرام تجویز فرمادیا اور میں نے اسی دن سے وہیں کرنا شروع کر دیا۔ پھر اس واقعہ کے قریباً دو سال کے بعد بیعت بھی فرمالیا۔

بلاشبہ حضرت کی خدمت میں حاضری اور پھر بیعت کی توفیق اس بندے پر اللہ تعالیٰ کی اُن نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت تھی جن کا شکر ادا کرنے سے یہ بندہ ہمیشہ عاجز و قاصر رہیگا اسی کے ساتھ اپنی اس کم نصیبی اور قسمت کی تہیدستی پر انتہائی رنج و قلق ہے کہ حضرت کے ساتھ اس تعلق اور حضرت کی بے انتہا شفقت و عنایت سے جو حاصل کرنا چاہیے تھا اپنے لاابالی پن اور آرام طلبی کی وجہ سے وہ کچھ بھی حاصل نہ کیا جا سکا۔

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل — کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

اور اب جبکہ عمر قمری حساب سے اکتر ہو چکی اور تمام اعضاء جسم پر تیزی سے ضعف طاری ہو رہا ہے اس کی بھی امید نہیں کہ زندگی کے باقی دنوں میں اس تقصیر کی تلافی ہو سکے گی اس لیے اب جو کچھ آسرا ہے ارحم الراحمین کے قانون رحمت ہی سے ہے۔ فرمایا گیا ہے "ھم القوم لا یشقی جلیسھم" شاید کسی نے اسی کا آزاد ترجمہ کیا ہے۔

میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے

Regd. L LW/NP-62

Monthly **AL FURQAN** Kutchery Lucknow

VOL. 42 NO. 11 NOVEMBER, 1974 Phone

مدیر

محمد منظور نعمانی

| چندہ سالانہ<br>غیر ممالک سے<br>ایک پونڈ<br>(یا ہندوستانی تیس روپے)<br>ہوائی ڈاک کے لیے مزید<br>محصول ڈاک کا اضافہ ہوگا | ماہنامہ **الفرقان** لکھنؤ | چندہ سالانہ<br>ہندوستان سے ..... ۱۲/-<br>بنگلادیش سے ..... ۱۳/-<br>ضخامت ۴۸ صفحات<br>قیمت<br>فی کاپی ..... ایک روپیہ |
|---|---|---|

| شمارہ ۱۲ | بابت ماہ دسمبر ۱۹۷۴ء مطابق ذیقعدہ ۱۳۹۴ھ | جلد ۴۲ |
|---|---|---|




## اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے، تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے۔ براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۲۰ جنوری تک آجائے ورنہ اگلا شمارہ بصیغہ وی پی ارسال ہوگا۔

**نمبر خریداری:** براہ کرم خط و کتابت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا نمبر خریداری ضرور لکھ دیا کیجیے جو پتہ کی چٹ پر لکھا رہتا ہے

**تاریخ اشاعت:** الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر ۲۰ تاریخ تک کسی صاحب کو نہ ملے تو فوراً مطلع کریں۔ اس کی اطلاع ۲۰ تاریخ تک آجانی چاہیے اس کے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

**دفتر الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ**


(... نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# نگاہِ اوّلیں

## قادیانی ——— فارقلیط صاحب ——— اور "ایک دانشور طبقہ"

——— محمد منظور نعمانی

قادیانیوں کی لاہوری شاخ کا ایک ہفتہ وار پرچہ "روشنی" سری نگر (کشمیر) سے نکلتا ہے۔ ایک صاحب نے اس کا ۱۹ اکتوبر ۷۲ء (۱۲ شوال ۹۲ھ) کا شمارہ لاکر دیا۔ اس میں "الجمعیۃ دہلی" کے سابق اڈیٹر معروف صحافی فارقلیط صاحب کا ایک مضمون "اردو ڈائجسٹ" "شبستان دہلی" کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے۔ اس مضمون کا تعلق قادیانیوں کے کفر و اسلام کے مسئلہ سے ہے ——— یہ عجیب و غریب نوعیت کا مضمون ہے۔ فارقلیط صاحب نے جو کچھ اس میں لکھا ہے اس کو انھوں نے اپنا خیال اور اپنی رائے قرار نہیں دیا ہے۔ ان کا فرمانا ہے کہ مسلمانوں کے ایک "دانشور طبقے" کے یہ خیالات ہیں۔ انھوں نے اس مضمون کی اشاعت کی غرض بتاتے ہوئے تمہید میں لکھا ہے کہ

> "راقم نے اس طبقہ کے خیالات کو مرتب کرلیا ہے اور انھیں اس غرض سے، اشاعت کے لیے دے رہا ہے کہ علماء اہل سنت اس پر غور فرمائیں اور محققانہ انداز میں ان کا ایسا جواب دیں کہ ان کی تشکیک اور ذہنی تبدیلی کا ازالہ ہوجائے۔"

اس کے آگے فارقلیط صاحب نے صاف لفظوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ

> "اس بارے میں راقم کے خیالات اور فیصلہ کو محفوظ سمجھنا چاہیئے۔"

اس صراحت و وضاحت کے بعد اس کی گنجائش نہیں ہے کہ مضمون میں ظاہر کیے گئے خیالات کو فارقلیط صاحب کے خیالات سمجھا جائے ——— لیکن بہت سے سوچنے والوں کے ذہنوں میں یہ سوال ضرور پیدا ہوگا کہ ان خیالات سے اگر ان کو اتفاق نہیں ہے تو ان میں وہ کون سی ایسی بات ہے جس کا بہت اچھا اور تشفی بخش جواب وہ خود نہیں دے سکتے تھے۔ طویل مدت سے جو تھوڑی بہت

شناسائی فارقلیط صاحب سے رہی ہے اور ان کے فہم و فکر کے بارے میں جو اندازہ ہے اُس کی بنا پر اس عاجز کا حسنِ ظن تو یہی ہے کہ وہ خود ان خیالات کا جن میں کوئی معقولیت نہیں ہے بہت اچھا محاسبہ کر سکتے تھے اور اپنے ناظرین کو بتلا سکتے تھے کہ ان "دانشوروں" نے جو کچھ کہا یا لکھا ہے وہ عوام فریب مغالطوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، لیکن جب انھوں نے یہ نہیں کیا تو دوسروں ہی کو یہ فرض انجام دینا پڑے گا۔ واللہ ولی التوفیق۔

---

جیسا کہ عرض کیا گیا فارقلیط صاحب کے اس مضمون کا موضوع قادیانیوں کے کفر و اسلام کا مسئلہ ہے اور اس میں قادیانیوں کو مسلمان اور علماء کی طرف سے ان کی تکفیر کے فتوے اور فیصلہ کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اس کے لیے عجیب و غریب دلائل پیش کیے گئے ہیں۔

سب سے پہلی دلیل شاید مضبوط ترین دلیل سمجھ کر پہلے منبر پر یہ حوالہ قلم کی گئی ہے۔

"خلافت کے دور میں جب یہ سوال اٹھا کہ مسلمان کس کو کہنا اور سمجھنا چاہیے یا ایک مسلمان کی تعریف کیا ہے؟ تو بڑی بحثوں کے بعد طے پایا کہ مسلمان وہ ہے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا اور سمجھتا ہے۔ اس بات پر اکثر علماء نے اتفاق کیا۔"

حیرت ہے کہ فارقلیط صاحب نے اپنے ان دانشوروں کی یہ بات کس طرح قابلِ نقل سمجھی، اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ مسلمان ہونے کے لیے کسی عقیدہ کی ضرورت نہیں بس جو اپنے آپ کو مسلمان کہے وہ مسلمان ہے عقیدہ اُس کا جو بھی ہو ___ کیا ہوش و حواس رکھتے ہوئے کوئی عالمِ دین ایسی جاہلانہ بات کہہ سکتا ہے؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت ابوجہل و ابولہب وغیرہ مکہ کے کفار و مشرکین اور اس دور کے یہود و نصاریٰ کو صرف یہ تھی کہ تم اپنے کو بس مسلمان کہنے لگو، عقیدہ خواہ کچھ بھی رکھو؟ کیا قرآن مجید کا مطالبہ اپنے مخاطبین سے صرف یہ ہے کہ اپنے کو مسلمان کہنے لگو بس تم مسلم بن گئے اور جنتی ہو گئے؟

پھر یہ کہ خلافت کی تحریک میں جو علماء دین پیش پیش تھے مثلاً حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، حضرت مولانا محمد سجاد صاحب (نائب امیر شریعت) حضرات علماء دیوبند، علماء بدایوں، ان میں سے کسی کے متعلق بھی یہ نہیں سوچا جا سکتا کہ

وہ کسی شخص یا طبقہ کے حقیقی اور شرعی معنی میں مسلمان ہونے کے لیے بس اپنے کو مسلمان کہنا کافی سمجھتے تھے، خواہ اس کا عقیدہ کچھ بھی ہو۔ ہمارے نزدیک تو کسی بھی عالم دین کے بارے میں ایسا کہنا اُس پر بدترین تہمت ہے — اور قریب قریب ان سبھی حضرات کے ایسے فتوے اور ایسی تحریریں پیش کی جاسکتی ہیں جن میں قادیانیوں کو خارج از اسلام قرار دیا گیا ہے۔

ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ خلافت کمیٹی یا مسلم لیگ جیسی مسلمانوں کی کوئی تنظیم اپنا ممبر بنانے کے لیے یہ اصول مقرر کرے کہ ہر وہ شخص جو اپنے کو مسلمان کہے ہماری تنظیم کا ممبر بن سکتا ہے۔ عقیدہ سے بحث کرنا ہمارا کام نہیں ہے۔ ہم اس کو مسلمان مان کر ممبر بنالیں گے —— فارقلیط صاحب کے مضمون میں خلافت کے دور کے جس واقعہ کا حوالہ دیا گیا ہے ہو سکتا ہے کہ وہ اسی قسم کا کوئی فیصلہ ہو — لیکن ظاہر ہے کہ قادیانیوں کے اسلام اور کفر کا مسئلہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ ہم وثوق کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہمارے اس برصغیر کے تمام ہی وہ علماء ربانی جن کو علم دین میں رسوخ حاصل رہا ہے اور مرزا غلام احمد اور اُن کی اُمت، خاصکر قادیانی پارٹی کے عقائد وخیالات سے جن کو پوری واقفیت حاصل ہے، وہ تحریک خلافت سے پہلے بھی اس پر متفق تھے اور بعد میں بھی متفق رہے کہ یہ لوگ اپنے کو مسلمان کہنے کے باوجود اپنے کافرانہ عقائد وخیالات کی وجہ سے شریعت کی رو سے مسلمان نہیں ہیں بلکہ دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ اس سلسلہ میں صرف مثال کے طور پر میں چند علماء ربانی کے نام لکھتا ہوں جو اب اس دنیا میں نہیں ہیں اور جن کے بارے میں کوئی ایسا شخص جو اُن کو جانتا ہے یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ حضرات تکفیر کے بارے میں بے احتیاط بے بصیرت" اور ناخدا ترس تھے — شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ندوۃ العلماء کے بانی اور حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ کے جلیل القدر خلیفہ حضرت مولانا محمد علی مونگیری مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ حضرت مولانا محمد سجادؒ نائب امیر شریعت بہار میرا خیال ہے کہ آخری دونوں مرحوم بزرگ وہ ہیں جنکو فارقلیط صاحب نے بھی کافی مدت تک قریب سے دیکھا ہے اور وہ شہادت دے سکتے ہیں کہ علم دین میں رسوخ اور تکفیر جیسے اہم معاملہ میں احتیاط اور خدا ترسی کے لحاظ سے ان کا کیا حال و مقام تھا۔

ان حضرات کی اب سے پچاس ساٹھ سال پہلے کی مطبوعہ تحریریں موجود ہیں جن میں مرزا غلام احمد قادیانی اور اُن کی اُمت کو خارج از اسلام قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بعد سے قادیانیت

واقفیت رکھنے والے برصغیر کے تمام علماء ربانی اور اصحاب فتویٰ کا اس مسئلہ میں اتفاق رہا ہے۔ اسی کی بنیاد پر پاکستان کے علماء نے وہاں کی حکومت سے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا تھا۔ حکومت نے جو فیصلہ کیا وہ فارقلیط صاحب کے ان دانشوروں کے نزدیک جیسا بھی ہو، کتاب و سنت اور ماہرین کتاب و سنت کی رایوں کے بالکل مطابق ہے۔

فارقلیط صاحب نے مضمون کے آخر میں اپنے ان دانشوروں کا ایک تحریری بیان بھی ان ہی کے لفظوں میں نقل کیا ہے اس سے اسلام و کفر کے بارے میں ان لوگوں کا نقطۂ نظر اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ اس بیان میں ہندوستان کے آئین کی تحسین کرتے ہوئے اور اسلامی حکومتوں اور علماء اسلام اور مفتیان کرام کے لیے اس کو گویا قابل تقلید نمونہ بتلاتے ہوئے لکھا گیا ہے۔

...... اس میں (ہندوستان کے آئین میں) تمام ہندو فرقوں کو ہندو قرار دے کر ہر قسم کی بحث کے دروازے بند کر دیئے۔ آئین کی رو سے صرف سناتن دھرمی اور آریہ سماجی ہی ہندو نہیں ہیں بلکہ بدھسٹ، جینی اور سکھ بھی ہندوؤں میں شامل کر لیے گئے ہیں حالانکہ نہ سکھ ویدوں اور شاستروں کے قائل ہیں نہ بدھسٹ اور جینی ہندوؤں کی کسی کتاب کو مانتے ہیں، آخر الذکر دونوں طبقے (بدھسٹ اور جینی) تو خدا یا ایشور تک کے قائل نہیں مگر ہندوستان کے آئین نے ان سب کو اتحاد کی ایک لڑی میں منسلک کر دیا۔

دیکھا آپ نے! فارقلیط صاحب کے یہ دانشور امت محمدی، اس کی حکومتوں اور اس کے علماء اور ارباب فتویٰ کو تلقین فرماتے ہیں کہ تم مذہبی عقائد کی چھان بین کی تنگ نظری چھوڑ دو، یہ مت دیکھو کہ ایک شخص یا ایک فرقہ خدا کو مانتا ہے یا نہیں مانتا، اس کی نازل فرمائی ہوئی کتاب قرآن کو مانتا ہے یا نہیں مانتا، تم ہندوستان کے آئین کی طرح خدا اور اس کے رسول اور اس کی کتاب کے منکروں کو بھی مسلمان قرار دے کر سب کو اتحاد کی لڑی میں منسلک کر لو۔ یہ "دانشور" اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوتے تو ضرور آپ کو بھی مشورہ دیتے کہ عقائد کے جھگڑے کھیڑوں کو چھوڑیے امت میں خواہ مخواہ تفریق ہوتی ہے، خدا کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں، توحید پر عقیدہ رکھنے والوں اور مشرکوں، بت پرستوں کو، اللہ کے رسول اور اس کی کتاب قرآن اور قیامت و آخرت پر ایمان رکھنے والوں اور ان سب کے منکروں کو ایک ملت اور ایک امت بنا لیجئے ــ یقین ہے کہ ابوجہل اور ابولہب بھی بڑی خوشی سے اس کو قبول کر لیتے ــ اسی طرح اگر یہ دانشور حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانے میں ہوتے تو مسیلمہ کذاب کی جماعت اور منکرین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کے فیصلہ پر بھی ضرور تنقید کرتے اور ان پر امت مسلمہ میں تفریق کا جرم عائد کرتے۔

تاریخ اور سیر پر جن لوگوں کی نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ دونوں گروہ اپنے کو مسلمان کہتے تھے مسلمانوں کا کلمہ بھی پڑھتے تھے۔

حیرت ہے کہ فارقلیط صاحب نے ایسی بے تکی اور بے دانشی کی باتیں کہنے والوں کو "دانشور" کا معزز لقب دینا کیوں مناسب سمجھا۔

---

علماء اسلام کی طرف سے قادیانیوں کی تکفیر کے غلط ہونے کے ثبوت میں دوسری دلیل یا دوسری بات اس مضمون میں ان "دانشوروں" کی طرف سے یہ پیش کی گئی ہے کہ

"مجدد بریلوی (مولوی احمد رضا خاں صاحب) نے کسی مسلمانوں کو کافر اکفر بنائے بغیر نہیں چھوڑا"

یہ وہ بات ہے جو قادیانیوں کی تکفیر کے فتوے کو ناقابل اعتبار قرار دینے کے لیے اس سے پہلے بھی کہی جاتی رہی ہے اور خاص کر مرزائیوں کی لاہوری پارٹی کے اہل قلم نے اپنی تحریروں میں اس کو بار بار اور انشاء کے پورے زور کے ساتھ دہرایا ہے ـــــ لیکن غور کیا جائے اس دلیل کا منطقی ماحصل کیا ہے؟ یہی نا کہ چونکہ مولوی احمد رضا خاں بریلوی کے متعلق معلوم اور ثابت ہو چکا ہے کہ انھوں نے حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور اکابر علماء دیوبند اور علماء ندوۃ العلماء اور پھر تحریک خلافت کی شرکت کے جرم میں علماء فرنگی محل اور علماء بدایوں وغیرہ کی بھی تکفیر بالکل غلط بنیادوں پر کی اور اس سلسلہ کے ان کے فتوے غلط اور ناقابل اعتبار ہیں لہٰذا اب تکفیر کے ہر فتوے اور فیصلہ کو (اگرچہ وہ مسلّمہ طور پر محتاط اور خدا ترس اور محقق علماء دین کی طرف سے ہو) ناقابل اعتبار ہی قرار دیا جائے گا ـــــ ناظرین کرام سوچیں کہ یہ بات کس قدر عقل و انصاف و معقولیت سے کتنی دور ہے ـــــ سب جانتے ہیں کہ پولیس والے چوروں اور ڈاکوؤں کے چالان کرتے ہیں ان میں بعض چالان دانستہ یا نادانستہ غلط بھی ہوتے ہیں تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکالنا اور یہ اصول بنا لینا صحیح ہوگا کہ کسی جگہ کی بھی پولیس چوروں اور ڈاکوؤں وغیرہ مجرموں کے جو چالان کرے تو ان چالانوں کو غلط ہی مانا جائے گا اور سب چوروں اور ڈاکوؤں کو بری قرار دیا جائے گا۔ ما لکم کیف تحکمون!

اس سلسلہ میں ان دانشوروں نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی کتاب "تحذیر الناس" کا ایک فقرہ بھی نقل کیا ہے جس کو مولوی احمد رضا خاں صاحب نے حضرت مولانا مرحوم کی تکفیر کی بنیاد بنایا

ہے لیکن چونکہ مضمون سے یہ بات ظاہر ہے کہ فاضل مقالہ نگار صاحب اور ان کے "دانشور" بھی یقین رکھتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کی یہ حرکت غلط ہے اور اس فقرہ کا مطلب وہ نہیں ہے جو خاں صاحب موصوف نے نکالا ہے، اس لیے اس فقرہ کی تشریح اور وضاحت کی یہاں ہم ضرورت نہیں سمجھتے تاکہ ہمارا یہ مضمون خواہ مخواہ طویل نہ ہو۔ اگر بالفرض ناظرین میں سے کسی صاحب کو "تحذیر الناس" کے اس فقرہ کے بارے میں کوئی خلجان ہو تو وہ راقم سطور کا رسالہ "معرکۃ القلم" کا مطالعہ فرما کے اپنے اس خلجان کو دور کر سکتے ہیں۔

---

قادیانیوں کی تکفیر ہی کے سلسلہ میں ایک بات اس مضمون میں یہ بھی لکھی گئی ہے کہ

> ایک بنیادی اصول جس پر سب کا اتفاق ہے یہ ہے کہ اگر قائل کے قول میں الجھن ہو تو اس کے قول کا مطلب اسی سے دریافت کیا جائے۔ اگر وہ اپنے قول کی ایسی تشریح کر دے جس میں کسی کو اختلاف نہ ہو تو معاملہ ختم کر دیا جائے۔

یہ بات اصولاً بالکل صحیح ہے لیکن مرزا غلام احمد قادیانی کے جن اقوال اور خاص کر قادیانی پارٹی کی جن تصریحات کی بنا پر علماء اسلام نے ان کو خارج از اسلام قرار دیا ہے اُن میں کوئی الجھن نہیں ہے، وہ بالکل واضح ہیں، اور مرزا صاحب کے خلیفہ اور فرزند مرزا بشیر الدین محمود نے اپنی تصانیف "حقیقت النبوۃ" "تشحیذ الاذہان" اور "انوار خلافت" وغیرہ میں مرزا صاحب کی نبوت و رسالت اور ان کو نہ ماننے والے مسلمانوں کی تکفیر کے بارے میں جو وضاحت کی ہے اور مرزا صاحب کا اور اپنا اور اپنی جماعت کا جو عقیدہ پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ لکھا ہے، اس کے بعد کسی الجھن اور کسی استفسار کا سوال ہی نہیں رہتا۔ راقم سطور کا ایک مضمون الفرقان کی اکتوبر کی اشاعت میں "قادیانی مسلمان کیوں نہیں؟" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ اس میں مرزا غلام احمد اور مرزا محمود صاحب کی جو عبارتیں نقل کی گئی ہیں، ناظرین اور یہ "دانشور حضرات" اُن کو دیکھیں، وہ بالکل صاف اور واضح ہیں، اُن میں کوئی بھی الجھن نہیں۔

قادیانیوں کے کفر و اسلام کے مسئلہ پر جو صاحب بھی سنجیدگی سے غور کرنا چاہیں ان سے مخلصانہ گزارش ہے کہ وہ راقم کے اس مضمون کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔

---

قادیانیوں کی تکفیر ہی سے متعلق ایک آخری بات زیر بحث مضمون میں یہ کہی گئی ہے کہ وہ "اہل قبلہ"

ہیں اور اہل قبلہ کی تکفیر سے منع فرمایا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں امام غزالیؒ کی کتاب "التفرقہ" کی ایک عبارت بھی نقل کی گئی ہے۔ ہم وہ عبارت اور اس کا ترجمہ اس مضمون ہی سے نقل کرتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| اما الوصیۃ فان تکف لسانک عن اھل القبلۃ ما امکنک ما داموا قائلین لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ غیر مناقضین لھا والمناقضۃ تجویزھم الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعذر او بغیر عذر فان التکفیر فیہ خطر والسکوت لا خطر فیہ (التفرقہ بین الاسلام والزندقہ ص۵۶) | میری وصیت یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اہل قبلہ کی تکفیر سے زبان بند رکھو جب تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے قائل ہوں بشرطیکہ وہ اس کلمہ کی مخالفت نہ کریں اور مخالفت کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی عذر یا بغیر عذر کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلائیں، کیونکہ ایسے لوگوں کی تکفیر خطرہ سے خالی نہیں، اگر سکوت اختیار کر لیا جائے تو پھر کوئی خطرہ نہیں۔ (التفرقہ بین الاسلام والزندقہ ص۵۶) |

راقم سطور عرض کرتا ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر میں احتیاط اور کف لسان کی جو وصیت اور ہدایت امام غزالیؒ نے "التفرقہ" کی اس عبارت میں فرمائی ہے۔ یہی ہدایت ان سے بہت پہلے ان سے بڑے ائمہ حضرت امام ابو حنیفہؒ جیسے حضرات نے بھی فرمائی ہے۔ "شرح فقہ اکبر" میں منتقیٰ کے حوالہ سے علامہ علی قاریؒ نے نقل کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| عن ابی حنیفۃ لا نکفر احداً من اھل القبلۃ وعلیہ اکثر الفقھاء (ص۱۸۹) | امام ابو حنیفہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا ہم اہل قبلہ میں سے کسی کی بھی تکفیر نہیں کرتے اور یہی مسلک اکثر فقہاء کا ہے۔ |

اور اسی "شرح فقہ اکبر" میں "شرح مواقف" کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے۔

| | |
|---|---|
| انّ جمھور المتکلمین والفقھاء علی انہ لا یکفر احدٌ من اھل القبلۃ (ص۱۸۹) | جمہور متکلمین اور فقہا کا مسلک یہ ہے کہ اہل قبلہ میں سے کسی کی بھی تکفیر نہ کی جائے |

کاش یہ لوگ جو قادیانیوں کی تکفیر کے مسئلہ میں ائمہ اور مصنفین کی ایسی عبارتوں کی بنیاد پر اہل قبلہ کی بحث چھیڑتے ہیں، اس پر غور کرتے، کہ ان عبارتوں میں اہل قبلہ سے کیا مراد ہے؟ —— ظاہر ہے کہ لغوی اور لفظی معنیٰ کے لحاظ سے تو ہر وہ شخص اہل قبلہ ہے جو مکۂ مکرمہ میں واقع کعبہ کو بیت اللہ اور قبلہ مانتا ہو تو اگر اس لفظ کا یہی مطلب ہو تو ابوجہل وغیرہ سارے مشرکین عرب اہل قبلہ تھے۔ عربوں کی تاریخ اور ان کے حالات سے واقفیت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ سارے مشرکین عرب کعبہ کو بیت اللہ اور قبلہ مانتے تھے۔ اور اسی بنا پر اس کی تقدیس کے قائل تھے، اس کا طواف کرتے تھے، اپنے طریقہ پر حج اور عمرہ بھی کرتے تھے تو اگر اہل قبلہ کا مطلب یہی ہو تو پھر تو ابوجہل، ابولہب وغیرہ مشرکین عرب کو بھی کافر ماننے کی گنجائش نہ ہوگی۔

دراصل "اہل قبلہ" ایک خاص دینی اور علمی اصطلاح ہے، عقائد اور فقہ کی کتابوں میں تکفیر کی بحث میں یہ لفظ (اہل قبلہ) عام طور سے استعمال ہوتا ہے اور ان ہی کتابوں میں یہ وضاحت بھی کی گئی ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو توحید، رسالت، قیامت وغیرہ ایمانیات پر یقین رکھتے ہوں اور کسی ایسی دینی حقیقت کے منکر نہ ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے قطعی اور یقینی طریقہ پر ثابت ہو جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو (علماء اور مصنفین کی اصطلاح میں ایسی چیزوں کو ضروریاتِ دین کہا جاتا ہے) پس اگر کوئی شخص ضروریات دین میں سے کسی ایک بات کا بھی منکر ہے مثلاً قرآن پاک کے کتاب اللہ ہونے کا، یا قیامت اور حشر و نشر کا، یا پانچ وقت کی نماز کی فرضیت کا، یا ایسی کسی بھی دینی بات کا انکار کرتا ہے تو وہ اہل قبلہ میں سے نہیں ہے۔

وہی شرح فقہ اکبر جس کے حوالے سے اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرنے کے بارے میں حضرت امام ابوحنیفہ وغیرہ کی روایتیں اوپر نقل کی گئی ہیں اُسی میں، اسی مقام پر اہل قبلہ کی مندرجہ ذیل تشریح کی گئی ہے۔

| | |
|---|---|
| اعلم ان المراد باھل القبلۃ الذین | اور تمہیں یہ بات جان لینی چاہیے کہ اہل قبلہ |
| اتفقوا علی ما ھو من ضروریات الدین | سے وہ لوگ مراد ہیں جو تمام ضروریات دین سے |
| کحدوث العالم وحشر الاجساد وعلم | متفق ہوں۔ جیسے عالم کا حادث ہونا اور قیامت |
| اللہ تعالیٰ بالکلیات والجزئیات | میں جسمانی حشر ہونا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کو کلیات |
| وما اشبہ ذلک من المسائل | و جزئیات سب کا علم ہے اور ان جیسے تمام |
| المھمات فمن واظب طول عمرہ | اہم مسئلے (جو ضروریات دین میں شامل ہیں) پس |

على الطاعات والعبادات مع اعتقاد قدم العالم او نفي الحشر او نفي علمه سبحانه بالجزئيات لا يكون من اهل القبلة۔

(شرح فقہ اکبر ص۱۸۷)

جو شخص ساری عمر نیکیوں اور عبادتوں میں مشغول رہے اور اس کے ساتھ یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ عالم حادث نہیں قدیم ہے یا یہ کہ حشر جسمانی نہیں ہوگا یا یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالےٰ کو جزئیات کا علم نہیں ہے تو وہ اہل قبلہ میں سے نہ ہوگا۔

اس عبارت سے یہ بات صاف ہو گئی کہ جو شخص کسی ایسی بات کا انکار کرے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے قطعی یقینی طریقہ سے ثابت ہو جس میں شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہ ہو، وہ اہل قبلہ میں سے نہیں ہے، اس کو کافر ہی قرار دیا جائے گا یہی وجہ ہے کہ جو ائمہ اور مصنفین یہ کہتے ہیں کہ اہل قبلہ کی تکفیر نہ کی جائے، وہ سب یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص قیامت اور آخرت کا منکر ہو یا قرآن کے کتاب اللہ ہونے سے انکار کرے یا نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی فرضیت کا منکر ہو یا اللہ پاک کی شان میں یا کسی نبی کی شان میں صریح گستاخی اور بدزبانی کرے وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے، چاہے وہ اپنے کو مسلمان کہتا ہو اور کعبہ کو قبلہ مانتا ہو۔ عقائد اور فقہ کی تمام کتابوں میں یہ تصریحات دیکھی جا سکتی ہیں۔

خود امام غزالیؒ نے جن کی کتاب "التفرقہ" سے فارقلیط صاحب کے مضمون میں وہ عبارت نقل کی گئی ہے جو اوپر درج کی گئی (جس میں امام ممدوح نے اہل قبلہ کی تکفیر سے کفِّ لسان کی وصیت فرمائی ہے) اپنی اسی کتاب التفرقہ میں اس مسئلہ تکفیر پر بحث کرتے ہوئے وصیت والی مندرجہ بالا عبارت سے پہلے اور بعد میں واضح طور پر لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسی بات کا انکار کرے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو تو اس کی تکفیر کی جائے گی، اگرچہ اس کا انکار تاویل کے ساتھ ہو ۔۔۔ اسی بنیاد پر وہ مسلمانوں میں سے اُن فلاسفہ کو کافر قرار دیتے ہیں جو اس کے قائل تھے کہ قیامت میں حشر جسموں کے ساتھ نہیں ہوگا بلکہ معاملہ صرف روحانی ہوگا، اور آخرت میں عذاب اس دنیا کی تکلیفوں کی طرح حسی نہیں ہوگا ۔۔۔ اس سلسلہ میں امام غزالیؒ کی اسی کتاب "التفرقہ" ہی کی چند عبارتیں فارقلیط صاحب اور ان کے "دانشوروں" کی خدمت میں پیش ہیں۔

امام غزالیؒ نے التفرقہ میں تاویل کی بحث کی ہے اور بتلایا ہے کہ بعض تاویلیں ایسی ہوتی ہیں جن کی بنا پر تاویل کرنے والے کی تکفیر نہیں کی جائے گی بلکہ اس کو خاطی یا بدعتی قرار دیا جائے گا اور بعض تاویلیں

ایسی ہوتی ہیں جو موجب کفر ہوتی ہیں اور جو لوگ اس طرح کی تاویلیں کریں گے ان کو کافر قرار دیا جائے گا ـــــــ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| واما ما يتعلق من هذا الجنس باصول العقائد المهمة فيجب تكفير من يغير الظاهر بغير برهان قاطع كالذي ينكر حشر الاجساد وينكر العقوبات الحسية في الآخرة بظنون واوهام واستبعادات من غير برهان قاطع فيجب تكفيره قطعاً ..... وهو مذهب اكثر الفلاسفة۔ ("التفرقة" ص۵۳) | اور ان تاویلوں میں سے جن کا تعلق اہم بنیادی عقائد سے ہو تو ایسے لوگوں کی تکفیر واجب ہوگی جو کسی قطعی دلیل کے بغیر نصوص کے ظاہری معنی میں تاویل کے ذریعہ تبدیلی کریں جیسے کہ وہ لوگ جو کسی قطعی دلیل کے بغیر محض اپنے اوہام اور خیالات اور استبعادات کی بنا پر قیامت میں حشر اجساد (جسمانی حشر کا) اور آخرت میں حسی عقوبتوں کا انکار کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کی تکفیر واجب ہے اور یہ بات قطعی اور یقینی ہے ........ اور یہ اکثر فلاسفہ کا مذہب ہے۔ |

امام غزالی نے اس عبارت میں جن فلاسفہ کی تکفیر کو واجب اور قطعی قرار دیا ہے وہ اپنے کو مسلمان ہی کہتے تھے اور کعبہ کو قبلہ بھی مانتے تھے۔

فارقلیط صاحب نے اپنے مضمون میں امام غزالیؒ کی جو عبارت او روصیت "التفرقہ" ص۵۶ سے نقل کی ہے اسی صفحہ پر اس عبارت سے بالکل متصل یہ عبارت ہے۔

| | |
|---|---|
| واما القانون فهو ان تعلم ان النظريات قسمان قسم يتعلق باصول القواعد وقسم يتعلق بالفروع، واصول الايمان ثلاثة الايمان بالله وبرسوله وباليوم الآخر وما عداه فروع و اعلم انه لا تكفير في الفروع اصلاً | اور تکفیر کے بارے میں شرعی قانون کی تفصیل یہ ہے کہ نظریات (عقائد وخیالات) دو قسم کے ہیں، ایک وہ جن کا تعلق بنیادی عقائد سے ہو اور دوسرے وہ جن کا تعلق بنیادی عقائد سے نہیں بلکہ فروع سے ہو اور بنیادی عقائد تین ہیں۔ اللہ پر ایمان، اس کے رسول |

الا فی مسألۃ واحدۃ وھی ان ینکر اصلاً دینیاً علم من الرسول صلی اللہ علیہ وسلم بالتواتر لکن فی بعضھا تخطئۃ کما فی الفقھیات وفی بعضھا تبدیع کالخطاء المتعلق بالامامۃ واحوال الصحابۃ

(التفرقۃ صفحہ ۵۶)

ہاں ایمان یوم آخرت پر ایمان اور ان جیسی کے سوا جو عقائد ہیں ان کو فروع کہا جائے گا اور معلوم ہونا چاہیے کہ فروعی عقائد میں سے کسی کے انکار کی وجہ سے ہم تکفیر بالکل نہیں کریں گے، لیکن اس ایک صورت میں فروع میں بھی تکفیر کی جائے گی جبکہ کوئی شخص کسی ایسی دینی حقیقت کا انکار کرے جو رسول اللہ صلعم سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے مگر ان میں سے بعض صورتوں میں اس شخص کو خاطی قرار دیا جائے گا جیسا کہ فقہیات میں اور بعض صورتوں میں مبتدع قرار دیا جائے گا جیسا کہ (شیعوں کے) غلط خیالات ہیں۔ مسئلہ امامت کے بارے میں اور صحابۂ کرام کے احوال کے بارے میں (تو ان کی بنا پر ان کو بدعتی قرار دیا جائے گا)

آگے فرماتے ہیں کہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص ایسی بات کہے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی کسی بات کی تکذیب ہوتی ہو تو اس کی تکفیر واجب ہوگی اگرچہ وہ بات دین کے بنیادی اور اساسی عقائد سے متعلق نہ ہو بلکہ فروع سے متعلق ہو۔ کتاب کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

ومھما وجد التکذیب وجب التکفیر وان کان فی الفروع

(التفرقۃ صفحہ ۵۸)

اور جب بھی تکذیب کی صورت پائی جائے گی تو تکفیر واجب ہوگی اگرچہ اس کا تعلق کسی فروعی مسئلہ سے ہو۔

پھر امام غزالیؒ نے اس کی دو مثالیں بھی دی ہیں، ہم ان میں سے صرف دوسری مثال ذکر کرتے ہیں کیونکہ وہ ناظرین کے لیے سہل الفہم ہے اور بعض ایسے بدبخت اس کے قائل ہوئے ہیں جو اپنے کو مسلمان کہتے اور سمجھتے تھے اور کعبہ کو قبلہ بھی مانتے تھے ـــــــ امام غزالیؒ کے الفاظ میں مثال یہ ہے۔

| | |
|---|---|
| وكذلك من نسب عائشة رضی الله عنها الی الفاحشة وقد نزل القرآن ببراءتها فهو كافر لان هذا وامثاله لا يمكن الا بتكذيب الرسول او انكار التواتر۔ (ص۵۸) | اور ایسے ہی اس بدبخت شخص کی تکفیر واجب ہے جو حضرت عائشہ صدیقہؓ کی طرف فاحشہ (بدکاری) کی نسبت کرے (معاذ اللہ) حالانکہ قرآن مجید نے ان کی برأت کی ہے کیونکہ یہ اور اس طرح کی دوسری گمراہانہ باتیں رسول اللہ صلعم کی تکذیب یا تواتر کے انکار کے بغیر ممکن نہیں۔ |

واضح رہے کہ امام غزالیؒ نے یہ مثال اس کی دی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسے مسئلہ میں جس کا تعلق اسلام کے بنیادی عقائد سے نہ ہو بلکہ فروع سے ہو ایسی بات کہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہوتی ہو اور جو بات آپ سے تواتر کے ساتھ یقینی اور قطعی طریقہ پر ثابت ہے اس کا انکار ہوتا ہو تو اس کو کافر کہا جائے گا۔ حضرت صدیقہ پر تہمت کا مسئلہ اسی کی مثال ہے۔

پھر منقولہ بالا عبارت کے چند سطر بعد ارقام فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| واما الاصول الثلاثة وكل مالم يحتمل التأويل فی نفسه وتواتر نقله ولم يتصور ان يقوم برهان علی خلافه فمخالفته تكذيب محض ومثاله ماذكرناه من حشر الاجساد والجنة والنار۔ (التفرقه ص۵۹) | اور دین کے تینوں بنیادی عقائد (ایمان باللہ ایمان بالرسول اور ایمان بالیوم الآخر) اور ہر وہ دینی بات جس میں تاویل کا احتمال نہ ہو اور وہ رسول اللہ صلعم سے تواتر کے ساتھ ثابت ہو اور اس کے خلاف کسی برہان قطعی دلیل کا قائم ہونا متصور نہ ہو تو اس سے اختلاف کرنا تکذیب کے سوا کچھ نہیں اور اس کی مثالیں وہ ہیں جو ہم نے ذکر کیں یعنی حشر اجساد اور جنت و دوزخ۔ |

پھر اس کے اگلے صفحہ پر بحث کو ختم کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| ولابد من التنبيه علی قاعدة اخری وهو ان المخالف قد | اور ایک دوسرا قاعدہ کلیہ ہے ناظرین کو اس سے آگاہ کرنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ کبھی |

يخالف نصاً متواتراً ويزعم انّهٗ مؤوّل ولكن ذكر تاويله لا انقداح لهٗ اصلاً في اللسان لاعلى بعد ولاعلى قرب فذلك كفر وصاحبه مكذب وان كان يزعم انّه مؤوّل۔
(التفرقہ ص۱۹)

ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص دین کی ایسی منصوص بات سے اختلاف کرتا ہے جو تواتر سے ثابت ہے اور اس کا اپنا خیال یہ ہوتا ہے کہ وہ (اس نص کا منکر نہیں ہے بلکہ) اس کی صرف تاویل کرتا ہے مگر جو تاویل وہ پیش کرتا ہے وہ لغت اور زبان کے لحاظ سے چلنے والی بالکل نہیں ہوتی نہ بعید نہ قریب تو اس شخص کا یہ رویہ کفر ہے اور وہ آدمی دراصل مکذّب (حضورؐ کو جھٹلانے والا) ہے اگرچہ اس کا گمان اور خیال یہ ہے کہ میں منکر نہیں ہوں بلکہ صرف تاویل کرنیوالا ہوں۔

کیا امام غزالیؒ کی اسی کتاب "التفرقہ" کی اور اسی بحثِ تکفیر کی ان واضح عبارتوں کے بعد کسی کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اُن کی اُس وصیت کا (جس کو فارقلیط صاحب نے "التفرقہ" ہی کے حوالے سے نقل کیا ہے) یہ مطلب ہے کہ جو کوئی اپنے کو مسلمان کہے اور کلمہ پڑھے اور کعبہ کو قبلہ مانے پھر خواہ اس کے عقائد کچھ بھی ہوں اور دینی حقائق کی وہ کیسی ہی تاویل اور تحریف کرے اس کی تکفیر نہ کی جائے ــــ ظاہر ہے کہ امام غزالیؒ کی التفرقہ ہی کی مندرجہ بالا عبارتیں دیکھنے کے بعد کوئی شخص اُن پر یہ تہمت نہیں لگا سکتا ــــ امام غزالیؒ تو دین کے مسلّم عالم اور عارف ہیں۔ ایسی جاہلانہ بات تو ایسا کوئی شخص نہیں کر سکتا جو دین کی الف ب بھی جانتا ہو

قرآن مجید میں یہ واقعہ صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلعم کے زمانے میں کچھ ایسے لوگوں نے جو ایمان لا چکے تھے، قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز بھی پڑھتے تھے، کوئی کافرانہ بات کہی جس کی اطلاع حضورؐ کو ہو گئی جب ان سے پوچھ گچھ کی گئی تو انھوں نے یہ تاویل اور معذرت کی کہ ہم نے یہ بات دل سے اور سنجیدگی سے نہیں کہی تھی بلکہ ہنسی مذاق میں کہی تھی، اُن کے بارے میں قرآن مجید سورۂ توبہ کی آیت ۶۶ نازل ہوئی جس میں حضورؐ کو حکم دیا گیا کہ "ان بدبختوں سے صاف فرما دیجئے کہ حیلے بہانے مت کرو تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے۔" (قُلْ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ) اور اسی سورۂ توبہ میں بعض ایسے لوگوں کے بارے میں جو حضورؐ کے زمانے میں اسلام قبول کر چکے تھے

مسلمانوں میں شامل تھے اور قبلہ کی طرف رُخ کرکے نماز بھی پڑھتے تھے، بیان فرمایا گیا ہے کہ انھوں نے کوئی کافرانہ بات کہی اور اس بنا پر وہ دائرہ اسلام سے خارج اور کافر قرار پائے (لَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ ـــــ سورۂ توبہ آیت ۷۴)

قرآن مجید کی یہ آیتیں ناطق ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے کو مسلمان کہے، کلمہ پڑھے، کعبہ کو قبلہ مانے، اسی کے ساتھ کوئی کافرانہ بات کرے یا کافرانہ عقیدہ کا اظہار کرے وہ دائرہ اسلام سے خارج اور کافر ہے یہی امت کا اجماعی عقیدہ ہے ـــــ ہاں یہ کہنا حق ہوگا کہ جو شخص اپنے کو مسلمان کہے اور کلمہ گو ہو ہم اسے مسلمان مانیں گے جب تک کہ اس کی کوئی کافرانہ بات یا کافرانہ عقیدہ علم میں نہ آئے۔

---

اس کے بعد گزارش ہے کہ علماء کی طرف سے قادیانیوں کی تکفیر کی سب سے بڑی بنیاد یہ ہے کہ مرزا غلام احمد نے ایسے صاف صریح الفاظ میں جن میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں نبوت کا دعویٰ کیا ہے، اور جو لوگ اس دعوے کی فضول تاویلیں کرتے ہیں مرزا صاحب کے فرزند اور خلیفہ مرزا بشیرالدین محمود نے خود مرزا صاحب کی عبارتیں پیش کرکے ان سب کی جڑ کاٹ دی ہے اور ناقابل تردید طریقہ پر ثابت کر دیا ہے کہ مرزا صاحب اسی معنی میں نبوت و رسالت کے مدعی ہیں جو شریعت میں اُس کے معروف معنی ہیں اور وہ ایسے ہی نبی ہیں جیسے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ وغیرہ اگلے انبیاء علیہم السلام تھے اور اُن کے نہ ماننے والے اسی طرح کافر اور لعنتی ہیں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء سابقین کے نہ ماننے والے کافر اور لعنتی ہیں ـــــ مرزا صاحب اور مرزا محمود صاحب کی اس سلسلہ کی عبارتیں راقم سطور کے اس مضمون میں دیکھی جا سکتی ہیں جو "قادیانی مسلمان کیوں نہیں؟" کے عنوان سے ایک ہی مہینہ پہلے "الفرقان" کے اکتوبر کے شمارہ میں شائع ہوا ہے۔ اسی لیے یہاں ہم نے ان عبارتوں کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

بہرحال مرزا صاحب اور ان کی امت کی تکفیر کی اوّل بنیاد یہ ہے کہ وہ "مسیلمہ کذاب" اور "اسود عنسی" وغیرہ مدعیان نبوت کی طرح نبوت و رسالت کے مدعی ہیں، اور ختم نبوت سے متعلق قرآن و حدیث کے متواتر اور قطعی نصوص کی ایسی ہی تاویلیں کرتے ہیں جو حقیقتاً تکذیب اور تحریف ہیں، اس لیے شریعت اور علماء شریعت کی نگاہ میں اُن کا مقام وہی ہے جو مسیلمہ کذاب وغیرہ مدعیان نبوت اور ان کے متبعوں کا قرار پایا تھا۔

## نزول مسیح کا مسئلہ

فارقلیط صاحب کے زیر بحث مضمون میں نزول مسیح کے مسئلہ پر بھی ایک نئے انداز میں گفتگو کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی بات یہ کہی گئی ہے کہ نزول مسیح کا عقیدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبین ہونے کے منافی ہے کیونکہ اگر اخیر زمانہ میں عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوا اور وہ اللہ کے نبی ہیں تو خاتم النبین اور آخری نبی حضورؐ نہیں ہوئے بلکہ عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے۔

دوسری بات اس سلسلہ میں یہ کہی گئی ہے کہ نزول مسیح کا عقیدہ غیر قرآنی ہے قرآن مجید میں کہیں اس کا ذکر نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبین بتلا کر قرآن نے اس عقیدہ کو رد کر دیا ہے۔

تیسری بات یہ کہی گئی ہے کہ حدیث کی موجودہ کتابوں میں امام مالکؒ کی "موطا" سب سے پہلی کتاب ہے جو صحیح بخاری وغیرہ سے بھی مقدم ہے، اس میں کوئی حدیث نزول مسیح کی نہیں ہے لہٰذا وہ سب حدیثیں جنمیں آخری زمانے میں حضرت عیسیٰ کا آنا بیان کیا گیا ہے ناقابل اعتبار ہیں اور سمجھنا چاہیے کہ عیسائیوں نے محدثین کو دھوکہ دیکر یہ حدیثیں ان کی کتابوں میں درج کرادی ہیں۔

چونکہ ہمارا یہ مضمون اختصار کی کوشش کے باوجود بہت طویل ہوگیا اس لیے نزول مسیح سے متعلق اس آخری بحث میں ہم صرف ضروری اشارات کریں گے امید ہے کہ ناظرین کی تشفی کے لیے انشاء اللہ وہی کافی ہوں گے ___ جو تین باتیں اس سلسلہ میں مضمون میں کہی گئی ہیں ہم ان پر ترتیب وار گفتگو کرتے ہیں۔

(۱-) یہ بات کہ نزول مسیح کا عقیدہ حضورؐ کے خاتم النبین ہونے کے منافی ہے وہی شخص کہے گا جو عربی زبان اور محاورات سے بالکل ناواقف ہو، عربی لغت اور محاورے کے لحاظ سے خاتم النبین اور آخر النبین اس کو کہا جائیگا جسکو منصب نبوت پر سب سے آخر میں فائز کیا جائے اور اس کے بعد کسی کو یہ منصب نہ دیا جائے، اور بلا شبہ یہ مقام سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ہے۔ آپ کو نبوت سب نبیوں کے بعد دی گئی اور نبی بنائے جانے کا سلسلہ آپ پر ختم کر دیا گیا ___ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس دنیا میں دوبارہ آمد (جیسا کہ امت مسلمہ کا اجماعی عقیدہ ہے) ہرگز حضورؐ کے خاتم النبین ہونے کے منافی نہیں کیونکہ ان کو تو نبوت حضورؐ کی پیدائش سے بھی تقریباً پانچسو برس پہلے دی گئی تھی بس ان کا مجھکم

خداوندی حضورؐ کے بعد تک زندہ رہنا اور دوبارہ اس دنیا میں آنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے تابع ہوکر آنا (جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے اور امت محمدیہ کا عقیدہ ہے) ہرگز حضورؐ کے خاتم النبیین اور آخرالنبیین ہونے کے منافی نہیں ـــــ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ کسی شخص کی "خاتم الاولاد" یا "آخرالاولاد" عربی محاورے کے لحاظ سے اس کو کہا جائے گا جو اپنے سب بہن بھائیوں کے بعد اور آخر میں پیدا ہوا اگرچہ اس سے پہلے پیدا ہونے والے اس کے بہن بھائی اس کے بعد تک زندہ رہیں ـــــ اس کی ایک واقعی مثال یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے چار صاحبزادے تھے. شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ رفیع الدینؒ، شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ عبدالغنیؒ. ان میں سب سے چھوٹے شاہ عبدالغنی تھے لیکن انتقال ان کا سب سے پہلے ہوا اور شاہ عبدالعزیزؒ سب سے بڑے تھے مگر انتقال سب کے بعد میں ہوا. تو شاہ ولی اللہؒ کی خاتم الاولاد اور آخرالاولاد شاہ عبدالغنی ہی کو کہا جائے گا اگرچہ شاہ عبدالعزیزؒ ان کے بہت بعد تک زندہ رہے. یہ بات ہر وہ شخص جانتا ہے جس کو عربی لغت و محاورات سے کچھ بھی واقفیت ہے ـــــ اور تفسیر کی کتابوں میں بھی خاتم النبین کی تفسیر و تشریح میں یہ وضاحت کردی گئی ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعد کسی کو نبی نہیں بنایا جائے گا۔ (لا یُنَبَّأ بعدہٗ نبیٌّ) ملاحظہ ہو تفسیر کشاف. مدارک التنزیل. روح المعانی وغیرہ تفسیر سورۂ احزاب۔

(۲) ـــــ رہی یہ بات کہ نزول مسیح کا ذکر چونکہ قرآن مجید میں نہیں کیا گیا ہے اس لیے یہ عقیدہ غلط اور غیر قرآنی ہے" تو اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو یہ عرض کرنا ہے کہ کیا یہ "دانشور صاحبان" دین سے اتنے ناواقف ہیں کہ یہ بھی نہیں جانتے کہ دین کی بہت سی ایسی اہم اور بنیادی باتیں ہیں جن کے بغیر اسلام اور اسلامی زندگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور قرآن پاک میں ان کا کہیں ذکر نہیں ہے ـــــ مثلاً ـــــ سب جانتے ہیں کہ پانچ وقت کی نماز اسلام میں فرض ہے اور توحید و رسالت کی شہادت کے بعد وہ اسلام کا دوسرا رکن ہے لیکن قرآن مجید میں کہیں بھی صراحتاً پانچ وقت کی نماز کا ذکر نہیں نہ قرآن میں یہ بتلایا گیا کہ کس وقت کی نماز میں کتنی رکعتیں اور کتنے رکوع اور کتنے سجدے ہیں. اسی طرح قرآن میں اس کا بھی ذکر نہیں کہ زکوٰۃ کس حساب سے ادا کی جائے یہ سب باتیں حدیثوں سے اور امت کے اجماع اور عملی تواتر سے معلوم ہوئی ہیں، تو کیا ان سب دینی حقیقتوں کو غیر قرآنی کہہ کر ان کا انکار کر دیا جائے گا؟

یہ گفتگو تو یہ فرض کرکے کی گئی ہے کہ قرآن مجید میں نزول مسیح کا ذکر نہیں ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ قرآن پاک کی متعدد آیتوں میں اس کی اطلاع دی گئی ہے. لیکن یہ صرف ضمنی طور پر اور اختصار کے

ساتھ نہیں کی جا سکتی ـــــ انشاء اللہ آئندہ دوسری صحبت میں اس پر مستقل گفتگو کی جائے گی۔ اس وقت اس سلسلہ میں ہم صرف اتنا عرض کرنے پر اکتفا کریں گے کہ ناظرین میں سے جو حضرات عربی داں ہوں وہ امام العصر حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ کی تصنیف "عقیدۃ الاسلام" کا مطالعہ کریں اور جو حضرات صرف اردو سے استفادہ کر سکتے ہوں وہ حضرت مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹیؒ کی "شہادۃ القرآن" دیکھیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو فہم سلیم کی نعمت سے محروم نہیں کیا ہے وہ ان کتابوں کے مطالعہ سے یہ اطمینان حاصل کر لیں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیسیوں ارشادات میں حضرت مسیح کی دوبارہ آمد کی جو اطلاع دی ہے جو آپ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے[1] اور جو امت کا اجماعی عقیدہ رہا ہے اُس کی بنیاد قرآن مجید ہی میں ہے۔

(۳) ـــ رہی یہ آخری بات کہ امام مالک کی مؤطا میں نزول مسیح کے بارے میں کوئی حدیث نہیں ہے اور یہ اس کی دلیل ہے کہ صحیح بخاری، صحیح مسلم وغیرہ حدیث کی سیکڑوں کتابوں میں نزولِ مسیح سے متعلق جو کثیر التعداد حدیثیں ہیں وہ سب ناقابل اعتبار ہیں کیونکہ اگر یہ حدیثیں صحیح ہوتیں تو امام مالک کو بھی پہونچی ہوتیں اور ان کی مؤطا میں درج ہوتیں۔

فارقلیط صاحب کے ان دانشوروں کی یہ آخری بات اس کی دلیل ہے کہ یہ بیچارے امام مالکؒ کی "مؤطا" کے بارے میں بات کر رہے ہیں اُس کی نوعیت سے یہ بالکل ناواقف ہیں، وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ امام مالکؒ کو جتنی حدیثیں پہونچی تھیں وہ سب مؤطا میں درج ہیں اور جو حدیثیں مؤطا میں نہیں ہیں وہ امام مالک کو پہونچی ہی نہیں یا امامؒ نے ان کو صحیح نہیں سمجھا لہٰذا وہ سب ناقابل اعتبار ہیں ـــــ حدیث کا فن تو بڑی چیز ہے جو لوگ امام مالکؒ سے اور حدیث کی مؤطا جیسی متداول کتاب سے بھی اتنے نابلد اور ناواقف ہوں حیرت ہے کہ وہ کیوں ان مباحث و مسائل میں دخل دینے کی جرأت کرتے ہیں ـــــ جس کسی نے مؤطا دیکھی ہو وہ جانتا ہو گا کہ وہ کتب فقہ کی طرح صرف "اعمال" سے متعلق احادیث و آثار اور صحابہ و تابعین کے فتاویٰ کا ایک مختصر مجموعہ ہے چند حدیثیں اس میں اخلاق و آداب سے متعلق بھی ہیں، اُس کے متعلق یہ گمان کرنا کہ امام مالک کا سارا علم حدیث اسمیں آگیا ہے اور جو حدیث اسمیں نہیں ہے وہ امام مالکؒ کو پہونچی ہی نہیں یا انھوں نے اس کو صحیح نہیں مانا حدیث کے فن، اس کی کتابوں کی نوعیت اور امام مالکؒ کے مقام سے انتہائی جہالت کی بات ہے

مؤطا کا حال یہ ہے کہ اس میں ایمانیات و عقائد کا باب ہی نہیں ہے۔ قیامت اور آخرت کے بارے میں جو حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ مروی ہیں، مؤطا ان سے بھی بالکل

---

[1] امام العصر حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ نے اپنے عربی رسالہ التصریح بما تواتر فی نزول المسیح میں [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم کے قریباً چالیس ارشادات جمع فرمائے ہیں [illegible]

خالی ہے، تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہوگا کہ امام مالکؒ ایمانیات یا قیامت و آخرت سے متعلق حدیثوں سے ناواقف تھے یا یہ کہ انھوں نے ان تمام حدیثوں کو ناقابلِ اعتبار سمجھا، ایسی بات وہی شخص سوچ سکتا ہے جو اس موضوع سے بالکل جاہل ہو۔ دراصل مؤطا کا موضوع فقہ کی کتابوں کی طرح محدود ہے، ایمانیات اور عقائد وغیرہ اس کا موضوع ہی نہیں ہے۔

---

نزولِ مسیح کے مسئلہ سے متعلق فارقلیط صاحب کے مضمون میں جو تین اصولی باتیں لکھی گئی تھیں، ناظرین کو معلوم ہو چکا کہ ان کی بنیاد عربی لغت و محاورات اور علومِ دین سے جہالت و ناواقفیت پر ہے — ان کے علاوہ جو اور ضمنی باتیں اسی مسئلہ سے متعلق مضمون میں ذکر کی گئی ہیں، خاصکر نزولِ مسیح سے متعلق حدیثِ نبوی کے پورے ذخیرہ کو مشکوک اور ناقابلِ اعتبار قرار دینے کے لیے جو جاہلانہ منطق استعمال کی گئی ہے، انشاء اللہ اس کا پورا محاسبہ دوسری صحبت میں آئندہ کیا جائے گا۔

فارقلیط صاحب کے ان "دانشوروں" کی اسی مسئلہ نزولِ مسیح کے سلسلہ کی ایک بات اور ذکر کر کے اس بحث کو ہم اس وقت ختم کرتے ہیں، ناظرین کو اس آخری بات سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ لوگ جہالت و ناواقفیت کی کس سرحد پر ہیں — صحیح بخاری کی حدیثوں کو ناقابلِ اعتبار قرار دینے کے سلسلہ میں اس مضمون میں لکھا ہے کہ

> "حضرت امام ابوحنیفہ کے بارہ میں مذکور ہے کہ آپ نے حدیث کو رد کر کے قرآن کے اعلان کو تسلیم کیا اور فرمایا کہ بخاری کی حدیث میں جو راوی ہیں اگر ان کے جھوٹے ہونے سے خدا کے مقدس نبی حضرت ابراہیمؑ سچے ثابت ہوں تو راویوں کو جھوٹا قرار دینا ضروری ہے"

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ان "دانشوروں" (یا بوجھ بجھکڑوں) کے نزدیک امام ابوحنیفہؒ، امام بخاری کے بعد کسی زمانہ میں ہوئے ہیں اور انھوں نے صحیح بخاری کی ایک حدیث کے راویوں کو جھوٹا قرار دیا ہو۔ —

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ امام بخاری امام ابوحنیفہ کی وفات کے قریباً آدھی صدی بعد پیدا ہوئے۔ امام اعظم ابوحنیفہ کی وفات سنہ ۱۵۰ھ میں ہوئی اور امام بخاری سنہ ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے۔

آخر میں ہم پھر اپنی اس حیرت کا اظہار کرنے پر مجبور ہیں کہ فارقلیط صاحب نے علم و دانش سے ایسے خالی اور اتنے جاہل و بےخبر لوگوں کو "دانشور" کا معزز لقب دینا کیوں مناسب سمجھا اور انکی ان بےسر پا باتوں کو کیوں اس قابل سمجھا کہ انکو مرتب کر کے شائع کرنے کی ذمہ داری خود قبول فرمائی، ہمارے نزدیک تو فارقلیط صاحب نے اپنے ساتھ یہ بڑی زیادتی کی ہے، اللہ تعالیٰ ان کو تلافی کی توفیق دے، واللہ یتوب علی من تاب۔

درسِ قرآن — مولانا محمد منظور نعمانی

مرکز والی مسجد — ۱۰ شوال ۱۳۹۳ھ

# حضرت موسیٰؑ کو منصبِ نبوت عطا ہونے کا

# عجیب و غریب واقعہ

## پہلی وحی اور عصائے موسیٰؑ و یدِ بیضا کے معجزے

حمد و صلوٰۃ، اعوذ اور بسم اللہ کے بعد

وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ ۝ إِذْ رَأَىٰ نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّي آتِيكُم مِّنْهَا بِقَبَسٍ أَوْ أَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝ فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ يَا مُوسَىٰ ۝ إِنِّي أَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ وَأَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ ۝ إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ۝ إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ ۝ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَن لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ

فَتَرْدٰی ○ وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰی ○ قَالَ هِیَ عَصَایَ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰی غَنَمِیْ وَلِیَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰی ○ قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰی ○ فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِیَ حَيَّةٌ تَسْعٰی ○ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰی ○ وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰی جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰی ○ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰی ○ اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی ○

سورۂ طٰہٰ آیات ۹ تا ۲۴

اور (اے پیغمبر) موسیٰ کا واقعہ تم نے سنا! جب (مدین سے آتے ہوئے رات کے وقت) آگ (اور اسکی روشنی) انکو نظر پڑی تو اپنی اہل خانہ سے کہا تم یہاں ٹھہرو، مجھے آگ دکھائی دی ہے (میں اس طرف جاتا ہوں) امید ہے کہ تمھارے لئے اس آگ میں سے ایک شعلہ (یا انگارہ) لے آؤں، یا وہاں سے راستہ کا پتہ پالوں، تو جب موسیٰ اس آگ کے پاس آئے تو (منجانب اللہ) ان کو ندا آئی کہ اے موسیٰ میں تمھارا رب ہوں، پس تم اپنی جوتیاں اتار دو تم (اس وقت) مقدس وادی طوی میں ہو، اور میں نے تم کو (پیغمبری کے لئے) انتخاب کرلیا ہے، لہذا جو کچھ وحی کیا جارہا ہے اس کو توجہ سے سنو، بالیقین میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، لہذا میری ہی عبادت کرو اور میری یادگاری کے لئے نماز قائم کرو، اور بالیقین قیامت (اپنے وقت پر) آنے والی ہے، میں چاہتا ہوں کہ اس (کے وقت) کو سب سے مخفی رکھوں، (قیامت کا آنا) اس لئے ہے کہ ہر نفس کو اس کی سعی و عمل کا بدلہ مل جائے۔ پس تم کو وہ لوگ اس کی طرف سے بے فکر نہ کردیں جو اس کا یقین نہیں رکھتے۔ اور اپنی خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہیں (اگر ایسا ہوا) تو تم ہلاک و برباد ہو جاؤگے ـــــ اور اے موسیٰ یہ تمھارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے، انھوں نے کہا یہ میری لاٹھی ہے میں اس کا سہارا لیتا ہوں اور اپنی بکریوں کے لئے اس سے پتے جھاڑ لیتا ہوں اور اس میں میرے اور بھی کام نکلتے ہیں ـــــ

حکم ہوا اے موسیٰ اپنی اس لاٹھی کو (زمین پر) ڈال دو، تو انھوں نے اس کو ڈال دیا، تو ایک دم وہ سانپ تھا دوڑتا ہوا ــــــ اور تم اپنا (داہنا) ہاتھ اپنی بغل میں دے لو (پھر اس کو نکالو تو) وہ نکلے گا روشن چمکتا ہوا، بغیر کسی عیب (مرض وغیرہ) کے، یہ دوسری نشانی ہوگی (یہ نشانیاں) اس لئے کہ ہم تم کو اپنی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں دکھلائیں، اے موسیٰ! اب تم فرعون کے پاس جاؤ، اس نے بہت سر اٹھایا ہے۔

(سورۃ طٰہٰ آیت ۹ سے ۲۴ تک)

**تفسیر و تشریح** :۔ یہ سورہ طٰہٰ ہے پچھلے ہی ہفتے یہ شروع ہوئی تھی، شروع کی آٹھ آیتوں میں، جن کا ترجمہ پچھلے ہفتہ کیا گیا تھا، قرآن مجید کی عظمت بیان ہوئی تھی، اس کے بعد ان آیتوں میں جو ہم نے اس وقت تلاوت کی ہیں نبوت عطا ہونے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے ــــ نبوت ملنے سے پہلے موسیٰؑ کی زندگی میں جو غیر معمولی واقعات اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش آئے اور وہ جن جن منزلوں سے گزرے اُن کا ذکر یہاں سورۂ طٰہٰ میں نہیں کیا گیا ہے، پچھلے ہفتہ کے درس میں میں نے تمہید کے طور پر موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر نبوت ملنے تک کے وہ حالات و واقعات بیان کر دیئے تھے جو سورۂ قصص اور سورۂ نمل وغیرہ قرآن پاک کی دوسری صورتوں میں بیان کیے گئے ہیں۔ اس سلسلہ میں یہاں تک بیان ہو چکا تھا کہ حضرت موسیٰ قریباً دس سال مدین رہنے کے بعد وہاں سے مصر کی طرف واپس ہوئے، اُن کے ساتھ ان کی بیوی بھی تھیں، راستہ چلتے چلتے اُس جگہ پہونچے جہاں سے طور سینا پہاڑ قریب تھا، رات اندھیری تھی اور موسم سردی کا تھا، راستہ کا بھی ٹھیک پتہ نہ تھا کہ اب کدھر چلنا چاہیئے اسی تکلیف اور پریشانی کی حالت میں طور کی جانب حضرت موسیٰ کو آگ کی روشنی دکھائی دی ــــــ آج جو آیتیں میں نے تلاوت کی ہیں اُن میں اسی واقعہ اور اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کا ذکر ہے ـ ارشاد فرمایا گیا ہے :۔ وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ ........ أَوْ أَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝ مطلب یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو طور کی طرف آگ کی روشنی دکھائی دی تو انھوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ مجھے اُس طرف آگ کی روشنی نظر آرہی ہے، تم تو یہیں ٹھہرو، میں وہاں جاتا ہوں مجھے اُمید ہے کہ وہاں سے آگ لیتا آؤں گا، پھر ہم

اس آگ سے لاؤ جلا کر تاپ بھی لیں گے اور اس سے کچھ روشنی بھی ہو جائے گی اور یہ بھی امید ہے کہ وہاں آگ کے پاس کوئی ایسا آدمی مل جائے جس سے راستہ کے بارے میں رہنمائی مل سکے ـــــ آگے فرمایا گیا ہے۔ فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ يَا مُوسَىٰ. إِنِّي أَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ یعنی جب موسیٰؑ اس روشنی کے قریب پہونچے تو انھوں نے سُنا، اُن کو پکار کے کہا جا رہا ہے کہ اے موسیٰ میں تمہارا رب ہوں، تم سے ہمکلام ہو رہا ہوں، پس تم اپنے جوتے اُتار دو، تم مقدس وادی طویٰ میں ہو ـــــ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ جوتے اُتارنے کا حکم حضرت موسیٰؑ کو اس لئے ہوا تھا کہ ان کے جوتے پاک نہیں تھے۔ لیکن قرآن مجید میں جس انداز میں یہ بات نقل کی گئی ہے اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ اُس وقت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہو رہا تھا اور وہ ایک مقدس وادی طویٰ میں تھے اس لئے ادب و احترام کے طور پر جوتے نکال دینے کا حکم ہوا تھا۔ واللہ اعلم۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا گیا ہے۔ إِنِّي أَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ ۝ یعنی میں نے تم کو نبوت و رسالت کے لئے انتخاب کر لیا اور منصب نبوت تم کو عطا فرما دیا۔ لہٰذا اب جو وحی کے ذریعہ تم کو بتایا جا رہا ہے اس کو اچھی طرح توجہ سے سُنو ـــــ سب سے پہلی اور سب سے اہم اور مقدم بات یہ ہے کہ إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ۝ إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ ۝ یعنی میں ہی معبود برحق ہوں، دوسرا کوئی عبادت اور پرستش کے لائق نہیں، لہٰذا میری ہی عبادت کرو اور میری یادگاری کے لئے نماز قائم کرو ـــــ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا فرمانے کے بعد سب سے پہلے توحید کی تلقین فرمائی اسی کے ساتھ نماز کی ہدایت اور تاکید فرمائی، اس کے بعد قیامت اور آخرت کا برحق ہونا بیان فرمایا، اور یہ بھی بیان فرمایا گیا کہ آخرت کا برپا ہونا اس لئے ضروری قرار پایا کہ لوگوں کو ان کے اچھے بُرے اعمال کا بدلہ مل جائے ـــــ ظاہر ہے کہ اس دُنیا میں نیکوں کو ان کے نیک اعمال کا اور بدکاروں کو انکی بدکاری کا بدلہ جو ملنا چاہیئے وہ نہیں مل پا رہا ہے تو کوئی دوسرا عالم ہونا چاہیئے جہاں بندوں کو ان کے اچھے بُرے اعمال کا بدلہ ملے۔ چنانچہ آخرت میں سب کو اپنے اپنے اچھے

بُرے اعمال کا بدلہ لے گا اور سب کا انصاف ہوگا "لِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ" کا یہی مطلب ہے ـــــ یہاں قیامت کے بارے میں ایک بات یہ بھی فرمائی گئی ہے "أَكَادُ أُخْفِيهَا" یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا ارادہ اس قیامت کو یعنی اس کے خاص وقت کو بالکل مخفی رکھنے کا ہے، مطلب یہ ہے کہ کسی کو بھی قیامت کا متعین وقت نہیں بتلایا جائے گا ـــــ قرآن مجید میں دس سے زیادہ آیتیں ایسی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے خاص وقت کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں کسی کو نہیں دیا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی نہیں بتلایا گیا۔ آپ کے زمانے کے کفار و مشرکین آپ سے بار بار پوچھتے تھے کہ جس قیامت کی آپ خبر دیتے ہیں اور قرآن سے جس کا بیان آپ پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں وہ کب آئے گی؟ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا تھا کہ آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اس کا علم بس اللہ ہی کو ہے، اس کے سوا کسی کو اس کی خبر نہیں۔ کہیں فرمایا گیا: "قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي"، کہیں فرمایا گیا "قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ" حدیثوں میں کئی ایسے واقعات کا ذکر ہے کہ حضورؐ سے قیامت کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ وہ کب آئے گی۔ تو آپ نے یہی جواب دیا کہ اس کا علم بس اللہ کو ہے ـــــ اور یہ مسئلہ اور عقیدہ کہ قیامت کا علم اللہ نے کسی نبی اور کسی فرشتہ کو نہیں دیا، ایسا اہم مسئلہ اور عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو جب پہلی وحی کی اور توحید اور قیامت و آخرت جیسے بنیادی عقائد کی تعلیم و تلقین فرمائی تو اسی کے ساتھ ان کو یہ بھی بتلا دیا کہ قیامت کے وقتِ خاص کا علم کسی کو نہیں دیا جائے گا، اُس کو سب مخلوق سے مخفی رکھنے کا ارادہ اور فیصلہ ہے (أَكَادُ أُخْفِيهَا) بس جب اس کا وقت آئے گا تو وہ اچانک واقع ہو گی۔ پس جو لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے خاص وقت کا علم دیا گیا تھا ان کی یہ بات قرآن و حدیث کے صریح خلاف اور بلاشبہ ایک گمراہانہ بات ہے ـــــ مُلّا علی قاریؒ نے اپنی کتاب "موضوعات کبیر" میں لکھا ہے کہ جو لوگ حضورؐ کے بارے میں اس طرح کا عقیدہ رکھتے ہیں وہ جہالت سے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم حضورؐ کی شان میں جتنا بھی غلو کریں گے اتنا ہی ہم کو حضورؐ کی محبت اور آپؐ کا قرب حاصل ہوگا۔ حالاں کہ واقعہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم بالکل بری اور بیزار ہیں۔ اُن لوگوں کا

حال اہل نصاریٰ کا سا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدائی میں اور خدا کی صفات میں شریک کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے عیسیٰ علیہ السلام راضی اور خوش ہوں گے، حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت میں ان گمراہوں سے اپنی بیزاری اور بے تعلقی ظاہر کریں گے ـــــ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی گمراہیوں سے ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

آگے فرمایا گیا ہے۔ وَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَتَرْدٰى ٥ مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگ جنھیں قیامت کا یقین نہیں ہے اور وہ من مانی زندگی گزارتے ہیں ان کی صحبت اور ان کا رویہ تمھیں قیامت کی طرف سے بے فکر اور بے پروا نہ کر دے، اگر ایسا ہوا تو یہ ہلاکت اور بربادی کی بات ہوگی ـــــ اس میں ہمارے آپ کے لئے اور سب کے لئے بڑا سبق ہے، ہمیں اور آپ کو ایسے لوگوں کی صحبت سے بچنا چاہیئے جو آخرت کی طرف سے بے فکر ہوں، ورنہ خطرہ ہے کہ اس بیماری کی چھوت ہمیں بھی لگ جائے گی۔ اور ہمیشہ اپنے حال پر نظر رکھنی چاہئے کہ ہم آخرت کی طرف سے غافل اور بے فکر تو نہیں ہو گئے، اور غافلوں اور بے فکروں کے اثرات ہم پر تو نہیں پڑ رہے ہیں اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے اس بارے میں دعا کرتے رہنا چاہئے کہ وہ فضا کے برے اثرات سے ہماری حفاظت فرمائے، اور خاص کر آخرت کی فکر دل پر ہمیشہ غالب رہے۔

اس کے بعد ارشاد ہوا "وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى" (اے موسیٰ یہ تمھارے داہنے ہاتھ میں کیا چیز ہے؟) حضرت موسیٰ کے ہاتھ میں ان کی لاٹھی تھی، اللہ تعالیٰ کو اسے سانپ بنا کر دکھانا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ عطا فرمانا تھا، اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ فرعون کے پاس جانے سے پہلے اور اس کو یہ معجزہ دکھانے سے پہلے خود موسیٰ علیہ السلام کو اس کا تجربہ ہو جائے اللہ تعالیٰ نے پہلے ان سے پوچھا کہ تمھارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ اس سوال کا مقصد غالباً یہ تھا کہ موسیٰ اچھی طرح دیکھ لیں اور سمجھ لیں کہ ان کے ہاتھ میں ان کی لاٹھی ہی ہے، تاکہ جب وہ خدا کی قدرت سے اچانک سانپ بن جائے تو انھیں یہ وہم اور شبہ نہ ہو کہ شاید اپنی لاٹھی کے دھوکے میں کوئی سانپ میں نے ہاتھ میں لے لیا تھا ـــــ بہرحال اللہ تعالیٰ نے جب ان سے پوچھا کہ تمھارے ہاتھ میں کیا ہے؟ تو انھوں نے عرض کیا،

"هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّؤُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ" (کہ یہ میری لاٹھی ہے میں اس سے سہارا لیتا ہوں اور اپنی بکریوں کے لئے اس سے پتے جھاڑتا ہوں اور اس کے علاوہ دوسری ضرورتوں میں بھی اس سے کام لیتا ہوں) اللہ تعالیٰ کے سوال کے جواب میں تو اتنی بات کافی تھی کہ "هِيَ عَصَايَ" (یہ میری لاٹھی ہے) لیکن موسیٰ علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ کی ہم کلامی نصیب ہوئی تو ان کا جی چاہا کہ جتنا بھی ہو سکے اس محبوب سلسلہ کو دراز کریں، اس لئے انہوں نے اصل سوال سے زیادہ یہ سب باتیں کہیں کہ میں اس سے سہارا لیتا ہوں، اور اس سے اپنی بکریوں کے لئے درختوں سے پتے جھاڑتا ہوں، اور اس کے علاوہ اور ضرورتوں میں بھی استعمال کرتا ہوں ——— کسی نے ایسے ہی موقع کے لئے کہا ہے۔ ؎

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم!

موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ عرض کر دیا کہ میرے ہاتھ میں یہ میری لاٹھی ہے جس سے میں یہ یہ کام لیتا ہوں، تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "أَلْقِهَا يَا مُوسَىٰ" (اے موسیٰ اس لاٹھی کو زمین پر ڈال دو) موسیٰ علیہ السلام نے حکم کی تعمیل کی اور وہ لاٹھی زمین پر ڈال دی۔ اب جو وہ دیکھتے ہیں تو وہ لاٹھی نہیں ہے بلکہ دوڑتا ہوا اور پھنکاریں مارتا ہوا سانپ ہے۔ (فَأَلْقَاهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ) موسیٰ علیہ السلام ڈر گئے، یہ بشری فطرت کا تقاضا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا "خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ" یعنی ڈرو مت ہاتھ بڑھا کے، اس کو پکڑ لو، ہم اس کو پہلی حالت پر لوٹا دیں گے۔ یعنی جب تم اس کو پکڑ لوگے تو یہ پھر وہی لاٹھی ہو جائے گی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پکڑ لیا تو ہاتھ میں آنے کے بعد وہ لاٹھی تھی ——— اس کے بعد ارشاد ہوا "وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً أُخْرَىٰ" (یعنی اے موسیٰ اب اپنا ہاتھ اپنے پہلو سے لگا لو یعنی بغل میں دے لو، وہ سفید چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی عیب کے، یعنی ہاتھ میں چمک اور روشنی سورج کی طرح ہوگی، ایسا نہیں ہوگا جیسا برص وغیرہ کسی مرض کی وجہ سے جسم میں سفیدی آجاتی ہے۔ اور یہ دوسرا معجزہ ہوگا ——— آگے فرمایا گیا "لِنُرِيَكَ مِنْ آيَاتِنَا

الکُبریٰ" یہ دونوں نشانیاں اور دونوں معجزے، یعنی لاٹھی کا سانپ بن جانا اور ہاتھ میں ایک نورانی چمک کا پیدا ہوجانا، ہم نے تم کو دیئے ہیں تاکہ ہم اپنی بڑی بڑی نشانیوں اور عظیم الشان معجزوں میں سے بعض دکھائیں ــــــ گویا یہ دونوں نشانیاں موسیٰ علیہ السلام کو دیئے جانے والے عظیم الشان معجزوں کی پہلی قسط ہیں۔ ان کے بعد اور بڑی بڑی نشانیاں اور بڑے بڑے معجزے عطا ہوں گے، چنانچہ عطا ہوئے اور سُورۂ اعراف میں ان کا ذکر گزر چکا ہے،

موسیٰ علیہ السّلام کو یہ دو معجزے دینے کے بعد اور یہ اشارہ فرمانے کے بعد کہ اور بھی بڑے بڑے معجزے عطا ہوں گے۔ ان کو حکم ہوا "اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى" اے موسیٰ تم ہماری دعوت لے کر فرعون کے پاس جاؤ، اس نے بڑا سر اُٹھایا ہے) تمھارے ذریعہ ہمیں اس کی فرعونیت کو توڑنا ہے۔

(باقی)

## عارفین کے کلام کی تاثیر وافادیت

(صفحہ ۱۳ کا بقیہ)

دخل ہے۔ تقویٰ اور تقرب الی اللہ کا یہی ذریعہ اور واسطہ ہے۔

۶۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ؎

جز یاد دوست ہرچہ کنی عمر ضائع است
جز سر عشق ہرچہ بخوانی بطالت است
سعدی بشوئے لوح دل از نقش غیر حق
علمے کہ رہ بحق ننماید جہالت است

سبحان اللہ کیا عمدہ معرفت کی بات فرمائی ہے۔ اس میں طالبین کو اخلاص سکھلایا اور علم و جہل کا کیسا معیار عطا فرمایا۔ اور ہر جانب سے طبیعت کو ہٹا کر خالق کی جانب یکسو اور متوجہ کر دیا۔

(بشکریہ "معرفت حق" الہ آباد)

# عارفین کے کلام کی تاثیر و افادیت اور نمونہ

(از افادات حضرت مولانا شاہ وصی اللہ قدس سرہٗ)

[حضرت مولانا قدس سرہ نے ایک سلسلۂ کلام میں یہ مضمون بیان فرمایا کہ عارفین اور بزرگانِ دین کے کلام میں بڑے موثر اور نفع بخش مضامین اور معارف ہوتے ہیں اور وہ سب کتاب و سنت ہی سے ماخوذ ہوتے ہیں، اُن سے استفادہ بالواسطہ کتاب و سنت ہی سے استفادہ ہے، اور اہلِ معرفت کا کلام ایک درجہ میں ان کی صحبت کے قائم مقام ہوتا ہے، اس لئے بزرگوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ عرفاء سابقین کے کلام سے اشتغال رکھتے ہیں ——— پھر اس سلسلے میں حضرت مولانا نے مثال کے طور پر چند بزرگوں کا کلام سنایا ——— حضرت کے سلسلۂ کلام کا یہی حصہ نذرِ ناظرین کیا جا رہا ہے۔]

ارشاد فرمایا ——— اب وہ معارف سُنیئے!

۱۔ مثلاً اس مسئلہ کو سمجھاتے ہوئے کہ توحید ایک حالی شئے ہے قالی نہیں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ؎

از ساحتِ دل غبارِ کثرت رُفتن — خوشتر کہ بہ ہرزہ دُرِ وحدت سُفتن
مغرور سخن مشو کہ توحیدِ خدا — واحد دیدن بود نہ واحد گفتن

یعنی دل کے صحن سے کثرت کا غبار دُور کرنا کہیں بہتر ہے اس سے کہ محض ذہن کے ذریعہ وحدت کا موتی پرو دیا جائے، بات کے دھوکہ میں مت آؤ اس لئے کہ خدا کی توحید خدا کو

ایک جاننے کا نام ہے ایک کہنے کا نام نہیں۔ اور یہ بالکل ظاہر بھی ہے کیونکہ اگر صرف زبان ہی سے خدا کو ایک کہنے کا نام توحید ہو جائے تو اس طرح سے تو سبھی لوگ "موحد" ہو جائیں گے۔

۲۔ اسی طرح ایک اور بزرگ فرماتے ہیں ؎

نہ بہ نقش بستہ مشوشم نہ بحرف ساختہ سرخوشم نفسے بیاد تو می کشم چہ عبارت و چہ معانیم

میں نہ تو بنائے ہوئے نقش پر پراگندہ خاطر ہوں اور نہ گڑھے ہوئے حروف ہی پر خوش ہوں بلکہ ایک سانس جو تیری یاد میں کھینچ لوں وہی میرے لئے سرمایۂ حیات ہے۔ عبارت کیا چیز ہے اور معنی کیا ہوتے ہیں۔

سبحان اللہ "نفسے بیاد تو می کشم" میں کس قدر صدق توجہ الی اللہ کا بیان ہے۔

۳۔ ایک اور بزرگ فرماتے ہیں ؎

ستم است گر ہوست کشد کہ بسیر سرو سمن درآ
تو ز غنچہ کم نہ دمیدۂ در دل کشا بچمن درآ

یعنی بڑے ستم کی بات ہے اگر تمہاری خواہش تمہیں اس بات پر مجبور کرے کہ چلو باغ میں سرو چنبیلی کی سیر کرو۔ اس لئے کہ تم خود ہی کب پھول سے کم ہو، اپنے دل کا دروازہ کھولو اور چمن میں آجاؤ۔

اسی کو حضرت حاجی صاحبؒ یوں بیان فرماتے ہیں کہ ؎

وسعت دل کی کیا کرتے ہیں سیر اے امداد
کر یہی باغ ہے اپنا یہی میدان اپنا

سُبحان اللہ کیا خوب مضمون ہے۔ ان بزرگوں نے اپنے اپنے ارشادات میں ترجمانی کی ہے، جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی۔ اس لئے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ۔ ایمان جب مومن کے قلب میں داخل ہو جاتا ہے تو وہ کشادہ ہو جاتا ہے۔

اَلْاِیْمَانُ اِذَا دَخَلَ فِیْ قَلْبِ الْمُؤْمِنِ اِنْفَسَحَ لَهٗ (او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم)

میں اسی قسم کے معارف کے متعلق عرض کر رہا ہوں کہ ایسے ایسے بے شمار معارف کتب قوم میں مذکور ہیں اور ان کے مطالعہ کو محققین نے ضروری سمجھا ہے۔ کیوں کہ یہ بزرگوں کی سوانح ہے جو کہ نہ صرف قرطاس پر بلکہ قلوب پر ہر دور میں ثبت رہے ہیں۔

ع "ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما" کا یہی مطلب ہے۔ اور سنیئے۔

۴۔ ایک اور بزرگ فرماتے ہیں ؎

اے دل آں بہ کہ خراب از مئے گلگوں باشی — بے زر و گنج بصد حشمتِ قاروں باشی

در رہِ منزلِ لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں
شرطِ اوّل قدم آنست کہ مجنوں باشی

یعنی اے دل تیرے لئے یہ حالت کہیں بہتر ہے کہ مئے گلگوں میں تو اپنے آپ کو خراب اور برباد کرلے (مئے گلگوں سے یہاں مراد عشق الٰہی کی شراب ہے) اور پھر بغیر مال و دولت کے ہی تو جاہ و حشم میں قارون سے بھی بڑھ جائے۔ دیکھ لیلیٰ کی منزل تک پہونچنے کے لئے راستہ میں جانی خطرات تک موجود ہیں لیکن اس کی اوّلین شرط یہ ہے کہ تو پہلے مجنون ہو جائے (پھر اس کے بعد راستہ بالکل آسان ہے)۔

دیکھئے ان بزرگ نے اپنے اس کلام کے ذریعے راہ کی صعوبتوں کو کس قدر آسان کر دیا۔ اس طرح سے کہ انسان میں غیرت اور طلب پیدا کر کے تلخیوں کے برداشت کرنے پر اس کو ابھارا ہے کہ بڑے افسوس کی بات ہے جبکہ عشق مجازی میں مجنوں جیسا انسان اپنا سب کچھ تج سکتا ہے تو پھر عشق حقیقی تو کہیں زیادہ مستحق ہے کہ آدمی اس میں اپنے سر و جان کی بازی لگا دے اور اگر کسی کو اس کی ہمت نہیں ہے تو پھر اپنے آپ کو عشاق کے زمرے میں شمار کرنے سے اس کو شرمانا چاہیئے — سوداؔ نے خوب کہا ہے ؎

سوداؔ قمارِ عشق میں شیریں سے کوہکن — بازی اگرچہ لے نہ سکا سر تو کھو سکا

کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز — اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

ظاہر ہے کہ اس کے سننے کے بعد انسان کو کتنی غیرت آنی چاہیئے اور ایک کم ہمت شخص کو بھی سلوک کے لئے کمر ہمت کس لینا چاہیئے۔ اسی غیرت پیدا کرنے کے لئے مولانا رومؒ نے فرمایا تھا ؎

عشقِ مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود
گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

اور یہی مطلب ہے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کا کہ ـــــ بزرگوں کا کلام نامرد کو مرد اور مرد کو شیر مرد بنا دیتا ہے۔

علامہ شعرانی رح فرماتے ہیں کہ ۔ بزرگوں کا کلام ان کے بعد ان کا نائب و خلیفہ ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کے کلام سے ان کی صحبت یاد آتی ہے اور پھر ان کا کلام بھی وہی کام کرتا ہے جو ان کی صحبت کرتی ہے۔ یعنی اس سے بھی قلب سالک ذاکر ہوتا ہے، اس لئے اس کو اپنا وظیفہ ہی بنالینا چاہیئے۔

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ مشائخ کے کلام میں کس قدر تاثیر ہوتی ہے اور اُن میں یا تو کتاب وسُنّت ہی کے علوم و معارف ہوتے ہیں یا ان کی جانب رہنمائی ہوتی ہے ۔ چنانچہ مشائخ کے ارشادات بھی ان نہروں کے ہیں جن کا منبع و مرجع کتاب وسنّت ہوتا ہے ۔

۵۔ منجملہ ان علوم و معارف کے جنھیں صوفیہ نے بیان فرمائے ہیں ایک یہ ہے کہ مولینا روم رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں شہوتِ دنیا کی عجیب و غریب مثال بیان فرمائی ہے فرماتے ہیں کہ ؎

شہوتِ دُنیا مثالِ گلخن است ۔۔۔ کہ از و حمامِ تقویٰ روشن است

یعنی شہوت جو انسان کے اندر پائی جاتی ہے اس کی مثال حمام کی بھٹی کی سی ہے کہ بظاہر تو وہ کوڑا کرکٹ اُپلے لکڑی وغیرہ جیسی بے حقیقت بلکہ بعض نجس چیزوں پر مشتمل ہوتی ہے مگر ساتھ ہی ساتھ پانی کے گرم کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔ اسی طرح سے شہوتِ انسانی ہے تو بظاہر ایک مذموم شے مگر تقویٰ کا بازار بھی اسی کی ذات سے گرم ہے۔ اگر انسان میں شہوت کا مادّہ نہ ہوتا جس کی مخالفت پر وہ شرعاً مامور ہوتا تو وہ بھی متقی ہرگز نہ کہلاتا۔ اس لئے کہ گناہ کا مادّہ یعنی شہوت ہی اس میں موجود نہ ہوتی۔ دیکھئے کہ فرشتوں اور دیوار کو کوئی بھی متقی نہیں کہتا، باقی کمال کی حالت یہی ہے کہ معصیت کا منشا و داعیہ موجود ہو لیکن آدمی اس کے تقاضہ پر عمل نہ کرے ۔

اب دیکھئے محض اس مثال کے سُن لینے سے شہوت کی کیسی معرفت ہوئی اور آدمی کو اس کے استعمال کا طور معلوم ہوگیا، اور یہ معلوم ہوگیا کہ ہماری باطنی ترقیات میں اس کو کس قدر

(باقی صفحہ ۳۲ پر)

# بسلسلۂ قافلۂ اہلِ دل

[ الفرقان کے گزشتہ ۳ شماروں میں مولانا نسیم احمد فریدی امروہی کا جو مضمون مسلسل شائع ہوا ہے جس میں حضرت شاہ غلام علی مجددیؒ کے خلفاء کا تذکرہ سپردِ قلم کیا گیا ہے، اس کی پہلی قسط پڑھ کر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مدظلہ نے ایک مکتوب گرامی میں کچھ استدراکات تحریر فرمائے تھے، وہ مکتوب بجنسہ ذیل میں درج کیا جا رہا ہے — ]

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

مولانا نسیم احمد فریدی نے اہل اللہ کے سوانح و مکاتیب وغیرہ سے متعلق مضامین کا جو سلسلہ شروع کر رکھا ہے، بہت مرغوبِ خاطر ہے۔

شعبان ۱۳۹۴ھ کے پرچہ میں تذکرۂ خلفائے شاہ غلام علی مجددیؒ کے عنوان سے جو مضمون شائع ہوا ہے اس کو پڑھنے کے بعد، ایک مختصر سا اضافہ مناسب معلوم ہوا جو انشاء اللہ فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

(۱) حضرت شاہ ابوسعید مجددی کا رسالہ "ہدایۃ الطالبین" مدت ہوئی مطبع مجتبائی دہلی میں طبع ہوا تھا، رسالہ کے اول یا آخر میں سنہ طباعت مذکور نہیں ہے۔

(۲) اس مضمون کے ایک حاشیہ میں حضرت شاہ عبدالغنی مجددی قدس سرہٗ کا سالِ وفات ۱۳۲۹ھ چھپ گیا ہے، غالباً کتابت یا طباعت کی غلطی ہے، صحیح یہ ہے کہ ۱۲۹۶ھ میں وفات ہوئی[1]۔

(۳) ایک دوسرے حاشیہ میں حضرت شاہ سعد اللہ کا سنِ وفات ۱۲۵۱ھ لکھا ہے، حالانکہ صحیح

[1] بیشک یہ غلطی کتابت یا طباعت ہی کی تھی، مولانا فریدی کے حوالے سے اس غلطی کی تصحیح الفرقان میں شائع ہو چکی ہے۔ (ادارہ)

۱۲۷۵ھ ہے۔ مولانا وکیل احمد سکندرپوری نے ہدیہ مجددیہ کے حاشیے میں تحریر فرمایا ہے کہ "حضرت شاہ سعد اللہ صاحب بگلی علاقہ کابل کے رہنے والے تھے، تحصیل علوم ظاہر کے بعد مدت مدید تک اپنے مرشد کی خانقاہ میں کسب سلوک میں مشغول رہے، تاآنکہ حصول خلافت سے سرفراز ہوئے، زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہونے کے بعد پیر و مرشد ہی کے حکم سے دکن گئے اور حیدرآباد میں اقامت اختیار کی، علماء و فضلا اور اقاصی و ادانی نے ان کے دست حق پرست پر بیعت کی، نواب ناصر الدولہ بہادر شاہ دکن، زیارت کے متمنی رہتے مگر حضرت راضی نہ ہوئے۔ ماہوار یا یومیہ یا جاگیر کوئی چیز قبول نہیں کی، طلبا اور خانقاہ کا خرچ خزانۂ غیب سے چلتا تھا، ان کے خلفاء میں حضرت میر اشرف علی صاحب و مولوی نیاز محمد بدخشانی اور حضرت مسکین شاہ وغیرہ ممتاز تھے۔"

مولانا وکیل احمد صاحب، مولانا میر اشرف علی صاحب سے بیعت تھے، خود فرماتے ہیں ؎

نخستیں پیر من اشرف علی ہست　　　کز اں او خادم کشف جلی ہست

میر اشرف علی صاحب نے ۱۲۹۸ھ میں وفات پائی، اور حضرت شاہ سعد اللہ کے گنبد میں مدفون ہوئے۔

پھر مولانا وکیل احمد صاحب نے حضرت مسکین شاہ صاحب کے بارے میں لکھا ہے کہ "مولانا محمد نعیم صاحب معروف بہ مسکین شاہ صاحب مدظلہ العالی، حضرت مولوی محمد حفیظ صاحب ساکن احمد نگر کے لخت جگر اور سرآمد علماء و اتقیاء زمانہ ہیں، ایک بار ۱۲۸۲ھ میں دوبارہ ۱۲۹۲ھ میں حج و زیارت سے مشرف ہوئے ہیں، عمر شریف سو سال کے قریب ہے، ہزارہا خواص و عوام شرف بیعت حاصل کر کے فیوض باطن سے مالا مال ہو چکے ہیں، راقم ناچیز کہتا ہے کہ حضرت مسکین شاہ صاحب نے ہمارے شیخ المشائخ شاہ عبد الغنی ؒ سے ملاقات کا شرف مدینہ منورہ میں حاصل کیا تھا، اور حضرت نے ان کا بہت اکرام کیا تھا اور مسکین شاہ صاحب کے فرزند شاہ غلام محمد کو دستار و خرقہ عنایت فرمایا تھا، اور اپنے ہاتھ سے چائے کی پیالی تیار کر کے اپنے ہونٹوں سے لگا کر مسکین شاہ صاحب سے فرمایا تھا کہ یہ پیالی چھوٹے شاہ صاحب کو دیجیے، مسکین شاہ صاحب ہمارے شیخ المشائخ کو اپنی تحریروں میں خواجہ عبد الغنی، اور صاحبزادہ والاشان عالی مناقب حضرت شاہ عبد الغنی صاحب لکھتے ہیں)

آخر میں مولانا وکیل احمد نے لکھا ہے کہ "حضرت شاہ سعد اللہ صاحب قدس سرہٗ بتاریخ ۲۰ جمادی الاول ۱۲۷۰ھ ہجری برحمت حق پیوستند۔"

مولوی خلیل الرحمٰن برہانپوری (جامع فتاوی عزیزی) نے "بفردوس دلبر برفت" سے تاریخ نکالی ہے۔

بگفتہ بفردوس دلبر برفت — خلیل از پے سال وصل کریم

مولوی خلیل الرحمٰن صاحب نے "تاریخ برہانپور" میں بھی نواب ناصر الدولہ بہادر کے تذکرہ میں حضرت شاہ سعد اللہ کا مختصر تذکرہ کیا ہے، اور ان کے علو مرتبت کی طرف اشارہ کیا ہے، اور سال وفات ۱۲۷۰ھ بتایا ہے۔

یہ مولوی خلیل الرحمٰن برہان پور کے رہنے والے حیدرآباد میں ریاست کے ملازم تھے اور حضرت مسکین شاہ صاحب سے بیعت تھے۔

جس عالی شان بزرگ کے خلفاء کا ذکر ہو رہا ہے، ولادت کے بعد ان کا نام ان کے پدر بزرگوار نے علی رکھا تھا، بڑے ہونے پر خود صاحب نام نے اپنے کو "غلام علی" کے نام سے مشہور کیا، حضرت شاہ عبد الغنی فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ غلام علی صاحب کے چچا بڑے بزرگ شخص تھے، انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے (منامی) حکم سے ان کا نام عبد اللہ رکھا تھا (ضمیمہ مقامات مظہری ص۲)

اسی لیے حضرت شاہ صاحب ہمیشہ اپنے کو عبد اللہ یا فقیر عبد اللہ معروف بہ غلام علی یا عرف غلام علی لکھا کرتے تھے، اطمینان کے لیے مقامات مظہری ص۲، ایضاح الطریقہ ص۲ و ص۳۶ وغیرہ دیکھیے۔

بعض عزیزوں نے ایک قلمی کتاب کے آخر میں (بید اضعف العباد شیخ غلام علی عفی اللہ عنہ) لکھا ہوا دیکھ کر جو یہ نظریہ قائم کیا ہے کہ یہ کتاب حضرت شاہ غلام علی قدس سرہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے، صحیح نہیں ہے، شیخ غلام علی کوئی اور بزرگ ہیں۔ حضرت شاہ غلام علی کی تواضع و کسر نفس کے پیش نظر یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنے قلم سے اپنے کو شیخ غلام علی لکھیں گے۔

# تھوڑی دیر اہل حق کے ساتھ

مولانا یونس نگرامی ندوی ایم - اے
(ریسرچ فیلو شعبۂ عربی لکھنؤ یونی ورسٹی)

(۱)

ابوبکر مروزی کا بیان ہے کہ میں ایک روز امام احمد کی خدمت میں حاضر ہوا اور خیریت دریافت کی تو اس پر امام موصوف نے ارشاد فرمایا کہ جس بندہ سے اس کا خدا فرائض کا، اور رسول سنت کی ادائگی کا مطالبہ کرتا ہو، نفس خواہشات کی تکمیل پر مُصر ہو، ابلیس بے حیائی پر آمادہ کر رہا ہو، گھر والے خرچ کا تقاضہ کر رہے ہوں تو اس کی خیریت کیا معلوم کر رہے ہو۔[۱]

(۲)

امام احمد کے صاحبزادے بیان فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے دریافت کیا کہ کیا معروف کرخیؒ کے پاس کچھ علم تھا؟ اس پر والد محترم نے فرمایا کہ علم کا مقصد اور اس کی غایت یعنی خشیۃ الٰہی معروف کرخی کے پاس موجود تھی۔[۲]

(۳)

امام احمد بن حنبل نے سعید بن یعقوب کو ایک خط میں تحریر فرمایا کہ "دنیا ایک مرض ہے، سلطان ایک مرض ہے اور عالم دین کی حیثیت طبیب کی ہے، جب تم دیکھو کہ طبیب خود ہی مرض کا شکار ہو رہا ہے تو اس سے بچو۔"[۳]

---

[۱] طبقات الحنابلہ ص ۳۳ [۲] تاریخ خطیب ج ۱۳ ص ۲۰۱ [۳] طبقات الحنابلہ ص ۱۳۲

(۴)

آج خانہ کعبہ میں بڑا اژدحام ہے، مشہور اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک طواف میں مصروف ہے، جانور تل دھرنے کی جگہ نہیں ہے، کھوے سے کھوا چھل رہا ہے، اسی بھیڑ میں ہشام کی نظر سالم بن عبداللہ پر پڑ جاتی ہے وہ بڑی عاجزی سے اُن سے عرض کرتا ہے کہ اگر کوئی ضرورت ہو تو بیان فرمائیے میں پوری کر دوں گا۔ اس پر سالم بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ "ہشام مجھ کو شرم معلوم ہوتی ہے کہ خدا کے گھر میں خدا کے علاوہ کسی اور سے کچھ مانگوں" ـــــ تھوڑی دیر بعد سالم بن عبداللہ خانہ کعبہ سے باہر تشریف لاتے ہیں تو ہشام بھی پیچھے ہو لیتا ہے اور کہتا ہے اب تو آپ خانہ کعبہ سے باہر ہیں کوئی بھی ضرورت ہو تو بیان فرمائیں ـــــ سالم بن عبداللہ فرماتے ہیں دنیا کی ضرورتیں یا آخرت کی ضرورتیں؟ ہشام کہتا ہے نہیں! دنیاوی ضرورتیں! اس پر آپ فرماتے ہیں میں نے تو دنیا کی کوئی بھی چیز خود اُس ذات سے نہیں مانگی جو ان کا مالک ہے پھر تمہیں سوچو تم سے کچھ طلب کرنا کیسا ہوگا؟ ہاں آخرت کی ضروریات بہت ہیں لیکن وہاں تم بالکل بے بس ہو، یہ جواب سُن کر ہشام شرم سے پانی پانی ہو جاتا ہے۔[۱]

(۵)

حضرت علی بن حسین کا شمار اپنے وقت کے بڑے بزرگوں میں تھا۔ عبادت و ریاضت میں آپ کا ایک خاص مقام تھا۔ جب آپ نماز ادا فرماتے تو آپ پر لرزہ کی سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی آپ سے اس کیفیت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں کو کیا معلوم کیا پیش آتا ہے اور کس چیز سے سابقہ پڑتا ہے۔

آپ ہی کے بارے میں نوح انصاری کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ علی بن حسین کے گھر میں آگ لگ گئی آپ نماز میں مصروف تھے اور لوگ آگ آگ چیخ رہے تھے لیکن حسین بن علی برابر نماز میں مصروف رہے۔ جب آگ بجھا دی گئی تو آپ سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے آگ کی طرف کوئی توجہ کیوں نہ دی؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے تو کوئی دوسری ہی آگ اس سے غافل کیے ہوئے تھی۔

حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ فلاں

---

[۱] صفۃ الصفوہ لابن الجوزی ص ۲

شخص آپ کو اس اس طرح سے کہتا ہے. آپ نے فرمایا اچھا میرے ساتھ چلو! راوی کا بیان ہے کہ میں نے سمجھا کہ شاید آپ اس سلسلہ میں اس سے باز پرس فرمائیں گے لیکن پہونچنے پر آپ نے اس شخص سے صرف یہ فرمایا کہ اے میرے بھائی جو کچھ بھی تم نے کہا ہے اگر وہ صحیح ہے تو اللہ تعالےٰ مجھ کو معاف فرمائیں اور اگر غلط ہے تو اللہ تعالےٰ آپ کو معاف فرمائیں۔

جعفر بن محمد بیان فرماتے ہیں کہ حضرت علی بن حسین فرمایا کرتے تھے جو لوگ خدا کی عبادت کرتے ہیں اس کے ڈر سے تو یہ غلاموں کی عبادت ہے، جو لوگ عبادت کرتے ہیں کسی لالچ اور امید پر تو یہ تاجروں کی عبادت ہے، اور جو لوگ عبادت کرتے ہیں تشکر یہ کے طور پر تو یہ ہے آزاد لوگوں کی عبادت۔

یہی جعفر بن محمد بیان فرماتے ہیں کہ حضرت علی بن حسین فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو تعجب ہوتا ہے ایسے متکبر انسان کو دیکھ کر جو کل تک تو ایک حقیر چیز تھا یعنی گندہ قطرہ اور آئندہ بھی ایک لاشہ کی صورت میں بدل جانے والا ہے. مجھ کو تعجب ہوتا ہے ایسے شخص کے بارے میں جو بھول جاتا ہے اپنے دوبارہ اٹھائے جانے کو حالانکہ وہ اپنے عرصۂ وجود میں آنے کے بارے میں خوب جانتا ہے مجھ کو سخت تعجب ہوتا ہے ایک ایسے آدمی کو دیکھ کر جو اس فانی زندگی کے لیے تو خوب تگ و دو کرتا ہے لیکن جہاں کی زندگی حقیقی اور اصلی ہے اس کی طرف سے غافل اور بے پرواہ ہے۔

حضرت ابو حمزہ ثمالی کی روایت ہے کہ حضرت علی بن حسین رات کی تاریکی میں صدقہ بانٹا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے پوشیدہ طور پر صدقہ دینا خدا کی آتش غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے۔[1]

---

[1] صفۃ الصفوہ لابن الجوزی ج ۲

---

# جرح و تعدیل

(۱۱)

(مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی)

(استاذ شعبۂ دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)

[یہ سلسلہ "الفرقان" میں بہت پہلے شروع ہوا تھا، درمیان میں ایک دفعہ تقریباً ایک سال کا اور دوسری دفعہ ۵۔۶ مہینے کا وقفہ بھی ہوا، بعض ناظرین کے خطوط سے اندازہ ہوا کہ ان کو اس سلسلہ کی نوعیت کا علم نہیں ہے — یہ دراصل ہندوستان کے مشہور متبحر عالم اور ممتاز مصنف حضرت مولانا عبدالحئی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کی فن حدیث اور اصول جرح و تعدیل سے متعلق ایک اہم تصنیف "الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل" کے اس اڈیشن کا ترجمہ ہے جو ہمارے اسی دور کے شام کے ایک محقق عالم مفتی عبد الفتاح ابو غدہ نے اپنی تحقیق و تعلیق کے ساتھ شائع کیا ہے]

**مرجئہ** | جو لوگ واقفیت نہیں رکھتے ہیں وہ اکثر راویوں کے بارے میں جب "میزان الاعتدال" "تہذیب الکمال" "تہذیب التہذیب" اور "تقریب التہذیب" کی ایسی کتابوں میں مستند ائمۂ فن کا یہ قول دیکھتے ہیں کہ "فلاں راوی پر ارجاء (مرجئہ ہونے) کا الزام ہے" یا "فلاں راوی مرجئہ میں سے تھا" یا اسی قسم کے دوسرے الفاظ، تو ان کو بدگمانی ہو جاتی ہے کہ یہ راوی اہل السنۃ و الجماعۃ کے دائرے سے خارج اور گمراہ فرقوں میں داخل اور بدعت اعتقادی سے متہم ہونے کی وجہ سے گمراہ مرجئہ فرقوں میں گنے جانے کے مستحق ہیں۔ اسی بنا پر بہت سے حضرات نے 'امام ابو حنیفہ' ان کے دونوں شاگردوں امام محمد و امام ابو یوسف' اور امام ابو حنیفہ کے شیوخِ حدیث کو مطعون

کیا ہے! اُن حضرات کی کتابوں میں جن سے نقل اور سند معتبر مانی گئی ہے، امام ابوحنیفہ اور اُن کے شاگردان و شیوخ پر لفظ "ارجاء" کا اطلاق کیا گیا ہے اسی لیے لوگوں نے دھوکا کھایا! یہ بدگمانی کیوں پیدا ہوتی ہے؟ اس کا اصل سبب ہے ارجاء کی دو قسموں میں سے ایک قسم کی طرف سے غفلت و بے خبری اور ذہن کا اُس قسم کی طرف فوری منتقل ہو جانا جو علماء کے نزدیک گمراہی ہے! محمد بن عبد الکریم الشہرستانی[1] نے اپنی تصنیف "الملل والنحل" میں گمراہ فرقوں کے تذکرے کے موقع پر لکھا ہے

"اور ان گمراہ فرقوں میں ایک فرقہ مرجئہ ہے، ارجاء کے دو معنی ہیں (۱) ارجاء بمعنی تاخیر، جیسا کہ قرآن پاک میں ہے "قَالُوْا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ" (یعنی مہلت دو موسیٰ اور اُن کے بھائی کو) (۲) امید دلانا، پہلے معنی کے اعتبار سے "مرجئہ" کا اطلاق اس گروہ پر صحیح و درست ہے، اس لیے کہ یہ گروہ نیت اور اعتقاد سے عمل کو مؤخر قرار دیتا ہے، رہا دوسرے معنی کے اعتبار سے تو صاف ظاہر ہے، اس لیے کہ اس گروہ کے لوگ کہتے ہیں کہ ایمان لے آنے کے بعد کوئی گناہ ضرر نہیں پہونچاتا، جس طرح کفر کی حالت میں کوئی عبادت نفع نہیں پہونچاتی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ارجاء کے معنی ہیں گناہِ کبیرہ کے مرتکب کے بارے میں حکم لگانے میں روزِ قیامت تک تاخیر کرنا، یعنی مرتکبِ گناہِ کبیرہ کے بارے میں کہنا کہ دنیا میں اس پر کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا، نہ یہ کہ وہ جنتی ہے نہ یہ کہ وہ جہنمی ہے، اس معنی کے لحاظ سے "مرجئہ" اور "وعیدیہ" دو متقابل فرقے ہوئے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ "ارجاء" کا مطلب ہو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو درجۂ اول سے درجۂ چہارم میں اتار دینا، اس معنی کے اعتبار سے مرجئہ اور شیعہ دو متقابل فرقے ہوئے۔

---

(۱) الشہرستانی: ابوالفتح محمد بن ابوالقاسم عبدالکریم بن ابوبکر احمد، شہرستان کی طرف منسوب، خراسان کی آخری سرحدوں پر نیشاپور اور خوارزم کے درمیان شہرستان کا شہر واقع ہے، شہرستانی بڑے ممتاز عالم فقیہ اور متکلم تھے، ان کی تصانیف میں "الملل والنحل" "نہایۃ الاقدام فی علم الکلام" "المناہج والبیان" اور "تلخیص الاقسام لمذاہب الانام" وغیرہ ہیں۔ ۴۶۷ھ میں یا ۴۷۹ھ میں پیدا ہوئے اور آخر شعبان ۵۴۸ھ یا ۵۴۹ھ میں انتقال کیا۔ ۵۴۸ھ میں وفات کی روایت زیادہ صحیح ہے جیسا کہ تاریخ ابن خلکان میں ہے ۱۲ از مصنف

اور مرجئہ چار قسم کے ہیں، (۱) خوارج مرجئہ (۲) قدریہ مرجئہ (۳) جبریہ مرجئہ (۴) خالص مرجئہ"
اس کے بعد شہرستانی نے خالص مرجئہ گروہوں کا ان کے اعتقادات اور منحرفات کے ساتھ ذکر کیا ہے، مرجئہ خالصہ کے فرقوں اور اُن کی گمراہیوں کا کسی قدر تفصیل سے ذکر کرنے کے بعد شہرستانی لکھتے ہیں ؛۔

"اہل سنت کے عقائد اور مرجئہ کے عقائد کے درمیان بنیادی فرق یہ ہے کہ مرجئہ اللہ کی معرفت وغیرہ کو ایمان کے لیے کافی سمجھتے ہیں، ایمان کے بعد عبادات کو اور کفر کے علاوہ گناہوں کو نہ مفید سمجھتے ہیں نہ مضر، وہ اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے استدلال کرتے ہیں من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ، (جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہوگا)
اہل سنت کہتے ہیں کہ ایمان کے لیے محض معرفت کافی نہیں ہے بلکہ زبانی اقرار کے ساتھ اختیاری تصدیق بھی ضروری ہے اور عبادات خیر و فلاح کا باعث ہیں، نیز ایمان کے ساتھ گناہ ضرر رساں ہیں گناہوں کی بدولت انسان جہنم رسید ہوجاتا ہے۔ (شہرستانی آگے لکھتے ہیں کہ "تاریخ اور اسماء الرجال کی کتابوں سے شغل رکھنے والے عالم کو یہ جان لینا ضروری ہے کہ ارجاء کا اطلاق دو قسموں پر ہوتا ہے۔

پہلی قسم ارجاء کی وہ ہے جو گمراہی ہے۔ یہ وہ قسم ہے جس کا ابھی ذکر ہوا۔
دوسری قسم گمراہی نہیں ہے اور اس قسم کے ارجاء کا ماننے والا اہل السنۃ والجماعۃ کے دائرے سے باہر نہیں ہوجاتا اسی لیے کہتے ہیں کہ مرجئہ کہلانے والے دو گروہ ہیں' (۱) مرجئہ جو اہل ضلالت ہیں (۲) مرجئہ جو اہل سنت میں ہیں۔ امام ابوحنیفہ، ان کے شاگرد اور ان کے شیوخ (اساتذہ) وغیرہ جو ثقہ راویوں میں ہیں مرجئہ اہل سنت میں گنے جاتے ہیں نہ کہ مرجئہ ضلالت میں۔

شہرستانی نے مرجئہ ضلالت کے فرقہ غسانیہ کے تذکرے کے موقعہ پر لکھا ہے۔"تعجب ہے کہ غسان امام ابوحنیفہ کے مسلک کی تعبیر اپنے نقطۂ نظر کے مطابق کیا کرتا تھا اور ان کو مرجئہ فرقہ میں گنا کرتا تھا۔ شاید اس نے امام ابوحنیفہ پر یہ جھوٹا بہتان باندھا ہے، واقعہ یہ ہے کہ ابوحنیفہ اور اُن کے اصحاب کو مرجئہ اہل سنت کہا جاتا تھا۔ غالباً اس غلط انتساب کا سبب یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کا کہنا ہے کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے اور اس تصدیق میں کمی بیشی نہیں ہوتی، اس سے لوگوں کو یہ گمان ہوا کہ امام ابوحنیفہ بھی عمل کو ایمان سے مؤخر کرتے ہیں (عمل کو ضروری نہیں قرار دیتے)

بھلا کوئی متبحر عالم ترکِ عمل کا فتویٰ دے سکتا ہے؟

اس بدگمانی کا ایک سبب اور بھی ہے، شروع زمانۂ اسلام میں معتزلہ اور قدریہ گروہوں کا ظہور ہوا۔ امام ابوحنیفہ ان دونوں گروہوں کی مخالفت کرتے تھے، معتزلہ ہر اس شخص کو جو "قدر" کے معاملے میں ان کی رائے کی مخالفت کرے "مرجئہ" قرار دیا کرتے تھے، یہی حال خوارج کے فرقہ "وعیدیہ" کا تھا، تو بعید نہیں کہ ابوحنیفہ پر مرجئہ کا لقب ان ہی دونوں فرقوں، معتزلہ اور خوارج نے چسپاں کر دیا ہو۔ (شہرستانی کی عبارت ختم)

"الطریقۃ المحمدیہ"(1) میں ہے: "فرقہ "مرجئہ" کا ایک گروہ اُن لوگوں پر مشتمل ہے جو کہتے ہیں کہ "مومن اور کافر دونوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے یعنی مومن اور کافر کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے۔ مومنوں اور کافروں میں وہ جس کو چاہے بخشے جس کو چاہے نہ بخشے اور عذاب دے، تو یہ ایک قسم مرجئہ کی ہوئی اور ایسے مرجئہ کافر ہیں۔

اسی طرح مرجئہ کی ایک قسم اور ہے۔ اس قسم کے لوگوں کا کہنا ہے کہ "ہماری نیکیاں یقینی مقبول ہیں اور ہمارے گناہ مغفور نہیں اور کوئی عمل بھی فرض نہیں ہے۔ یہ لوگ نماز، روزہ زکوٰۃ اور دوسرے فرائض کو فرائض نہیں مانتے، کہتے ہیں کہ یہ امور فضائل کے قبیل سے ہیں، تو یہ گروہ بھی دائرہ اسلام سے خارج اور کافر ہے۔

اور مرجئہ کا ایک اور گروہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ "گنہگار مومن سے دینی رشتے سے ہم تعلق نہیں رکھتے اور اس سے اپنی برأت بھی نہیں کرتے" تو یہ گروہ مبتدعہ کا ہے، اس کی بدعت اس کو ایمان سے خارج کر کے کفر میں نہیں داخل کرتی اور مرجئہ کا وہ گروہ جو یہ کہتا ہے کہ "مومنین کے معاملے کو اگرچہ وہ فاسق و فاجر ہوں ہم اللہ تعالیٰ پر چھوڑتے ہیں۔ یقین کے ساتھ نہ ہم ان کو جنتی قرار دیتے ہیں نہ جہنمی، اُن سے برأت بھی نہیں کرتے بلکہ ایمانی رشتے سے ہم اُن سے تعلق رکھتے ہیں تو یہ گروہ سنت کے طریقہ پر ہے اس کی بات کو صحیح سمجھو اور اس کو قبول کرو اور اپنا لو۔

علامہ تفتازانی کی شرح المقاصد(2) میں ہے "معتزلہ کا یہ مسلک مشہور ہے کہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب بغیر توبہ کے ہمیشہ جہنم میں رہے گا خواہ اس نے ایمان اور عبادات میں سو سال ہی کیوں نہ گزارے ہوں،

(۱) الطریقۃ المحمدیہ، شیخ محمد بن علی آفندی رومی برکلی کی تصنیف ہے جن کی وفات ۹۸۱ھ میں ہوئی نہ کہ ۹۶۰ھ میں جیسا کہ "اتحاف" میں ہے جو ہمارے ہم عصر ایک فاضل کی تصنیف ہے۔ یہ فاضل غیر ملتزم الصحیح ہیں۔ ۱۲ مصنفؒ

(۲) حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

معتزلہ نے بھی یہ فرق نہیں رکھا ہے کہ گناہ کبیرہ ایک ہی کیا ہے یا زیادہ، اور گناہ کبیرہ کا ارتکاب عبادات سے قبل ہوا ہے یا بعد میں یا درمیان میں، وہ مرتکب گناہ کبیرہ کے بارے میں عذاب کا قطعی حکم نہ لگانے اور اس کے معاملے کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینے کو، کہ وہ چاہے تو معاف کر دے اور چاہے تو عذاب دے — جیسا کہ اہل حق کا مسلک ہے — معتزلہ ارجاء سے تعبیر کرتے ہیں، معتزلہ کی اس تشریح کی بنا پر ابوحنیفہ وغیرہ مرجئہ قرار دیے گئے ہیں۔"

ملا علی قاری کی "المنح الازہر" شرح الفقہ الاکبر میں ہے "پھر تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ القونوی نے لکھا ہے کہ ابوحنیفہ اس لیے مرجئی کہلاتے تھے کہ مرتکب گناہ کبیرہ کے حق میں جنتی یا جہنمی ہونے کا قطعی حکم نہیں لگاتے تھے بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کی مشیت پر محوّل رکھتے تھے، ارجاء کے معنی تاخیر کے ہیں۔"

(جاری)

---

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) تفتازانی: سعد الدین مسعود بن عمر بن عبداللہ التفتازانی، خراسان کے شہر تفتازان کی طرف نسبت ہے۔ "مقاصد" اور "شرح مقاصد" "تہذیب المنطق والکلام" "شرح العقائد النسفیہ" "المطول" "المختصر" (تلخیص المفتاح کی دونوں شرحیں ہیں)، "شرح المفتاح" اور "التلویح" وغیرہ کے مصنف ہیں، محرم ۷۹۲ھ میں وفات پائی۔ تفتازانی اور اُن کی اولاد کے احوال میں نے تفصیل سے "الفوائد البہیہ" اور "التعلیقات السنیہ" میں لکھے ہیں" معنف"

(۱) کشف الظنون اور عقود الجوہر (مصنفہ جمیل العظم) میں اس کتاب کا نام "منح الروض الازہر فی شرح الفقہ الاکبر" ہے۔

---

محمد منظور نعمانی

# تحدیثِ نعمت

## (۱۰)

## حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں

اسی سلسلہ کی اس سے پہلی قسط میں ناظرین کرام پڑھ چکے ہیں کہ اس عاجز نے جب مرشدنا حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہٗ سے بیعت کی درخواست کی تو حضرت ممدوح نے حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ یا شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہٗ کی طرف سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا، لیکن جب میں نے اس کے بعد بھی اپنی گزارش اور درخواست پر نیازمندانہ اصرار کیا تو قبول فرمالیا[1]

اس کے بعد چار دن بعد جب میں حضرت سے رخصت ہو کر جانے لگا تو بڑی شفقت کے ساتھ مجھے حضرت نے تاکید فرمائی کہ حضرت دہلوی کے یہاں زیادہ جایا کرو (حضرت رائپوری قدس سرہٗ حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت دہلویؒ کے ہی لفظ سے یاد فرمایا کرتے تھے) میں نے عرض کیا کہ میں حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا ہوں اور میرے دل میں الحمدللہ ان کی عظمت ہے لیکن مجھے حضرت مولانا کے ساتھ کوئی خاص مناسبت نہیں ہو سکی ـــــ میری زبان سے یہ سن کر حضرت رائپوری نے ارشاد فرمایا کہ "اللہ کا خاص تعلق بیک وقت بہت سے بندوں سے بھی ہوتا ہے، لیکن خاص الخاص تعلق بس کسی کسی

---

[1] یہ واقعہ ۴۲ء کے اواخر یا ۴۳ء کے اوائل کا ہے جبکہ راقم سطور حضرت رائپوری قدس سرہٗ کی خانقاہ میں ایک ہفتہ کے قریب مقیم رہا تھا، واقعہ کی تفصیل ناظرین گزشتہ شمارہ میں پڑھ چکے ہیں۔ ۱۲

ساتھ ہوتا ہے، فی الحقیقت تو اللہ ہی جانتا ہے کہ کس بندے کے ساتھ اس کا کیسا تعلق ہے لیکن میرا اپنا خیال ہے کہ اس وقت حضرت دہلوی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خاص الخاص تعلق ہے۔"

حضرت کی زبان سے یہ کلمات سن کر میں نے ارادہ کر لیا کہ حضرت مولینا الیاسؒ کی خدمت میں حاضری کا انشاء اللہ اب زیادہ اہتمام کروں گا۔

میں رائے پور سے رخصت ہو کر سہارنپور آیا، حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی زیارت و ملاقات کی نیت سے مدرسہ مظاہر العلوم پہونچا، اس وقت حضرت شیخ ابو داؤد شریف کا سبق پڑھا رہے تھے، میں خاموشی سے طلبا کے ساتھ ایک کنارے بیٹھ گیا اور سبق کی سماعت میں شریک ہو گیا ـــــ جب سبق ختم ہوا تو ابو داؤد شریف کے طلباء سے مخاطب ہو کر حضرت شیخ نے فرمایا کہ میں حضرت چچا جان کی علالت کا آپ لوگوں سے ذکر کر چکا ہوں، آج کے خط سے معلوم ہوا ہے کہ ضعف بہت بڑھ رہا ہے، آٹھ دن سے غذا بالکل نہیں گئی ہے، حضرت چچا جان کی صحت کے لیے آپ سب حضرات دعا کریں (حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد الیاسؒ کو حضرت چچا جان ہی کہا کرتے ہیں) حضرت شیخ الحدیث نے یہ کہہ کر ہاتھ اٹھا کر دعا شروع کی، طلباء کی جماعت نے بھی دعا کی، یہ عاجز بھی دعا میں شریک رہا، جب دعا ختم ہوئی تو میں حضرت شیخ کے قریب گیا، سلام و مصافحہ ہوا، میرے دریافت کرنے پر حضرت شیخ نے حضرت مولینا محمد الیاسؒ کی علالت کی کچھ مزید تفصیل بتلائی، میں نے حضرت کی عیادت و زیارت کے لیے اسی وقت دہلی جانے کا ارادہ کر لیا، حضرت شیخ الحدیث سے بھی عرض کر دیا، اور اب یاد نہیں رہا کہ اسی دن یا اگلے دن روانہ ہو گیا۔ رات کو عشاء کی نماز کے کافی دیر بعد نظام الدین پہونچا ہوا، مسجد میں دو ایک صاحبان نظر پڑے جو ابھی سوئے نہیں تھے، غالباً ان میں کوئی صاحب میرے پہچاننے والے بھی تھے، میں نے ان حضرات سے عرض کر دیا کہ حضرت مولینا اگر جاگ بھی رہے ہوں تو میری حاضری کی اطلاع اس وقت نہ دی جائے، میں انشاء اللہ صبح حضرت سے ملوں گا (میرا مقصد یہ تھا کہ میری وجہ سے حضرت کے آرام اور نیند میں خلل نہ پڑے) ـــــ ان حضرات سے اتنی بات کر کے میں عشاء کی نماز پڑھنے لگا، جب فارغ ہوا تو ان میں سے ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ حضرت مولینا جاگ رہے ہیں اور ان کو تمہاری اطلاع ہو گئی ہے اور فرمایا ہے کہ نماز سے فارغ ہو کر ابھی میرے پاس آجائیں، میں حضرت کے حجرہ میں حاضر ہوا، میں نے بستر ہی پر حضرت سے مصافحہ کرنا چاہا، حضرت نے مصافحہ نہیں فرمایا، اٹھ کر بستر سے کھڑے ہو گئے، میرے دونوں ہاتھ

جو میں نے مصافحہ کے لیے بڑھائے تھے اپنے دونوں ہاتھوں سے اُن کی کلائی مضبوطی سے پکڑلی، میں نے اصرار سے عرض کیا کہ حضرت کی طبیعت ناساز ہے حضرت بستر پر آرام فرمائیں، لیٹ جائیں! حضرت نے فرمایا کچھ بیمار نہیں ہوں، تم ہی لوگوں کا بیمار ڈالا ہوا ہوں، آکے دین کا کام کرو انشاء اللہ میں اچھا ہو جاؤں گا، میں نے عرض کیا کہ میں حاضر ہوں، حضرت لیٹ جائیں، آرام فرمائیں، حضرت نے فرمایا وعدہ کرو آؤگے، وقت دوگے جب میں بیٹھوں گا، میں نے عرض کیا کہ میں ابھی حاضر ہوں، جیسے حضرت فرمائیں گے انشاء اللہ ویسی کروں گا۔

(اُس وقت حضرت مولانا اس قدر کمزور تھے کہ ٹانگیں لرزرہی تھیں) جب میں نے حضرت کے فرمانے کے مطابق وقت دینے کا وعدہ کر لیا تو حضرت تکیے کا سہارا لیکر نیچے فرش پر بیٹھے اور ایک صاحب درد اور صاحب حال کی طرح گفتگو فرماتے رہے، کافی دیر کے بعد غالباً میرے باصرار عرض کرنے پر گفتگو کا سلسلہ ختم فرمایا اور مجھ سے فرمایا اچھا اب آرام کرلو انشاء اللہ صبح بات کروں گا۔ میں آکر اُس حجرے میں سو گیا جہاں میرے سونے کا انتظام کیا گیا تھا ــــ صبح کو فجر کی نماز کے بعد بلکہ اشراق کے بعد پھر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت میں نے ایک ہفتہ کا ارادہ کر لیا ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ بہت اچھا، اور دُعائیں دیں! اُسی کے ساتھ فرمایا کہ اس وقت تو آپ چلے جائیے انشاء اللہ میں اس بیماری سے جلد ہی اچھا ہو جاؤں گا جب میرا کوئی سفر ہوگا تو اطلاع دلواؤں گا اُس وقت آپ آجائیں ــــــــ

میں صرف ایک دو دن حضرت کی خدمت میں نظام الدین رہ کر اُس وقت کے اپنے مستقر بریلی واپس آگیا۔

ایک دو دن کے اِس مختصر قیام میں مختلف صحبتوں میں حضرت کی جو باتیں سنیں اُن سے اندازہ ہوا کہ اللہ نے اپنے دین کا اور اپنے رسول پاک کی اُمت کا وہ درد و فکر حضرت مولانا کو دیدیا ہے جس کا غالباً ہزارواں حصہ بھی ہمیں نصیب نہیں

میں دہلی سے بہر حال۔ بریلی واپس آگیا، کچھ مدت کے بعد حضرت مولانا کی طرف سے اطلاع ملی کہ فلاں تاریخ کو میوات میں تبلیغی اجتماع ہے، حضرت مولانا بھی انشاء اللہ تشریف لے جائیں گے اگر ممکن ہو تو اس موقع پر آجانا چاہیے ـــــ میں بریلی سے روانہ ہو کر نظام الدین حاضر ہو گیا، رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی بھی لکھنؤ سے پہونچ گئے۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے یہ خاص عنایت فرمائی کہ ہم دونوں کو اپنے ساتھ ہی کار میں بٹھایا، حضرت پورے راستہ ارشادات فرماتے رہے

اس سفر میں اندازہ ہوا کہ حضرت مولینا کو اس سے پہلے جو کچھ سمجھا تھا حضرت کا مقام اُس سے بہت زیادہ بلند ہے۔ رفیق محترم مولانا ندوی نے بھی اپنا یہی احساس اور تاثر بتلایا ـــــ اسی سفر میں حضرت کے ارشادات اور ملفوظات پہلی دفعہ قلمبند کیے، بعد میں ایک دوسرے سفر میں حضرت کو سُنا کر اُس کی تصحیح و توثیق کرانے کا بھی موقع مل گیا اور وہ پہلی دفعہ "الفرقان" میں شائع ہوئے، پھر بعد میں جب حضرت کے ارشادات و ملفوظات اس عاجز نے کتابی شکل میں مرتب کیے تو اُن کی پہلی قسط غالباً انہیں ملفوظات پر مشتمل ہے جو میوات کے اس سفر میں قلمبند کیے گئے تھے۔

یہ واقعہ ہے کہ اس سفر میں حضرت کے حال کے مطالعہ اور ارشادات سننے کا جو موقع ملا اس نے ذہن اور طرزِ فکر پر بہت گہرا اثر ڈالا، اور پہلی دفعہ گویا آنکھوں سے دیکھا کہ "دل والوں" اور "دماغ والوں" میں کیا خاص فرق ہوتا ہے۔

اس کے چند مہینے بعد حضرت مولینا نے ایک "بڑی جماعت" کے ساتھ لکھنؤ کا تبلیغی سفر فرمایا۔ راقم سطور کو اس کی بھی اطلاع دی گئی تھی، مقررہ پروگرام کے حساب سے یہ عاجز بھی لکھنؤ پہونچ گیا۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں پوری جماعت کا قیام تھا۔ اس جماعت میں مختلف مقامات، طبقات کے جہاں تک یاد ہے، قریباً اسّی افراد تھے۔ تبلیغی جماعت اور اس کے کام کو دیکھنے کا میرے لیے یہ پہلا موقع تھا۔ میں چاہتا تھا کہ کام کو تفصیل سے دیکھ کر اُس کے طریقۂ کار اور اصولوں کو سمجھ لوں ـــــ جب میں لکھنؤ پہونچا اور حضرت مولینا سے پہلی ملاقات ہوئی اور میں نے عرض کر دیا کہ اس پورے سفر میں انشاء اللہ ساتھ رہوں گا تو ارشاد فرمایا کہ تم بس میرے ساتھ رہو اور یہ شرط ہے کہ سات دن تک مجھ سے کوئی سوال نہ کرو، بس میری سنتے رہو اور جو کام ہو رہا ہے اُسے دیکھتے رہو۔ میں نے ایسا ہی کیا ـــــ چار دن گزرنے پر میں نے اندازہ کیا کہ جماعت کے کام کو دیکھ کر اور حضرت مولینا کے ارشادات مسلسل سُن کر تبلیغی جماعت کے کام اور طریقہ کو میں نے سمجھ لیا اور میرے ذہن میں جو سوالات اور اشکالات تھے اُن سب کا جواب مجھے مل گیا۔

میں نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت نے جو فرمایا تھا کہ ایک ہفتہ تک کچھ نہ بولو، کچھ نہ پوچھو، بس دیکھتے سنتے رہو، مجھے وہ یاد ہے اور میں اُس پر قائم ہوں، لیکن اگر آپ اجازت دیں تو ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت نے خوشی سے اجازت دی۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے یہ سمجھا تھا کہ حضرت نے کوئی بات پوچھنے سے جو منع فرمایا تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ میں کام

ے پہلے اس کے بارے میں کوئی سوال اور اشکال عرض نہ کردوں تو میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اب کوئی سوال اور اشکال باقی نہیں رہا، کام اور اس کے طریقے اور اصولوں کے بارے میں الحمدللہ پورا اطمینان ہوگیا ہے اور انشاء اللہ اب دوسروں کو بھی مطمئن کرسکتا ہوں! — حضرت نے فرمایا بس یہی مقصد تھا، اب وہ پابندی ختم۔

لکھنؤ کے اس سفر میں تقریباً ایک ہفتہ حضرت کے حکم سے حضرت کے ساتھ ہی رہنا اور اٹھنا بیٹھنا ہوا تو اندازہ ہوا کہ حضرت کا مقام اس سے بھی بہت بلند ہے جو میوات کے پچھلے سفر میں ہم نے اندازہ کیا تھا۔ سفر کی اس رفاقت سے سب سے بڑا نفع اپنے کو یہ ہوا کہ دین کی خدمت اور دعوت و تبلیغ کے کاموں میں اخلاص اور صفتِ ایمان و احتساب کا ایک نمونہ دیکھ لیا اور اپنے اندر کم سے کم اس کی حسرت پیدا ہوگئی۔ (جاری)

---

مفتوں کوٹوی
کوٹہ (راجستھان)

# عیدِ قرباں

بشر کا جزوِ لاینفک ہے شر بھی — ہے یوں مجبورِ شر دنیا میں انساں
ہوس کی آندھیاں چاروں طرف ہیں — انھیں میں ضو فگن ہے شمعِ ایماں
ضیائے دیں سے تابانی ہے اس میں — ضیائے دیں سے حاصل ہے چراغاں
میسر یہ نہ ہو تو زندگی کا — کوئی پہلو نہیں رہتا درخشاں
رضا، ایثار، قربانی، محبت — خلوص و صدق ہیں اجزائے ایماں
ہوس، ظلم و ضلالت، جور و فتنہ — یہ کیا ہیں؟ شعبہ ہائے کفر و طغیاں
بشر ان میں اگر ڈوبا رہے گا — کبھی ہوگا نہ دل اس کا فروزاں
جب ان کے ترک پہ مائل ہوا دل — رجوعِ حق ہوا جب قلبِ انساں
یہی ایثار ہے جزوِ محبت — یہی رجحان ہے عنوانِ ایماں
نہ خون و گوشت کی حاجت خدا کو — نہ وہ انبارِ مال و زر کا خواہاں
اگر صدق و خلوصِ دل نہیں ہے — تو یہ صدقہ یہ قربانی ہے بے جاں
اگر ہو صدقِ نیت اس میں شامل — تو پھر وجہِ فلاحِ نوعِ انساں
ہے قربانی، رضا جوئی خدا کی — ثبوت اس کا کہ چمکا نورِ ایماں
دماغ و عقل پر چھائی محبت — ہوا دل شر و عصیاں سے گریزاں
حصولِ خیر بھی ہو ترکِ شر بھی — اگر اس رسمِ قربانی کا عنواں
تو پھر نظریں ہیں روشن دل منور — بشر ہے بامرادِ زندگی بداماں

مبارک ہو یہ روزِ شادمانی
حقیقت میں یہی ہے عیدِ قرباں